جلد دوم

ضیاء الواعظین

مُصنّف

الحافظ محمد خان نوری ابدالوی

وائس پرنسپل دار العلوم محمدیہ غوثیہ۔ بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور۔ کراچی
پاکستان

ضیاء الواعظین

جلد دوم

زیر اہتمام

ادارہ ضیاء المصنفین

بھیرہ شریف

مصنف

الحافظ محمد خان نوری ابدالوی

وائس پرنسپل دارالعلوم محمدیہ غوثیہ۔ بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی پاکستان

نام کتاب	ضیاء الواعظین (جلد دوم)
مصنف	شیخ التفسیر حضرت مولانا حافظ محمد خان نوری
زیر اہتمام	ادارہ ضیاء المصنفین، بھیرہ شریف
زیر نگرانی	قاری اشفاق احمد خان
تاریخ اشاعت	نومبر 2009ء
ناشر	ضیاء القرآن پبلی کیشنز
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	KM2
قیمت	-/275 روپے

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 37221953 فیکس:۔ 042-37238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 37225085-37247350

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون: 021-32212011-32630411۔ فیکس:۔ 021-32210212

e-mail:- info@zia-ul-quran.com

Visit our website:- www.zia-ul-quran.com

فہرست مضامین

بیالیسواں وعظ

تینتالیسواں وعظ

چوالیسواں وعظ

باون واں وعظ

ترپن واں وعظ

چون واں وعظ

پچپن واں وعظ

چھپن واں وعظ

ستاون واں وعظ

ستر واں وعظ

اکہتر واں وعظ

بہتر واں وعظ

تہتر واں وعظ

چوھتر واں وعظ

پچھتر واں وعظ

چھہتر واں وعظ

ستتر واں وعظ

اللہ قبول فرمائے

تمت بالخیر

تقریظ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

علم اللہ تعالیٰ کی لازوال نعمت ہے جس کی طلب کی طرف قرآن وحدیث میں توجہ دلائی گئی ہے۔ کبھی ملتجیانہ انداز اپناتے ہوئے یوں عرض کرنے کا حکم ہوا "رب زدنی علما" (القرآن) اور کبھی "اطلبوا العلم من المھد الی اللحد" (الحدیث) کی صورت میں حکم دے کر حصول علم کے جذبہ کو مہمیز کیا گیا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ علم کے بغیر انسان نہ اپنی حقیقت کا ادراک کرسکتا ہے اور نہ اپنے رب کی پہچان کرسکتا ہے۔ کسی نے کیا خوب اس حقیقت کی غمازی کی ہے۔

"بے علم نتواں خدارا شناخت"

حصول علم کے ذرائع بے شمار ہیں تاہم ان میں سے ایک مستند ذریعہ کتب بینی ہے۔ ہاں اس میں ایک چیز کا التزام ضرور کرنا چاہئے کہ ایسی کتابوں کا انتخاب کیا جائے جو ثقہ علماء کی تالیفات ہوں۔

اس وقت میرے پیش نظر اسی معیار کی ایک کتاب "ضیاء الواعظین" کی دوسری جلد ہے جو استاذی المکرم جناب حافظ محمد خان نوری ابدالوی کی تالیف ہے۔ استاذ العلماء بے شمار صفات کے حامل ہیں۔ تاہم اپنے شیخ طریقت سے حد درجہ عقیدت ومحبت، دارالعلوم محمدیہ غوثیہ کے ساتھ وارفتگی کی حد تک وابستگی طلباء کی تربیت کیلئے بھرپور انتظامی صلاحیتوں کا اظہار اور اپنے اسباق میں حد درجہ کا انہماک جیسی خوبیاں آپ کو دوسرے ہم مرتبہ احباب سے امتیاز بخشتی ہیں پہلی نظر میں تو ممکن ہے قاری یہی سمجھے کہ یہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک

کڑی ہے جو اس انداز میں لکھی جانے والی کتب کی صورت میں موجود ہیں تاہم جن احباب نے پہلی جلد سے استفادہ کیا ہوگا ان پر یہ حقیقت آشکارا ہو چکی ہوگی کہ آپ کی تالیفات اس دور میں اس عنوان پر لکھی جانے والی کتب سے کیا امتیاز رکھتی ہیں۔

حضرت والا شان نے اپنے دوسرے علمی کاموں کے بارے میں خود اختصار سے تذکرہ کر دیا ہے اس لئے دوبارہ اس بارے میں کچھ کہنا تکرار کے ضمن میں آئے گا جو ممکن ہے طبائع پر گراں گزرے۔

قوی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ استاذ المکرم کی اس کاوش کو بھی اپنی بارگاہ اقدس میں قبول فرمائے گا نیز آپ نے سرور دو عالم ﷺ کی احادیث کی خدمت کا جو سلسلہ شروع کیا ہے اسے مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے گا اور اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازے گا۔

محمد بوستان

مدرس دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

عرض مصنف

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَ اَوْلِیَاءِ اُمَّتِہٖ وَ عُلَمَاءِ مِلَّتِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ - بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

تمام تعریفیں اس ذات والا صفات کے لئے ہیں جو خالق کائنات اور رب العالمین ہے جس نے آسمانوں و زمین کو ہر اس چیز کے ساتھ مزین اور خوبصورت بنا دیا ہے جو ان کی شان کے مناسب اور حال کے مطابق تھی اور درود و سلام اس کے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی آل- ازواج اور صحابہ پر الف الف مرہ ہو۔

میں اس رب ذوالجلال کا بے حد شکر کرتا ہوں جس نے مجھ جیسے ناقص اور عاجز بندہ کو یہ توفیق بخشی کہ اس نے چند کتابیں لکھنے کا یا ترجمہ کرنے کا شرف حاصل کیا ہے ادارہ ضیاء المصنفین جو حضرت پیر محمد امین الحسنات شاہ صاحب مدظلہ العالی پرنسپل دار السلام محمدیہ غوثیہ بھیرہ کی سرپرستی میں مصروف عمل ہے اللہ تعالی اس کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے کہ جس کے اراکین کی حوصلہ افزائی اور تعاون سے میں یہ چند کتابیں لکھ سکا حضرت پیرزادہ الحاج محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب اور حضرت پیرزادہ میجر (ر) محمد ابراہیم شاہ صاحب مدظلہما کی پیشکش پر ضیاء الواعظین کے نام پر چند وعظ جمع کیے تا کہ علماء طلباء اور اہل علم کے مطالعہ کے لئے ان کی خدمت میں بطور ارمغاں پیش کیے جائیں۔

یہ محض اللہ تعالی کا فضل و کرم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر عنایت اور میرے پیر و مرشد رحمۃ اللہ علیہ کے خلف الرشید صاحبزادہ پیر محمد امین الحسنات شاہ صاحب مدظلہ العالی کی دعاؤں کا نتیجہ ہے ورنہ میں اس خارزار وادی میں قدم رکھنے کے قابل کہاں تھا میرا علم ناقص میری فہم نارسا میری معرفت ناتمام ان تمام کمزوریوں کے باوجود اللہ تعالی کی رحمت و کرم پر توکل اور بھروسہ کرتے ہوئے اس کٹھن راستہ پر چل نکلا اس کی بارگاہ بے کس

پناہ میں التجاء ہے کہ وہ اسے شرف قبول سے نوازے اور لوگوں کے لئے زیادہ سے زیادہ نفع کا باعث بنائے اور مجھے اس کے اجر سے محروم نہ فرمائے۔ آمین! ثم آمین

میں جب ضیاء الواعظین کی پہلی جلد جو کہ اکتالیس وعظوں پر مشتمل ہے سے فارغ ہوا اور اسے حضور سیدی الحاج پیرزادہ محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب جنرل منیجر ادارہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز اور ان کے برادر گرامی پیرزادہ میجر (ر) محمد ابراہیم شاہ صاحب سرپرست اعلیٰ شعبہ تصنیفات دامت برکاتہم العالیہ نے حکم فرمایا کہ ضیاء الواعظین کی دوسری جلد کا اہتمام کرو میں نہیں سمجھتا تھا کہ اس کی وجہ کیا ہے لیکن جب مختلف علماء حضرات کی طرف سے پہلی جلد کی مقبولیت کی خبریں موصول ہونے لگیں تو مجھے امید بندھی کہ ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا ہو اور وہ اس کی بارگاہ میں مقبول ہو گئی ہو کیونکہ ایک سال کے اندر یکے بعد دیگرے دو ایڈیشنوں کا لوگوں تک پہنچ جانا اس کی مقبولیت کی دلیل ہے۔

لہٰذا میں نے ان کے حکم کی تعمیل میں کمر ہمت باندھ لی اور باوجود تعلیمی مشاغل اور تدریسی مصروفیات کے اس کے لئے کام شروع کر دیا الحمد للہ ایک سال کے اندر ضیاء الواعظین کی دوسری جلد جو چالیس وعظوں پر مشتمل ہے آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں اس امید پر کہ آپ حضرات اس کا مطالعہ فرمائیں گے اور جہاں کہیں کوئی فروگزاشت یا غلطی دیکھیں گے تو اس کی اصلاح کی خاطر آپ مجھے آگاہ فرمائیں گے تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کر دی جائے۔

اس میں میرا کوئی کمال نہیں یہ تو میرے مرشد کریم حضور ضیاء الامت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نظر عنایت اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور آپ لوگوں کی دعاؤں کا مرہون منت ہے ؂

ورنہ میں کہاں تھا آشنائے درد دل

اگر اس میں کوئی خوبی ہے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے اور اگر کہیں قدم جادۂ مستقیم سے پھسل گیا ہے تو وہ میری نالائقی کی وجہ سے ہے دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری لغزشوں کو معاف فرمائے اور حسب سابق اپنی بے پناہ نوازشات سے نوازتا رہے۔ آمین!

میں اس سے قبل تسہیل الصرف، تسہیل النحو، سورہ فاتحہ اور سور بقرہ تفسیر امام بیضاوی کا ترجمہ انوار البیضاوی کے نام سے پیش کر چکا ہوں جو آپ کے ہاتھوں میں ہیں اور یہ علماء کرام سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں اسی طرح زجاجۃ المصابیح جو پانچ جلدوں پر مشتمل ہے کی پہلی اور پانچویں جلد کا ترجمہ کرنے کی سعادت بھی حاصل کی ہے جو زیر طباعت ہے اور اب ادارہ ضیاء المصنفین کے اراکین کی طرف سے مسلم شریف کے ترجمہ کی ذمہ داری سپرد کی گئی ہے عنقریب میں اس کا آغاز کرنے والا ہوں۔

میں آپ تمام حضرات کی خدمت میں التماس کرتا ہوں کہ آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے توفیق عطا فرمائے کہ میں مسلم شریف کا ترجمہ اس کی شان کے مطابق باحسن طریق پیش کرسکوں۔

وما ذالک علی اللّٰہ بعزیز

اور یہ بھی دعا فرمائیں کہ میں نے جو ناقص کاوش آپ کی خدمت میں پیش کی ہے اسے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے آمین ثم آمین!

آخر میں ان تمام حضرات کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اپنے مفید مشوروں سے نوازا اور ضیاء الواعظین کا مسودہ تیار کرنے میں بھرپور تعاون کیا حضرت الحاج پیرزادہ محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب اور میجر (ر) پیرزادہ محمد ابراہیم شاہ صاحب دامت فیوضہم میرے شکریہ کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ انہوں نے درھمے، سخنے، قدمے ہر طرح سے میری حوصلہ افزائی فرمائی ہے میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اور ان کی اولاد کو ہر قسم کی آزمائشوں سے محفوظ فرمائے اور انہیں ہر میدان میں کامیاب و کامران فرمائے۔ آمین!

اور میری یہ بھی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم کے صدقے ادارہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ادارہ ضیاء المصنفین، ادارہ زیڈ بکس اور دیگر ان تمام اداروں کو جو حضور ضیاء الامت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف منسوب ہیں دن دگنی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائے

آمین ثم آمین!

میں مولانا ملک محمد بوستان صاحب اور دیگر اساتذہ کرام اور طلباء کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے ہر موقع پر مجھے اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا اور عزیز القدر مولانا جاوید سرور صاحب جواب بی اے کی کلاس کے طالب علم ہیں کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جس نے یہ مسودہ تیار کرنے میں بھرپور تعاون کیا اور اس کی کتابت کی ذمہ داری خوب نبھائی اللہ تعالیٰ اسے عالم باعمل روشن ضمیر اور روشن دماغ بنائے اور اسے ہر امتحان میں کامیاب و کامران فرمائے آمین۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم و تب علینا انک انت التواب الرحیم رب اغفرلی وَلِوالدی و للمؤمنین یوم یقوم الحساب الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ الکریم و علی الہ و اصحابہ اجمعین۔

راقم الحروف: حافظ محمد خان نوری ابدالوی عفی عنہ

من خدام علماء دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

۲۴ جون ۲۰۰۳ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تعارف مصنف

آستانہ عالیہ حضرت امیر السالکین بھیرہ شریف پر ساقی کوثر نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیضان سے جو مکیدۂ علم وعرفان ۱۹۵۷ء میں کھلا۔ جس کی ساقی گری کا فریضہ مفکر اسلام، مفسر قرآن، بناض عصر، ضیاء الامت، حضرت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سرانجام دیا اس کے بادہ کشان محبت میں جس رند پاکباز کا نام سب سے اوپر اور سب سے نمایاں نظر آتا ہے وہ عظیم شخصیت استاذ العلماء شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ محمد خان نوری ہیں۔ آپ ۱۹۳۹ء کو ضلع سرگودھا کی تحصیل بھلوال کے ایک قریبی گاؤں ''ابدال'' میں پیدا ہوئے قرآن مقدس وہیں حفظ کیا اور پرائمری تک تعلیم حاصل کی۔ آپ کے والدین چونکہ زراعت پیشہ تھے اس لئے والدین کے ساتھ کھیتی باڑی میں ہاتھ بٹانے لگے والدین نے ۱۸ سال کی عمر میں شادی کر دی۔ آپ کے والدین آستانہ عالیہ امیر السالکین کے متوسلین میں سے تھے۔ جب حضرت غازی اسلام پیر محمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا وصال شریف ہوا تو قل شریف کے ختم شریف میں آپ کے چچا جان میاں علی محمد صاحب اور آپ کے والد گرامی محترم متعلی خان صاحب بھی حاضر ہوئے اس دن حضرت ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ نے اعلان فرمایا کہ،

'' پیر بھائیو! میں یہاں ایک ایسی درسگاہ کا آغاز کرنا چاہتا ہوں جس میں پڑھنے والے جہاں علم کی دولت سے آراستہ ہوں وہاں ساتھ ہی ساتھ ان کا نہاں خانۂ دل رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے سرشار ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ سب سے پہلے ہم اپنے بچوں سے آغاز کریں اس لئے پیر بھائیوں سے گزارش ہے کہ اپنے بچے اس میں داخل کروائیں۔ جب آپ نے اعلان فرمایا تو قبلہ نوری صاحب کے چچا جان نے آپ کے والد صاحب سے کہا بھائی جان آج تک آستانہ عالیہ سے جو بھی حکم ہوا میں نے ہمیشہ پورا کیا ہے میں کبھی محروم نہیں ہوا۔ آج میں آپ سے سوال کرتا ہوں میرا چونکہ بیٹا نہیں ہے آپ اپنا بیٹا

محمد خان مجھے دیں تا کہ میں حضرت ضیاء الامت کی خدمت میں پیش کروں والد صاحب رضامند ہو گئے اور پھر غازی اسلام کے ختم چہلم کے موقع پر طلباء کے جب نام لکھوائے گئے تو اسی وقت قبلہ نوری صاحب کا نام بھی بطور طالبعلم لکھوایا گیا۔ آپ نے انتہائی محنت اور جانفشانی سے دارالعلوم محمدیہ غوثیہ کا نصاب مکمل کیا۔ اپنی پاکیزہ نفسی اور آستانہ عالیہ کے ساتھ والہانہ محبت اور خلوص کی وجہ سے ہمیشہ حضور سیدی ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ کی توجہات کا مرکز رہے۔ دارالعلوم محمدیہ غوثیہ اور آستانہ عالیہ کے ساتھ آپ کی محبت دیدنی ہے حضور ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ کی محبتوں اور شفقتوں کے تذکار جمیلہ سے آپ کی محفلیں پر رونق رہتی ہیں۔ آپ اپنے مرشد کریم کے بارے میں بقول شاعر یوں کہتے سنائی دیتے ہیں۔

زمانے بھر میں چاہت کا عجب اظہار دیکھا ہے
تیری آنکھوں میں میں نے دو جہاں کا پیار دیکھا ہے
خدا رکھے تیرے ہی آستاں سے مجھ کو وابستہ
تیرے پیکر میں روشن نور کا مینار دیکھا ہے

سیال شریف کے شمس و قمر کی تابانیوں سے فیضیاب ضیاء الامت نے جب موضع ابدال کے حافظ محمد خان پر توجہ فرمائی تو ان کو ''نوری'' بنا دیا اصل میں آپ ضیاء الامت ہی کے فیضان نور و عرفان کے مظہر ہیں۔

بقول شاعر

ان کی رگ رگ میں اتر آتی ہیں کرنیں تیری
چاہنے والے تیر تیرے آئینہ ہو جاتے ہیں

استاذی المکرم قبلہ نوری صاحب دارالعلوم محمدیہ غوثیہ سے فراغت کے ساتھ ہی بنیادی اسباق پڑھانے میں مشغول ہو گئے آپ کے ہزاروں شاگرد اس وقت اکناف عالم میں مستند عالم دین کی حیثیت سے مختلف شعبہ ہائے حیات میں خدمت دین متین کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ آپ صرف ونحو میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ حضور ضیاء الامت رحمۃ

اللہ علیہ کے حکم پر ان دوفنون میں دو عظیم قلمی شاہکار "تسہیل النحو، تسہیل الصرف" اصحاب علم کی نذر کر چکے ہیں۔ آپ کئی سالوں سے تفسیر انوار التنزیل و اسرار التاویل المعروف بالبیضاوی شریف پڑھا رہے ہیں تفسیر بیضاوی شریف سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کا ترجمہ آپ فرما چکے ہیں جو چھپ کر مارکیٹ میں آچکا ہے پہلے ایک عرصہ تک آپ مؤطا امام مالک پڑھاتے رہے ہیں اور آج کل دورہ حدیث شریف کی کلاس کو مسلم شریف پڑھا رہے ہیں ادارہ ضیاء المصنفین کے زیر اہتمام آپ مسلم شریف کا ترجمہ بھی فرما رہے ہیں۔

اس سے پہلے آپ زجاجۃ المصابیح کی پہلی اور آخری جلد کا ترجمہ بھی فرما چکے ہیں۔

پیرزادہ حاجی حفیظ البرکات شاہ صاحب مدظلہ العالی جنرل مینجر ضیاء القرآن پبلی کیشنز کے ایماء پر آپ ضیاء الواعظین کے نام سے تقاریر کا ایک خوبصورت مجموعہ اصحاب ذوق کی نذر کر چکے ہیں جس کا پہلا ایڈیشن چند دنوں میں ہی مارکیٹ سے غائب ہو گیا۔ دوسرا ایڈیشن آیا تو اس کو بھی لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ علماء نے خوبصورت تبصروں سے نوازا۔

اس کی بے پناہ مقبولیت کی وجہ سے محترم حاجی صاحب قبلہ نے آپ کو فرمایا کہ اس کی دوسری جلد بھی ہونی چاہئے۔ بے شمار مصروفیات کے باوجود آپ نے ضیاء الواعظین کا دوسرا حصہ بھی تیار کر دیا ہے جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اس وقت تقریروں کی متعدد کتابیں مارکیٹ میں متعارف ہیں لیکن ضیاء الواعظین چند وجوہ سے ان سے ممتاز ہے۔

۱- اس میں حسن ترتیب موجود ہے آپ سب سے پہلے قرآن کی آیات، ان کی تفسیر پھر احادیث اور ان کی ضروری تشریح اور پھر متعلقہ عنوان پر واقعات لکھتے ہیں جبکہ دیگر بہت سی کتابیں اس حسن سے محروم ہیں۔

۲- اس میں الفاظ کی کثرت کی بجائے مقصدیت پر زیادہ توجہ دی گئی ہے۔

۳- اس میں پوری علمی دیانت کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔

۴- اس میں سلیس زبان استعمال کی گئی ہے جس کی وجہ سے عام قاری بھی استفادہ کر سکتا

ہے۔

۵- اس میں مناظرانہ انداز اختیار نہیں کیا گیا بلکہ صوفیانہ اور حکیمانہ انداز میں بات دلوں تک منتقل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۶- اس میں فلسفیانہ بوقلمونیوں کی بجائے منقولات پر زیادہ توجہ دی گئی ہے۔

امید ہے قارئین کے لئے یہ عظیم تحفہ ثابت ہوگی۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل استاذی المکرّم قبلہ نوری صاحب کو عمر خضر عطا فرمائے اور آپ کا فیض عام کرے اور آپ اس طرح کی علمی نوازشات امت مسلمہ کے لئے جاری رکھیں۔ آمین بجاہ طہٰ ویٰسین۔

محمد اسلم رضوی

مدرس دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

ناظم اعلیٰ جماعت جنداللہ پاکستان

بیالیسواں وعظ

سب سے بڑی شہادت

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْم

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ (آل عمران:18)

"اللہ تعالیٰ گواہی دے رہا ہے کہ اس کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں اور اس کے معصوم فرشتے اور اہل علم بھی اس کے گواہ ہیں (ان سب نے یہ بھی گواہی دی) کہ وہ عدل وانصاف قائم کرنے والا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ عزت والا حکمت والا ہے"۔ (جمال القرآن)

اس آیت طیبہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید اور وحدانیت پر شہادت قائم فرمائی ہے کیونکہ توحید باری تعالیٰ کا عقیدہ کامیابی اور ناکامی کا معیار ہے اگر اللہ تعالیٰ کی توحید پر کوئی آدمی یقین قلب سے ایمان لے آئے تو اسے دین ودنیا کی کامیابی سے سرفراز فرمایا جاتا ہے اور اگر کوئی اس کا منکر ہو تو وہ دونوں جہانوں میں خائب وخاسر اور شدید ترین ابدی عذاب کا مستحق ہوتا ہے اس لئے دنیا میں سب سے بڑی اور اہم شہادت توحید کی شہادت ہے اللہ تعالیٰ خود بھی اپنی وحدانیت کا گواہ ہے اور اس کے علاوہ اس کی معصوم مخلوق فرشتے اور اہل علم بھی اس واضح سچائی کے گواہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کر دیا ہے کہ اس کائنات کی کتاب کے ہر صفحہ پر اس کی توحید کے ایسے روشن اور اٹل دلائل ثبت کر دیئے گئے ہیں جن سے کوئی صاحب عقل سلیم انکار نہیں کر سکتا اور اس کے علاوہ اس نے اپنی کتاب میں توحید کے مسئلہ کو دلائل قاطعہ عقلیہ اور نقلیہ

سے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ شک وشبہ کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی ملائکہ اس کا اقرار کرتے ہیں اور اہل علم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی حقانیت پر دلائل قائم کرتے ہیں۔

امام بیضاوی فرماتے ہیں:

بَیَّنَ وَحْدَانِیَّتَهٗ بِنَصْبِ الدَّلَائِلِ الدَّالَّةِ عَلَیْهَا وَ اِنْزَالِ الْاٰیَاتِ النَّاطِقَةِ بِهَا۔

قائما بالقسط: امام بیضاوی نے اس کی ترکیب یہ کی ہے کہ یہ حال ہے اور لفظ اللہ ذوالحال۔ ہے اور دوسری ترکیب یہ کی ہے کہ لا الہ الا ھو میں ھوضمیر ذوالحال ہے اور یہ اس کا حال ہے۔ اور یہ حال معنًا اس کی صفت ہے اس صورت میں یہ بھی مشہود بہ میں داخل ہوگا۔ یعنی ان سب گواہوں نے اس کی وحدانیت کی بھی گواہی دی اور اس کے ساتھ اس کے عدل وانصاف کی بھی شہادت دی۔ (بیضاوی شریف)

اسی دوسری ترکیب کے مطابق کہا گیا ہے اللہ تعالیٰ کا عدل وانصاف کسی ایک چیز کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ کائنات کی تخلیق، فطرت کے قواعد کلیہ، عقائد اور شریعت کے قوانین۔ غرضیکہ ہر وہ چیز جس کو اس سے نسبت ہے وہ اس کے عدل وانصاف کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ (تَبَارَکَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ)۔ (ضیاء القرآن)

اللہ تعالیٰ کی شہادت

اللہ تعالیٰ نے جس طرح قرآن کریم میں اپنی وحدانیت کی شہادت ذکر فرمائی ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث طیبہ میں بھی اس کی وضاحت کی ہے۔

قَالَ اِبْنُ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تعالیٰ عنه خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالٰی الْاَرْوَاحَ قَبْلَ الْاَجْسَادِ بِاَرْبَعَةِ اٰلَافِ سَنَةٍ وَخَلَقَ الْاَرْزَاقَ قَبْلَ الْاَرْوَاحِ بِاَرْبَعَةِ اٰلَافِ سَنَةٍ فَشَهِدَ اللّٰهُ، لِنَفْسِهٖ بِنَفْسِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّخْلُقَ الْخَلْقَ حِیْنَ کَانَ وَ لَمْ یَکُنْ سَمَاءٌ وَلَا اَرْضٌ وَلَا بَرٌّ وَلَا بَحْرٌ فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِکَةُ وَاُولُوا

الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (تفسیر خازن)

"حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جسموں کی تخلیق سے چار ہزار سال پہلے ان کی روح کو پیدا کیا اور ارواح کی تخلیق سے چار ہزار سال پہلے ان کے لئے رزق پیدا فرمائے پھر اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کی تخلیق سے قبل اپنی وحدانیت کی خود شہادت دی۔ جو کہ یہ ہے۔ "نہ آسمان تھا نہ زمین، نہ خشکی تھی اور نہ سمندر تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ گواہی دے رہا ہے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اس کے معصوم فرشتے اور اہل علم بھی اس کے گواہ ہیں۔ (ان سب نے یہ گواہی بھی دی) کہ وہ عدل وانصاف قائم کرنے والا ہے۔ اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ عزت والا حکمت والا ہے"۔

حضرت سعید ابن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ کفار مکہ نے خانہ کعبہ کے اندر تین سو ساٹھ بت سجا رکھے تھے جن کو وہ اپنا معبود سمجھتے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے جب یہ آیت طیبہ نازل ہوئی تو وہ تمام بت سجدہ میں گر پڑے۔ گویا انہوں نے خود کفار کے باطل نظریہ کی تردید کر دی کہ وہ معبود نہیں بلکہ معبود برحق اللہ تعالیٰ ہے۔

بعض علماء کرام نے یہ فرمایا ہے کہ یہ مذکورہ بالا آیت طیبہ نجران کے عیسائیوں کے حق میں اس وقت نازل ہوئی جب انہوں نے اپنے عقیدے کا پرچار کرنا شروع کر دیا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام ابن اللہ ہیں۔ (نعوذ باللہ من ذالک) (ابو سعود)

اللہ کی وحدانیت کی اس شہادت پر یہود کے علماء نے بھی تصدیق کی علامہ کلبی فرماتے ہیں کہ اہل شام سے یہودیوں کے دو علماء مدینہ طیبہ میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے جونہی انہوں نے مدینہ طیبہ کو دیکھا تو وہ بے ساختہ پکار اٹھے کہ یہ شہر اس نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہر کے کتنے مشابہ ہے جو آخر زمانہ میں ظہور پذیر ہوں گے۔ (کیونکہ انہوں نے تورات میں مدینہ منورہ کے اوصاف پڑھے ہوئے تھے) تو جب وہ نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو انہوں نے آپ کو ان صفات کے ساتھ پہچان لیا جو ان کی کتاب مقدس میں موجود تھیں تو انہوں نے پوچھا۔

اأنتَ محمد! قال علیه الصلوٰة والسلام نَعَمْ و قَالَا وَانتَ اَحْمَدُ قالَ انا مُحَمَّدٌ و اَحْمَدُ - قَالَا فَانَّا نَسْئَلُکَ عَنْ شیئٍ فَاِنْ اَخْبَرْتَنَا بِهٖ اٰمَنَّا بِکَ و صَدَّقْنَاکَ قال علیه الصلوٰة والسلام فاسْئَلَا فقَالَا اَخْبِرْنَا عَنْ اَعْظَمِ شَهَادَةٍ فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ هٰذِهِ الاٰیَةَ فَاٰمَنَا وَاَسْلَمَا عَلَیْهِ۔ (ابوسعود)

''کیا آپ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں تو آپ نے فرمایا ہاں۔ پھر انہوں نے پوچھا کیا آپ احمد بھی ہیں تو آپ نے فرمایا میں محمد بھی ہوں اور احمد بھی ہوں صلی اللہ علیہ وسلم تو انہوں نے عرض کی کہ ہم آپ سے ایک چیز کے متعلق سوال کرتے ہیں اگر آپ نے ہمیں اس کی خبر دے دی تو ہم آپ پر ایمان لائیں گے اور اسلام قبول کرلیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پوچھو۔ تو انہوں نے عرض کی کہ آپ ہمیں یہ بتائیں کہ اللہ تعالٰی کی کتاب میں سب سے عظیم شہادت کون سی ہے اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔ اور آپ نے انہیں پڑھ کر سنائی تو وہ دونوں ایمان لائے اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے''۔

زیر بحث آیت کی تفسیر میں علماء کے اقوال

تفسیر اللباب، تفسیر خازن اور تفسیر شیخ زادہ میں اس آیت طیبہ کی وضاحت اس طرح فرمائی گئی ہے کہ شہد اللہ کا معنی ہے اللہ تعالٰی نے حکم دیا اور فیصلہ صادر فرمایا کہ اللہ تعالٰی کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ یہاں شَھِدَ کا معنی اَعْلَمَ ہے یعنی اللہ نے آگاہ فرمایا کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اس کو ایسے دلائل حقہ اور براہین قاطعہ سے واضح کیا جن کے ساتھ اس کی وحدانیت کے عرفان تک رسائی حاصل کرنا ممکن ہو گیا۔ اور ملائکہ اور مومنین کی شہادت کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کی

وحدانیت کا اعتراف کرتے ہیں اور اس کی الوہیت کا اقرار کرتے ہیں اولوالعلم سے مراد یا تو انبیاء کرام ہیں کہ انہیں تمام مخلوق سے اللہ تعالیٰ کا عرفان زیادہ حاصل ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اولوالعلم سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ صحابہ کرام ہیں جن کو علماء کہا جاتا ہے اور ان کا تعلق انصار اور مہاجرین سے ہے۔

فرض نماز کے بعد درج ذیل آیات تلاوت کرنے کا انعام:۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّہٗ قَالَ لَمَّا نَزَلَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن و آیۃُ الْکُرْسِیِ وَ شَہِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لا الہ الا ھو الآیہ وَ قُلِ اَللّٰھُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ اِلٰی قَوْلِہٖ بِغَیْرِ حِسَاب تَعَلَّقْنَ بِالْعَرْشِ وَقُلْنَ یاربَّنَا اَتَنْزِلُنَا عَلٰی قَوْمٍ یَعْمَلُوْنَ بِمَعْصِیَتِکَ قال اللّٰہُ تعالٰی و عَزَّتِی وَجَلَالِی لا یَتْلُوْکُنَّ عَبْدٌ عِنْدَ دُبُرِ کل صلوٰۃٍ مکْتُوْبَۃٍ اِلَّا غَفَرْتُ لَہٗ واسْکَنْتُہٗ جَنَّۃَ الْفِرْدَوْسِ وانْظُر اِلیہ کُلَّ یومٍ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً واَقْضِیْ لَہٗ سَبْعِیْنَ حاجَۃً اَدْنٰھَا المغْفِرَۃُ و قَرَأَ ھذِہِ الایَۃَ شَھِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ والمَلَائِکَۃُ واَوْلُوْا العِلْمِ قَائِمًا بِالقِسْطِ لا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْم فَقَال وَاَنَا عَلٰی ذالک مِنَ الشَّاھِدِین۔ (طبرانی) وَانا اشْھَدُ اَیْضًا اَنَّکَ لَا اِلٰہَ اِلَّا انْتَ العَزِیْزُ والْحکِیْم۔

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ جب الحمد اللہ رب العالمین، آیۃ الکرسی، شَھِدَ اللّٰہ انہ لا الہ الا ھو اور قل اللھم ما لک الملک الخ۔ نازل ہوئیں تو یہ آیات طیبات عرش کے ساتھ معلق ہو گئیں اور عرض کرنے لگیں کہ اے ہمارے پروردگار کیا تو ہمیں ایسی قوم پر نازل کر رہا ہے جو تیری نافرمان ہو گی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم جو بندہ بھی ہر فرض نماز کے بعد تمہیں تلاوت کرنے کا شرف حاصل کرے گا تو میں اس

کے گناہ معاف کردوں گا اور اسے جنت الفردوس میں سکون پذیر کروں گا اور میں روزانہ اسے ستر دفعہ نظر رحمت سے دیکھوں گا۔ اور میں اس کی ستر حاجتیں پوری فرما دوں گا جن میں سب سے ادنیٰ حاجت اس کے گناہوں کی بخشش ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ آیت طیبہ شَهِدَ اللّٰهُ الخ۔ تلاوت کی تو عرض کیا کہ میں بھی اس پر شہادت دینے والوں میں سے ہوں اور علامہ طبرانی نے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے کہ میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور تو عزیز اور حکیم ہے۔

ہم سب بھی صمیم قلب سے اس کی شہادت دیتے ہیں۔

حدیث شریف:

قَال علیه الصلٰوة والسلام یُجَاءُ بِصَاحِبِهَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَیَقُوْلُ اللّٰهُ تَعالٰی اِنَّ لِعَبْدِی هٰذَا عِنْدِی عَهْدًا وَاَنَا اَحَقُّ مَنْ وَ فٰی بالْعَهْدِ۔ (بیضاوی شریف)

"حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس آیت طیبہ یعنی شَهِدَ اللّٰهُ الٰی آخرہِ پر ایمان بھی لاتا ہے اور اسے پڑھتا بھی ہے جب قیامت کے دن اس کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا تو اللہ ارشاد فرمائے گا کہ میرے اس بندے کو جنت میں داخل کردو کیونکہ اس کے ساتھ میرا ایک عہد ہے اور میں اپنے عہد کو پورا کرنے کا زیادہ حقدار ہوں۔ (اور وہ عہد جنت میں داخل کرنے کا ہے"۔

علم کی فضیلت اور علماء کا شرف

وَ قَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّ فِی هٰذِهِ الآیَةِ دَلِیْلًا عَلٰی فَضْلِ الْعِلْمِ وَ شَرْفِ الْعُلَمَاءِ فَاِنَّهٗ لَوْ کَانَ اَحَدٌ اَشْرَفَ مِنَ الْعُلَمَاءِ لَقَرَنَ اللّٰهُ اِسْمَهٗ بِاسْمِ الْمَلَائِکَةِ دُوْنَ الْعُلَمَاءِ۔ (شیخ زادہ)

بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ آیت طیبہ علم کی فضیلت اور علماء کے شرف پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اگر کوئی اور ذات علماء سے افضل ہوتی تو اللہ اس کا نام ملائکہ کے نام کے ساتھ رقم فرماتا اور علماء کا نام ملائکہ کے نام کے ساتھ ملا کر ذکر نہ کیا جاتا۔

مذکورہ بالا آیت طیبہ اسلام کے اصول اور اس کی حقیقت کو بیان فرما رہی ہے جس طرح کہ حضرت بزاز رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

عَنِ الْبَزَّازِ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیه وسلم اَنَّهٗ قَالَ نَزَلَ قَوْلُهٗ تعالٰی اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَاللّٰهِ الْاِسْلَامُ حِيْنَ اِفْتَخَر الْمُشْرِكُوْن بِاَدْيَانِهِمْ و قالَ كلُّ فَرِيْقٍ مِنْهُمْ لَا دِيْنَ اِلَّا دِيْننا وهَوَ دِيْنُ اللّٰهِ مُنْذُ بَعَثَ اللّٰهُ اٰدَمَ عَليه السَّلام فكَذَّبَهم اللّٰهُ تعالٰى بِقَوْلِهٖ۔ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الاسْلَامُ الَّذِیْ جَاءَ بِهٖ مُحَمَّدٌ صلی اللہ علیه وسلم وهُوَ دِيْنُ الحَقِ۔ (شیخ زادہ)

"حضرت بزاز رضی اللہ عنہ نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جب مشرکین نے اپنے اپنے دینوں پر فخر کرنا شروع کیا اور ہر فریق یہ کہنے لگا کہ ہمارے دین کے سوا کوئی دین حق نہیں اور وہی اللہ کا دین ہے اس وقت سے جب سے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل فرمائی اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰه الْاِسْلَام کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین دین اسلام ہے۔ اور ان کو اللہ تعالیٰ نے اس قول کے ساتھ جھٹلایا کہ اللہ کا دین تو وہ دین اسلام ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اور یہی دین حق ہے"۔

کلمہ توحید دوزخ سے نجات کا ذریعہ ہے

جب انسان کلمہ توحید کا اعتراف کر لیتا ہے اور اس کا اقرار کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے تو اللہ اسے دوزخ کے ابدی عذاب سے نجات عطا فرماتا ہے۔

عن عبادَۃَ ابنِ صَامِت رضی اللّٰہ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قَالَ مَنْ شَھِدَ اَنْ لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہُ و اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ حَرَّمَ اللّٰہ علیہ النَّار۔ (الدرالمنثور للامام السیوطیؒ)

''حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے یہ شہادت دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ حرام فرما دیتا ہے''۔

درج ذیل حدیث طیبہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کلمہ طیبہ پڑھنے والے کے اجر وثواب کو اس طرح بیان فرمایا ہے۔

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلم اَنَّہٗ قَالَ اِذَا قَالَ العَبْدُ الْمُؤمِنُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رسُوْلُ اللّٰہِ خرجَ مِنْ فمہ مَلکٌ مِثْلَ طَیْرٍ اَخْضَرَ لَہٗ جَناحَانِ اَبْیَضَانِ مُکَلَّانِ بالدُّرِّو الیَاقُوْتِ اَحَدُھما بالمشْرِقِ والاٰخَرُ بِالمَغْرِبِ اِذَا نَشَرَ ھُمَا تَجَاوَزَا الْمَشْرِقَ وَالْمَغْرِبَ فَیَرْ تَفِعُ اِلٰی السَّمَاءِ حَتّٰی یَنْتَھِیَ الْعَرْش وَلَہٗ دَوِیٌّ کَدویِّ نَحْلٍ فَیَقُوْلُ لَہٗ حَمَلَۃُ الْعَرْشِ اُسْکُنْ بِعِزَّتِ اللّٰہِ وعظْمَتِہٖ فیقولُ لا اَسْکُنُ حَتّٰی یَغْفِرَ اللّٰہُ لِقَائلہٖ فَیُعْطِیَہُ اللّٰہُ سَبْعِیْنَ اَلْفَ لِسَانٍ فَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِصَاحِبِہٖ اِلٰی یَوْمِ القِیامَۃِ فَاِذَا کَانَ یَوْمُ القیامَۃِ جَاءَ ذَالِکَ الْمَلَکُ فَیَاخُذُ بِیَدِ صَاحِبِہٖ فَیُجَاوِزُہُ الصِّراطَ وَ یُدْخِلَہُ الجنَّۃَ۔ (روضۃ العلماء)

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے آپ نے فرمایا جب بندہ مومن لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ پڑھتا ہے تو اس کے منہ سے سبز رنگ کے پرندہ کی شکل میں ایک فرشتہ نکلتا ہے جس کے دو سفید پر ہوتے ہیں

وہ موتیوں اور یاقوت سے جڑاؤ کئے ہوتے ہیں ان میں سے ایک پر مشرق میں اور دوسرا مغرب میں ہوتا ہے۔ جب وہ ان دونوں کو پھیلاتا ہے تو وہ مشرق اور مغرب سے تجاوز کر جاتے ہیں پھر وہ آسمان کی بلندیوں کی طرف اڑتا ہے یہاں تک کہ عرش تک پہنچ جاتا ہے اور اس کی آواز مکھیوں کی گنگناہٹ کی طرح ہوتی ہے حاملین عرش اسے کہتے ہیں کہ تو اللہ کی عزت وعظمت کی وجہ سے آگے جانے سے رک جا تو وہ کہتا ہے میں اس وقت تک نہیں ٹھہروں گا جب تک اللہ کلمہ توحید پڑھنے والے کو بخش نہیں دیتا تو اللہ اسے ستر ہزار زبانیں عطا فرماتا ہے جن کے ساتھ وہ قیامت تک اس کلمہ پڑھنے والے کے لئے استغفار کرتا رہتا ہے تو جب قیامت کا دن آئے گا تو وہ فرشتہ آ کر اس کلمہ طیبہ کا ذکر کرنے والے کا ہاتھ پکڑ لے گا اور اسے پل صراط سے گزار کر جنت میں داخل کرے گا"۔

دن اور رات ذکر کرنے والوں کا اجر

جو لوگ رات اور دن میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ ایسے امر عظیم سے نوازتا ہے جس کا انسان تصور بھی نہیں کر سکتا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے۔

عَنْ جَابِرِ ابْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللّٰه علیه وسلم - اَنَّهٗ قَالَ لَیْلَةَ الْمِعْرَاجِ لَمَّا عُرِجَ بِیْ اِلَی السَّمَاءِ رایتُ مدینةً مِنَ النُّوْرِ مِثْلَ الدنیا اَلْفَ مَرَّةٍ مُعَلَّقَةً بِسَلَاسِلَ مِنَ النُّوْرِ تَحت العَرْشِ وَ لَهَا مِائَه اِلْفِ بَابٍ و فی مُسْتَقْبِلِ کُلِّ بَابٍ بُسْتَانٌ مَضْرُوْشٌ بِرَحْمَةِ اللّٰهِ وفِیْ کُلِّ بُسْتَانٍ قَصْرٌ مِنَ النُّوْرِ وفِیْ کلِّ قَصْرٍ دَارٌ مِنَ النُّوْرِ وفِیْ کلِّ دارٍ سَبْعُوْن حُجْرَةً مِنَ النُّوْرِ وفِیْ کلِّ حجرةٍ بَیْتٌ مِنَ النُّوْرِ وفَوْق کل بیتٍ غُرْفَةٌ مِنَ النُّوْرِ وبِکُلِّ غُرْفَةٍ اَرْبَعُ مِائَةِ بابٍ لکلِّ بابٍ مِصْراعانِ -

مِصْرَاعٌ من الذَّهَبِ ومِصْرَاعٌ مِنَ الفِضَّةِ و فی مُسْتَقْبَل کُلّ باب سَرِيرٌ مِنَ النُّوْرِ وعَلٰی کلِّ سَرِيْرٍ فِرَاشٌ مِنَ النُّوْرِ وفَوْق کُلِّ فِرَاشٍ جارِيَةٌ مِنَ الحُوْرِ العِيْنِ لو بَدَتْ وَاحِدَةٌ خِنصَرَهَا اِلٰی دَارِ الدُنيا لَغَلَبَ نُوْرُ خِنصَرِها الشَمْسَ و القَمَرَ فَقُلْتُ يَا ربِّ اَهٰذا للِنبِيِّ ام للِصِدِّيْقِ قَالَ اللّٰه تعَالٰی هٰذَا لِلذَّاكِرِيْنَ آنَاء اللَّيلِ وَ اَطْرافَ النَّهَارِ واَنَّ لَهُ عِنْدِی مَزِيْدًا وَ اَنَا اَوْسَعْ۔

(تنبیہ الغافلین)

’’حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ معراج کی رات جب مجھے آسمان کی طرف بلند کیا گیا تو میں نے وہاں ایک نور کا شہر دیکھا جو دنیا سے ہزار گنا بڑا تھا اور وہ عرش کے نیچے نور کی زنجیروں سے لٹکایا گیا تھا اس کے ایک لاکھ دروازے تھے ہر دروازے کے سامنے اللہ کی رحمت سے آراستہ ایک باغ تھا اور ہر باغ میں نور کا ایک محل تھا اور ہر محل میں نور کا ایک بالا خانہ تھا ہر بالا خانہ میں نور کا ایک حجرہ تھا اور ہر حجرے میں نور کا ایک مقام تھا ہر مقام کے اوپر نور کا ایک کمرہ تھا ہر کمرے کے چار سو دروازے تھے ہر دروازے کے دو کواڑ تھے ایک سونے کا اور دوسرا چاندی کا اور ہر دروازے کے سامنے نور کا ایک پلنگ بچھا ہوا تھا اور ان میں سے ہر ایک کے اوپر نورانی بستر تھے اور ہر بستر پر موٹی سرگین آنکھوں والی گورے رنگ کی حوروں میں سے ایک ایک کنیز تھی اور اس کنیز کا جسم اس طرح روشن تھا کہ اگر وہ اپنی ایک چھوٹی انگلی اس دنیا میں ظاہر کردے تو اس کا نور سورج اور چاند پر غالب آجائے۔ تو میں نے پوچھا کہ یہ سب کچھ کس ہستی کے لئے ہے اے میرے پروردگار! کیا یہ کسی نبی کے اعزاز کے لئے ہے یا کسی صدیق کو عطا کرنے کے لئے ہے تو اللہ نے ارشاد فرمایا یہ سب انعامات ان لوگوں کے لئے ہیں جو رات دن میرے ذکر میں رطب اللسان رہتے

ہیں اوران کے لئے اس کے علاوہ بھی میرے پاس بہت کچھ ہے اور میں انہیں اس سے بھی بہت زیادہ عطا کروں گا''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کرم بالاءِ کرم

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی امت کی بخشش کے لئے ہمیشہ فکرمند رہتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی بخشش کے لئے دعائیں کرتے رہتے اور آہ وزاری کرتے رہتے تھے ایک دن آپ اسی طرح فکرمند تشریف فرما تھے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کو آپ کی بارگاہ میں بھیجا اور فرمایا آپ سے پوچھئے کیوں فکرمند ہیں تو اس نے عرض کی یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

ما هذا الحزن – اعطى الله تعالىٰ لِامتّک خَمْسَةَ اَشْیاءَ ولم یُعْطِهَا اَحَدًا قَبْلَکَ الاوَّلُ – قَالَ اللّٰه تعالىٰ انا عَنْدَ ظَنِّ عَبْدِی بی ولا یُخَالِفُ ظَنَّهٗ والثانی – مَنْ سُتِرَ علیه فی الدنیَا – لا یَفْضَحُهٗ یوم القیامة والثالثُ:- لم یُغْلَقْ عَلٰی اُمَّتِکَ بابُ التَّوْبَةِ مالم یُغرغِرْ والرَّابِعُ – مَنْ اَتٰی بِمِلْ ءِ الاَرْضِ خطیئۃً یَغْفِرُهَا اللّٰهُ لَهٗ بَعْدَ اَنْ یَقُوْلَ لَا اِلٰه الا اللّٰهُ محمد رسول اللّٰه و الخامِسُ یَرْفَعُ العَذَابَ عَنِ الاُمْوَات بدُعاءِ الاَحْیَاءِ– (زَهْرَةُ الرِّیاض)۔

''حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے عرض کی اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ حزن وملال کیسا! جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کو وہ پانچ انعام عطا فرمائے ہیں جو آپ سے پہلے کسی امت کو بھی عطا نہیں فرمائے۔

۱- اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنے بندے کے اس گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہوں جو اسے میرے ساتھ ہوتا ہے اور میں اس کے ظن کی مخالفت نہیں کرتا۔

۲- اور وہ آدمی جس کے گناہ اللہ نے اس دنیا میں ڈھانپ دیئے ہیں اسے قیامت

کے دن ظاہر فرما کر رسوا نہیں کرے گا۔ ۳-اور اس نے آپ کی امت پر وقت نزع تک توبہ قبول کرنے کا دروازہ بند نہیں فرمایا۔ ۴-اور اس نے یہ بھی کرم فرمایا کہ اگر کوئی آدمی زمین کے برابر گناہوں کا بوجھ لائے گا تو اس کے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے کے بعد سب گناہوں کو معاف فرما دے گا۔ ۵-اور اللہ تعالیٰ زندہ لوگوں کے مرنے والوں کے لئے دعا کرنے سے عذاب کو اٹھا لے گا۔

اسلام کی برکات

جب کوئی شخص اسلام قبول کر لیتا ہے اور وہ نیک اعمال کرتا ہے ان نیک اعمال کی وجہ سے اللہ کی طرف سے جو انہیں خیرات و برکات حاصل ہوتی ہیں ان کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح بیان فرمایا ہے۔

عَن اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیّ صلی اللّٰه علیه وسلم اَنَّهٗ قَالَ تُجِیْئُ الاعْمَالُ یَوْمَ القِیَامةِ لِتُنجِحَ لِصَاحِبِها و تَشْفَعَ فَتَجِیْئُ الصلٰوةُ و تَقُوْل یا رَبِّ اَنَا الصَّلٰوةُ فَیَقُوْل اللّٰه تَعالٰی اِنَّکِ عَلٰی خَیْرٍ - فَتَجِیْئُ الصَدقَةُ فَتَقُوْلُ یَا رَبِّ اَنَا الصَدقَةُ فَیَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی اِنَّکِ عَلٰی خَیْرٍ - فَیجِیئ الصِیَامُ فَیَقُوْلُ یا ربِّ اَنَا الصَیَامُ فَیَقُوْلُ اللّٰه تَعالٰی جِئتَ عَلٰی خیرٍ ثم یَجِیْئُ الْاِسْلَامُ فَیَقُوْل یارَبِّ اَنَاَ الاسْلَامُ وَانْتَ السَّلَامُ فَیَقُوْلُ اللّٰه تَعَالٰی- جِئتَ عَلٰی خَیْرٍ وبِکَ آخُذُوَبِکَ اُعْطِیْ واِنَّما یَقُوْل ذالِکَ لِاَنَّ الاِسْلَامَ جَامِعُ هٰذِهِ الخِصَالِ کُلّها. (سنائیہ)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ قیامت کے دن تمام اعمال اپنے صاحب یعنی عمل کرنے والے کی طرف سے سفارش کریں گے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کریں گے کہ اسے عذاب سے نجات حاصل ہو جائے تو سب سے پہلے نماز حاضر

ہوگی وہ عرض کرے گی اے میرے پروردگار میں نماز ہوں تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ تو سراپا خیر ہے۔ پھر صدقہ حاضر ہوگا وہ عرض کرے گا کہ اے میرے پروردگار میں صدقہ ہوں تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا بے شک تو بھی خیر ہی خیر ہے۔ پھر روزہ حاضر ہوگا وہ عرض کرے گا میں روزہ ہوں تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو بھی سراپا خیر ہے۔ پھر اسلام حاضر ہوگا وہ عرض کرے گا اے میرے پروردگار میں اسلام ہوں اور تیرا اسم گرامی سلام ہے تو اللہ اسے جواب ارشاد فرمائے گا کہ تو بھی سراسر بھلائی ہی بھلائی ہے میں تیری ہی وجہ سے کسی کا مواخذہ کروں گا اور تیری ہی وجہ سے کسی کو انعامات واکرامات سے نوازوں گا۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اسلام تمام نیک اعمال کو جامع ہے"۔

مصیبت سے نجات کا سبب

جو شخص خلوص نیت سے صدقہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس دنیا میں بھی مصائب و آلام سے بچالیتا ہے اس سلسلہ میں ایک عجیب واقعہ پیش خدمت ہے امید ہے وہ نصیحت کا باعث ہوگا۔

روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک دیہات کے پاس سے گزرے اس دیہات میں ایک دھوبی رہتا تھا جس کی وجہ سے لوگ پریشان تھے انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کی کہ آپ اس دھوبی کے لئے دعا کریں کہ یہ آئندہ لوٹ کر نہ آئے کیونکہ یہ ہمارا پانی بند کر دیتا ہے اس میں تھوکتا ہے اور اسے گندا کر دیتا ہے تو وہ دھوبی کپڑے لے کر چشمہ کی طرف گیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی کہ اے اللہ! تو اس کی طرف ایک ایسا زہریلا سانپ بھیج جو اسے ڈنگ مارے اور یہ زندہ پلٹ کر واپس نہ آئے دھوبی اپنے کپڑے اٹھا کر پانی کے چشمہ کے پاس پہنچا اور اس وقت اس کے پاس اپنے کھانے کے لئے تین روٹیاں تھیں تو جب وہ پانی میں داخل ہو کر کپڑے دھونے کے لئے کھڑا ہوا تو ایک پہاڑ کی چوٹی سے ایک عابد اترا جو وہاں عبادت کرتا رہتا تھا

اس نے دھوبی کو سلام دیا اور اس سے سوال کیا کیا تیرے پاس کوئی ایسی چیز ہے جو تو مجھے کھلا دے یا مجھے دکھا دے کہ میں اسے دیکھ لوں یا کم از کم اس کی خوشبو ہی سونگھ لوں۔ کیونکہ میں کئی دنوں سے مسلسل بھوکا ہوں اور کوئی چیز کھانے کو نہیں ملی تو اس دھوبی نے اسے ایک روٹی عنایت کر دی تو عابد نے اس کے حق میں دعا کی کہ اللہ تیرے گناہ معاف فرمادے اور تیرے دل کو ہر قسم کی آلودگی سے پاک کر دے تو اس دھوبی نے دوسری روٹی بھی اسے دے دی اس عابد نے مزید دعا کی کہ اللہ تیرے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف فرما دے تو دھوبی نے تیسری روٹی بھی اسے عطا کر دی تو اس عابد نے کہا اے دھوبی! اللہ نے تیرے لئے جنت میں ایک محل تیار کر رکھا ہے جس میں مرنے کے بعد تو داخل ہوگا دھوبی سارا دن کپڑے دھوتا رہا شام کے وقت صحیح سلامت اپنے گھر واپس لوٹ آیا لوگوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے شکایت کی کہ وہ دھوبی تو زندہ سلامت واپس لوٹ آیا ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اسے میرے پاس لے آو۔ تو انہوں نے دھوبی کو بلایا اور وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم مجھے یہ بتاؤ آج تم نے کون سی نیکی کی ہے تو دھوبی نے چشمے پر جانے، فقیر کو روٹیاں عطا کرنے اور اس کی دعاؤں کا ذکر کیا جو اس بزرگ نے اس کے حق میں مانگی تھیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اپنے کپڑوں کا گٹھا اٹھا کر لے آو وہ گیا کپڑے اٹھا کر لایا جب انہیں کھولا تو ان میں سیاہ رنگ کا زہریلا سانپ تھا جس کے منہ میں لوہے کی لگام تھی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسے فرمایا اے کالے سانپ! اس نے لبیک عرض کی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے تجھے اس دھوبی کو ہلاک کرنے کے لئے بھیجا تھا تو تو نے اسے ہلاک کیوں نہیں کیا اس نے جواب دیا کہ میرے اس کو ہلاک نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ میں اللہ کے حکم کے مطابق اس کے کپڑوں کے گٹھا میں بیٹھ گیا اسی اثنا میں پہاڑ سے ایک عابد سائل اترا اس نے اس سے کھانا طلب کیا تو اس نے اسے کھانا کھلایا اس نے اس کے حق میں دعائیں کیں جن میں سے ہر ایک پر ایک فرشتہ نے آمین کہی وہ دعائیں اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہوئیں، اللہ نے میری طرف ایک

فرشتہ بھیجا جس نے میرے منہ میں لوہے کا یہ لگام ڈال دیا اور میں اسے کوئی گزند نہ پہنچا سکا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس دھوبی کو حکم دیا کہ تم اپنا عمل کرتے رہو اللہ نے تجھے معاف کر دیا ہے۔

درود پڑھنے کا ثواب

جس طرح کلمہ طیبہ کی برکات کے متعلق آپ نے اوپر پڑھ لیا ہے اس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں ہدیہ درود وسلام پیش کرنے کے نوازشات اور انعامات میں ایک حدیث شریف سماعت فرمائیں۔ ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے صدقے ہمارا یہ وعظ اپنی بارگاہ میں قبول فرمالے اور یہ ہماری نجات کا باعث بن جائے۔

رُوِیَ عَنْ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اَنَّہٗ قَالَ اَتَانِی جبرائیلُ و اسْرَافِیْلُ و عَزْرَائِیْلُ و میکائیلُ علیہم السلام فقال جبرائیل یا رسول اللّٰہ! مَنْ صَلّٰی علیک عَشْرَ مراتٍ انا اٰخُذُ بِیَدِہٖ وامُرُّہٗ علی الصراطِ و قال میکائیل اَنَا اَسْقِیْہِ مِنْ حَوْضِکَ وَ قَالَ اِسْرَافِیْلُ اَنَا اَسْجُدُ للّٰہ تعالٰی مَا اَرْفَعُ رَاسِیْ حَتّٰی یغفراللّٰہُ لہ وقال عَزْرَائِیْل اَنا اَقْبِضُ رُوْحَہٗ کَمَا قَبَضْتُ اَرْوَاحَ الانبیاءِ علیہم السلام۔

"حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس جبرائیل، میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل علیہم السلام آئے۔ جبرائیل نے عرض کی اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس نے آپ پر دس دفعہ درود شریف پڑھا میں اسے ہاتھ سے پکڑ کر پل صراط سے گزاروں گا اور میکائیل نے عرض کی میں آپ کے حوض سے اسے جام بھر کر پلاؤں گا اور اسرافیل نے کہا کہ میں اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو جاؤں گا اور اس وقت تک اپنا سر سجدہ سے نہیں اٹھاؤں گا جب تک اللہ اس کے گناہ معاف نہ فرمادے اور عزرائیل نے کہا میں اس شخص کی روح اس طرح آسانی سے

قبض کروں گا جس طرح میں انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح قبض کرتا رہا"۔

اللهم صَلِّ علی سیدنا و حبیبنا محمد المصطفی و علی اله المجتبی و علی اصحابه التقی اجمعین وما توفیقی الا بالله علیه توکلت و الیه انیب۔

تینتالیسواں وعظ

فضیلت تلاوۃ القرآن

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہ اجمعین

اما بعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِیَةً یَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿۲۹﴾ لِیُوَفِّیَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَ یَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ

(فاطر:29:30)

"بے شک جو (غور وتدبر سے) تلاوت کرتے ہیں اللہ کی کتاب کی اور نماز قائم کرتے ہیں اور خرچ کرتے ہیں اس مال سے جو ان کو ہم نے دیا ہے۔ رازداری سے اور اعلانیہ، وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو ہرگز نقصان والی نہیں۔ تاکہ اللہ انہیں پورا پورا اجر عطا فرمائے اور مزید اضافہ کرے ان کے اجر میں اپنے فضل سے۔ بے شک وہ بہت بخشنے والا بڑا قدردان ہے"۔ (جمال القرآن)

اس سے ماقبل آیت میں اپنی قدرت وحکمت اور کبریائی کی تکوینی دلیلیں پیش فرمائیں:

"ان میں غور وتدبر کی دعوت دی اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے اہل علم ہی اس سے ڈرتے ہیں اس طرح اہل علم کے علم کی عزت افزائی بھی فرمادی اور یہ بھی بتا دیا کہ اہل علم وہ ہیں جو آیات ربانی میں غور وفکر کرتے ہیں۔ اور ان اسرار ورموز کا سراغ لگاتے ہیں جو کائنات کے مختلف رویوں میں جلوہ نما ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو رزق ہم نے انہیں دیا ہے اسے وہ رازداری اور اعلانیہ طور پر خرچ کرتے ہیں اور وہ ایسی تجارت کے امیدوار بھی ہیں جو ہرگز نقصان نہیں دے گی تاکہ اللہ انہیں پورا پورا اجر عطا فرمائے۔ اور اپنے

فضل سے ان کے اجر میں مزید اضافہ فرمائے بے شک وہ بہت بخشنے والا بڑا قدر دان ہے۔"

یہ لوگ ایسی تجارت کر رہے ہیں جس میں نفع ہی نفع ہے جس میں خسارے اور گھاٹے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تو ایسے پاکبازوں کو اللہ ان کے اعمال حسنہ کا پورا پورا اجر عطا فرمائے گا صرف اسی اجر پر بس نہیں بلکہ یَزِیْدُھُمْ مِنْ فَضْلِه:۔ انہیں اپنے فضل وکرم سے مزید بخشے گا اس بخشش سے مزید کا اندازہ کون لگائے اس کو کس ترازو سے تولا جائے اور کس پیمانے سے ناپا جائے وہ غفور بھی ہے اور شکور بھی خالص عمل اگر تھوڑا بھی ہو تو وہ اس کو قبول فرماتا ہے اور اس پر ثواب بے انداز عطا کرتا ہے۔

یَقْبَلُ الْقَلِیْلَ مِنَ الْعَمَلِ الْخَالِصِ وَیُثِیْبُ علیه الْجَزِیْلَ مِنَ الثَّوَابِ۔ (قرطبی)۔(منقول از ضیاء القرآن)

اہل اللہ کون ہیں؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی امید رکھتا ہے اسے چاہئے کہ وہ اللہ کے اہل کی عزت کرے صحابہ کرامؓ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا اللہ عزوجل کا بھی کوئی اھل ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں! پوچھا گیا وہ کون ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دنیا میں اللہ تعالیٰ کے وہ اہل ہیں جو قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں۔ خبردار جو ان کی عزت و تکریم کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی عزت وتکریم فرماتا ہے اور اسے جنت بھی عطا فرماتا ہے اور جو شخص ان کی توہین اور بے عزتی کرتا ہے تو اللہ اسے ذلیل ورسوا کرتا ہے اور اسے دوزخ میں داخل کرے گا۔ مزید حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے ابو ہریرہ! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قرآن کریم کے حافظ سے بڑھ کر کوئی بھی زیادہ معزز ومحترم نہیں ہے۔ مزید آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یقیناً حافظ قرآن سے اللہ کی بارگاہ میں سوائے انبیاء کرام کے کوئی بھی معزز ومحترم نہیں۔ (رواہ الناصحین)

حافظ قرآن کی فضیلت

حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں یہ نہ بتادوں کہ قیامت کے دن میری امت میں سب سے افضل کون ہوگا تو صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَخبر وَ اَکْرِمْ فرمائیے۔ تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ سب سے افضل وہ لوگ ہوں گے جو قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جبرائیل علیہ السلام کو بلا کر فرمائیں گے کہ میدان محشر میں یہ اعلان کردو کہ جو شخص قرآن کریم کی تلاوت کرتا تھا وہ اٹھ کر کھڑا ہو جائے وہ دو یا تین دفعہ اعلان کرے گا تو رحمان کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت کرنے والوں کی صفیں کھڑی ہو جائیں گی اور ان میں سے کسی کو بھی یارائے گفتگو نہ ہوگا یہاں تک اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام کھڑے ہو جائیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ اے لوگو! قرآن کریم پڑھو اپنی آوازوں کو بلند کرو ان میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کے کلام سے وہ کچھ پڑے گا جو اللہ نے اسے الہام کیا ہوگا۔ تو جو بھی قرآن کریم کی تلاوت کرے گا اللہ تعالیٰ ان میں سے ہر ایک کے درجات کو ان کی خوبصورت آواز، حسن لحن، غور وفکر اور تدبر کی وجہ سے بلند فرمادے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے اے میرے اہل! کیا تمہیں معلوم ہے کہ دنیا میں تمہارے ساتھ کس نے زیادہ احسان کیا ہے۔ وہ عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار ہم انہیں خوب جانتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ جاؤ میدان محشر میں تلاش کرو اور ہر وہ آدمی جسے تم جانتے ہو کہ اس نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے اسے اپنے ساتھ جنت میں داخل کردو۔ (درۃ الناصحین)

حافظ قرآن کو ناراض کرنے سے اللہ تعالیٰ کا غضب

وَ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ سَمِعْتُ لَيْلَةَ أُسْرِیَ بِیَ الْحَقُّ يَقُوْلُ يَا مُحَمَّدُ صلی اللہ علیہ وسلم مُرْ اُمَّتَکَ اَنْ يُّكْرِمُوْا ثَلَاثَةً اَلْوَالِدَ وَالْعَالِمَ وَ حَامِلَ الْقُرْآنِ يا محمد صلی اللہ علیہ

وسلم حَذِّرْهُمْ مِنْ اَنْ يُغْضِبُوْهُمْ اَوْ يُهِيْنُوْهُمْ فَاِنَّ غَضَبِيْ يَشْتَدُّ عَلٰى مَنْ يَغْضِبُهُمْ يَا مُحَمَّدُ صلى اللّٰه عليه وسلم اَهْلُ الْقُرْاٰنِ هُمْ اَهْلِيْ جَعَلْتُهُمْ عِنْدَكُمْ فِي الدُّنْيَا اِكْرَامًا لِاَهْلِهَا وَلَوْلَا كَوْنُ الْقُرْآنِ مُحْفُوْظًا فِي صُدُوْرِهِمْ لَهَلَكْتُ الدنيا و مَنْ عَلَيْهَا يا محمد صلى الله عليه وسلم حَمَلَةُ القرآن لَا يُعَذَّبُون ولا يُحَاسَبُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يا محمد صلى الله عليه وسلم حَامِلُ الْقُرْاٰنِ اِذَا مَاتَ تَبْكِيْ عليه سمائي وَاَرْضِيْ وَمَلَائِكَتِيْ - يا محمد صلى الله عليه وسلم اِنَّ الجنةَ تَشْتَاقُ اِلٰى ثلاثةٍ : اَنْتَ و صَاحِبَاكَ: ابوبكر و عمر رضى الله عنهما و حاملُ القرآن۔ (من الموعظة الحسنة)

''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جس رات رب ذوالجلال نے مجھے معراج کا شرف بخشا تو میں نے اس رات سنا کہ کہنے والا یہ کہہ رہا تھا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کو حکم دو کہ وہ تین اشخاص کی عزت کریں (۱) اپنے والد کی (۲) عالم ربانی کی (۳) حافظ قرآن کی، مزید فرمایا۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کو اس بات سے ڈراؤ کہ وہ انہیں ناراض کرے یا ان کی توہین کرے کیونکہ جو انہیں ناراض کرے گا تو اس پر میرا غضب شدید ہوگا۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اہل قرآن ہی میرے اہل ہیں میں نے انہیں دنیا میں تمہارے پاس اس لئے بھیجا ہے تاکہ ان کے صدقے اہل دنیا کو عزت و احترام حاصل ہو اگر قرآن کریم ان کے سینوں میں محفوظ نہ ہوتا تو میں دنیا اور اہل دنیا کو ہلاک کر دیتا۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! حاملین قرآن کو نہ عذاب دیا جائے گا اور نہ ہی قیامت کے دن ان سے حساب لیا جائے گا۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! حافظ قرآن جب اس دنیا سے رحلت فرماتا ہے تو ان پر میرے آسمان، میری زمین اور میرے ملائکہ روتے ہیں۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ تین شخصوں کی جنت بہت مشتاق ہے (۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی (۲) آپ کے دونوں دوست ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی (۳) حافظ قرآن کی۔

تلاوۃ قرآن کا اجر وثواب

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اللہ کی کتاب یعنی قرآن سے ایک حرف پڑھا اسے اس کے بدلے ایک حسنہ حاصل ہوگی اور حسنہ سے مراد دس نیکیاں ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ آلم ایک حرف نہیں بلکہ الف الگ حرف ہے لام الگ حرف ہے اور میم الگ حرف ہے تو گویا جس نے آلم پڑھا اس کے نامہ اعمال میں تیس نیکیاں لکھ دی گئیں۔

(ترمذی شریف) امام ترمذی کے نزدیک یہ حسن اور صحیح ہے)

عَنْ عُثْمَان قَالَ النبیُّ عَلَیْهِ الصَّلوٰةُ وَالسَّلَام خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ القرآنَ وَ عَلَّمَهٗ – وصَدَقَ مَنْ نَطَقَ۔ (بخاری شریف)

"عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے بہترین وہ شخص ہے جس نے قرآن کریم پڑھا اور اسے لوگوں کو پڑھایا۔ جس ذات نے یہ ارشاد فرمایا اس نے سچ فرمایا"۔

قوموں کے عروج وزوال

جو لوگ قرآن کریم پڑھتے ہیں اس میں غور وفکر کرتے ہیں، اس کے حقوق کا تحفظ کرتے ہیں، اس میں بیان کردہ اوامر کی پیروی کرتے ہیں اور نواھی سے اجتناب کرتے ہیں تو انہیں اللہ تعالیٰ بلند مراتب پر فائز فرما دیتا ہے اور جو ان مذکورہ بالا چیزوں کو نظر انداز کرتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ ذلیل ورسوا فرماتا ہے۔ اگرچہ بظاہر انہیں دنیا کی شان وشوکت حاصل ہوتی ہے لیکن حقیقت میں وہ خائب وخاسر ہوتے ہیں کیونکہ اخروی نعمتوں میں سے انہیں کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عَنْ عُمَرَ ابْنِ الخطابِ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ عَنِ النَّبِی علیہ الصلوٰۃ والسلام اَنَّہٗ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذا القراٰنِ اَقْوَامًا وَیَضَعُ آخَرِیْنَ۔ (مسلم، ابن ماجہ)

''حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس قرآن کریم کے صدقے قوموں کے درجات بلند فرماتا ہے اور اس کے علاوہ دوسروں کو عزت و رفعت کے مرتبہ سے گرا دیتا ہے''۔

جو شخص قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول ہوتا ہے اور وہ نہ تو اللہ تعالیٰ سے کوئی سوال کرتا ہے اور نہ ہی ذکر اذکار کی محفلوں میں شریک ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس سے کہیں زیادہ عطا فرماتا ہے جو اس سے مانگنے والوں کو عطا کرتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْد الْخُدْرِیْ رضی اللّٰہ تَعَالٰی عنہ ...... اِنَّہٗ قَالَ قَالَ علیہ الصلوٰۃ والسلام یَقُوْلُ اللّٰہُ تَبَارَکَ وتَعَالٰی مَنْ شَغَلَہُ القَرَاٰنُ عَنْ ذِکْرِی و مَسْئَلَتِی اعْطَیْتُہٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِیَ اَلسَّائِلِیْنَ وَ فَضْلُ کَلَامِ اللّٰہِ عَلٰی سَائِرِ الْکَلَامِ کَفَضْلِ اللّٰہِ عَلٰی خَلْقِہٖ۔ (الترمذی)

''حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ جس آدمی کو قرآن کریم میرے ذکر سے اور مجھ سے مانگنے سے مشغول کر دے تو میں اسے کہیں زیادہ افضل عطا کروں گا جو میں مانگنے والوں کو عطا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے کلام کی فضیلت باقی تمام کلام پر اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کو تمام مخلوق پر فضیلت حاصل ہے''۔

امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن اور غریب ہے۔

قرآن کریم پڑھنے والے کی اور نہ پڑھنے والے کی مثال

حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس مومن کی مثال جو قرآن کریم پڑھتا ہے لیموں کی طرح ہے جس کی خوشبو بھی عمدہ ہوتی ہے اور اس کا ذائقہ بھی بہت عمدہ ہوتا ہے اور اس مومن کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا کھجور کی مانند ہے جس کی خوشبو نہیں ہوتی اور اس کا ذائقہ میٹھا ہوتا ہے اور وہ منافق جو قرآن کریم پڑھتا ہے وہ ریحانہ یعنی نیاز بو کی طرح ہوتا ہے جس کی خوشبو عمدہ اور ذائقہ کڑوا ہوتا ہے اور وہ منافق جو قرآن کریم نہیں پڑھتا وہ اندرائن کی طرح ہے نہ جس میں خوشبو ہے اور اس کا ذائقہ کڑوا ہے اور ایک روایت میں منافق کی جگہ فاجر کا لفظ ذکر کیا گیا ہے۔ (احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی)

ابن ماجہ نے یہ حدیث پاک حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس طرح روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مومن جو قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے اور اسے پڑھتا ہے۔ اس کی مثال اُتْرُجَہ یعنی لیموں کی طرح ہے جس کی خوشبو پاکیزہ اور ذائقہ عمدہ ہوتا ہے اور وہ مومن جو قرآن کریم پڑھتا ہے اور عمل نہیں کرتا ہے وہ کھجور کی طرح ہے جس کی خوشبو نہیں ہوتی اور اس کا ذائقہ لذیذ ہوتا ہے اور وہ فاجر آدمی جو قرآن کریم پڑھتا ہے وہ ریحانہ یعنی نیاز بو کی طرح ہے جس کی خوشبو عمدہ اور ذائقہ کڑوا ہوتا ہے اور وہ فاجر جو قرآن کریم نہیں پڑھتا وہ حنظلہ یعنی اندرائن کی طرح ہے جس کی نہ خوشبو ہوتی ہے اور اس کا ذائقہ کڑوا ہوتا ہے اور نیک ہم نشین کی مثال صاحب کستوری کی طرح ہے کہ اگر آپ اس سے کچھ بھی حاصل نہ کریں تو اس کی خوشبو تیرے مشامِ جان کو ضرور معطر کر دیتی ہے اور برے ہم نشین کی مثال دھونی دکھانے والے کی طرح ہے۔ اگر تجھے اس کا کوئی نقصان نہ پہنچے تو بھی اس کا دھواں تیرے نتھنوں میں داخل ہوگا۔ (ابوداؤد)

تلاوت قرآن نزول رحمت اور تسکین کا سبب ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک طویل

حدیث شریف روایت کی ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کی تکالیف کو دور کرنے اور ان کے لئے آسانی پیدا کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا قیامت کی تکلیفوں کو دور فرمانے اور آسانی پیدا کرنے کا ذکر فرمایا ہے اس کا یہاں ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہیں ہوگا۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ کُرْبَۃً مِنْ کُرُبِ الدُّنیا نَفَّسَ اللّٰہُ عنہ کُرْبَۃً مِنْ کُرُبِ الاٰخِرَۃِ وَ مَنْ یَسَّر - عَلٰی الْمُعْسِرِ یَسَّرَ اللّٰہ عَلَیْہِ فی الدُّنْیَا وَالاٰخِرَۃِ ومَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرہُ اللّٰہ فی الدنیا والاخرۃ واللہ فی عون العبد ما دام العبد فی عون اخیہ المسلم و من سلک طریقاً یَلْتَمِسُ فیہ علما - سہل اللہ بہ طریقہ الی الجنۃ وما اجتمع جماعۃ فی مسجد من مساجد اللہ یتلون کتاب اللہ و یتدار سونہ بینہم الا نزلت علیہم السکینۃ و غَشِیَتْہم الرحمۃ و حفت لہم الملائکۃ و ذکرہم اللہ فی من عندہ و من بَطَّا بہ عَمَلُہٗ لم یسرع بہ نسبہ۔ (مسلم شریف، مشکوٰۃ المصابیح)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی مومن سے دنیا کی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی آخرت کی تکلیفوں میں سے ایک تکلیف دور فرما دیتا ہے اور جو کسی فقیر کے لئے آسانی مہیا کرتا ہے تو اللہ دنیا اور آخرت میں اس کے لئے آسانی فرماتا ہے اور جو آدمی کسی مسلمان کا عیب چھپاتا ہے اللہ دنیا اور آخرت میں اسے پردے میں چھپا لیتا ہے یعنی اسے رسوا نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ اس بندے کی مدد میں اس وقت تک رہتا ہے جب تک وہ بندہ اپنے کسی مسلمان بھائی کی مدد میں رہتا ہے اور جو شخص کسی ایسے راستے پر چلتا ہے جس میں وہ علم طلب کرتا

ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے سبب جنت کی طرف جانے والا راستہ اس کے لئے آسان بنا دیتا ہے اور اگر اللہ کی مسجدوں میں سے کسی مسجد میں ایک جماعت جمع ہو جائے وہ اس میں اللہ کی کتاب کی تلاوت کرے تو اللہ تعالیٰ ان پر تسکین نازل فرماتا ہے۔ یعنی اسے قرآن کریم کی تلاوت سے ذوق وشوق، دل کا نور اور قلب سے ظلمات نفسانیہ کا دور کرنا عطا فرما دیتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ (اس سے مراد ایک فرشتہ ہے جو بندہ مومن کے دل میں اترتا ہے اور اسے نیک کام کرنے کا حکم دیتا ہے اور اللہ کی اطاعت پر برانگیختہ کرتا ہے) اور انہیں اللہ کی رحمت ڈھانپ لیتی ہے (اور اللہ کے فرشتے ان کے گرد گھومتے ہیں یعنی وہ ان کا قرآن کریم پڑھنا سنتے ہیں اور انہیں مصیبتوں سے بچاتے ہیں اور ان سے مصافحہ کرتے ہیں۔ اور ان سے ملاقات کرتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر اس مخلوق میں کرتا ہے جو ان سے بہتر ہے یعنی ملائکہ اور وہ آدمی جس کا عمل آخرت میں اسے پیچھے ہٹا دے گا تو اس کا نسب اسے جنت کی طرف نہیں لے جائے گا"۔ (مشکاۃ)

یعنی کسی شخص کا صرف نسب اس کی نجات کا باعث نہیں ہوگا۔
جبکہ ایمان واعمال سے وہ تہی دامن ہوگا۔

قرآن نہ پڑھنے اور اس کی طرف عدم توجہ کی سزا

وہ شخص جس نے قرآن کریم میں سے کچھ بھی حاصل نہ کیا ہو وہ اس گھر کی مانند ہے جو کھنڈرات میں تبدیل ہو چکا ہے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ارشاد گرامی مروی ہے آپ فرماتے ہیں۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم اِنَّ الَّذِیْ لَیْسَ فِیْ جَوْفِهٖ شَیْءٌ مِنَ الْقُرْاٰنِ کا لبیتِ الخَرَبِ۔ (ترمذی شریف)

"حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ وہ آدمی جس کے دل میں قرآن کریم کا کچھ حصہ بھی نہ ہو تو وہ اس گھر کی مانند ہے جو کھنڈرات میں بدل چکا ہو یعنی نہ اس کی

دیواریں اور چھت درست ہوں اور نہ ہی اس میں کوئی مکین ہو"۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کے قرآن کریم سے منہ پھیر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے دنیا اور آخرت دونوں میں سزا دیتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْۤ اَعْمٰى وَ قَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَ كَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى (طٰہٰ:124-126)

"اور جس نے منہ پھیرا میری یاد (قرآن) سے تو اس کے لئے زندگی (کا جامہ) تنگ کر دیا جائے گا اور ہم اسے اٹھائیں گے قیامت کے دن اندھا کر کے تو وہ کہے گا۔ اے میرے رب! کیوں اٹھایا تو نے مجھے نابینا کر کے میں تو (پہلے بالکل) بینا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اس طرح آئی تھیں تیرے پاس ہماری آیتیں سو تو نے انہیں بھلا دیا۔ اسی طرح آج تجھے فراموش کر دیا جائے گا"۔

علامہ ابن کثیر اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جو شخص ذکر الٰہی سے منہ موڑتا ہے اور احکام خداوندی سے روگردانی کرتا ہے وہ دولت اور ثروت کے انبار جمع کر لینے کے باوجود جاہ و جلال کے بلند ترین مناصب پر فائز ہونے کے باوجود اطمینان قلب کی نعمت سے محروم رہتا ہے۔ اس کے دسترخوان پر لذیذ ترین کھانے چنے جاتے ہیں وہ بیش قیمت لباس زیب تن کئے ہوتا ہے لیکن اس کا دل اداس، روح بے چین اور طبیعت افسردہ رہتی ہے۔ سچی خوشی سے وہ کبھی بہرہ مند نہیں ہوتا دن رات دولت یا اقتدار کے حصول میں سرگرداں رہتا ہے پھر اس کی حفاظت کی فکر ہر وقت دامن گیر رہتی ہے وہ حرام اور ناجائز ذرائع استعمال کرنے سے باز نہیں آتا اس طرح اس کا ضمیر اسے ملامت کرتا ہے اور یہ ملامت بڑی شدید اور دل گداز قسم کی ہوتی ہے وہ خود اپنی آنکھوں سے محروم ہوتا ہے اس کے

دامن کے بدنما داغ اسے ہر وقت گھورتے رہتے ہیں۔

یہ سزا تو دنیا میں اسے ملی اور جب وہ روز محشر اٹھے گا تو اندھا ہو کر اٹھے گا۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا پھیلا ہوا محسوس ہوگا۔ دوسری آیت میں ہے:

وَ نَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّ بُكْمًا وَّ صُمًّا

(بنی اسرائیل:97)

''یعنی ہم انہیں قیامت کے دن ان کے منہ کے بل اٹھائیں گے اندھے، گونگے اور بہرے''۔

اس وقت وہ اپنے آپ کو اندھا پا کر کہے گا الٰہی میں تو دنیا میں بینا تھا میری آنکھیں بڑی خوبصورت تھیں میری بینائی بڑی تیز تھی آج کیا ہو گیا مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا۔ آخر مجھے اتنی سخت سزا کیوں دی جا رہی ہے تو اسے جواب ملے گا تم درست کہتے ہو لیکن تمہیں یاد ہے کہ میری آیتیں پڑھ کر تمہیں سنائی گئیں ہدایت کی دعوت دی گئی میرے بندوں نے تجھے سمجھانے کی بڑی کوشش کی لیکن تو نے میری آیات کو فراموش کر دیا اور انہیں پس پشت ڈال دیا سو یہ اس کی سزا ہے یہاں آج تمہیں فراموش کر دیا گیا ہے نَسِیَ کا معنی بھلانا بھی ہے اور نظر انداز کر دینا بھی یہاں دوسرا معنی زیادہ مناسب ہے۔ (ضیاء القرآن شریف)

(اللہ تعالیٰ قرآن کریم سمجھنے اور پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے)۔ آمین

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب (اللھم صلِّ علی محمد الف الف مرۃ و علی آلہ و اصحابہ اجمعین)۔

چوالیسواں وعظ

تربیت اولاد کا ثواب اور اس کی عدم اصلاح کا عذاب

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی وَ نُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الکریمِ و عَلٰی اٰلِہٖ و اَصْحَابِہٖ اجمعین

اما بعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَ اَھْلِیْکُمْ نَارًا وَّ قُوْدُھَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَۃُ عَلَیْھَا مَلٰٓئِکَۃٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ (تحریم:6)

"اے ایمان والو! تم بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے اس پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو بڑے تند خو، سخت مزاج ہیں نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جس کا اس نے انہیں حکم دیا ہے اور فوراً بجا لاتے ہیں جو ارشاد انہیں فرمایا جاتا ہے"۔ (جمال القرآن)

یہ آیت طیبہ سورہ تحریم کی ہے جو مدینہ طیبہ میں ۷ یا ۸ھ میں نازل ہوئی اس سورہ پاک میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گھر والیوں کی اصلاح احوال کے متعلق ارشادات فرمائے ہیں اور انہیں حکم دیا ہے کہ وہ اپنی خواہشات کو اپنے محبوب کی رضا پر قربان کردیں اور ایسا کوئی عملی اقدام نہ کریں جس سے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاطر عاطر کو تکلیف پہنچے اور آپ کی طبع نازک پر وہ گرانی کا باعث بنے خواہ اس کا محرک ان کا والہانہ جذبہ محبت ہی کیوں نہ ہو اور ان کی محبت کسی طرح بھی ان کو خود سر نہ بنا دے بلکہ انہیں رضاء حبیب کا حلقہ بگوش ہونا چاہئے خواہ ان کے جذبات شوق کے تقاضے کچھ اور ہوں اور انہیں ہر حال میں میرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پسند کے تابع ہونا چاہئے اور ساتھ ہی یہ بھی درس دے دیا کہ گھر کی گاڑی کے دو پہیے ہوتے ہیں ایک مرد اور دوسرا عورت اس لئے ان کا

آپس میں باہمی اعتماد ازبس ضروری ہے لہٰذا انہیں ایک دوسرے کے جذبات، احساسات اور اسرار کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اور یہ بھی فرمادیا کہ عورتوں کو چاہئے کہ وہ اس سلسلہ میں کسی صورت میں بھی احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے دیں اور اپنے خاوند کے رازوں کو ہر قیمت پر محفوظ رکھیں ورنہ ان کی معمولی سی غفلت ان کے لئے اور ان کے خاندان کے لئے تباہ کن ثابت ہو سکتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گھر والیوں کی اصلاح کے بعد اب غلامان مصطفیٰ علیہ التحیہ واطیب الثنا کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ خود بھی دوزخ کا ایندھن بننے سے بچیں اور اپنے اہل وعیال کی بھی ایسی صحیح تربیت کریں کہ وہ اس جہنم کے عذاب سے بچ جائیں جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے اور جس کے محافظ بڑے ہی سخت اور تندخو فرشتے ہوں گے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ماں باپ پر یہ فرض کر دیا ہے کہ وہ اپنے بچوں کے اخلاق کی کڑی نگرانی کریں اور انہیں ہر ایسی کوتاہی، ضد، ہٹ دھرمی اور غفلت سے بچانے کی بھرپور کوشش کریں۔ اس لئے فرمایا کہ تم آتش جہنم سے بچنے کو اپنی ذات تک محدود نہ رکھو بلکہ اپنے اہل وعیال کو بھی عذاب دوزخ سے بچانے کی بھرپور کوشش کرنا اپنے ذمہ لازم کرلو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ جب یہ آیت طیبہ نازل ہوئی تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نقی اَنْفُسَنَا فکیف لنا بِاَھْلِیْنَا ......

اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے آپ کو دوزخ سے بچانے کا مفہوم سمجھ میں آ گیا ہم اپنے اہل وعیال کو کیونکر دوزخ سے بچا سکتے ہیں۔ فقال تَنْھَوْنَھُمْ مِمَّا نَھَا کُمُ اللّٰہُ و تَاْمُرُوْنَھُمْ بِمَا اَمَرَ اللّٰہُ۔ فرمایا۔ تم اس طرح ان کو بچا سکتے ہو کہ جن چیزوں سے اللہ نے تمہیں روکا ہے تم اپنے اہل وعیال کو بھی ان سے روکو اور جن کاموں کو بجالانے کا اس نے حکم دیا تم انہیں حکم دو کہ وہ بھی بجالائیں۔

مقاتل کہتے ہیں۔ ہر شخص پر فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو اپنی اولاد، اپنی بیوی، اپنے خدام کو عذاب جہنم سے بچانے کی کوشش کرے، علامہ قرطبی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول نقل کیا ہے وَ عَلَیْنَا تَعْلِیْمُ اَوْلَادِ ناو اَھْلِیْنَا الدِّیْنَ والخیرَ وَ مَا لَا یُسْتَغْنٰی عنہ

مِنَ الْاَدَبِ۔ یعنی ہم پر فرض ہے کہ ہم اپنی اولاد اور اہل خانہ کو دین کی تعلیم دیں اچھی باتیں سکھائیں اور وہ ادب و ہنر جس کے بغیر چارہ نہیں اس کی تعلیم دیں اس مذکورہ بالا حکم کے مطابق نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود بھی عمل کیا اور ہمیں بھی عمل کرنے کی تلقین فرمائی۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام مسجد نبوی میں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے صحابہ کرام ہمہ تن گوش آپ کا خطبہ سن رہے تھے اسی اثناء میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے فاطمۃ الزہرا کے لخت جگر اور علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے صاحبزادے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ لڑھکتے ہوئے مسجد میں تشریف لائے اور جہاں صدقہ کی کھجوروں کا ڈھیر لگا ہوا تھا اس کی طرف تشریف لے گئے وہاں سے ایک کھجور اٹھائی اسے اپنے منہ میں رکھ لیا نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ چھوڑ دیا منبر سے نیچے تشریف لائے دوڑ کر اپنے نواسہ کے منہ سے وہ کھجور نکال کر دور پھینک دی اور فرمایا اے حسین رضی اللہ عنہ! یہ صدقہ زکوٰۃ کی کھجوریں ہیں جن کا کھانا میری آل پر حرام ہے۔ کیا ہی تربیت ہے سارے لاڈ سارے پیار، ساری محبتیں اور شفقتیں ایک طرف رکھ دیں اور تربیت میں فرق نہ آنے دیا۔

والد پر اپنی اولاد کا حق

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے:

حَقُّ الْوَلَدِ عَلَى الْوَالِدِ اَنْ يُحْسِنَ اِسْمَهٗ وَ يُعَلِّمَهُ الْكِتَابَةَ وَ يُزَوِّجَهٗ اِذَا بَلَغَ۔

"یعنی والدین پر اولاد کا حق یہ ہے کہ جب وہ پیدا ہوں تو ان کے لئے عمدہ نام تجویز کریں جب وہ بڑے ہوں تو انہیں تعلیم دیں اور جب وہ بالغ ہوں تو ان کی شادی کریں"۔

دوسرا فرمان نبوی ہے:

مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدًا اَفْضَلَ مِنْ اَدَبٍ حَسَنٍ

"کسی باپ نے اپنے بچے کو حسن ادب سے بہتر کوئی تحفہ نہیں دیا" (ضیاء القرآن)

دینی تعلیم اور عملی تربیت کا آغاز بچپن سے ہی ہونا چاہئے اوائل عمر میں جو سبق دیا جاتا ہے تادم واپسیں وہ یاد رہتا ہے۔ جس کام کی عادت بچپن میں پڑ جاتی ہے وہ اس کی فطرت ثانیہ بن جاتی ہے۔ جو والدین بچپن میں اپنے بچوں کو اطاعت خداوندی کی طرف راغب نہیں کرتے ان کی اولاد عموماً راہ حق سے بھٹک جایا کرتی ہے۔ اسی لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو حکم دیا مُرُوْا اَبْنَاءَ كُمْ بِالصَّلٰوةِ لِسَبْعٍ وَاضْرِبُوْهم لِعَشْرٍ و فِرَّ قُوَامَضَاجِعَهُمْ۔ جب تمہارے بچے سات سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب دس سال کے ہو جائیں اور نماز نہ پڑھیں تو انہیں مار کر نماز پڑھائیں اس عمر میں ان کی خواب گاہیں جدا کر دو۔

کاش ہم اس فرمان خداوندی اور ارشادات نبوی کی روشنی میں اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ دیں تو ہمیں اپنے بچوں اور بچیوں سے اہ روی اور آوارہ مزاجی کا شکوہ نہ رہے۔ آج جبکہ درس گاہوں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں دینی تعلیم و تربیت کا کوئی مؤثر اور حکیمانہ اہتمام نہیں، بلکہ یہ درسگاہیں لادینی نظریات اور ملحدانہ افکار کی رزم گاہیں بن چکی ہیں جب معاشرے کی وہ حس تیزی سے کند ہوتی جا رہی ہے جو کسی نازیبا حرکت پر آتش زیر پا ہو جایا کرتی تھی اور ایسا کرنے والے کے خلاف احتجاج کی ایک تیز و تند لہر بن کر ابھرتی تھی آج جب سینما اور ٹی وی کے مخرب اخلاق پروگرام رہی سہی کسر بھی نکال دینے کے درپے ہیں، اس وجہ سے ماں باپ کی ذمہ داریاں دوچند ہو گئی ہیں کہ وہ اپنی اولاد کی سخت نگرانی کریں اور اس سے بھی اہم یہ کہ اپنے حسن عمل اور اچھے نمونے سے ان کے دلوں میں نیکیوں اور بھلائیوں سے ایک والہانہ محبت پیدا کر دیں اگر ہماری بے حسی کے باعث لادینیت کی بپھری ہوئی موجوں نے ہمارے گھر کا مورچہ بھی سر کر لیا پھر آنے والی نسلوں کا خدا ہی حافظ ہے۔ (ضیاء القرآن)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ ارشاد فرما دیا ہے کہ تم اپنے آپ کو بھی دوزخ کی آگ سے بچانے کی کوشش کرو اور اپنی اولاد کی اسلامی اصولوں کے مطابق اس طرح تربیت کرو کہ وہ

اس آگ سے بچ جائیں جس کا ایندھن پتھر اور انسان ہیں اور جس پر محافظ ایسے فرشتے ہیں جو نہ کمزور ہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بندے اس شدید ترین آگ سے اتنا ڈرتے ہیں کہ جب اس کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے اور وہ تھر تھر کانپنے لگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے اس کی پناہ مانگتے ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت یحییٰ کا واقعہ بڑا دلچسپ ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کون تھے؟

حضرت یحییٰ علیہ السلام حضرت زکریا علیہ السلام کے صاحبزادے تھے جو حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھے ان کے ذمہ بیت المقدس میں مذہبی رسومات کو ادا کرنا تھا آپ حضرت مریم کی خالہ ایشا کے شوہر تھے اسی قرابت کے باعث آپ کو حضرت مریم کا نگران مقرر کیا گیا تھا۔ اور وہ باقاعدہ حضرت مریم علیہا السلام کی تعلیم و تربیت کا فریضہ بحسن وخوبی ادا فرما رہے تھے آپ اس حجرہ کی نگرانی کیا کرتے تھے جس میں حضرت مریم علیہا السلام اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتی تھیں۔ جب بھی آپ حضرت مریم علیہا السلام کے حجرہ مبارک میں تشریف لے جاتے تو ان کے ہاں طرح طرح کے پھل رکھے پاتے گرمی کے پھل سردی میں اور سردی کے پھل گرمی میں وہاں موجود پاتے تو ایک دن آپ نے پوچھ لیا آپ کے پاس یہ پھل کہاں سے آتے ہیں تو انہوں نے عرض کی یہ میرے رب کی طرف سے ہیں اور وہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب رزق عطا فرماتا ہے۔ تو آپ نے جب یہ دیکھا تو وہیں کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی کہ اے میرے پروردگار مجھے اپنی جناب خاص سے پاکیزہ لخت جگر عطا فرما۔ بے شک تو دعا کو سننے والا ہے۔ اس وقت حضرت زکریا علیہ السلام کی عمر مبارک باختلاف روایات ۷۰ سال یا ۱۲۰ سال تھی آپ کی اہلیہ محترمہ کی عمر ۹۸ سال ہو چکی تھی۔ جس عمر میں اولاد کا پیدا ہونا عام حالات میں ممکن نہیں ہوتا اور ابھی تک ان کے ہاں کوئی فرزند متولد نہ ہوا تھا۔ اور آپ کو اپنے رشتہ داروں میں کوئی مرد صالح اور ارجمند نظر نہ آتا تھا جو اس قابل ہو کہ ان کے بعد ان کے رفیع منصب کی نازک ذمہ داریوں

کوانجام دے سکے اسلئے آپ بڑے فکر مند رہا کرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی رحلت فرما جانے کے بعد کوئی نااہل شخص ان کا جانشین بن جائے اور ان کی دینی رسومات اور عبادات ادا کرنے میں کوتاہی کرنے لگے۔ اہل نظر سے مخفی نہیں کہ جب شاہین کا نشیمن زاغ وزغن کے تصرف میں آجاتا ہے تو پھر دینی رسومات کتنی پژمردہ اور بے جان ہو جاتی ہیں اور اخلاقی قدروں کی کس بے دردی سے تحقیر کی جاتی ہے یہی احساس حضرت زکریا علیہ السلام کو ہر لحہ بے چین رکھا کرتا تھا اس لئے حضرت مریم علیہا السلام کے ہاں قدرت کی کرشمہ سازی کا مشاہدہ فرمایا تو ایک روز دل کا سوز التجا بن کر زبان پر آہی گیا۔ عجز و نیاز میں ڈوبے ہوئے انداز سے بارگاہ رب العزت میں سر پنہاں کا اظہار کر دیا بڑی خاموشی سے چپکے سے اپنے چارہ ساز کے حضور میں اپنی حکایت درد کہہ دی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی التجا کو بشرف قبول بخشا اور حضرت یحییٰ علیہ السلام جیسا فرزندار جمند عطا فرمایا اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی یہ حالت اور کیفیت تھی کہ جب آپ وہ آیات سنتے جن میں جہنم اور دوزخ کی آیات کی وعید سنائی گئی ہے تو آپ پر عجیب وغریب کیفیت طاری ہو جاتی۔ آپ کے بچپنے کا یہ عالم تھا اور حضرت زکریا علیہ السلام آپ کے والد محترم اپنا فرض منصبی ادا کرتے ہوئے لوگوں کو وعظ و نصیحت فرمایا کرتے تھے تو جب آپ وعظ فرمانے کے لئے تشریف فرما ہوتے تو آپ دائیں بائیں توجہ فرماتے اور دیکھتے کہ کیا ان کے فرزند حضرت یحییٰ علیہ السلام موجود تو نہیں اگر آپ انہیں نہ دیکھتے تو آپ وہ آیات ذکر فرماتے جن میں اللہ تعالیٰ نے عذاب کی وعید سنائی ہے اور اگر آپ انہیں دیکھ لیتے تو اپنے لخت جگر پر شفقت ورحمت کی وجہ سے آیات عذاب ذکر نہ فرماتے کیونکہ ان کے صاحبزادے ان کے سننے کی تاب نہیں رکھتے تھے ایک دن آپ وعظ فرمانے کے لئے تشریف فرما ہوئے حسب معمول ادھر ادھر دیکھا کثرت ہجوم کی وجہ سے اپنے لخت جگر کو نہ دیکھ سکے اور حضرت یحییٰ علیہ السلام بھی اپنے سر کو اپنی چادر میں لپیٹ کر لوگوں کے درمیان تشریف فرما تھے تو حضرت زکریا علیہ السلام نے اشکبار آنکھوں سے دوزخ کی آیات کا ذکر کیا اور کہا کہ مجھے جبرائیل نے آکر خبر دی ہے کہ جہنم میں ایک پہاڑ

ہے جسے سکران کہا جاتا ہے اس کے نیچے ایک وادی ہے جس کا نام غضبان ہے اور وہ رحمن کے غضب سے پیدا کی گئی ہے۔ اس وادی میں آگ کے گہرے گڑھے ہیں اور ان میں سے ہر گڑھے کی مسافت ۲۰۰ سال کی ہے اور ان گڑھوں میں آگ کے تابوت ہیں اور ان تابوتوں میں زنجیریں اور بیڑیاں ہیں جن کے ساتھ نافرمان جکڑے ہوئے ہیں تو حضرت یحییٰ علیہ السلام نے جب یہ سنا تو وہ تیزی کے ساتھ اٹھے اور مجمع سے باہر نکل گئے اور وہ یہ پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ سکرات سے اللہ کی پناہ اور غضبان سے اللہ کی پناہ۔ تو حضرت زکریا علیہ السلام اور ان کی زوجہ محترمہ فوراً اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور اپنے صاحبزادے کی تلاش میں نکلے۔ تلاش بسیار کے باوجود اسے نہ پایا تو انہوں نے وہاں ایک چرواہے کو دیکھا اور اس سے پوچھا کیا تو نے ایسا ایسا نوجوان دیکھا ہے۔ تو اس نے عرض کی کہ شاید کہ تم دونوں یحییٰ علیہ السلام کی تلاش میں ہو تو انہوں نے ہاں میں جواب دیا۔ تو اس چرواہے نے کہا میں نے انہیں ایک پوشیدہ جگہ میں یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں اس وقت تک نہ کھانا چکھوں گا اور نہ پانی پیئوں گا جب تک کہ میں یہ نہ دیکھ لوں کہ میرا ٹھکانہ جنت میں ہے یا جہنم میں۔ تو ان دونوں نے اپنے بیٹے کو دیکھا جو بآواز بلند وہی کلمات دہرا رہے تھے تو آپ کی والدہ نے انہیں کہا کہ اے میرے بیٹے میں تمہیں اس حق کا واسطہ دیتی ہوں جو میں نے تجھے اپنے بطن میں اٹھائے رکھا اور تجھے اپنا دودھ پلایا۔ آپ ہماری طرف تشریف لائیں اور ہمارے ساتھ اپنے گھر چلیں وہ یہ سن کر تشریف لائے اور اپنی والدہ اور والد کے ساتھ گھر کی طرف چل پڑے۔ تو انہیں ان کے والد نے فرمایا کہ مجھے تیرے ساتھ ایک ضروری کام ہے آپ اپنی یہ گوڈری اتار دیں اور یہ چیز پہن لیں تو حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اپنے والد کے حکم کے مطابق اسی طرح کیا تو ان کی والدہ نے ان کے لئے مسور کا شوربہ پکایا اور اپنے بیٹے کو کھلایا تو انہیں نیند نے آلیا وہ سو گئے۔ تو عالم نیند میں انہیں غیبی آواز نے چوکنا کر دیا کہ اے یحییٰ تو نے اس دنیا میں میرے گھر سے بہتر گھر پا لیا اور میرے پڑوس سے بہتر پڑوس حاصل کر لیا تو حضرت یحییٰ علیہ السلام گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور روتے ہوئے کہا کہ میری

گودڑی مجھے لوٹا دو اور اپنا یہ جبہ مجھ سے لے لو تم تو مجھے ہلاک کرنے کا ارادہ رکھتے ہو تو اس وقت زکریا علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے بیٹے کو اپنے حال پر چھوڑ دو تا کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق عمل کرتا رہے اور دوزخ کی آگ سے نجات پا جائے۔ تو جب ان کی عبادت میں شدید اضافہ ہوا تو اللہ نے یحیٰ علیہ السلام کی طرف فرشتہ بھیجا اور فرمایا میں نے تمہارے اوپر دوزخ کی آگ کو حرام کر دیا ہے یہ سن کر ان کے دل مطمئن ہوئے اللہ کی عبادت میں اضافہ کیا۔ جس طرح کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَ يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا ؕ وَ كَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ (انبیاء:90)

''بے شک وہ بہت سبک رو تھے نیکیاں کرنے میں اور پکارا کرتے تھے ہمیں بڑی امید اور خوف سے اور وہ ہمارے سامنے بڑے عجز و نیاز کیا کرتے تھے''۔

(جمال القرآن) (ذخیرۃ العابدین)

جہنم کی آگ کی شدت

جہنم کی آگ معمولی قسم کی آگ نہیں بلکہ وہ شدید ترین آگ ہے اس کی شدت کا اندازہ آپ اس روایت سے کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو جہنم کے محافظ فرشتہ کی طرف بھیجا کہ اس سے آگ لے کر آدم علیہ السلام تک پہنچائے تا کہ وہ اس سے اپنا کھانا پکا سکیں تو جہنم کے محافظ نے پوچھا کہ اے جبرائیل تمہیں کتنی آگ درکار ہے تو جبرائیل نے کہا ایک کھجور کے برابر تو داروغہ نے اس کی شدت بیان کرتے ہوئے کہا کہ اگر میں تمہیں کھجور کے برابر آگ دے دوں تو اس کی تپش سے ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں پگھل جائیں گی تو جبرائیل امین علیہ السلام نے عرض کی کہ مجھے کھجور کے نصف کے برابر آگ عطا کر دیں تو اس نے کہا اگر جہنم کی آگ کھجور کے نصف کے برابر تجھے دے دی جائے تو نہ آسمان سے بارش کا ایک قطرہ نازل ہوگا اور نہ ہی زمین میں نباتات پیدا ہوگی۔ تو جبرائیل امین نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی کہ اے میرے اللہ! میں اس سے کتنی آگ لوں تو اللہ

تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اس آگ سے ایک ذرہ کے برابر آگ لے لو تو جبرائیل امین نے خاک کے ذرہ کے برابر جہنم سے آگ لی اور اسے جنت کی ستر نہروں میں ستر دفعہ دھویا پھر وہ اسے لے کر آدم علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو انہوں نے اسے ایک بہت بڑے بلند پہاڑ پر رکھ دیا وہ پہاڑ اس کی شدت تپش سے پگھل گیا اور آگ اپنے اصلی مرکز کی طرف لوٹ گئی اور اس کا دھواں آج تک پتھروں میں موجود ہے اور یہ دنیا کی آگ اس آگ کے ذرہ کے دھواں سے ہے اللہ تعالیٰ اس سے پناہ عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)، (دقائق الاخبار)

اے اہل اسلام! ذرا اندازہ لگائیں کہ دوزخ کی آگ کتنی شدید ہے اس لئے ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق اس آگ سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے ہماری حالت تو اتنی پتلی ہے کہ ہم گرمی کے موسم میں سورج کی دھوپ برداشت نہیں کر سکتے جس کی تپش جہنم کا ایک سانس ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے لوگو! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ اگر چہ کھجور کا ایک چھلکا صدقہ دے کر بچ سکو۔ (مسلم شریف)

حدیث شریف: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے۔

اِنَّ اَھْوَنَ اَھْلِ النَّارِ عَذَابًا ان یُعَذَّبَ الرجُلُ ولَهٗ نعلَانِ مِنَ النَّارِ یَغْلِیْ منھما دِمَاغُهٗ کانَّهٗ مرجَلٌ عَلٰی جَمْرَۃٍ یَشْتَعِلُ مِنْهُ لَھَبُ النَّارِ وَ یَخْرُجُ اَحْشَاءُهٗ بَطْنِهٖ مِنْ قَدَمَیْهِ وانَّهٗ یَرٰی انَّهٗ مِنْ اَشَدِّ اَھْلِ النَّارِ عَذَابًا و ھو مِنْ اَھْوَنِ اَھْلِ النَّارِ۔ (دقائق الاخبار)

"آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخیوں میں سے سب سے آسان عذاب اور ہلکا عذاب اس شخص کو ہوگا جس کو آگ کے دو جوتے پہنائے جائیں گے اور ان دونوں سے اس کا دماغ اس طرح کھولنے لگے گا جس طرح ہنڈیا آگ پر کھولتی ہے اور اس سے آگ کے شعلے مشتعل ہوتے ہیں اور اس کے پیٹ سے اس کی انتڑیاں اس کے قدموں کی طرف سے باہر نکل آئیں گی اور وہ یہ محسوس کرے گا

کہ اس کو تمام دوزخیوں سے شدید ترین عذاب دیا جا رہا ہے حالانکہ یہ سب سے زیادہ آسان اور ہلکا عذاب ہوگا"۔

شدت خوف سے موت کا واقعہ ہونا

منصور ابن عمار سے حکایت بیان کی گئی ہے انہوں نے کہا کہ میں ایک تاریک رات میں کوفہ کے بازاروں میں سے ایک بازار میں گردش کر رہا تھا تو میں نے ایک مقام سے آواز سنی جو کہہ رہی تھی اے میرے اللہ اپنی عزت اور جلال کے واسطہ سے میری نافرمانی کو نہ دیکھ اور میرے گناہ معاف فرما دے میرا عذر قبول فرما لے اگر تو میرا عذر قبول نہیں فرمائے گا تو میرا کیا حال ہوگا؟ تو جب میں نے اس سے یہ سنا تو میں نے یہ آیت طیبہ تلاوت کر دی: یَاۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ الخ تو میں نے ایک آواز سنی اور شدید قسم کی حرکت محسوس کی تھوڑی دیر بعد وہ حرکت سکون پذیر ہوگئی اس کے بعد میں نے وہاں زندگی کا کوئی اثر نہ دیکھا میں اپنی منزل کی طرف چل دیا۔ جب صبح ہوئی تو اسی راستہ سے واپس پلٹا تو میں نے وہاں لوگوں کو دیکھا جو اس مکان میں رو رہے تھے اور اس میت کی والدہ جو ایک بوڑھی عورت تھی وہ یہ کہہ رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے بیٹے کے قاتل کو جزاء خیر عطا نہ فرمائے اور وہ وہ ہے جس نے اس وقت عذاب کی آیت تلاوت کی جبکہ میرا بیٹا محراب میں کھڑا ہو کر نماز ادا کر رہا تھا تو اس نے وہ آیت طیبہ سنی اس کا دل اسے برداشت نہ کر سکا وہ چیخا اور مردہ حالت میں زمین پر گر پڑا۔ جب میں نے یہ سنا تو میں از حد پریشان ہوا اور اسی رات خواب میں میں نے اسے دیکھا کہ وہ جنت میں ایک بلند مقام میں ہے میں نے اس سے پوچھا کہ تیرے ساتھ اللہ نے کیا سلوک کیا ہے تو اس نے کہا کہ میرے ساتھ میرے رب نے وہی برتاؤ کیا ہے جو اس نے احد اور بدر کے شہداء کے ساتھ کیا ہے میں نے پوچھا وہ کیسے تو اس نے کہا کہ احد اور بدر میں شہید ہونے والے کفار کی تلوار سے شہید کئے گئے تھے اور میں مالک الغفار کی تلوار سے شہید کیا گیا ہوں۔ (مشکاۃ الانوار)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ نبی مکرم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم میں ایسے سانپ اور بچھو ہیں جو اونٹوں کی گردن کی مانند ہیں۔ جب وہ تم میں سے کسی کو ڈنگ ماریں گے تو وہ اس کی حرارت اور تپش چالیس سال تک محسوس کرتا رہے گا۔ (دقائق الاخبار)

نابالغ بچے پر آیت عذاب پڑھنے کا اثر

ایک حکایت بیان کی گئی ہے کہ ایک بزرگ ایک نہر کے کنارے چل رہے تھے وہاں انہوں نے ایک لڑکے کو وضو کرتے دیکھا جو زاروقطار رو رہا تھا۔ بزرگ نے اس سے پوچھا اے بچے تجھے کیا چیز رلا رہی ہے؟ تو اس بچے نے جواب دیا میں نے قرآن کریم میں یہ آیت طیبہ پڑھی ہے یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ الخ تو میں لرز اٹھا کہ کہیں اللہ تعالیٰ مجھے اس آگ میں نہ پھینک دے اس لئے میں رو رہا ہوں۔ تو بوڑھے نے کہا اے بچے! تو معصوم ہے گناہوں سے پاک ہے تو خوف زدہ مت ہو تو آگ کا مستحق نہیں۔ تو بچے نے فوراً جواب دیا اے شیخ کیا تو عقل مند آدمی ہے؟ کیا تو یہ نہیں دیکھتا کہ جو لوگ اپنی ضرورت کے لئے آگ جلاتے ہیں تو وہ پہلے چھوٹے چھوٹے تنکے جمع کر کے ان میں آگ سلگاتے ہیں پھر ان کے اوپر موٹی لکڑیاں رکھتے ہیں تا کہ انہیں آگ لگ جائے تو میں ڈرتا ہوں کہیں آگ جلانے والا تنکا میں بھی نہ بن جاؤں؟۔ تو اس بوڑھے کی آنکھیں کھل گئیں اور وہ زاروقطار رونے لگا اور کہنے لگا کہ یہ معصوم بچہ اس دوزخ کی آگ سے مجھ سے زیادہ خوف زدہ ہے۔ حالانکہ ہمیں اس سے زیادہ ڈرنا چاہیے۔ پھر اس نے بلند آواز سے پکار کر کہا اے عقل مندو! عبرت حاصل کرو! تم اپنے اس نفس پر رؤو جو دوزخ کی آگ میں رہن رکھا ہوا ہے، موت تمہاری گردن پر سوار ہے، قبر تمہارا ٹھکانہ ہے اور قیامت تمہارا موقف ہے، تمہارے خصم بہت ہی طاقتور ہیں، فیصلہ فرمانے والا جبار ہے۔) جبرئیل امین پکارنے والا ہے، قید خانہ جہنم ہے اور قید کرنے والے دوزخ کے محافظ فرشتے ہیں۔ اور تم اتنے نرم و نازک ہو کہ سورج کی گرمی برداشت نہیں کر سکتے تو ان زہریلے سانپوں اور بچھوؤں کے کاٹنے پر کیسے صبر کر سکو گے۔ اب وقت ہے توبہ کر لو۔ اور اپنے خالق و محسن کو راضی کر لو ورنہ کل پچھتاؤ گے

جب اس کا فائدہ نہیں ہوگا۔ (جامع الجوامع)

دوزخ کی گہرائی

دوزخ کی گہرائی، لمبائی اور چوڑائی کا اندازہ لگانا کسی انسان کے بس کا روگ نہیں۔ البتہ جو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے وہ یہ ہے۔

روایت بیان کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے معراج کی رات ایک آواز سنی۔ میں نے جبرائیل سے اس کے متعلق دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ یہ آواز اس پتھر کی ہے جو جہنم میں ستر سال پہلے لڑھکایا گیا تھا وہ آج اس کی گہرائی میں گرا ہے۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ ہم نے ایک خوفناک اور شدید قسم کی آواز سنی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جانتے ہو یہ آواز کیسی تھی؟ ہم نے عرض کی اللہ ورسولہ اعلم۔ تو آپ نے فرمایا یہ آواز اس پتھر کی تھی جو آج سے ستر سال پہلے جہنم میں پھینکا گیا تھا وہ آج اس کی تہہ تک پہنچا ہے۔
(زبدۃ الواعظین)

قریبی رشتہ داروں کے گناہ کی سزا

حکایت بیان کی گئی ہے کہ ایک عبادت گزار عرصہ دراز تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا رہا ایک دن اس نے وضو کیا، دو رکعت نماز نفل ادا کئے، سر سجدہ سے اٹھایا اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے لگا کہ اے اللہ میری یہ عبادت اپنی بارگاہ میں قبول فرما۔ تو رحمٰن کی طرف سے ایک پکارنے والے نے پکار کر کہا! اے ملعون! دعا کے لئے مت منہ کھول کیونکہ تیری عبادت مردود ہے، مقبول نہیں اس نے گھبرا کر پوچھا۔ اے میرے پروردگار! میری عبادت کیوں مقبول نہیں تو جواب آیا کہ تیری عورت نے میرے حکم کے خلاف عمل کیا ہے اور تو اس کے اس برے عمل سے خوش ہے وہ عابد گھر آیا اور اپنی بیوی سے اس کے متعلق دریافت کیا تو اس نے جواب دیا کہ میں ایک گندی محفل میں گئی وہاں میں نے لہو ولعب والی باتیں سنی اور نماز ادا نہ کی تو اس عابد نے اسے اسی وقت طلاق دے کر آزاد کر دیا اور کہا میں آئندہ کبھی بھی تجھے

قبول نہیں کروں گا۔ پھر اس نے وضو کیا، دو رکعت نماز ادا کی اور اپنا سر اور ہاتھ اوپر اٹھائے اور عرض کی اے اللہ میری دعا قبول فرما تو فوراً ندا آئی کہ اب تیری ساری عبادت و اطاعت قبول ہے۔ (عیون)

ریاء کار قاریوں کا ٹھکانہ

عمل وہی مقبول ہے جس میں اخلاص ہو اور وہ عمل بالکل مقبول نہیں جس میں ریا کاری اور نمود و نمائش ہو۔ اسی طرح آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اب مجھے اپنی امت سے شرک جلی کا خوف نہیں لیکن شرک خفی یعنی ریاء کاری ان کے اعمال میں اس طرح داخل ہو گی جس طرح خون رگوں میں گردش کرتا ہے اور لوگ قرآن کریم کی تلاوت دکھاوے اور ریاء کاری کے لئے کرتے ہیں ان کے لئے الگ تھلگ دوزخ میں ایک وادی تیار کی گئی ہے اور وادی کا نام جب الحزن ہے۔

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب الحزن سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا کرو۔ آپ سے پوچھا گیا کہ جب الحزن کیا ہے؟ آپ نے فرمایا دوزخ میں ایک وادی ہے جو ریاء کار قاریوں کے لئے تیار کی گئی ہے اور جہنم ہر روز اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہے۔ (زبدۃ الواعظین)

اللھم صَلِّ وَسَلِّمْ وبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا و حَبِیْبِنَا و حَبِیْبِ رَبِّ الْعَالَمِیْن مُحَمَّدٍ رَحْمَةٍ لِلْعَالَمِیْنَ وَ عَلٰی آلِهٖ واَصْحَابِهٖ وَ ذُرِّیَاتِهٖ اَجْمَعِیْن۔

"وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب"

پینتالیسواں وعظ

اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ لِلّٰہِ

اللہ تعالیٰ کی وجہ سے محبت اور ناراضگی کا بیان

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّی وَ نُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اجمعین

اما بعدفاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ ﴿۶۷﴾ یٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ وَ لَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۶۸﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ كَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ﴿۶۹﴾ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ﴿۷۰﴾

(زخرف)

”گہرے دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے بجز ان کے جو متقی (اور پرہیزگار) ہیں۔ اے میرے (پیارے) بندو! آج تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم (آج) غمزدہ ہوگے (یعنی) وہ بندے جو ایمان لے آئے تھے۔ ہماری آیتوں پر اور فرمانبردار تھے (حکم ہوگا) داخل ہو جاؤ جنت میں تم اور تمہاری بیویاں خوشی خوشی۔“

یہ آیات طیبات سورہ زخرف کی ہیں جو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں ان آیات میں اللہ نے ایک خاص حقیقت بیان فرمائی ہے کہ وہ دن جس دن دنیا کے سارے بھائی چارے، یارانے اور دوستیاں ختم ہو جائیں گے کوئی کسی کا پرسان حال نہیں ہوگا ہر شخص ایک دوسرے سے بھاگنے کی کوشش کرے گا اور اس کی یہ خواہش ہوگی کہ آج کوئی شخص اس کا معاون و مددگار ثابت ہو اور وہ یہ چاہے گا کہ اس کا عذاب اس کے دوسرے دوستوں پر مسلط کر دیا جائے اور ایک دوسرے سے بیزاری کا اعلان کریں گے جگری اور جانی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے صرف دوست ہی نہیں بلکہ اپنے عزیز ترین اور قریبی رشتہ دار بھی

دور بھاگیں گے۔اس حقیقت کو اللہ نے اس طرح بیان فرمایا ہے۔(یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیهِ و اُمِّهٖ و اَبِیهِ وصَاحِبَتِهٖ و بَنِیْهِ) قیامت کے دن ہر آدمی اپنے بھائی اپنی ماں اپنے باپ اپنی شریک حیات اور اپنے بیٹوں سے دور بھاگے گا لیکن اس مشکل اور کٹھن وقت میں ایک گروہ ایسا ہوگا جس کی دوستی اور محبت اس کے دوستوں اور محبوبوں کے کام آئے گی اور وہ وہ لوگ ہوں گے جو پرہیزگار اور متقی ہوں گے۔عمر بھر اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے ہوں گے اور ساری زندگی اس کے ذکر اور فکر میں گزار دی ہوگی ان کی دوستی اس روز بھی سلامت رہے گی اور وہ اپنے دوستوں کو اللہ کی بارگاہ میں عرض کر کے چھٹکارا دلانے کا باعث ہوں گے۔اور یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے محبت کی ہوگی۔

حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت نقل کی ہے وہ حدیث ناظرین ہے۔

عن ابی ہریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَقُوْلُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَیْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِیْ اَلْیَوْمَ اُظِلُّهُمْ فِیْ ظِلِّیْ یَوْمَ لَاظِلَّ اِلَّا ظِلِّیْ۔

(مسلم شریف)

”قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اعلان فرمائے گا کہاں ہیں وہ آپس میں محبت کرنے والے؟ مجھے اپنے جلال کی قسم میں ان کو آج اپنے سائے کے نیچے جگہ دوں گا جبکہ میرے سایہ کے بغیر اور کوئی سایہ نہیں ہے“۔

اس طرح امام بیہقی نے بھی شعب الایمان میں ایک حدیث ذکر کی ہے جو یہ ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَنَّ عَبْدَیْنِ تَحَابَّا فِی اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَاحِدٌ فِی الْمَشْرِقِ وَآخَرُ فِی الْمَغْرِبِ لَجَمَعَ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ یَقُوْلُ هٰذَا الَّذِیْ کُنْتَ تُحِبُّهُ فِیَّ۔

”حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔اگر دو بندے اللہ کے لئے ایک دوسرے

کے ساتھ محبت کرتے تھے اور ان میں سے ایک مشرق میں اور دوسرا مغرب میں رہتا تھا تو قیامت کے دن اللہ ان کو اکٹھا کرے گا اور فرمائے گا کہ یہ وہ آدمی ہے جس کے ساتھ تو میرے لئے محبت کرتا تھا"۔ (مظہری)

یہی لوگ جو اللہ تعالیٰ کے لئے آپس میں محبت کیا کرتے تھے انہیں یہ مژدہ جانفزا سنایا جائے گا۔ حدیث شریف میں ہے۔

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ۔ "کہ روز حشر ہر آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اسے محبت تھی تو غور فرمایئے کہ جب عشاقان جمال مصطفوی صاحب لواء الحمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنگت اور رفاقت میں ہوں گے تو پھر خوف کیسا؟ اور حزن کیوں؟ (ضیاء القرآن شریف)

ان خوش نصیبوں کو کہا جائے گا کہ تم بھی جنت میں تشریف لے چلو اور تمہاری بیویاں بھی۔ علامہ پانی پتی تُحْبَرُوْنَ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں ای تَسُرُّوْنَ سُرُوْرًا يَظْهَرُ حِبَارُهُ عَلٰى وُجُوْهِكُمْ۔ یعنی تم اس روز اتنے خوش ہو گے کہ مسرت کی نشانیاں تمہارے شگفتہ چہروں اور چمکتی ہوئی آنکھوں سے نمایاں ہوں گی۔

اللہ کی رضا کے لئے محبت کرنے والوں کا اعزاز

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - اِنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰى عِبَادًا يُوْضَعُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْمَنَابِرُ يَقْعُدُوْنَ عَلَيْهَا هُمْ قَوْمٌ لِبَاسُهُمْ نُوْرٌ فَقَالُوْا مَنْ هُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُتَحَابُّوْنَ فِي اللّٰهِ وَالْمُتَزَاوِرُوْنَ فِيْ اللّٰهِ وَالْمُتَجَالِسُوْنَ فِيْ اللّٰهِ۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط)

"کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ کے ایسے بندے ہوں گے جن کے لئے منبر بچھائے جائیں گے وہ ان پر تشریف فرما ہوں گے وہ ایسے لوگ ہوں گے کہ ان کے لباس بھی نورانی اور ان کے چہرے بھی نورانی

ہوں گے۔ نہ وہ نبی ہوں گے اور نہ شہید اور انبیاء کرام اور شہداء انہیں رشک بھری نگاہوں سے دیکھیں گے تو صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ کون ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے ایک دوسرے سے ملاقات کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ مل بیٹھتے تھے"۔ (اس کو طبرانی نے اوسط میں نقل کیا ہے)۔

یہ حدیث پاک اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی بارگاہ میں حاضر ہونا اور ان کی ہم نشینی اختیار کرنا۔ ان کے اعراس پر دور دراز کی مسافت طے کر کے اکٹھا ہونا اور مل بیٹھنا صرف جائز اور درست ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعزاز و اکرام کا ذریعہ اور وسیلہ بھی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف فرشتہ بھیجا اور فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام کیا تو نے کبھی کوئی میرے لئے عمل کیا ہے تو انہوں نے عرض کی اے میرے اللہ میں نے تیری رضا کے لئے نمازیں پڑھیں، روزے رکھے، صدقہ کیا اور تیرا ذکر کرتا رہا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے موسیٰ تیرا نماز پڑھنا یہ تیرے لئے تصدیق کی دلیل ہے اور روزہ رکھنا دوزخ سے بچنے کی ڈھال ہے اور صدقہ دینا تیرے لئے سایہ ہے اور ذکر کرنا تیرے لئے نور ہے۔ بتاؤ تم نے میرے لئے کون سا عمل کیا ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی۔ یا اللہ! تو ایسا عمل کرنے کی طرف میری راہنمائی فرما جو خالص تیرے لئے ہو۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے موسیٰ! کیا تو نے میری رضا کے لئے کسی کو دوست بنایا ہے اور کیا تو نے کسی میرے نافرمان سے میرے لئے دشمنی کی ہے؟

تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ پسندیدہ عمل اس کی رضا کے لئے کسی سے محبت کرنا اور کسی کے ساتھ دشمنی کرنا ہے۔ (درۃ الناصحین)

عجیب وغریب حکایت

روایت میں آیا ہے کہ قیامت کے دن ایک مومن آدمی کو پکڑ کر نیکیوں اور بدیوں کے ترازوں کے پاس لایا جائے گا اور اس کے اعمال کا وزن کیا جائے گا اور اس کے گناہ والا پلڑا اس کے نیکیوں والے پلڑے سے بھاری ہو جائے گا تو اسے جہنم میں پھینکنے کا حکم دیا جائے گا وہ عرض کرے گا کہ اے میرے پروردگار مجھے کچھ وقت کے لئے مہلت دے دے تا کہ میں اپنی والدہ سے کچھ نیکیاں حاصل کرلوں تو اسے مہلت دی جائے گی وہ اپنی والدہ کے پاس حاضر ہوگا اور عرض کرے گا اے میری ماں! میں تجھے اس کا واسطہ دیتا ہوں جو تو نے دنیا میں میری تربیت کی ہے اور تو نے مجھے ہر اچھی بات کی طرف پہنچایا ہے آج مجھے اپنی نیکیوں میں سے نیکی عطا فرما دے تا کہ میں دوزخ کی آگ سے نجات حاصل کرلوں تو وہ جواب دے گی اے میرے بیٹے! میں تو اپنے متعلق پریشان ہوں اور اپنے بارے میں حیران وششدر ہوں میرے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ آج میں تجھے کوئی نیکی دے کر چھٹکارا دلاسکوں تو وہ اس سے از حد مایوس ہوگا۔ پھر وہ یکے بعد دیگرے اپنے تمام قریب ترین رشتہ داروں کے پاس جائے گا نیکیاں حاصل کرنے کا سوال کرے گا لیکن ہر طرف سے مایوسی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ تو اسے جہنم کی طرف لے جانے کا حکم ہوگا تو اسے جہنم کی طرف جاتے ہوئے اس کا دوست دیکھ لے گا اور وہ اسے کہے گا کہ اے میرے دوست! میں اپنی تمام نیکیاں تجھے ہبہ کرتا ہوں۔ تا کہ ہم میں سے ایک تو دوزخ سے بچ جائے اور یہ اس سے کہیں زیادہ آسان ہے کہ ہم دونوں دوزخ میں داخل ہو جائیں۔ تو اس آدمی کو جنت میں داخل ہونے کا حکم دیا جائے گا تو وہ جلدی جلدی جنت کی طرف جانے لگے گا تو راستے میں پکار اٹھے گا یہ مردانگی نہیں کہ تو اپنے دوست کو آگ میں بھلا دے اور خود جنت میں داخل ہو جائے لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوگا اور نیکیاں ہبہ کرنے والے دوست کی شفاعت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی شفاعت قبول فرمالے گا اور ان دونوں کو جنت میں داخل ہونے کا حکم دے گا۔ (موعظۃ)

ایمان کی حلاوت

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ - اَنْ يَكُوْنَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُ اَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ - اَنْ يَكْرَه اَنْ يَعُوْدَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ اَنْ اَنْقَذَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ. (متفق علیہ)

''کہ جس شخص میں تین صفات ہوں اس نے ایمان کی مٹھاس کو پالیا۔(۱) اللہ اور اس کا رسولؐ ان دونوں کے سوا سے اسے زیادہ محبوب ہوں۔(۲) وہ کسی آدمی سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے محبت کرے۔(۳) وہ اس بات کو ناپسند کرے کہ وہ کفر کی طرف لوٹ جائے اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس سے نکال لیا ہے۔جس طرح وہ اس کو ناپسند کرتا ہے کہ اسے آگ میں پھینکا جائے''۔

ابی ادریس خولانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ دمشق کی مسجد میں داخل ہوئے تو وہاں ایک نوجوان تھا جس کے دانت چمکدار تھے اور لوگ اس کے ساتھ تھے۔جب ان میں کسی بات پر اختلاف ہو جاتا تو اس کے پاس جاتے اور اس کی رائے کے مطابق عمل پیرا ہو جاتے۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ ہیں دوسرے دن میں نے صبح سویرے ان سے ملاقات کا قصد کیا۔مگر وہ مجھ سے پہلے جا چکے تھے اور نماز میں مشغول تھے میں نے نماز سے فراغت تک انتظار کی پھر میں سامنے آیا اور سلام کیا اور عرض کیا میں اللہ تعالیٰ کے لئے آپ سے محبت کرتا ہوں تو آپ نے تین بار فرمایا اللّٰہ ؟ اللّٰہ ؟ اللّٰہ - قلت نعم۔انہوں نے مجھے اپنے نزدیک کرتے ہوئے فرمایا مبارک ہو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے:

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَجَبَتْ مَحَبَّتِيْ لِلْمُتَحَابِّيْنَ فِيَّ وَالْمُتَجَالِسِيْنَ

فِيَّ وَالْمُتَزَاوِدِيْنَ فِيَّ وَالْمُتَبَاذِلِيْنَ فِيَّ

''اللہ نے فرمایا میری محبت ان لوگوں کے لئے واجب ہے جو میری وجہ سے آپس میں محبت کرتے ہیں اور میری رضا کے لئے اکٹھے بیٹھتے ہیں اور میری محبت کی وجہ سے ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور میرے لئے ہی ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں''۔ (موطا امام مالک)

یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ کے لئے آپس میں محبت کرتے ہیں تو انہیں یہ مژدہ جانفزا سنایا جاتا ہے المرءُ مع من اَحَبَّ۔

بندہ مومن کی ملاقات کا اجر

حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی ملاقات کے لئے جاتا ہے اور پھر واپس پلٹتا ہے تو اسے ہر قدم کے بدلے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب حاصل ہوتا ہے اور اس کے ایک ہزار گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور اس کے نامہ اعمال میں ایک ہزار نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں اور اس کے لئے ایسا نور بلند ہوگا جس طرح اللہ کی بارگاہ میں عرش کا نور بلند ہے۔ (درۃ الناصحین)

اللہ کی رضا کے لئے ملاقات کرنے والا جنتی ہے

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں یہ نہ بتادوں کہ تم میں سے جنتی کون ہے؟ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ضرور کرم فرمایئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نبی جنتی ہے، صدیق اہل جنت سے ہے، اللہ کے راستہ میں شہید ہونے والا جنتی ہے اور وہ آدمی جو دور دراز علاقہ میں اپنے مسلمان بھائی کی ملاقات کرتا ہے اور اس کی ملاقات کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا ہوتا ہے وہ بھی جنتی ہے۔ (اس کو حافظ ابو نعیم نے روایت کیا ہے)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ نبی کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایسے محل ہیں جو اتنے صاف اور شفاف ہیں ان کے اندر سے ان کا بیرونی منظر نظر آتا ہے اور ان کے باہر سے ان کا اندرونی منظر نظر آتا ہے وہ اللہ کی رضا کے لئے محبت کرنے والوں اور آپس میں ملاقات کرنے والوں اور اس میں خرچ کرنے والوں کے لئے تیار فرما رکھے ہیں۔ (طبرانی)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ لوگ جو اللہ کی رضا کے لئے ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور اس کی خوشنودی کے لئے آپس میں محبت کرتے ہیں وہ قیامت کے دن سرخ یاقوت کے ستونوں پر تشریف فرما ہوں گے جس طرح سورج اہل دنیا کو روشن کرتا ہے تو جنتی کہیں گے کہ ہمیں ان لوگوں کی طرف لے چلو تا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے محبت کرنے والوں کو دیکھیں، تو جب وہ ان کی طرف جھانکیں گے تو ان کے چہرے اسی طرح چمک اٹھیں گے جس طرح سورج اہل دنیا کو روشن کرتا ہے۔ انہوں نے سبز ریشم کے کپڑے پہن رکھے ہوں گے ان کی پیشانیوں پر یہ لکھا ہوگا یہ وہ لوگ ہیں جو آپس میں اللہ کی رضا کے لئے محبت کرتے تھے اور اللہ کی رضا کے لئے ایک دوسرے سے ملاقات کرتے تھے۔ (زبدۃ الواعظین)

اللہ کے پڑوسی

حضرت زین العابدین علی ابن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ قیامت کے دن جب پہلے اور پچھلے تمام لوگ اکٹھے ہوں گے تو منادی کرنے والا پکارے گا دنیا میں اللہ تعالیٰ کے پڑوسی کہاں ہیں تو لوگوں کا ایک گروہ اٹھ کھڑا ہوگا وہ جنت میں داخل ہونے کا ارادہ کریں گے فرشتے انہیں کہیں گے تم کہاں جانے کا ارادہ کرتے ہو تو وہ جواب دیں گے جنت کا۔ تو فرشتے کہیں گے کیا حساب مکمل ہو گیا ہے وہ ہاں میں جواب دیں گے تو فرشتے ان سے پوچھیں گے تمہارا پڑوس کیسا ہے تو وہ جواب دیں گے ہم آپس میں اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے محبت کرتے تھے تو فرشتے انہیں کہیں گے کہ تم بخوشی جنت میں

داخل ہو جاؤ وہ نیک عمل کرنے والے کا بہترین اجر ہے۔

عجیب کہانی

روایت بیان کی جاتی ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حکم فرمائیں گے کہ ان دو مومنوں کو اس کے سامنے حاضر کیا جائے جن میں سے ایک گناہ گار دوسرا اطاعت گزار اور وہ دونوں ایمان کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوئے تو اللہ تعالیٰ جنت کے فرشتے کو حکم دے گا کہ وہ اطاعت گزار کو جنت میں لے جائے اور اس کی عزت و تکریم میں مصروف ہو جائے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں اس سے راضی ہوں اور گناہ گار کے متعلق دوزخ کے محافظوں کو حکم ہو گا کہ وہ جہنم میں لے جائیں اور اسے شدید ترین عذاب دیں کیونکہ وہ شرابی تھا۔ اطاعت گزار ہنستا ہوا خوشی خوشی جنت کی طرف جائے گا تو جب جنت کے قریب پہنچے گا تو اپنے پیچھے سے اس گناہ گار کی آواز سنے گا وہ اسے کہے گا کہ اے میرے دوست اور میرے حبیب میں تجھے اللہ کا واسطہ دیتا ہوں مجھ پر رحم کر اور اللہ کی بارگاہ میں میری سفارش کر اطاعت گزار جب یہ آواز سنے گا تو اسی جگہ کھڑا ہو جائے گا اور جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ جنت کا فرشتہ اسے کہے گا کہ تو جنت میں داخل ہو جا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر کہ تو نے دوزخ سے نجات حاصل کی۔ وہ کہے گا میں جنت میں داخل نہیں ہو گا تو مجھے بھی جہنم کی طرف لے جا تو جنت کا فرشتہ کہے گا میں تجھے جہنم میں کیسے لے جا سکتا ہوں جبکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تجھے جنت میں داخل کروں اور خدمت کروں وہ آدمی کہے گا مجھے نہ تیری خدمت کی ضرورت ہے اور نہ ہی جنت کی تو غیب سے آواز آئے گی۔ اے رضوان میں خوب جانتا ہوں میرے بندے کے دل میں کیا ہے۔ لیکن تو اس سے پوچھ لے تا کہ تجھے معلوم ہو جائے کہ اس کے دل میں کیا ہے۔ تو رضوان اس سے پوچھے گا تو جنت میں کیوں داخل نہیں ہوتا اور دوزخ کو کیوں پسند کرتا ہے تو وہ جواب دے گا کہ وہ گناہ گار جو دنیا میں مجھے پہچانتا تھا وہ جہنم کی طرف گیا ہے اور اس نے مجھے پکارا میرے سامنے معذرت کی اور مجھ سے سفارش طلب کی اور میں جب تک اسے جہنم سے نکال نہ لوں میں جنت میں داخل نہیں ہوں سکتا تو

چونکہ اب میرے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ میں بھی اس کے ساتھ جہنم میں داخل ہو جاؤں اور اس کے ساتھ عذاب میں مبتلا ہو جاؤں تو اللہ تعالیٰ جو کہ رحمٰن بھی ہے اور رحیم بھی ہے اس کی طرف سے آواز دینے والا آواز دے گا کہ اے میرے بندے! تو اپنی کمزوری کے باوجود یہ گوارا نہیں کرتا کہ وہ جہنم میں داخل ہو کیونکہ اس نے تجھے دنیا میں کچھ وقت کے لئے دیکھا ہے اور کچھ دن تیری سنگت اختیار کی ہے یہ میں کیسے گوارا کر سکتا ہوں کہ میں اپنے اس بندے کو جہنم میں داخل کروں جو ساری زندگی مجھے پہچانتا رہا اور ستر سال مجھے معبود سمجھ کر عبادت کرتا رہا اس لئے اسے جنت میں لے جاؤ میں نے تجھے بھی معاف کر دیا اور اس گناہ گار کو تیری وجہ سے بخش دیا۔ (موعظہ)

اقوال زریں

مذکورہ بالا حدیث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قیامت کے دن متقی، پرہیز گار اور اولیاء اللہ کی دوستی نجات کا باعث ہوگی۔ اس لئے انبیاء کرام علیہم السلام اللہ کی بارگاہ میں یہ دعا کرتے تھے۔ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ۔ کہ اے مولا کریم ہمیں موت آئے تو حالت اسلام میں اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے۔ اس لئے شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ

صحبت یکساعت باولیاء بہ از عبادت یکصد بے ریا

کہ اللہ کے ولی کی بارگاہ میں ایک ساعت بیٹھنا سو سال کی بے ریا عبادت سے بہتر ہے اور حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر تھے تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تفسیر کشاف میں یہ لکھا ہوا پڑھا ہے کہ جب آدمی یہ چاہے کہ اس کا حشر نیک لوگوں کے ساتھ ہو اور قیامت کے میدان میں اسے ان کی سنگت نصیب ہو تو وہ یہ آیت طیبہ تلاوت کرے۔ رَبَّنَا وَ اٰتِنَا مَا وَ عَدْتَنَا عَلٰی رُسُلِکَ وَ لَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ۔ "اے ہمارے پروردگار تو ہمیں وہ کچھ عطا فرما جو تو نے اپنے رسولوں کے ذریعے عطا کرنے کا وعدہ فرمایا اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ فرمانا

بے شک تو وعدہ خلافی نہیں فرماتا۔" اس کے بعد آپ نے ایک واقعہ سنایا اور فرمایا۔ بخارا میں ایک شخص رہتا تھا جو فسق و فجور میں بدنام تھا تو جب وہ مر گیا اسے خواب میں دیکھا گیا کہ وہ اولیاء اللہ اور دوستان خدا کے ساتھ ہے تعجب سے اس سے پوچھا گیا کہ تجھے یہ دولت کہاں سے نصیب ہوئی تو اس نے جواب دیا کہ میں نے تفسیر کشاف میں یہ لکھا ہوا دیکھا تھا کہ جو شخص اس مذکورہ بالا آیت طیبہ کی تلاوت کرتا ہے وہ نیک مردوں کے ساتھ ہوگا پس میں اس کو صدق دل سے پڑھتا رہا تو اللہ نے میری یہ عبادت قبول فرمالی اور اس نے میرے گناہ بخش دیئے اور اب مجھے یہ حکم ہے کہ میں اللہ کے دوستوں کی سنگت میں ہی رہا کروں۔ (ملفوظات گنج شکر)

بھیڑیا کا دل پسند واقعہ

علماء میں سے ایک نے سورۃ یوسف کی اس آیت کے تحت ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ وہ بڑا ہی عجیب، پرلطف اور عبرت انگیز ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے بھائی یوسف علیہ السلام کو بند کنویں میں پھینک دیا اور شام کے وقت واپس آئے اور اپنے والد کی ناراضگی سے بچنے کے لئے جھوٹ موٹ کے آنسوں بہاتے ہوئے حاضر ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وَ جَآءُ وَا اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ" "کہ وہ شام کے وقت روتے ہوئے اپنے باپ کے پاس آئے" ان کے ہمراہ ایک بھیڑیا تھا جسے انہوں نے زبردستی پکڑ لیا تھا اور اپنے باپ سے کہنے لگے یہ ہے وہ بھیڑیا جس نے آپ کے لخت جگر یوسف کو کھالیا ہے۔ تو حضرت یعقوب علیہ السلام ان کی بات سن کر بھیڑیئے کو الگ تھلک لے گئے اور تنہائی میں دو رکعت نفل ادا کرنے کے بعد پوچھا اے بھیڑیئے بتاؤ کیا تو نے میرے فرزند اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک کو کھایا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے اسے قوت نطق عطا فرمائی تو وہ فصیح عبرانی زبان میں بول اٹھا اور کہا میں اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں کیونکہ اس نے یہ حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کرام کے اجساد کو زمین، آگ یا درندے کھائیں۔ تو جب۔ زمین، آگ اور درندوں پر انبیاء کرام کے لحوم کو کھانا حرام ہے تو میں یہ کیسے جرأت کر سکتا ہوں

کہ یوسف علیہ السلام کو ذرہ برابر گزند پہنچاؤں بلکہ وہ مجھے زبردستی پکڑ کر آپ کی بارگاہ میں لائے ہیں تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس سے دریافت کیا کہ تم ان کے ہتھے کیسے چڑھ گئے؟ اور تم کہاں سے آئے اور کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں ارض جرجان سے آیا ہوں تاکہ اپنے اس بھائی سے اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لئے ملاقات کروں جو کنعان کی سرزمین میں رہائش پذیر ہے۔ آپ نے پوچھا تیرا اس سے ملاقات کرنے کا مقصد کیا ہے؟ بھیڑیئے نے عرض کی کہ میرے باپ نے میرے دادا سے اور اس نے آپ کے دادا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لئے اپنے کسی بھائی سے ملاقات کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں ایک ہزار نیکیاں لکھنے کا حکم ارشاد فرماتا ہے۔ اور اس سے ایک ہزار گناہ مٹانے کا حکم دیتا ہے اور اس کے ایک ہزار درجات بلند فرماتا ہے اور اسے قیامت کے دن عذاب دوزخ سے نجات عطا فرمائے گا اور اسے اپنے اس دوست کے ساتھ جنت میں جمع فرمادے گا اور وہ دونوں جنت میں اس طرح اکٹھے ہوں گے جس طرح شہادت کی انگلی درمیانی انگلی سے ملی ہوئی ہوتی ہے۔ تو میں نے بھی اپنے اس دودھ بھائی دوست سے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ملاقات کا ارادہ کیا تو مجھے یہ خبر ملی کہ وہ تو فوت ہو گیا ہے جس کی وجہ سے غمزدہ اور پریشانی کے عالم میں ہوں۔ تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے حکم فرمایا اے میرے دوستو! اس بھیڑیئے کی یہ بات نوٹ کرلو کہ ایک بھیڑیا اللہ کی رضا کی خاطر، اس سے ثواب کے حصول کی خواہش میں اور دوزخ کے عذاب سے نجات کی غرض سے اور قیامت کے دن اس کے ساتھ اکٹھا ہونے کے شوق میں جرجان سے چلتا ہے اور کنعان آتا ہے تو ہم کیوں نہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے انعامات کے حصول کی خاطر اپنے دوستوں سے ملاقات کریں۔ (موعظہ)

نتیجہ

اگر ایک درندہ جو مکلف نہیں اور غیر ذوی العقول میں شمار ہوتا ہے وہ اپنی نجات کی خاطر اپنے دوست سے ملاقات کرتا ہے تو ہم اشرف المخلوقات اور ذوی العقول ہو کر اس

نعمت سے محروم رہیں کتنا خسارے کا سودا ہے اور اس پوری بحث سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ علماء ربانیین اولیاء کرام، متقی اور پرہیزگار لوگوں کے لئے دور دراز کا سفر کرنا اور ان کی درگاہوں پر حاضری دینا ہزار ہا سعادتوں اور بخششوں کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ ان سے ملاقات کا مقصد صرف رضاء الٰہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ حَبِیْبِنَا وَ حَبِیْبِ رَبِّ الْعَالَمِیْن مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰی وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہ اجمعین،

وما توفیقی الا باللّٰہ – علیہ توکلت و الیہ انیب۔

چھیالیسواں وعظ

شعائر اللہ کی تعظیم و تکریم کا خدائی اعلان

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ مُحَمَّد
الْمصطفی رَحْمَةِ اللعالمین و عَلٰی آلہ و اصحابہ اجمعین

اما بعد! فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَ مَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ ۝ (الحج)

"اور جو ادب و احترام کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا تو یہ (احترام) اس وجہ سے
ہے کہ دلوں میں تقویٰ ہے۔" (جمال القرآن)

یہ مادیت زدہ دور طرح طرح کے فتنوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے اس میں کفر و الحاد اور ظلم و تعدی کی تند و تاریک آندھیاں امڈ امڈ کر آ رہی ہیں اور وہ بندہ مومن کے دل سے نور ایمان کے چراغ کو گل کرنے کی سر توڑ کوششیں کر رہی ہیں اور اس کو دوبارہ کفر و الحاد کی تاریکیوں میں پھینکنے کے در پے ہیں اس زمانہ میں ایمان کی حفاظت کرنا بہت ہی مشکل نظر آتا ہے۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آج سے سوا چودہ سو سال پہلے یہ ارشاد فرمادیا تھا کہ ایک ایسا وقت آئے گا کہ انسان شام کے وقت مومن ہوگا اور جب صبح اٹھے گا تو اس کے ایمان کا چراغ بجھ چکا ہوگا۔ اور صبح کے وقت مومن ہوگا لیکن شام کو نور ایمان سے محروم ہوگا۔ اس موجودہ زمانے میں مختلف قسم کی تحریکیں سرگرم عمل ہیں ہر ایک اپنے نظریہ کے خلاف نظریہ رکھنے والے کو مشرک کافر اور ملحد کہتا ہے اور وہ عقائد جن پر امت مسلمہ کا اجماع ہے انہیں بدعت، شرک، کفر اور معلوم نہیں کیا کیا کہا جا رہا ہے۔ اس لئے میں آج ان میں سے صرف ایک چیز قرآن و حدیث کی روشنی میں ثابت کرنے کی کوشش کروں گا۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ میری راہنمائی فرمائے اور مجھے صحیح صحیح بیان کرنے کی توفیق عطا

فرمائے۔ (آمین)

موجودہ زمانہ میں ایک ایسا گروہ پیدا ہو چکا ہے جو یہ کہتا ہے کہ مزارات اولیاء اور متبرک مقامات کی زیارت کرنا کفر اور شرک ہے۔ اس لئے وہ دھڑلے سے لوگوں کو وہاں جانے سے منع کرتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا وہ چیز جس کا تعلق کسی اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے کے ساتھ ہو جائے تو وہاں جانا اس سے برکت حاصل کرنا اور دعا کرنا یہ جائز ہے یا ناجائز؟

تلاوت شدہ آیت طیبہ کی تشریح کرتے ہوئے علماء کرام ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے شعائر کی تعظیم و تکریم کرنا تقویٰ کی علامت ہے۔

"امام ابن جریر لفظ شعائر کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ شعیرۃ بروزن فعیلۃٌ کی جمع ہے جس کا معنی ہے وہ علامت جس سے کسی چیز کی پہچان ہو سکے یعنی وہ نشانیاں جن سے اللہ کی پہچان ہو۔"

وَ شَعَائِرُہٗ الَّتِیْ جَعَلَھَا اَمَارَاتٍ بَیْنَ الحقِّ و البَاطل۔ یعنی جن چیزوں سے حق اور باطل کی شناخت ہو سکے ان کو شعائر اللہ کہتے ہیں۔

قرآن کریم میں صفا و مروہ کی پہاڑیوں، قربانی کے جانوروں کو اللہ کے نشان کہا گیا ہے اور ان کی تعظیم و تکریم کا حکم دیا گیا ہے تو جب یہ چیزیں شعائر اللہ ہیں تو مدینہ طیبہ اس کے گلی کوچے، اولیاء کرام اور ان کے آثار اور ان کے مزارات پر انوار کیوں شعائر اللہ میں داخل نہیں۔ شرک کی مذمت کے بعد شعائر اللہ کی تعظیم و تکریم کا حکم دیا جا رہا ہے اور اس کو دل کے تقویٰ کی علامت قرار دیا جا رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ محبوبان الٰہی اور ان کے آثار کی تعظیم و احترام شرک نہیں تا کہ قبیح اور مذموم ہو۔ جس طرح آج کل بعض لوگ خیال کرتے ہیں بلکہ جذبہ خدا ترسی کی نشانی ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دلی لگاؤ کی دلیل ہیں کیونکہ جس سے محبت ہوتی ہے اس کا جس چیز سے تعلق ہوتا ہے وہ بھی پیاری لگتی ہے۔ عبادت اور تعظیم میں فرق نہ کرنا اور تعظیم کو عبادت شمار کرنا اور اسے شرک کہنا قرآن فہمی کا کوئی اچھا مظاہرہ نہیں ہے۔

(ضیاء القرآن شریف)

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر جن چیزوں کو متبرک، قابل تعظیم اور شعائر اللہ شمار فرمایا ان میں سے کچھ کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ "بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔" صفا اور مروہ کو شعائر اللہ ہونے کا مرتبہ کیوں نصیب ہوا اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنے ننھے فرزند ارجمند اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ہاجرہ علیہا السلام کو لق و دق صحرا میں چھوڑنے کا حکم فرمایا۔ اس وقت وہاں نہ کوئی آبادی تھی اور نہ ہی پانی کا چشمہ تھا اور نہ ہی دور و نزدیک کوئی ذی روح نظر آتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کچھ کھجوریں اور مشکیزہ میں کچھ پانی اس بے آب و گیاہ وادی میں ان کے سپرد کیا اور وہاں سے رخصت ہو گئے۔ حضرت حاجرہ علیہا السلام کو فکر لاحق ہوئی کہ یہ کھجوریں اور پانی ختم ہو جائیں گے میری گود میں معصوم بچہ ہے۔ اس کے لئے پانی کہاں سے دستیاب ہو گا اس لئے آپ نے اپنے ننھے فرزند ارجمند اسماعیل علیہ السلام کو جہاں اب چاہ زمزم ہے وہاں زمین پر لٹا دیا اور خود پانی کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئیں اور سب سے پہلے آپ صفا پہاڑ پر چڑھیں ادھر ادھر دیکھا کہ کہیں کوئی آبادی نظر آ جائے لیکن بے سود۔ پھر وہاں سے اتر کر آپ مروہ کی طرف تشریف لے گئیں اور جہاں پست جگہ تھی وہاں دوڑ لگائی تا کہ مروہ پہاڑ پر پہنچ کر اپنے لخت جگر کو دیکھ لیں کہ کوئی درندہ انہیں کہیں نہ اٹھا لے جائے اور مروہ پہاڑ پر پہنچ کر ادھر ادھر دیکھا لیکن وہاں بھی کوئی چیز نظر نہ آئی پھر بے چینی کے عالم میں صفا پہاڑ کی طرف دوڑیں تو اس طرح آپ نے صفا و مروہ کے درمیان سات چکر کاٹے لیکن مطلوب حاصل نہ ہوا۔ اسی اثناء میں حضرت جبرائیل امین اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جہاں آپ کے قدمین شریفین تھے وہاں اپنا نورانی پر مارا تو وہاں سے پانی کا چشمہ ابل پڑا تو جب حضرت حاجرہ علیہا السلام مایوس ہو کر اپنے لخت جگر کے پاس پہنچیں تو دیکھا جس کی وہ تلاش میں تھیں وہ تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قدموں میں موجود ہے تو آپ نے پانی کا چشمہ جاری دیکھا

تو اس کے ارد گرد رکاوٹ کھڑی کر دی تا کہ وہاں پانی جمع ہو جائے اور اسے حکم فرمایا۔ زمزم۔ ٹھہر جا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر حضرت ھاجرہ علیہا السلام اس پانی کو نہ روکتی تو پورا جزیرہ عرب اس سے سیراب ہو جاتا۔ تو چونکہ صفا اور مروہ اور ان کی درمیانی جگہ کو حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے قدمین شریفین لگنے کا شرف حاصل ہوا اور اللہ تعالیٰ کو یہ ادا اتنی پسند آئی کہ اس نے فرمایا کہ قیامت تک حج اور عمرہ کرنے والوں کے لئے ان کے درمیان دوڑنا واجب ہے اور سنت ہاجرہ علیہا السلام کو ترک کرنا درست نہیں۔ اگرچہ زمانہ جاہلیت میں کفار نے صفا پر اساف اور مروہ پر نائلہ کے بت نصب کر دیئے تھے اور وہ ان کا طواف کرتے تھے اسلام لانے کے بعد مسلمانوں کو اس جگہ سعی کرنا ناگوار گزرا جہاں پہلے بت رکھے ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہیں ہاجرہ کی پیروی میں دوڑنا ہے تمہیں مناسب نہیں کہ تم بتوں کی وجہ سے اسماعیل علیہ السلام کی والدہ کی سنت کو ترک کر دو اس لئے ان دونوں پہاڑوں کو شعائر اللہ کہا گیا ہے۔

اس سے دو چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔ (۱) وہ چیز جس کی نسبت بندگان خدا ذوالجلال کی طرف ہو جاتی ہے تو وہ چیز عظمت و تکریم کے لائق ہو جاتی ہے اور اسے شعائر اللہ ہونے کا شرف حاصل ہو جاتا ہے۔ اور دوسری چیز یہ ہے کہ ان کی تعظیم کرنا تقویٰ اور پرہیزگاری کی علامت ہوتی ہے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی اسی مذکورہ بالا آیت کے ضمن میں یہ لکھتے ہیں کہ تعظیم اور عبادت میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے کسی چیز کی تعظیم کرنا عبادت نہیں ہوتا بلکہ اسے تقویٰ کی علامت قرار دیا گیا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے بنی اسرائیل کا ذکر کرتے ہوئے حضرت طالوت علیہ السلام کو ان کا امیر بنانے کی علامت اور نشانی یہ قرار دی ہے کہ ان کے پاس وہ صندوق آ جائے گا جس میں سابقہ انبیاء کرام موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام وغیرھم کے تبرکات ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ

رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾ (بقرہ)

''اور کہا انہیں ان کے نبی نے کہ اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ آئے گا تمہارے پاس ایک صندوق اس میں تسلی (کا سامان) ہوگا تمہارے رب کی طرف سے اور (اس میں) بچی ہوئی چیزیں ہوں گی جنہیں چھوڑ گئی ہے اولاد موسیٰ علیہ السلام اور اولاد ہارون علیہ السلام اٹھا لائیں گے اس صندوق کو فرشتے بے شک اس میں بڑی نشانی ہے تمہارے لئے۔ اگر تم ایمان دار ہو''۔

حضرت سموئیل علیہ السلام نے جب بنی اسرائیل کے لئے حضرت طالوت کو امیر مقرر کیا جو علم و شجاعت اور حسن و جمال میں بے نظیر تھا۔ اس کی قامت کی بلندی کی یہ حالت تھی کہ دوسرے لوگ بمشکل اس کے کندھوں تک پہنچ سکتے تھے اور یہ بنیامین کی نسل سے تھا تو بنی اسرائیل نے جھٹ اعتراض کر دیا اور کہنے لگے نہ اس کے پاس مال و دولت کی فراخی ہے اور نہ ہی یہ ان انبیاء کی اولاد سے ہے جنہیں بادشاہی عطا کی گئی ہے تو انہوں نے جھٹ مطالبہ کر دیا کہ آپ دلیل پیش کیجئے کہ طالوت کا انتخاب واقع ہی اللہ نے کیا ہے اس وقت ان کے نبی نے انہیں فرمایا کہ اس کی حکومت کی نشانی یہ ہے کہ وہ صندوق جس میں تمہاری تسکین وطمانیت کا سامان ہے اور جس میں حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے تبرکات تھے جو عمالقہ تم سے چھین کر لے گئے تھے وہ تمہیں فرشتے واپس کر دیں گے اور اگر تم میں ایمان ہے تو اس سے بڑھ کر تمہیں کسی مزید نشانی کی ضرورت نہیں رہے گی۔ جب فرشتے اس صندوق کو اٹھائے ہوئے یا اس بیل گاڑی کو ہانکتے ہوئے جس پر تابوت رکھا تھا بنی اسرائیل کے پاس لے آئے تو اب انہیں حضرت طالوت کے ملک بننے کا اطمینان ہو گیا نیز انہیں ڈھارس بندھ گئی کہ اب وہ یقیناً فتح یاب ہوں گے کیونکہ انبیاء کرام کے تبرکات والا صندوق جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور پارچات اور حضرت ہارون کا عمامہ تھا انہیں واپس مل گیا ہے اس آیت طیبہ سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ وہ اشیاء جن کا تعلق اللہ کے مقبول بندوں سے

ہوتا ہے ان کی برکت سے دعائیں قبول ہوتی ہیں اور دشمنوں پر غلبہ نصیب ہوتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضور علیہ السلام کے ناخن، بال مبارک تبرک کے طور پر پاس رکھا کرتے تھے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر ایک ٹوپی تھی جس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک بال شریف رکھا ہوا تھا تو وہ ایک معرکہ میں آپ کے سر سے گر گئی آپ نے دشمنوں کے نرغہ میں گھس کر اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر اس ٹوپی کو اٹھالیا لوگوں نے کہا اے خالد! آپ جیسا شجاع، بہادر اور جہاں دیدہ آدمی اس معمولی سی ٹوپی کی وجہ سے اپنی جان کیسے خطرہ میں ڈال سکتا ہے تو تم نے ایسا کیوں کیا؟ تو حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ اس ٹوپی کی عجیب شان ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک بال مبارک ہے۔ جس معرکہ میں میں یہ ٹوپی سر پر رکھ کر جاتا ہوں اللہ تعالیٰ اس بال کی برکت سے مجھے کامیاب وکامران فرماتا ہے۔

اس مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ جس چیز کا تعلق اور نسبت کسی اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے سے ہوجاتا ہے تو وہ عام چیز نہیں رہتی بلکہ اس کی شان نرالی ہوجاتی ہے۔

مردہ گائے کے گوشت سے مقتول کا زندہ ہونا

اس ضمن میں ایک اور واقعہ سماعت فرمایئے ایمان تازہ ہوجائے گا۔ بنی اسرائیل میں ایک بوڑھا دولت مند تھا، اس کا ایک ہی لڑکا تھا۔ اس بوڑھے کے بھتیجوں نے اس کے لڑکے کو قتل کردیا۔ تاکہ اس کی وراثت بھی انہیں ملے۔ اور اس کی لاش کو اٹھا کر دوسرے شہر کے دروازہ پر پھینک آئے صبح ہوئی تو خود ہی مدعی بن بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور قدرت کا ایک روشن نشان دکھانے کے لئے انہیں ایک گائے کے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا کہ اس ذبح شدہ گائے کا ایک ٹکڑا مقتول کو مارو۔ دیکھو وہ میری قدرت سے کیسے زندہ ہوتا ہے اور کس طرح حقیقت حال سے پردہ اٹھتا ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک نیکوکار آدمی تھا۔ اس کا ایک معصوم بچہ تھا اور اس کے پاس ایک بچھیا تھی۔ جب مرنے لگا تو اس نے دعا کی۔ اے باری تعالیٰ! اس

ننھے بچے کے لئے میں یہ بچھیا تیرے پاس امانت رکھتا ہوں اور اس بچے کو تیرے سپرد کرتا ہوں۔ پھر اس بچھیا کو جنگل میں چھوڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس نیک بندے کی عرض کو قبول فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں وہ پلتی رہی اور جب یہ بچہ جوان ہو گیا۔ تو اس جنگل میں گیا جہاں وہ گائے چرا کرتی تھی۔ اپنے مالک کی آواز سنتے ہی وہ گائے اس کے پاس آ گئی۔ جب بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے مخصوص حلیہ والی گائے کی تلاش شروع کی۔ تو ان تمام صفات سے متصف صرف وہی گائے ملی جو اس نیک بندے کے لڑکے کے پاس تھی۔ بنی اسرائیل نے اسے منہ مانگی قیمت ادا کی اور گائے خرید لی اور اسے ذبح کر کے اس کا کوئی حصہ مقتول کے ساتھ لگایا وہ فوراً زندہ ہو گیا اور اپنے قاتل کا پتہ بتا دیا۔ اس قصہ سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کے حوالے ہوا سے کوئی چیز گزند نہیں پہنچا سکتی۔ اور جس چیز کا تعلق بندگان خدا سے ہوتا ہے اس کی قدر و قیمت کا اندازہ ان کی ہم مثل چیزوں سے نہیں لگایا جا سکتا۔ (ضیاء القرآن)

آثار میں آیا ہے کہ عاشق ہر اس چیز کی قدر کرتا ہے جو اس کے محبوب اور معشوق کی طرف منسوب ہوتی ہے صحابہ کرام کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ ہر اس چیز کو یمن و برکت کا منبع سمجھتے تھے جس کا تعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہوتا۔ عروہ بن مسعود ثقفی حدیبیہ کے مقام پر کفار مکہ کا سفیر بن کر حاضر خدمت ہوتا ہے اور وہاں صحابہ کرام کی جو والہانہ محبت اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دیکھتا ہے اس کا چشم دید حال بیان کرتا ہے اور کفار کو بتاتا ہے کہ وہ قیصر و کسریٰ اور کئی دوسرے بادشاہوں کے درباروں میں گیا ہے لیکن ان کی جانثاری اور عقیدت کے جو جذبات اس نے غلامان محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دلوں میں موجزن دیکھے ہیں ان کی نظیر اسے کہیں بھی نظر نہیں آئی وہ اگر تھوکتے ہیں تو لعاب دہن کو تبرک سمجھ کر ہاتھوں پر مل لیتے ہیں اگر وہ وضو فرماتے ہیں تو وضو کے پانی کا ایک قطرہ زمین پر نہیں گرنے دیتے بلکہ آگے بڑھ کر اسے اپنے چہروں اور سینوں پر مل لیتے ہیں اگر کوئی کام کرنے کا اشارہ کرتے ہیں تو حکم بجالانے میں سب ایک دوسرے سے سبقت لے جانے

کے لئے بے تاب ہو جاتے ہیں میں نے اطاعت کیشی، جانثاری، خلوص اور محبت کے ایسے دلکش مناظر کسی شاہی دربار میں نہیں دیکھے۔ اگر تم یہ خیال کرتے ہو کہ مشکل وقت میں مسلمان اپنے نبی کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے تو یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ میں نے حقیقت حال سے تمہیں آگاہ کر دیا ہے اب جو تم مناسب سمجھو وہ کرو۔

اس قسم کے متعدد واقعات ہیں جو اس بات کا شعور دلاتے ہیں کہ ہر وہ چیز جس کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہے اور جس کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مس کیا وہ عظمت کی حامل ہے۔ اور مومنین اس سے برکت بھی حاصل کرتے ہیں اور اس کی عزت و احترام بھی کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی جن کا نام حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے ان کے پاس ایک رومال تھا جس کی عجیب وغریب شان تھی۔ ایک دفعہ ان کے پاس مہمان تشریف لائے انہوں نے ان کی دعوت کا اہتمام کیا تو جب کھانا کھانے کے لئے بیٹھے تو آپ نے وہ رومال اور دستر خوان پکڑا اور اسے آگ میں پھینک دیا مہمان کہنے لگے کہ آپ نے یہ قیمتی رومال آگ میں کیوں پھینک دیا ہے آپ اسے صابن کے ساتھ دھو لیتے اور اسے صاف کر کے استعمال کرتے تو آپ نے فرمایا کہ اس رومال کی عجیب وغریب شان ہے وہ اس طرح کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ساتھ ہاتھ پونچھے تھے اور اس کے بعد جب بھی یہ میلا ہوتا ہے تو میں اسے آگ کے اندر پھینک دیتا ہوں آگ میل کچیل کو جلا دیتی ہے اور رومال کو ذرا برابر بھی نقصان نہیں پہنچتا۔ تو آپ نے تھوڑی دیر کے بعد اس رومال کو تنور سے باہر نکالا تو وہ بالکل صاف اور شفاف تھا۔ میل، کچیل، داغ اور کوئی دھبہ اس کے اوپر نہیں تھا۔

اسی طرح حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس ایک چھڑی تھی جسے آپ بڑی ہی عزت واحترام کے ساتھ اپنے پاس رکھتے اور اس کی بے ادبی نہ ہونے دیتے اور جب آپ کا آخری وقت قریب آیا تو آپ نے اپنی اولاد کو حکم فرمایا کہ جب میں مر جاؤں تو یہ چھڑی کفن کے ساتھ میری قبر میں دفن کر دینا کیونکہ اس کے صدقے اللہ تعالیٰ دوزخ کی

آگ سے مجھے محفوظ رکھے گا تو آپ کی وصیت کے مطابق وہ چھڑی آپ کے ساتھ قبر میں دفن کردی گئی۔

یہی واقعات اور اشیاء اس چیز کی دلیل ہیں کہ جو چیز کسی اللہ کے ولی کے تصرف میں ہوتی ہے اور وہ اسے اپنے استعمال میں لاتا ہے تو اس کی شان اور مقام نرالا ہو جاتا ہے۔ تاریخ فرشتہ میں مذکور ہے کہ جب محمود غزنوی نے ہندوستان میں سومنات کے قلعہ جس میں ہندوؤں کا بہت بڑا گردوارہ تھا اور اس میں انہوں نے پتھروں کے معبود بنا کر رکھے ہوئے تھے تو محمود غزنوی نے اس پر حملہ کرنا چاہا اور اسے ملیا میٹ کرنے کا ارادہ فرمایا تو چونکہ ہندوؤں کی وہ عقیدت کا مرکز تھا اس لئے انہوں نے بھی پختہ عزم کرلیا کہ وہ ہر قیمت پر اس کی حفاظت کریں گے لہذا انہوں نے تمام ہندوستان سے فوجیں جمع کیں اور وہاں حفاظت کا پورا بندوبست کرلیا۔ محمود غزنوی نے جب ان کے ان انتظامات، لشکر اور اسلحہ کو دیکھا تو وہ سیدھا اپنے مرشد پاک حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ نہایت ہی ادب واحترام سے عرض کیا کہ ہندوستان کا سومنات آخری قلعہ ہے اگر یہ فتح نہ ہوتو ہندوستان پر میری چڑھائی کی مہم مکمل نہیں ہوتی اس لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے فتح عطا فرمائے تو حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے انہیں اپنا کرتہ عنایت فرمایا۔ اور فرمایا جس صبح تم نے سومنات پر حملہ کرنا ہو نماز سے فراغت کے بعد اسے سامنے رکھ کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرنا وہ اس کی برکت سے دعا قبول فرمائے گا۔ اور تمہیں فتح و نصرت عطا فرمائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ محمود غزنوی نے اپنے مرشد پاک کے حکم کی تعمیل کی اور اسے سامنے رکھ کر دعا کی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے گھمسان کی لڑائی کے بعد مسلمانوں کے لشکر کو فتح عطا فرمائی۔ محمود غزنوی جب انتظام وانصرام سے فارغ ہوئے تو اپنے مرشد پاک کی بارگاہ میں مبارک عرض کرنے کے لئے حاضر ہوئے تو حضرت ابوالحسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا اے محمود! تو نے میرے کرتہ کی قدر نہیں کی اگر تم اسے سامنے رکھ کر یہ دعا کرتے کہ اللہ تعالیٰ ہندوستان کے تمام ہندوؤں کو اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے تو

وہ سب مسلمان ہو جاتے یہاں سے کفر کا نام و نشان ہی مٹ جاتا یہ ہے اللہ تعالیٰ کے ولی کے ساتھ تعلق رکھنے والی چیز کا اثر۔ اللہ تعالیٰ ان کی شان سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مزارات پر حاضر ہو کر دعا کرنے کا جواز

آپ ذرا غور فرمائیں کہ جب اس چیز میں یہ تاثیر ہے جس کو کسی اللہ کے بندہ نے ہاتھ لگا دیا ہو یا اسے مس کر لیا ہو تو اس جگہ کی کیا شان ہوگی جس میں وہ اللہ کا بندہ آرام کر رہا ہے اس سلسلہ میں ایک دو واقعات بھی سن لیں تا کہ دل بے چین اور قلب مضطرب کو چین اور قرار نصیب ہو۔

حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دار فانی سے رخصت ہونے کے بعد وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزار پر ایک دن تشریف فرما تھے ایک اعرابی آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزار کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کرنے لگا اے اللہ کے محبوب آپ پر قرآن کریم نازل ہوتا رہا اور ہم اس پر ایمان لاتے رہے بے شمار برکتیں اور سعادتیں حاصل کرتے رہے اور اسی قرآن کریم میں یہ آیت طیبہ بھی ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا (النساء:64)

ہم اس پر بھی ایمان لاتے ہیں اور آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں آپ ہمارے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کو معاف فرما دے اور ساتھ ہی اس نے یہ اشعار پڑھے

نَفْسِىْ فِدَاءٌ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاكِنُهٗ
فِيْهِ الْعَفَافُ وَ فِيْهِ الْجُوْدُ وَالْكَرَمُ

تو قبر انور سے آواز آئی جس میں حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو یہ حکم دیا گیا

يَا عَلِىُّ اَلْحِقْ هٰذَا الْاَعْرَابِىَّ وَ بَشِّرْهُ بِاَنَّ اللّٰهَ غَفَرَلَهٗ۔

اور علامہ قرطبی نے یہ روایت اس طرح نقل کی ہے۔

نُوْدِیَ مِنْ جَانِبِ الْقَبْرِ اَنَّہٗ قَدْ غُفِرَ لَکَ وَ مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَ جَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ

''کہ قبر کی طرف سے آواز آئی تیرے گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں جس نے میری قبر کی زیارت کی تو اس کے لئے میری شفاعت واجب ہے''۔

اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ انور پر حاضری دیا کرتی تھیں۔ اور بغیر پردہ کے حاضر ہوتیں تو جب سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روضہ انور میں دفن کئے گئے تو آپ پردہ کر کے حاضری دیتی تھیں۔ اور آپ فرماتی۔

وَاللّٰہِ مَا دَخَلْتُہٗ اِلَّا وَاَنَا مَسْتُوْرَۃٌ عَلَیَّ بِثِیَابِیْ حَیَاءً مِنْ عُمَرَ

شاہ عبدالحق محدث دہلوی اس حدیث شریف کی شرح میں لکھتے ہیں۔ دریں حدیث دلیل واضح است در حیات میت وعلم وے۔ وآنکہ موجب است احترام میت نزد زیارت وے۔ خصوصا صالحاں ومراعات ادب بر قدرے مراتب ایشاں است۔ چنانچہ در حیات ایشاں بود، زیراں کہ صالح را مدد بلیغ است و زیارت کنندگان خود را بر اعانۃ وادبی نوازند۔ (اشعۃ اللمعات ص ۷۶۱ ج ۱)

خلیفہ جعفر مدینہ طیبہ حاضر ہوئے روضہ اقدس کی حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ تو انہوں نے امام مالک سے پوچھا کہ میں دعا مانگتے ہوئے کس طرف منہ کر کے دعا مانگوں روضہ مقدسہ کی طرف یا کعبۃ اللہ کی طرف۔ تو امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ تم دعا کے وقت روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منہ کر کے دعا مانگا کرو۔

فَاِنَّہٗ وَسِیْلَتُکَ وَ وَسِیْلَۃُ اَبِیْکَ آدَمَ فِی الدَّارَیْنِ۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی بخشش اور آپ کے باپ آدم کی بخشش کا دونوں جہانوں میں وسیلہ ہیں۔

اہل محبت پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نوازشات

حضرت سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مصر کے ایک ولی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فراق اور ہجر میں تڑپتے رہتے تھے اور آپ کی تعریف میں قصائد لکھا کرتے تھے اور نذرانہ عقیدت پیش کرتے تھے جب ہجر کی سختیوں نے بہت ستایا تو آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کا قصد کیا۔ جب روضہ انور پر حاضری کا شرف حاصل ہوا تو مزار انور کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کیا۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یا جدی۔ اے میرے نانا جان! آپ پر صلاۃ وسلام ہو تو جب آپ نے دست بستہ اس محبت اور خلوص سے سلام عرض کیا تو مزار انور سے جواب آیا وعلیک السلام یا ولدی۔ اے میرے فرزند ارجمند! تم پر بھی سلامتی ہو۔ یہ مقام خلوت وسرگوشی کا نہ تھا بلکہ بہت سے غلامان مصطفیٰ وہاں حاضر تھے سب نے سنا تو جب حضرت سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ عزت افزائی دیکھی دل کی کیفیت بدل گئی وجد طاری ہو گیا تو اس بارگاہ بیکس پناہ کی خدمت میں عرض کی۔

وَ فِیْ حَالَۃِ الْبُعْدِ رُوْحِیْ کُنْتُ اُرْسِلُھَا - تُقَبِّلُ عَنِّیْ الْاَرْضَ وَ ھِیَ نَائِبَتِیْ

کہ جب میں ہجر کے صدمے برداشت کر رہا تھا تو اس وقت میں اپنی روح کو بھیجتا تھا جو میری نائب تھی اور وہ میری طرف سے آپ کے مزار کو چومتی تھی۔

ھٰذِہٖ دَوْلَۃُ الْاَشْبَاحِ وَ قَدْ حَضَرَتْ -فَامْدُدْ یَمِیْنَکَ کَیْ تَحْظٰی بِھَا شَفَتِیْ

اے اللہ کے محبوب! اب تو رب تعالیٰ نے بڑا کرم فرمایا اور مجھے بذات خود حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ اب تو اپنا دست مبارک باہر نکالئے تا کہ میں اسے بوسہ دے لوں۔

چنانچہ اسی وقت آپ کا دست مبارک مزار سے باہر آ گیا آپ نے اسے بوسہ دیا دل بے قرار کو تسلی ہوئی لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا یہ نوازشات اپنوں کے لئے ہوتی ہیں بیگانے تو حسرت ویاس میں رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی دولت سے مالا مال فرمائے۔ لوگ تو اس الجھن میں پڑے ہوئے ہیں کہ آپ زندہ

بھی ہیں یا نہیں، سنتے ہیں یا نہیں۔ یہ محرومی کی بات نہیں تو اور کیا ہے۔ جن کے دل میں محبت ہوتی ہے انہیں مدینہ منورہ کے ذروں میں نور کے جلوے دکھائی دیتے ہیں۔

بزرگان دین اور اولیاء کرام کا ہمیشہ سے یہ معمول رہا ہے کہ وہ اولیاء کرام کے مزارات پر حاضری دیتے اور جو اللہ تعالیٰ نے ان کے مقدر میں لکھ دیا ہوتا وہ ان کی بارگاہ سے فیوض و برکات حاصل کرتے اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت عظمیٰ کا شکریہ ادا کرتے۔ حضرت سلطان الہند شیخ المشائخ خواجہ معین الدین چشتی سنجری اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جنہوں نے کم و بیش ۹۰ لاکھ ہندوؤں کو کفر سے نکال کر دائرہ اسلام میں داخل کیا ان کے دلوں میں دیویوں اور دیوتاؤں کی محبت کی وجہ سے جو ظلمت تھی اسے نکال کر ان کے دلوں کو نور توحید اور نور ایمان سے روشن و منور فرمایا۔ جب ان کے مرشد پاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے انہیں سرزمین کفر والحاد ہندوستان میں تبلیغ اسلام کے لئے بھیجا تو آپ ہندوستان میں پہنچتے ہی لاہور میں حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار پر حاضر ہوئے وہاں چالیس دن کا چلہ کاٹا اور جو فیوض و برکات اور انوار و تجلیات انہیں حاصل ہوئے ان کو ان الفاظ میں بیان فرمایا۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا - ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

کہ سید علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پورے عالم کو فیض عطا فرماتے ہیں اور علم و عرفان کے خزانے لوٹاتے ہیں وہ نور خدا کا مظہر ہیں۔ ناقصوں کے لئے کامل پیر ہیں اور کاملوں کی راہنمائی فرماتے ہیں۔

• اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ہمیں شعائر اللہ کی تعظیم و تکریم کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مقبولان بارگاہ خداوندی کے فیوض و برکات سے مالا مال فرمائے۔ اور ان کے طفیل اہل اسلام کا بول بالا فرمائے اور مظلوموں کی دادرسی کرے۔ (آمین ثم آمین)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا وَ رَسُوْلِنَا مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰى وَ عَلٰى آلِهِ الْمُجْتَبٰى وَ عَلٰى اَصْحَابِهِ اَهْلِ التُّقٰى اَجْمَعِيْنَ۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب

سینتالیسواں وعظ

ایصال ثواب اور گیارہویں شریف

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّي وَ نُسَلِّمُ وَ نُبَارِکُ علی سید الانبیاء و المرسلین – امام الاولین والاخرین حبیبنا و حبیب رب العالمین و علی اله الطیبین الطاهرین و علی ازواجه الطاهرات امهات المؤمنین و علی سائر الصحابة و التابعین اجمعین –

اما بعد – فاعوذ بالله من الشیطن الرجیم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ⑩ (الحشر)

"(اور اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو ان کے بعد آئے۔ جو کہتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار! ہمیں بھی بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دلوں میں کھوٹ باقی نہ رکھ ان کا جو ایمان لائے۔ اے ہمارے پروردگار بے شک تو بہت مہربانی فرمانے والا اور نہایت رحم فرمانے والا ہے"۔ (جمال القرآن)

اتحاد و اتفاق کے بغیر کوئی قوم عزت حاصل نہیں کر سکتی۔ آپس کا افتراق ہی ہمیشہ تباہی کا موجب ہوتا رہا ہے۔ ہر چیز اپنی جگہ اپنی قدر و قیمت رکھتی ہے۔ لیکن ہر وہ چیز جس کا تعلق بہت لوگوں سے ہو اس کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے۔ دنیا کی دوسری قومیں اگر باہمی نفاق سے تباہ ہو جائیں تو اس میں ان کا ذاتی نقصان ضرور ہے لیکن انسانیت اس سے متاثر نہیں ہوتی لیکن امت مسلمہ ایسی قوم ہے جس کے زوال سے ساری انسانیت متاثر ہوتی ہے اس لئے

اس کی بقاء تمام عالم کی بقاء کا ضامن ہے لہٰذا اس کی بقاء بہت ہی اہم ہے، جب ایک بھی
اللہ۔ اللہ کرنے والا ہوگا قیامت نہیں آئے گی۔ اس پر قرآن کریم شاہد ہے نیز قرآن کریم
نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور فرمایا ہے کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ
بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ الخ کہ تم بہترین امت ہو جو پیدا کی گئی ہے لوگوں کے
لئے کہ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو الخ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بار بار
مسلمانوں کو ہدایت فرمائی ہے کہ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا "اللہ تعالیٰ کی
رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور متفرق نہ ہو" اور فرمایا۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ کہ بے شک مومن
آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ "گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں"
اسلام جو صرف عرب کے مسلمانوں یا ہندو پاک کے مسلمانوں کو متحد کرنے کے لئے ہی نہیں
آیا بلکہ تمام بنی آدم کو یگانگت کے رنگ میں رنگنے کے لئے آیا ہے۔ آج ہم اپنی کم عقلی اور
جہالت کی وجہ سے تشتت وافتراق کی نذر ہو چکے ہیں کہیں شیعہ ہیں، کہیں مرزائی اور کہیں
وہابی، اور کہیں چکڑالوی ہیں غرضیکہ اسلام کا نام لینے والے، کلمہ طیبہ پڑھنے والے، قرآن
کریم کو اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب ماننے والے، کئی فرقوں میں بٹ چکے ہیں اور ہر ایک اپنے
نظریہ کے خلاف عقیدہ رکھنے والے کو کافر اور مشرک سمجھتا ہے اور اسے گردن زدنی تصور کرتا
ہے اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ آفتاب نبوت کی کرنوں نے پتھروں کو لعل بنا دیا تھا تو ہمیں بلا کافر
کہا جاتا ہے۔ اگر ہم کہیں کہ سورج کے بعد چاند، تاروں اور چراغوں کی ضرورت نہیں تو بھی
• کفر کا فتویٰ جڑ دیا جاتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے اس محبوب کے کمالات وفضائل کا ذکر کیا
جائے جس کی خاطر تمام دنیا پیدا کی گئی ہے تو مشرک کہا جاتا ہے۔ اب کوئی کرے تو کیا
کرے جہاں تک میں نے غور وفکر کیا ہے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس مرض کا علاج یہی ہے کہ
ہم اپنے من گھڑت عقائد، جذبات اور خیالات کی پرستش چھوڑ دیں اور جو کچھ قرآن نے ہم
کو سکھایا ہے اس پر عمل پیرا ہو جائیں ایسا نہ کریں کہ ایک آیت طیبہ پکڑ لی اور دوسری کو چھوڑ
دیا یا اس کے ایک حصہ کو عملی جامہ پہنایا اور دوسرے حصے کو نظر انداز کر دیا۔ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ

''کہ نماز کے قریب مت جاؤ'' پر عمل کرنے لگیں اور وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی (اس حال میں کہ تم نشہ میں ہو) کو چھوڑ دیں اس سے بڑھ کر اور بے انصافی کیا ہو سکتی ہے؟ اس وعظ میں میں آپ کے سامنے اس بات کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ جب بندہ مومن اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے اور اس کے اپنے اعمال کا دفتر لپیٹ دیا جاتا ہے وہ احکام کا مکلف نہیں رہتا اور اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے تو کیا اس حالت میں بھی اس کے درجات کی بلندی کی کوئی صورت ہے کیا اس کے گناہوں کی بخشش کا کوئی ذریعہ ہے؟ تو اس کا مختصر سا جواب تو یہ ہے کہ بندہ مومن کے مدارج کی اس حالت میں بھی ترقی جاری رہتی ہے اور اس کے پس ماندگان کی طرف سے صدقہ وخیرات کرنے اور دعا کرنے سے اس کے گناہوں کی بخشش کا سلسلہ جاری رہتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے پس ماندگان کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کے لئے دعا مغفرت کرتے رہیں اور اسے اپنی عبادات کا ایصال ثواب کرتے رہیں۔

ہر نمازی اپنی نماز میں یہ دعا مانگتا ہے رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وللمومنین یوم یقوم الحساب۔ کہ اے میرے پروردگار مجھے، میرے والدین اور حساب کے دن تمام مومنین کے گناہ معاف فرمادے۔ مزید اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝ (الحشر)

اس کا ترجمہ اوپر لکھ دیا گیا ہے اور حاملین عرش بھی ان کی مغفرت طلبی کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ یَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ کُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَ اتَّبَعُوْا سَبِیْلَکَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ ۝ (مومن)

"جو فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں عرش کو اور وہ جو عرش کے ارد گرد (حلقہ زن) ہیں وہ تسبیح کرتے ہیں حمد کے ساتھ اپنے رب کی اور ایمان رکھتے ہیں اس پر اور استغفار کیا کرتے ہیں ایمان والوں کے لئے (کہتے ہیں) "اے ہمارے رب! تو گھیرے ہوئے ہے ہر شی کو (اپنی) رحمت اور علم سے پس بخش دے انہیں جنہوں نے (کفر سے) توبہ کی ہے اور پیروی کی ہے تیرے راستہ کی اور بچا لے انہیں عذاب جہنم سے۔"

رَبَّنَا وَأَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ أَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٨﴾ (مومن)

"اے ہمارے رب داخل فرما انہیں سدا بہار باغوں میں جن کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔ اور (قابل بخشش ہیں) ان کے والدین، ان کی بیویوں اور ان کی اولاد سے بے شک تو ہی سب سے زبردست (اور) حکمت والا ہے"۔ (جمال القرآن)

ہر نمازی ہر نماز میں کم از کم یہ دعا ضرور کرتا ہے رب اغفرلی ولوالدی وللمومنین یوم یَقُوْمُ الحِسَابُ۔ اور حاملان عرش کا بھی یہ وظیفہ ہے جو اوپر مذکور ہوا تو یہ کس کی برکت ہے یہ برکت ہے کلمہ طیبہ کی جس کے پڑھنے سے انسان کفر سے نکل کر دائرہ ایمان میں داخل ہو جاتا ہے جنت کا مستحق قرار پاتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے شجرہ طیبہ کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس پر کبھی خزاں نہیں آتی اور جس کے پھل کبھی ختم نہیں ہوں گے علامہ مرحوم فرماتے ہیں۔

یہ نغمہ فصل گل ولالہ کا نہیں پابند بہار ہو کہ خزاں لا الہ الا اللہ

کافر کے لئے کوئی مغفرت نہیں اور نہ ہی اس کے لئے بخشش کی دعا کی اجازت ہے تو اب دیکھنا یہ ہے کیا ہماری اور فرشتوں کی ان دعاؤں سے ایمان کے ساتھ پہلے جانے والوں کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے یقیناً انہیں فائدہ پہنچتا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کبھی بھی بے فائدہ کام کا حکم نہ دیتا اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کے لئے استغفار اور دعا کریں۔ اَللّٰھُمَّ

اغْفِرْلِیْ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ۔ جب ہماری استغفار سے انہیں نفع پہنچتا ہے اسی طرح ہم ان کے لئے جو بھی نیک عمل کریں اس کا ثواب بھی انہیں پہنچتا ہے۔ فقہ کی معتبر ترین کتاب شامی کی دوسری جلد باب الحج عن الغیر میں یہ لکھا ہے۔ سواءٌ کَانَتْ صَلٰوۃً اوصَوْمًا او صَدَقَۃً او قِرَاءۃً ذِکْرًا او طَوَافًا او حَجًّا او عُمْرَۃً او غَیْرَ ذَالِکَ مِنْ زِیَارَۃِ قبورِ الانبیاء علیھم الصلٰوۃ والسلام والشُّھَدَاءِ والصَّالِحِیْن کما فی الھِندِیہ۔ علامہ شامی لکھتے ہیں کہ خواہ انسان نماز پڑھے روزہ رکھے صدقہ دے قرآن کریم کی تلاوت کرے، ذکرواذکار کرے، طواف بیت اللہ کا شرف حاصل کرے، حج، عمرہ یا اسی قسم کا کوئی نیک عمل کرے مثلاً انبیاء کرام علیہم الصلٰوۃ والسلام، شہداء عظام اور نیک لوگوں کی قبور کی زیارت وغیرہ ان تمام کا ثواب مرنے والے کو پہنچتا ہے۔

اس سلسلہ میں متعدد احادیث طیبہ بھی مذکور ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مرنے والے کو کسی کا اپنی عبادات کا ایصال ثواب کرنا یہ جائز ہے۔ اس سے ان کے درجات بلند ہوتے ہیں اور انہیں اس کی خبر بھی ہوتی ہے اب آیئے ان میں سے چند احادیث طیبہ سماعت فرمایئے۔

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں۔

ضَحّٰی رسولُ اللّٰہِ صلی اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَبْشَیْنِ اَقْرَنَیْنِ اَملحین مَوْجُوْآیَن ...... ثُمَّ اَضْجَعَہ الآخَرَ فَقَال بِسْمِ اللّٰہ اللّٰہ اَکْبَر - اَللّٰھُمَّ مِنْ مُحَمَّدٍ وَ اُمَّتِہٖ مِمَّنْ شَھِدَلک بالتوحیدِ و شَھِدَ بِبَلاغٍ او کما قال علیہ الصلٰوۃ والسلام

"کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو خوبصورت سینگوں والے، کالی آنکھوں والے مینڈھے قربانی کیا کرتے تھے ان کو لٹاتے اور پھر پڑھتے بسم اللہ اللہ اکبر۔ اے اللہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی اس امت سے قبول فرما جنہوں نے تیری توحید کی شہادت دی اور میری تبلیغ کی گواہی دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی

امت کی طرف سے قربانی دینا ایصال ثواب کی واضح دلیل ہے"۔

(۲) عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ اَنَّہٗ سَالَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّا نَتَصَدَّقُ عَنْ مَوْتَانَا وَ نَحُجُّ عَنْھُمْ وَ نَدْعُوْ لَھُمْ فَھَلْ یَصِلُ ذَالِکَ اِلَیْھِمْ قَالَ نَعَمْ اِنَّہٗ لَیَصِلُ اِلَیْھِمْ وَاِنَّھُمْ یَفْرَحُوْنَ بِہٖ کَما یَفْرَحُ احدکم بالطَبْقَۃ اِذَا اُھْدِیَ اِلَیْہِ۔ (فتح القدیر باب الحج عن الغیر ص ۳۰۹ ج ۲)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم اپنے مرنے والوں کی طرف سے صدقہ کرتے ہیں ان کی طرف سے حج کرتے ہیں اور ان کے لئے دعا کرتے ہیں کیا انہیں یہ پہنچتا ہے؟ تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہاں تمہارے ان اعمال کا انہیں ثواب پہنچتا ہے اور وہ اس سے اسی طرح خوش ہوتے ہیں جس طرح تم میں سے کوئی آدمی کسی اپنے رشتہ دار کو ایک تھال میں رکھ کر اس کو تحفہ بھیجتا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے"۔
(فتح القدیر باب الحج عن الغیر)

حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم اپنی خلافت کے زمانہ میں ہر سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے قربانی دیا کرتے تھے۔

اگر اس کا ثواب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہ پہنچتا اور اس سے آپ کا تقرب حاصل نہ ہوتا تو سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم قطعاً ایسا عمل نہ کرتے اس سے معلوم ہوا کہ ایصال ثواب سے وہ لوگ خوش بھی ہوتے ہیں اور انہیں خبر بھی ہوتی جو اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہوتے ہیں اور انہیں ایصال ثواب کیا جاتا ہے۔ اس پر متعدد احادیث اور فقہاء عظام کے اقوال شہادت دیتے ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

عَنْ زَیْدِ ابْنِ اَرْقَمَ رَضِیَ اللّٰہُ عنہ قَالَ - قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ - اِذا حَجَّ الرَّجُلُ عن والدیہ تُقُبِّلَ مِنْہُ و

مِنْهُمَا و اسْتَبْشَرَتْ اَرْوَاحُهم وَ كُتِبَ عِنْدَ اللّٰهِ بِرًّا (فتح القدیر)

”زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے والدین کی طرف سے حج کرتا ہے تو وہ حج کرنے والے اور اس کے والدین کی طرف سے قبول کیا جاتا ہے اور ان کی روحیں اس سے خوش ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی نیکی لکھ دی جاتی ہے“۔

اسی طرح مسلم شریف میں ایک حدیث شریف مذکور ہے کہ ایک آدمی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اس نے کہا کہ میری والدہ اچانک فوت ہوگئی ہیں اور وہ مجھے نصیحت نہ کر سکیں اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اسے اجر ملے گا۔ تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ہاں اگر تو اس کی طرف سے صدقہ کرے تو اسے اس کا ثواب حاصل ہوگا۔

اس حدیث شریف کی شرح میں امام نووی لکھتے ہیں۔ وَ فِیْ هٰذَا الْحَدِیْثِ جَوَازُ الصَّدَقَة عَنِ المیتِ واسْتِحْبَابُهَالِاَن ثَوَابَهَا یُصِلُهٗ وَ یَنْفَعُهٗ وَ یَنفعُ الْمَتصَدِقَ اِیضًا وَ هَذَا کُلُّهُمْ اَجْمَعَ عَلَیْهِ الْمُسْلِمُوْن۔ آپ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث شریف میت کی طرف سے صدقہ کے جواز اور اس کے استحباب کی واضح دلیل ہے اور اس بات کی بھی یہ واضح دلیل ہے کہ اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور اسے نفع بھی حاصل ہوتا ہے اور اس کی طرف سے صدقہ دینے والا بھی نفع سے محروم نہیں رہتا اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے سوائے معتزلہ کے کہ انہوں نے اس کا انکار کیا ہے۔ لیکن ان کے اس غلط نظریہ کی طرف کسی نے التفات نہیں کیا۔

آج کل پھر کئی نام کے مولوی اس اعتقاد کے پیدا ہوگئے ہیں ان کے پاس نہ تو کوئی دلیل ہے نہ کوئی آیت طیبہ اور نہ ہی حدیث اور نہ ہی فقہاء کرام میں سے کسی کا کوئی قول اس لئے وہ کھلم کھلا تو اس سے روک نہیں سکتے اس لئے کئی طریقوں سے اس کار خیر سے منع کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور کہتے ہیں ویسے تو ایصال ثواب کے ہم بھی قائل ہیں لیکن تم جو

بزرگوں کا نام لے لیتے ہو اس لئے وہ چیز حرام ہو جاتی ہے نیز اس لئے بھی کہ تم مقررہ تاریخ کو ایصال ثواب کرتے ہو اس لئے وہ بھی حرام ہو گیا۔ اس لئے جو لوگ عدم علم کی وجہ سے ان کے پھندے میں پھنس گئے وہ کبھی ایصال ثواب نہیں کرتے اور ان کے ماں باپ ان کی دعاؤں سے محروم اور وہ اس فضیلت سے محروم رہتے ہیں:

مزید چند احادیث ہدیہ ناظرین کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں

(۱) عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذامات الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَمَلُہ اِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ صَدَقَۃٌ جَارِیَۃٌ وَعِلْمٌ یُنْتَفِعُ بِہٖ و وَلَدٌ صَالِحٌ یَدْعُوْلَہٗ

(رواہ البخاری و مسلم)

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے بجز تین اعمال کے کہ ان کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا۔ صدقہ جاریہ، ایسا علم جس سے نفع حاصل کیا جائے یا نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔ پہلے دو کام تو ایسے ہیں جن میں اس شخص کا بھی کچھ عمل دخل ہے لیکن لڑکے کی دعا لڑکے کا اپنا فعل ہے اس سے بھی میت کو فائدہ پہنچتا ہے"۔

(۲) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ لَیَرْفَعُ الدَّرَجَۃَ لِلْعَبْدِ الصَّالِحِ فِی الْجَنَّۃِ وَ یَقُوْلُ یَا رَبِّ اَنّٰی لِیْ ھٰذِہٖ فَیَقُوْلُ بِاِسْتِغْفَارِ وَلَدِکَ (رواہ الطبرانی)

"حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جنت میں کسی عبد صالح کے درجے کو بلند فرما دیتا ہے وہ بندہ پوچھتا ہے یارب! میرا درجہ کیسے بلند ہوا؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تیرے لڑکے نے تیرے لئے استغفار کی۔ اس کی برکت سے تیرا درجہ بلند ہوا"۔

اسی طرح ایک اور حدیث پاک ہے جس کو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کیا ہے کہ جب میت کو قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے اور اس کے اہل میں سے کوئی اس کے لئے دعاء مغفرت کرتا ہے یا قرآن کریم پڑھ کر اور ذکر اذکار پڑھ کے اور صدقہ دے کر اس کو ایصال ثواب کرتا ہے تو یہ چیز اسے تمام چیزوں سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہوتی ہے۔

(۳) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہما قَالَ : قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا الْمَیِّتُ فِی قَبْرِہٖ اِلَّا شِبْہَ الْغَرِیْقِ الْمُتَغَوِّثِ یَنْتَظِرُ دَعْوَۃً مُلْحِقَۃً مِنْ اَبٍ و اُمٍّ اَوْ وَلَدٍ اَوْ صِدِّیْقٍ ثِقَۃٍ وَاِذَا اَلْحَقَتْہُ کَانَتْ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنَ الدُّنْیَا وَ مَا فِیْھَا وَاِنَّ اللّٰہَ لَیَدْخُلُ عَلَی الْقُبُوْرِ مِنْ دُعَاءِ اَھْلِ الارضِ اَمْثَالَ الجِبَالِ وَاِنَّ ھَدِیَّۃَ الاحِیَاءِ اِلَی الاَمْوَاتِ الاسْتِغْفَارُ لَھُمْ (رواہ البیہقی والدیلمی)

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قبر میں میت کی مثال ڈوبنے والے کی طرح ہوتی ہے جو فریاد کر رہا ہوتا ہے اور اس چیز کا منتظر ہوتا ہے کہ اس کے باپ، اس کی ماں، یا اس کے لڑکے یا باوفا دوست کی دعا! اسے پہنچے اور جب وہ دعا اسے پہنچتی ہے تو اس کی قدر و منزلت اس کے نزدیک دنیا و مافیہا سے زیادہ ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اہل زمین کی دعاؤں کی برکت سے قبروں پر رحمت کے پہاڑ بھیجتا ہے اور مرے ہوؤں کے لئے دوستوں کا تحفہ یہ ہے کہ وہ ان کے لئے دعا مغفرت کیا کریں"۔

(۴) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب کوئی شخص کسی گھر سے فوت ہوتا ہے اور گھر والے اس کی طرف سے صدقہ کرتے ہیں اور جبرائیل امین نور کے تھال پر اسے رکھتے ہیں پھر اس کی قبر کے دھانے پر کھڑے ہو کر کہتے ہیں اے گہری قبر کے رہنے والے یہ ہدیہ ہے جو تیرے گھر والوں نے تیری طرف بھیجا ہے تو اسے قبول کر اس کی خوشی اور مسرت کی کوئی حد نہیں رہتی اور

اس کے پڑوسی جن کی طرف کوئی ہدیہ نہیں بھیجا جاتا وہ بڑے غمناک ہوتے ہیں۔

(رواہ الطبرانی فی الاوسط)

اس سے ماقبل یہ بیان ہو چکا ہے کہ سوائے معتزلیوں اور خارجیوں کے کوئی بھی مرنے والوں کے ایصال ثواب کا منکر نہیں اس سلسلہ میں قرآن کریم کی آیات اور احادیث طیبہ مذکور ہو چکی ہیں اب آیئے علماء اور فقہاء کی آراء سنیں کہ وہ اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں امید ہے اگر قاری نے آنکھوں سے تعصب کی پٹی ہٹا کر ان حوالہ جات کو پڑھا تو وہ راہ ہدایت دیکھ لیں گے اور ہو سکتا ہے کہ کوئی جادہ راہ سے بھٹکا ہوا منزل مقصود کو پالے۔

(۱) علامہ تفتازانی شرح عقائد نسفی میں لکھتے ہیں: و فی دعاءِ الاحیاءِ للاموات وَ صَدقَتِہِمْ عَنْھُمْ نَفعٌ لَھُمْ خلافاً للمعتزلۃ۔ کہ زندوں کا مرنے والوں کے لئے دعا کرنا اور ان کی طرف سے صدقہ کرنا ان کے لئے نفع کا باعث ہوتا ہے۔ معتزلہ کا اس میں اختلاف ہے۔

(۲) قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تذکرۃ الموتی ص ۹۷ میں اس مذکورہ بالا مسئلہ کے متعلق احادیث جمع کرنے کے بعد لکھتے ہیں لہٰذا جمہور فقہاء حکم کردہ است کہ ثواب ہر عبادت بمیت می رسد۔ آپ فرماتے ہیں کہ ان احادیث کے پیش نظر جمہور فقہاء نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ ہر عبادت کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔

(۳) ہدایہ ص ۲۶۳ ج اول کی یہ عبادت اس مسئلہ کی فقہاء احناف کی طرف سے ایسی دلیل ہے جس کا انکار ممکن نہیں آپ لکھتے ہیں اَلاَصْلُ فِی ھٰذَا الْبَابِ اَنَّ الاِنْسَانَ لَہٗ اَنْ یَجْعَلَ ثَوَابَ عَمَلِہٖ لِغَیْرِہٖ صَلٰوۃً اَوْ صَوْمًا اَوْ صَدَقَۃً اَوْ غَیْرَھَا عِنْدَ اَھْلِ السنۃ والجماعت۔ کہ اس باب میں اصل یہ ہے بندہ مومن کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے عمل کا ثواب اپنے غیر کو بخش دے خواہ نماز ہو، روزہ ہو یا صدقہ ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور نیک عمل ہو تو تمام اہل سنت والجماعت کا اسی پر فتویٰ ہے۔ اس کی دلیل انہوں نے اس حدیث پاک کو بنایا ہے جس کو ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو

خوبصورت مینڈھے منگوایا کرتے اور ان کو قربانی کرتے ایک اپنی ذات کی طرف سے اور دوسرا اپنی اس ساری امت کی طرف سے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ کی شہادت دی۔ (فتح القدیر باب الحج عن الغیر)

(۴) بحرالرائق اور بدائع میں مذکور ہے۔ مَنْ صَامَ او صَلّٰی او تَصَدَّقَ وَ جَعَلَ ثَوابَهُ لِغَیْرِهٖ – مِنَ الاَمْوَاتِ والاَحْیَاءِ جَازَ وَیَصِلُ ثَوَابُهَا اِلَیْهِ عِنْدَ اَهْلِ السنة والجَمَاعَتِ۔

(۵) مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاوی عزیزیہ میں اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ زبدۃ النصائح میں اور مولوی اسماعیل دہلوی صراط مستقیم میں لکھتے ہیں کہ مرنے والے کو اگر قرآن کریم پڑھ کر یا صدقہ دے کر ایصال ثواب کیا جائے تو یہ سب جائز ہیں شاہ عبدالعزیز کی عبارت اس طرح ہے۔ طعامیکہ ثواب آں نیاز حضرت امامین نمایندو براں فاتحہ وقل و درود بخوانند متبرک می شود و خوردن آں بسیار خوب است۔ کہ وہ کھانا جو امامین کریمین کی نیاز کے لئے تیار کیا جائے اور اس پر سورہ فاتحہ اور سورہ قل اور درود شریف پڑھا جائے تو وہ متبرک ہو جاتا ہے۔ اور اس کا کھانا بہت اچھا ہے۔ مولوی اسماعیل لکھتے ہیں۔ حضرت رسالت پناہ سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ را بعد التماس ایشاں کہ مادرم ناگاہ فوت شدہ و یارائے گفتن نیافت و اگرے یافت وصیت مے کرد پس برائے وے اگر چیزے بکنم نفع بوے خواہد رسید فرمودہ چاہکن و بگو کہ ایں برائے مادر سعد است۔ آپ لکھتے ہیں کہ حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ کی والدہ فوت ہوگئی اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کی کہ میری والدہ اچانک فوت ہوگئی ہیں اور انہیں گفتگو کرنے کا موقع میسر نہیں آیا اگر انہیں موقع میسر آتا تو وہ مجھے صدقہ کرنے کی وصیت کرتیں اگر میں کوئی چیز ان کے لئے صدقہ کر دوں تو کیا انہیں نفع پہنچے گا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں اس کے ایصال ثواب کے لئے ایک کنواں کھدوا دو اور یہ کہو کہ یہ کنواں حضرت سعد کی والدہ کے ایصال ثواب کے لئے وقف ہے کنواں کھودا گیا اور وہ ام سعد کے نام سے

مشہور رہا لوگ اس سے پانی پیتے رہے کسی نے بھی اس کو حرام یا ناجائز نہ کہا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی چیز پر غیر خدا کا نام لے لیا جائے اور وہ چیز اس نام سے مشہور ہو بھی ہو جائے تو وہ حرام نہیں ہوتی۔ مزید وضاحت کے لئے ایک اور حدیث شریف سماعت کیجئے۔

(٦) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رضی الله تعالیٰ عنه اَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ رضی الله تعالیٰ عنه تُوُفِّيَتْ اُمُّهُ وَهُوَ غَائِبٌ فَاَتٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله علیه و آله وسلم فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللّٰہ علیه وسلم اِنَّ اُمِّيَ مَاتَتْ وَاَنَا غَائِبٌ فهل يَنْفَعُ هَا اِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ وَ قَالَ اِنِّی اُشْهِدُکَ اَنَّ حَائِطِيْ صَدَقَةٌ عَنْهَا۔

(رواہ بخاری)

''حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سعد ابن عبادہ کی والدہ نے وفات پائی تو آپ موجود نہ تھے۔ جب واپس آئے تو حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گزارش کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری والدہ نے میری غیر حاضری میں وفات پائی۔ اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کر دوں تو کیا اسے کوئی نفع پہنچے گا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں پہنچے گا۔ انہوں نے عرض کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ گواہ رہیں میں نے اپنا باغ اس کی طرف سے صدقہ کیا''۔

مزارات پر جمع ہو کر قرآن خوانی کرنا

اہل اسلام اور اولیاء کرام کے مزارات پر جانا وہاں جا کر قرآن خوانی کرنا۔ دعائے مغفرت کرنا اور ان کے وسیلہ سے اپنی حاجت روائی کی دعا کرنا یہ سب جائز ہے اور سنت سے ثابت ہے اس پر قدیم اور جدید اہل حق کا عمل رہا ہے اور ہے۔ جسے علامہ فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں اس کے متعلق لکھا ہے اور آپ فرماتے ہیں۔

(۱) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَأْتِیْ قُبُوْرَ شُهَدَاءِ اُحُد عَلٰی رَأْسِ کُلِّ حَوْلٍ فیقولُ سَلَامٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَی الدَّارِ وَالْخُلَفَاءُ الْاَرْبَعَةُ هٰکَذَا یَفْعَلُوْنَ (تفسیر کبیر)

"کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر سال کے آخر میں شہداء احد کے مزارات پر تشریف لے جاتے اور وہاں جا کر یہ کہتے۔ تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی اور رحمت ہو بسبب تمہارے صبر کرنے کے اور بہترین گھر آخرت کا گھر ہے اور خلفاء اربعہ بھی آپ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اسی طرح کرتے تھے"۔

(۲) فقیہ شامی نے ردالمختار میں سنن ابوداؤد سے روایت نقل کی ہے اور فرماتے ہیں۔

کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا فَرِغَ مِنْ دَفْنِ الْمَیِّتِ وَقَفَ عَلٰی قَبْرِهٖ وَ قَالَ اِسْتَغْفِرُو لِاَخِیْکُمْ وَاسْئَلُوا اللّٰهَ لَهُ التَّثْبِیْتَ فَاِنَّهُ الْاٰنَ یُسْأَلُ (ردالمختار باب دفن المیت)

"کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب میت کو دفن کرنے سے فارغ ہو جاتے تو اس کی قبر پر کھڑے ہو جاتے اور فرماتے اپنے بھائی کے گناہوں کی بخشش طلب کرو اور اللہ تعالیٰ سے اس کے ثابت قدم رہنے کی التجاء کرو کیونکہ اب اس سے پوچھا جا رہا ہے"۔

(۳) اَنَّ عَمْرَو ابْنَ الْعَاص رضی الله عنه قَالَ لِاَبْنَائِهٖ وَ هُوَ فِیْ سَیَاقِ الْمَوْتِ اِذْ انَامِتُّ فَلَا تَصْحَبَنَّ نائحةٌ ولَا نَارٌ فَاذَا دَفَنْتُمُوْنِی فَشَنُّوْا عَلَیَّ التُّرَابَ شَنًّا ثُمَّ اَقِیْمُوا حَوْلَ قَبْرِی قدر ما یُنْحَرُ جُزُوْرٌ وَ یُقْسَمُ لَحْمُهَا حَتّٰی اَسْتَاْنِسَ بِکُمْ وَاَعْلَمَ مَاذَا اُرَاجِعُ بِرُسُلِ رَبِّیْ (رواہ مسلم)

"کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب قریب الموت تھے تو آپ نے

اپنے بیٹوں کو فرمایا کہ جب میں مر جاؤں تو میرے ساتھ کوئی نوحہ کرنے والی یا آگ نہ ہو (یعنی میری میت کے ساتھ زمانہ جاہلیت کے رواج کے مطابق نہ تو کوئی بین کرنے والی جائے اور نہ ہی میری میت کے ساتھ آگ لائی جائے) تو جب تم مجھے قبر میں دفن کر دو اور میرے اوپر مٹی ڈال دو تو میری قبر کے اردگرد اتنی دیر تشریف فرما رہنا جتنی دیر میں اونٹ ذبح کیا جاتا ہے اور اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے یہاں تک کہ میں تمہارے ساتھ مانوس رہوں اور یہ جان لوں کہ میں اپنے رب کے قاصدوں کو کس طرح سوالات کے جوابات دیتا ہوں"۔ (مسلم شریف)

اس حدیث پاک سے دو مسئلے ثابت ہوئے (۱) صحابہ کرام کا یہ عقیدہ تھا کہ قبر میں رہتے ہوئے انسان باہر کے لوگوں سے انس حاصل کرتا ہے۔ (۲) اور دفن کرنے کے بعد قبر پر کھڑے ہو کر دعا استغفار کرتے رہنا جائز اور درست ہے اسی لئے علماء کرام فرماتے ہیں کہ جب میت کو دفن کر دیا جائے تو اس کی قبر کے پاس بیٹھ کر سورہ بقرہ ابتداء سے لے کر انتہاء تک پڑھی جائے تو میت کو بہت ہی فائدہ ہوتا ہے۔

مزارات پر جا کر ایصال ثواب کرنے والا اور صاحب مزار دونوں کا نفع

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ مَنْ مَرَّ عَلَى الْمَقَابِرِ وَ قَرَأَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ الخ اَحَدَ عَشَرَ مَرَّةً وَ وَهَبَ اَجْرَهُ لِلْاَمْوَاتِ اُعْطِيَ مِنَ الْاَجْرِ بِعَدَدِ الْاَمْوَاتِ (رواہ ابومحمد السمرقندی)

- "ابومحمد سمرقندی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث مرفوعاً نقل کی ہے کہ جو شخص قبرستان میں سے گزرے اور گیارہ مرتبہ قل شریف پڑھ کر اہل قبرستان کو بخشے تو جتنے لوگ وہاں دفن ہوں گے، ان کی تعداد کے برابر اسے ثواب ملے گا"۔

ملا علی قاری۔ جلال الدین سیوطی اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہم تمام لکھتے ہیں۔ اخرج الخلال عن الشعبی كَانَتِ الْاَنْصَارُ اِذَا مَاتَ لَهُمُ الْمَيِّتُ اِخْتَلَفُوْا اِلٰى قَبْرِهٖ يَقْرَؤُوْنَ الْقُرْاٰنَ (تفسیر مظہری پارہ نمبر ۲۸ سورۃ النجم)

امام شعبی سے مروی ہے کہ انصار کا یہ طریقہ تھا کہ جب ان کا کوئی آدمی فوت ہوتا تو وہ اس کی قبر پر جایا کرتے اور وہاں قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتے۔

مسلمانوں کا ہمیشہ سے یہ معمول رہا ہے کہ اپنے وفات پانے والوں کی روح کو ایصال ثواب کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ عینی حدایہ شریف کی شرح فتح القدیر باب الحج عن الغیر میں رقم طراز ہیں۔

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ یَجْتَمِعُوْنَ فِیْ کُلِّ مِصْرٍ وَ زَمَانٍ وَیَقْرَأُوْنَ الْقُرْآن و یُھْدُوْنَ ثَوَابَھُمْ لِمَوتَا ھُمْ وَعَلٰی ھٰذَا اَھْلُ الصَّلاحِ وَالدِّیَانَةِ مِنْ کُلِّ مَذْھَبٍ مِنَ الْمَالِکِیَّةِ وَالشَّافِعِیَّةِ وَ غَیْرِھِمْ وَلَا یُنْکِرُ ذٰلِکَ مُنْکِرٌ فَکَانَ اِجْمَاعًا۔ (فتح القدیر)

"کہ یقیناً اہل اسلام ہر زمانہ اور ہر شہر میں جمع ہوتے، قرآن کریم کی تلاوت کرتے اور وہ اپنے مرنے والوں کو ایصال ثواب کرتے اور مالکی اور شافعی مذہب کے علماء اور اہل صلاح اور دیانت کا یہی مذہب ہے اور کسی عالم نے اس پر اعتراض نہیں کیا گویا اس پر امت کا اجماع ہے"۔

فاتحہ سوم، دسواں اور چہلم کی شرعی حیثیت

میت کے مرنے کے بعد تیسرا۔ دسواں یا چالیسواں دن مقرر کر کے ایصال ثواب کرنا بالکل جائز ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں ہم ان لوگوں سے پوچھتے ہیں کہ اگر یہ نا جائز ہے تو کوئی ایسی صحیح حدیث پیش کرو جس میں یہ کہا گیا ہو کہ ایصال ثواب ویسے تو جائز ہے لیکن دن کا تعین کرنے سے وہ حرام ہو جاتی ہے ورنہ آؤ ہم تمہیں دکھاتے ہیں ہدایت دینا یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

کتاب برجندی مصنف ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اور ہدایۃ الحرمین میں مرقوم ہے۔

کَانَ اَلْیَوْمُ الثَّالِثُ مِنْ وَفَاتِ اِبْرَاھِیْمَ بْنِ محمد علیه الصلوٰۃ والسلام جَاءَ اَبُوْ ذَرٍ رضی الله عنه عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

وَسَلَّمَ وَ عِنْدَهٗ تَمْرَةٌ يَابِسَةٌ وَلَبَنُ النَّاقَةِ وَخُبْزُ الشَّعِيْرِ فَوَضَعَهَا
عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ سُوْرَةَ الْفَاتِحَةِ مرة وَ سُوْرَةَ الْاِخْلَاصِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَ
قَالَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ اَنْتَ لَهَا اَهْلٌ وَ هُوَ لَهَا اَهْلٌ فَرَفَعَ
يَدَيْهِ وَ مَسَحَ وَجْهَهٗ وَاَمَرَ اَبَا ذَرٍّ رضى الله عنه ان يَقْسِمَهَا وَ
قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثواب هذه الاطعمة لِاِبْنِيْ
ابراهيم عليه السلام۔ (برجندی وحدائیۃ الحرمین)

"حضرت ابراہیم بن محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد تیسرا دن تھا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے ان کے پاس خشک کھجوریں، اونٹنی کا دودھ اور جو کی روٹی تھی۔ انہوں نے وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے رکھ دیں تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دفعہ سورۃ فاتحہ شریف اور تین دفعہ سورۃ اخلاص تلاوت فرمائی اور کہا اے اللہ تعالیٰ تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رحمت نازل فرما تو ہی رحمت نازل کرنے کا اہل ہے اور وہ اس کے اہل ہیں اس کے بعد آپ نے دونوں ہاتھ بلند کئے اور اپنے چہرے پر پھیر دیئے اور ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اسے لوگوں میں تقسیم کر دے اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی کہ اس کھانے کا ثواب میرے بیٹے ابراہیم کے لئے ہے"۔

اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی امت کو تعلیم دینے کے لئے یہ عمل کیا ورنہ حضرت ابراہیم تو معصوم تھے اور وہ جنتی تھے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ تیسرے دن جمع ہو کر ایصال ثواب کرنا جائز ہے اور یہی حدیث شریف دسویں اور چالیسویں کے ثبوت کا بھی اصل ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان میں تیجے کا عام رواج تھا جس طرح شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مدارج النبوۃ میں اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے

ملفوظات میں رقم طراز ہیں:

روز سویم اہل اعزاء رفتن و دعائے خیر کردن و طعام فرستادن سنت است از انکہ حضرت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بروز سویم بخانہ اہل جعفر بن ابی طالب تشریف بردو فرزندان جعفر را دلداری نمود و دعائے خیر کرد مر ایشاں را طعام فرستاد۔ ترجمہ: تیسرے روز تعزیت کرنے والوں کا میت کے گھر والوں کے پاس جانا۔ دعائے خیر کرنا اور ان کے لئے کھانا ارسال کرنا سنت ہے کیونکہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد تیسرے روز ان کے گھر تشریف لے گئے۔ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد کی دل جوئی فرمائی اور ان کے لئے دعائے خیر کی اور اس کے بعد ان کے ہاں کھانا ارسال فرمایا۔ (مدارج النبوۃ)

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ روز سویم کثرت ہجوم مردم آں قدر بود کہ بیرون از حساب است و ہشتاد و یک ختم کلام اللہ بہ شمار آمد و زیادہ ہم شدہ باشد وکلمہ را حصر نیست (ملفوظات شاہ ولی اللہ ص ۸۰)

کہ وفات سے تیسرے روز بعد لوگوں کا اتنا ہجوم ہوا کہ جو حساب سے باہر تھا یعنی کثیر لوگ جمع ہوئے اور قرآن کریم کے اکیاسی ختم ہوئے اور ہوسکتا ہے کہ اس سے بھی زیادہ ختم قرآن اور کلمہ طیبہ بے حساب دفعہ پڑھا گیا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ تیسرے دن مرنے والے کے گھر جمع ہونا قرآن خوانی کرنا اور کلمہ طیبہ کا ذکر کرنا حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں عام تھا۔ ایصال ثواب کے جائز ہونے کے متعلق اور بھی بہت سے علماء کے اقوال لکھے جاسکتے ہیں لیکن طوالت کے خوف سے اسی پر اکتفا کرتا ہوں صاحب عقل کو حقیقت تک پہنچنے کے لئے یہی کچھ کافی ہے لیکن یہ بحث تشنہ تکمیل ہی رہے گی اگر یہ وضاحت نہ کردی جائے کہ کیا دن کا تعین کرنا جائز ہے یا نہیں۔

اس کے متعلق گزارش ہے کہ دن کے تعین کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) شرعی (۲) عادی:۔

(۱) اگر کوئی شخص اس عقیدہ سے کسی خاص دن ایصال ثواب کرے کہ اسی دن کو ایصال ثواب، جائز ہے اور اس کے علاوہ جائز نہیں تو یہ شرعاً ممنوع ہے۔ ایسا کرنا ہرگز جائز نہیں۔ اور ہمارا قطعاً یہ اعتقاد نہیں۔ (۲) کسی مصلحت کے پیش نظر کسی دن کا تعین کرنا یہ جائز ہے اور اس پر کئی نقلی اور عقلی دلائل موجود ہیں۔

امام بخاری نے کتاب العلم میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے۔ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وعظ کے لئے ایک دن مقرر فرمایا ہوا تھا آپ فرماتے ہیں۔

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَوَّلُنَا بِالْمَوْعِظَةِ مِنَ الْاَيَّامِ كَرَاهِيَةَ السَّامَةِ عَلَيْنَا

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وعظ ونصیحت کے لئے ہمارے لئے ایک دن مقرر فرما رکھا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ آپ اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ ہم روزانہ وعظ کرنے سے اکتا نہ جائیں"۔ (بخاری شریف کتاب العلم)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ فَسُئِلَ عَنْهُ عَنْ هٰذَا قَالَ فِيْهِ وُلِدْتُ وَ فِيْهِ اُنْزِلَ عَلَيَّ الْقُرْاٰنُ۔

یعنی سوموار کے دن میری ولادت ہوئی اور اسی دن مجھ پر قرآن اترنا شروع ہوا۔ (مشکوٰۃ شریف)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر سوموار کو روزہ رکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ مصلحت کے پیش نظر دن کا تعین کرنا سنت ہے۔ اسی طرح حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اِقْرَءُوْا سُوْرَةَ هُوْدٍ يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ (مشکوٰۃ شریف) کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جمعہ کے دن سورہ ہود پڑھا کرو۔

مذکورہ بالا احادیث طیبہ سے یہ ثابت ہوا کہ دن کا متعین کرنا بدعت اور ناجائز نہیں۔

اسی طرح اگر ایصال ثواب کے لئے کوئی دن متعین کر دیا جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔

اس مذکورہ بالا بحث سے دو باتیں ثابت ہوئی ہیں۔ (۱) اس بات پر معتزلہ کے سوا تمام اہل اسلام متفق ہیں کہ ہر عبادت کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور (۲) دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ اگر ایصال ثواب کے لئے کوئی دن متعین کر دیا جائے۔ مثلاً تیسرا، دسواں یا چالیسواں تو یہ بدعت نہیں اور نہ ہی ناجائز ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ اگر کسی چیز پر کسی کا نام لے لیا جائے اور وہ اس سے مشہور ہو جائے تو کیا وہ چیز حرام ہو جاتی ہے جیسے بعض ناعاقبت اندیش لوگوں کا خیال ہے۔ اس لئے وہ یہ کہتے ہیں کہ جو تم حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی گیارہویں کا دن مقرر کرتے ہو اور اس کو آپ کے نام کے ساتھ موسوم کرتے ہو اس لئے یہ حرام ہے۔ اگر کسی کا نام لینے سے کوئی چیز حرام ہو جاتی ہے تو پھر میرے خیال میں کوئی چیز بھی حلال نہیں ہوگی کیونکہ ہر ایک چیز کسی کے نام سے مشہور و معروف ہوتی ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے یہ زید کا گھر ہے، یہ بکر کی بھینس ہے، یہ مولوی صاحب کا مدرسہ ہے وغیرہ حالانکہ اسے کوئی بھی عقلمند آدمی حرام نہیں کہتا اور احادیث طیبہ میں اس کی اصل موجود ہے جس طرح حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنی والدہ کے ایصال ثواب کے لئے کنواں کھدوانا اور اس کا بئر ام سعد کے نام سے مشہور ہونا بیان کیا گیا ہے اور اگر ام سعد کا نام لینے سے وہ حرام ہو جاتا اس کا پانی پلید ہوتا اس کا پینا اور وضو کرنا وغیرہ ناجائز ہوتا۔ حالانکہ فقہاء کرام نے ایصال ثواب کا طریقہ ہی یہ بتایا ہے اِنْ یَنْوِیَ بِهٖ عِنْدَ الفِعْلِ للغَیْرِ اَوْ یَفْعَله لِنَفْسِهٖ ثُمَّ یَجْعَلُ ثَوَابَهٗ لِلغَیْرِ۔ (شامی)

یعنی اگر عمل کرتے وقت وہ اس غیر کی نیت کرے کہ یہ فعل خیر میں فلاں کے لئے کر رہا ہوں۔ اب آپ یہ فیصلہ فرمائیں کہ ہم لوگ جو گیارہویں کرتے ہیں اس کا مقصد کیا ہوتا ہے اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا ثواب رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقہ صحابہ کرام اہل بیت اور امت مصطفوی کو پہنچائے خصوصاً حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روح مبارک کو۔ تو کیا اس کا ثواب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں پہنچتا ہمارا

عقیدہ ہے کہ یقیناً پہنچتا ہے جیسے یہ ثابت ہوا اسی طرح یہ بھی ثابت ہے کہ آپ کو علم بھی ہوتا ہے کہ میرے فلاں غلام نے یہ ہدیہ میری طرف بھیجا ہے اور اس سے آپ خوش بھی ہوتے ہیں جس طرح اس کی وضاحت اس سے ماقبل متعدد حوالہ جات سے کر دی گئی ہے۔ اب آپ ہی فرمائیں کہ جو لوگ اس کو حرام کہتے ہیں ان کا مقصد اس کے سوا کیا ہوتا ہے کہ لوگوں کو اس کار خیر سے روک دیا جائے لیکن اگر اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کی ارواح کو ہر وقت ایصال ثواب پہنچانا چاہے تو کون روک سکتا ہے۔

آخر میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اسے گیارہویں کیوں کہا جاتا ہے اور یہ چاند کی گیارہویں تاریخ کو ہی کیوں کی جاتی ہے اس کی خاص حکمت ہے۔

حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے سینکڑوں چالیس روزہ چلے کاٹے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اور چلہ چاند کی یکم کو شروع ہوتا اور دوسرے چاند کی دس تاریخ کو ختم ہوتا اس چلہ سے جب آپ فارغ ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے ان انعامات کا جو چلہ کے دوران میں آپ پر ہوتے شکریہ ادا کرنے کے لئے کوئی چیز پکا کر تقسیم فرماتے اور سال کے کسی مہینہ کی گیارہویں تاریخ ایسی نہیں گزری جس میں آپ کا کوئی چلہ ختم نہ ہوا ہو اور آپ نے شکرانہ کے طور پر کوئی چیز تقسیم نہ کی ہو کیونکہ اس چلہ کے دوران آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جن انوار و تجلیات کے ساتھ نوازا جاتا اس سے بڑھ کر آپ کے لئے کوئی خوشی اور شادمانی کا موقع نہ ہوتا تھا اور اللہ کا یہ ارشاد گرامی بھی ان کے پیش نظر ہوتا تھا۔ قُلْ

- بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْیَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ۔ آپ فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت پر (شکریہ ادا کریں) تو اس وجہ سے چاہیے کہ لوگ خوش ہوں (اور اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت پر خوش ہونا) یہ اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے جسے وہ جمع کر کے رکھتے ہیں۔

حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہر عقیدتمند اس فضل اور رحمت پر خوشی کا اظہار کرتا ہے اور آپ کے طریقہ کار پر عمل پیرا ہو کر کوئی چیز پکا کر آپ کی روح مقدسہ کو ایصال

ثواب کرتا ہے اور اس چیز کو لوگوں میں تقسیم کرتا ہے تو گویا وہ اس آیت مقدسہ پر عمل کرتا ہے
اللہ تعالیٰ ہمیں حق پر چلنے اور اس پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّاب – الحمد للّٰه رب العالمين – اللهم صل وسلم و بارک علی سيدنا و حبيبنا و رسولنا محمدن المصطفٰى و علٰى آله المجتبٰى و علٰى اصحابه اهل التقٰى اجمعين –

وما توفيقى الا باللّٰه عليه توكلت و اليه انيب۔

اڑتالیسواں وعظ

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور ظلم کی سزا کا بیان

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّی وَ نُسَلِّمُ وَ نُبَارِکُ عَلٰی صَفْوَةِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْن

امام الاولين والاخرين حبيبنا و حبيب ربنا محمدن المصطفى رحمة للعالمين و على اله المجتبى و على اصحابه التقى و على ازواجه الطاهرات امهات المؤمنين والتابعين اجمعين

اما بعد فاعوذ بالله من الشيطن الرجيم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۱﴾ (الروم)

"پھیل گیا ہے فساد بر اور بحر میں بوجہ ان کرتوتوں کے جو لوگوں نے کیے ہیں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ چکھائے انہیں کچھ سزا ان کے (برے) اعمال کی شاید وہ باز آجائیں"۔

(جمال القرآن)

دنیا میں امن وسکون تو تب ہی برقرار رہ سکتا ہے کہ ہر شخص اپنا فرض دیانتداری سے ادا کرے ہر شخص کے حقوق محفوظ ہوں اور ان سے بہرہ اندوز ہونے کی پوری آزادی ہو جب لوگ اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی اور بددیانتی سے کام لینے لگتے ہیں یا جب کسی کے حقوق غصب کر لئے جاتے ہیں تو پھر بحر و بر میں فتنہ وفساد کے شعلے بھڑکنے لگتے ہیں۔ جائیدادیں تباہ ہو جاتی ہیں اور بے شمار جانیں تلف ہو جاتی ہیں۔ ہر شخص کے فرائض کیا ہیں جو اسے ادا کرنا چاہیں ہر شخص کے حقوق کیا ہیں جو اسے ہر قیمت پر ملنے چاہئیں ان کا تعین دین اسلام نے کیا ہے۔ جو دین فطرت ہے اور جو اس خالق و مالک کا دین ہے جس نے کائنات کی ہر چیز کے فطری تقاضوں کو پورا کیا اور ان کی تسکین کے سامان بڑی فیاضی سے

مہیا فرما دیئے ہیں۔ جہاں بھی کسی قوم نے اس نظام حیات کو اپنایا اسی قدر ان کی زندگیاں اور ان کا ماحول خوشی اور مسرت سے ہمکنار ہوا۔ اور جہاں بھی کسی قوم نے اس نظام سے روگردانی کی وہاں اسی انداز سے امن وسکون رخصت ہوا۔ بے چینی اور اضطراب کے اندھیرے پھیلنے لگے۔ عقائد کی قوت مسلم ہے۔ عملی زندگی میں ان پر مرتب ہونے والے بد اثرات کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ جب عقائد صحیح ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات عالیہ پر ایمان پختہ ہوتا ہے وہاں قلب وروح کی دنیا میں بہار تو آ ہی جاتی ہے۔ عملی دنیا میں بھی دیانتداری اخلاص، حق گوئی، جرأت، بے نیازی اور استغناء کے پھول مہکنے لگتے ہیں اور جہاں بندے کا تعلق اپنے رب کریم سے ٹوٹ جاتا ہے۔ جہاں کفر وشرک کی عفونت پھیل جاتی ہے۔ تو وہاں انسان کی عملی زندگی بھی بدکاریوں، بداعمالیوں کی آماجگاہ بن کر رہ جاتی ہے اگر وہ طاقتور ہے تو شتر بے مہار بن کر لوگوں کے حقوق پامال کرنے لگتا ہے اگر وہ کمزور ہے تو گرے ہوئے سوکھے پتوں کی طرح ہچکولے کھاتا ہے۔ اسے کہیں قرار نہیں وہ خبیث ترین حرکات کے ارتکاب سے بھی نہیں شرماتا۔

جس معاشرہ میں انسان کی جان، عزت وناموس اور مال محفوظ نہ ہو کیا وہاں امن و سکون میسر آسکتا ہے۔ آپ عہد خلافت کی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالیں ہر ملک میں آپ کو اس آیت کی عملی تفسیر دکھائی دینے لگے گی۔ اور اگر آپ عصر حاضر کے حالات کا جائزہ لیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ انسان کو خدا فراموشی نوامیس فطرت سے سرتابی اور اسلام کے پیش کئے ہوئے نظام حیات سے روگردانی کی سزا کس طرح مل رہی ہے۔ نہ خشکی پر کہیں امن ہے نہ سمندر کی بیکراں وسعتوں میں کوئی گوشۂ عافیت نظر آتا ہے زمین پر جگہ جگہ میزائل کے اڈے قائم ہیں جہاں سے ایک براعظم سے دوسرے براعظم پر ایٹم بم برسا کر ہر چیز کو خاک سیاہ بنایا جا سکتا ہے۔ سمندر کی سطح بلکہ سمندروں کو ابلتے ہوئے جہنم میں تبدیل کر سکتی ہے کرہ ہوائی میں بڑی بلندیوں پر امریکہ کا ہوائی بیڑہ جو ہزاروں طیاروں پر مشتمل ہے۔ ہر وقت مصروف پرواز رہتا ہے۔ اس میں مہلک قسم کے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم فٹ کر دیئے گئے

ہیں۔ ایک سگنل سے وہ کہرام رستاخیز برپا کر سکتے ہیں۔ بڑی قوتیں مہلک سے مہلک اسلحہ بنانے کی دوڑ میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لئے ملکی ثروت کو پانی کی طرح بہا رہی ہیں۔ خانگی زندگی بھی ہماری بداعمالیوں سے جنم لینے والے فساد سے محفوظ نہیں۔ میاں بیوی کے درمیان اعتماد جو خانگی زندگی کی مسرتوں کے لئے شرط اول ہے تیزی سے مفقود ہوتا چلا جا رہا ہے ماں باپ اپنی عیش کوشی کے باعث اولاد کی صحیح تربیت سے قاصر ہیں غیر تربیت یافتہ اولاد بڑی ہو کر اپنے والدین کا ادب ملحوظ نہیں رکھتی بلکہ انہیں ایک ناقابل برداشت بوجھ خیال کرتی ہے۔ بڑوں کے دلوں میں چھوٹوں کے لئے رحم اور شفقت نہیں رہی۔ چھوٹوں کی آنکھیں شرم وحیاء کے نور سے محروم ہو گئی ہیں اور اپنے سے بڑوں کی پگڑی اچھالنا فیشن بن گیا ہے۔ جب ہمارے گرد و پیش اس قسم کے حالات ہوں تو اس آیت کا مفہوم سمجھنے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی۔

وہ لوگ جنہوں نے اپنے چمن حیات کو خاردار جھاڑیوں سے بھر دیا ہے۔ اس کے کانٹوں کی چبھن تو وہ بھی محسوس کریں۔ اپنے گناہوں اور بدکرداریوں کی سزا وہ بھی تو چکھیں۔ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ شاید وہ لوگ اپنے اعمال بد کی تباہ کاریوں سے عبرت حاصل کریں اور موت سے قبل اپنی اصلاح کر لیں۔ (ضیاء القرآن شریف)

خشکی اور تری میں فساد ظاہر ہونے کا سبب

جب اللہ تعالیٰ نے زمین کا بلبلہ پانی سے ظاہر فرمایا اور پھر اسے آبادی کے لئے پھیلایا اور سرسبز و شاداب کیا اور اس وقت اس میں کوئی فتنہ اور فساد نہ تھا۔ اگر کوئی شخص کسی درخت کے سایہ میں آکر بیٹھتا تو اس درخت کا تازہ پھل پاتا جس سے وہ اپنے کام و دہن کو لطف اندوز کرتا۔ اور سمندر کا پانی بہت لذیذ اور شیریں تھا اس میں کڑواہٹ اور کھاری پن کا کوئی وجود نہ تھا۔ نہ شیر گائے پر حملہ آور ہوتا تھا اور نہ ہی بھیڑیا بھیڑ اور بکریوں کا شکار کرتا تھا۔ یوں سمجھئے کہ ہر طرف امن، سکون اور اطمینان تھا۔ لیکن جب قابیل نے اپنے سگے بھائی ہابیل کو حسد کی وجہ سے قتل کر دیا تو زمین ویران اور غیر آباد ہو گئی اور درختوں پر کانٹے پیدا ہو گئے اور

زمین کی رنگت سیاہ ہوگئی سمندر کا پانی نمکین اور کھاری ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا (ظهر الفساد فی البر و البحر) کہ قابیل کے اپنے بھائی کو قتل کرنے کی وجہ سے خشکی اور جنگل میں فساد ظاہر ہوا اور جلندی نامی ایک کافر بادشاہ تھا جس کا پیشہ یہ تھا کہ وہ غریب ملاحوں کی کشتیاں زبردستی دریاؤں سے پکڑ لیتا اور ان غریبوں کے ذریعہ معاش کو ختم کر دیتا جو ایک ظلم عظیم تھا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے دریاؤں اور سمندروں کے پانی میں بگاڑ پیدا کر دیا اسی کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا ''بما کسبت ایدی الناس'' کہ دریاؤں اور جنگلوں میں لوگوں کی غلط کاریوں، ظلم و تعدی اور گناہوں کے سبب فساد ظاہر ہوا اور اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنے خالق و مالک کی بارگاہ میں جبین نیاز کو جھکانا ترک کر دیا اور نماز پڑھنا چھوڑ کر دیا جس کا نتیجہ فتنہ و فساد کی شکل میں ظاہر ہوا۔ (رونق المجالس)

''بے نمازیوں کی وجہ سے لعنت کا نزول''

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس محلہ میں ایک بے نمازی رہتا ہو اور باقی اہل محلہ سارے نمازی ہوں مگر اسے نماز پڑھنے پر مجبور نہ کرتے ہوں تو اس محلہ پر ستر مرتبہ دن میں لعنت نازل ہوتی ہے۔ تو گویا بے نمازی کا یہ گناہ اتنا شدید اور گھناؤنا جرم ہے کہ اس ایک کی وجہ سے تمام اہل محلہ پر لعنت نازل ہوتی ہے جس کی وجہ یہ ہے نماز پڑھنے والے اس بے نمازی کو دیکھتے ہیں اور اسے نماز پڑھنے کے متعلق نہیں کہتے۔ اس لئے وہ سارے اللہ تعالیٰ کے عذاب میں شریک ہو جاتے ہیں۔ حدیث شریف میں مذکور ہے کہ حق بات سے چپ رہنے والا اور اسے لوگوں میں ظاہر نہ کرنے والا گونگا شیطان ہے۔ (العیاذ باللہ) (شیخ زادہ)

اسی طرح ظالم انسان اللہ کی سزا کا مستحق ہے کیونکہ ظلم بھی فساد کی جڑ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے آپ نے فرمایا اے لوگو اللہ تعالیٰ سے جو تمہارا پروردگار ہے ڈرتے رہا کرو۔ اور تم میں سے کوئی بھی کسی مومن پر ظلم نہ کرے۔ کیونکہ جو کسی ایمان دار پر ظلم کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے سبب اسے قیامت کے دن ایسی سزا دے گا جسے برداشت

کرنا اس کے بس کا روگ نہ ہوگا۔ (حیاۃ القلوب)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا گیا کہ کس کس گناہ سے ایمان کے سلب ہونے کا زیادہ خوف ہے؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ (۱) اللہ تعالیٰ نے کسی کو ایمان کی دولت سے نوازا ہو اور وہ اس کا شکر ادا نہ کرے تو اس کے ایمان کے سلب ہونے کا خدشہ ہے۔

(۲) اپنے انجام اور خاتمہ کے خوف کو ترک کرنا (۳) لوگوں پر ظلم کرنا۔ حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے جب اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا جس شخص میں یہ مذکورہ بالا تینوں گناہ پائے جاتے ہوں تو اس کے متعلق غالب گمان یہ ہے کہ اس کی موت کفر پر ہو گی البتہ اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور سعادت اسے حاصل ہو جائے تو اس کے خاتمہ بالخیر کی امید کی جاسکتی ہے۔ (دقائق الاخبار والموعظۃ الحسنۃ)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے پہلے صرف جزیرہ عرب ہی نہیں بلکہ ہر جگہ فتنہ اور فساد کی آگ بھڑک رہی تھی ظلم و تعدی اور فسق و فجور اور بے راہ روی لوگوں کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی۔ وہ انسانی اقدار سے بالکل نا آشنا تھے اللہ تعالیٰ کو اہل دنیا پر رحم آیا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اخلاقی اقدار سے روشناس کرنے کے لئے اور فتنہ و فساد اور جرائم سے معاشرہ کو پاک کرنے کے لئے مبعوث فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فریضہ کو ایسے مؤثر اور عام فہم انداز میں ادا کیا جس کی مثال اہل دنیا پیش کرنے سے قاصر ہیں وہی لوگ جو حیوانوں سے بھی بدتر تھے اور گناہوں کے دلدادہ تھے متقی اور پرہیزگار بن گئے خلق خدا کے لئے رحم و کرم کے پیغامبر ثابت ہوئے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان ارشادات گرامیہ میں سے ایک وہ ارشاد آپ سماعت فرمائیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو لوگوں کے سامنے بیان کرنے کے لئے حکم دیا ہے۔ حدیث قدسی شریف ہے (حدیث قدسی وہ ہوتی ہے جس میں معانی اللہ تعالیٰ کی طرف سے القاء کئے جاتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں اپنے الفاظ میں بیان فرما دیتے ہیں اور اس میں یہ الفاظ ہوتے ہیں۔ قال

اللہ تعالیٰ او یقول۔وغیرہ)۔آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔اے بنو آدم! موت تمہارے تمام رازوں کو ظاہر کردے گی اور قیامت تمہاری تمام خبروں کو بیان کردے گی۔اور نامہ اعمال تمہارے تمام پردے پھاڑ دے گا۔اس لئے جب تم سے کوئی گناہ سرزد ہو تو اسے چھوٹا نہ سمجھو بلکہ اس ذات کی طرف دیکھو جس کی تم نے نافرمانی کی ہے اور جب تمہیں تھوڑا رزق دیا جائے تو اس تھوڑے رزق کی طرف نظر نہ کرو بلکہ اسے دیکھو۔جس نے وہ رزق تمہیں دیا ہے۔اور صغیرہ گناہ کو حقیر مت سمجھو کیونکہ تمہیں یہ معلوم نہیں کہ میں تمہارے کس گناہ پر غضبناک ہو جاتا ہوں اور تم میری خفیہ تدبیر سے مامون نہ رہو کیونکہ وہ چیونٹی کی طرح تاریک رات میں پتھر پر چلنے سے بھی زیادہ پوشیدہ ہوتی ہے۔ اے ابن آدم! کیا میری نافرمانی کرتے وقت تو نے میری ناراضگی کو یاد کیا پھر تو اس سے رک گیا۔کیا تو نے اس شخص کی امانت کو ادا کیا جس نے تجھے امین بنایا تھا کیا تو نے اس آدمی سے نیکی کی جس نے تیرے ساتھ برائی کی تھی۔کیا تو نے اسے معاف کر دیا جس نے تجھ پر ظلم کیا تھا کیا تو نے اس آدمی سے گفتگو کی ہے جس نے تیرے ساتھ کلام کرنا چھوڑ دیا تھا اور کیا تو نے اس شخص کے ساتھ تعلق جوڑا جس نے تجھ سے قطع تعلق کر لی تھی اور کیا تو نے اس آدمی سے انصاف کیا جس نے تیرے ساتھ خیانت کی تھی اور کیا تو نے اپنے دین اور دنیا کے معاملات کے متعلق علماء سے پوچھا تھا؟ اور بے شک میں تو تمہاری شکلوں کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور تمہاری نیتوں کو دیکھتا ہوں اور میں تمہاری ان خصلتوں سے خوش ہوتا ہوں جو پسندیدہ ہوتی ہے۔(موعظہ حسنہ)

مذکورہ بالا حدیث طیبہ میں اللہ تعالیٰ نے زیادتی کرنے والے اور ظلم وتعدی کرنے والے کے حال کو بیان فرمایا، اب آیئے اس آدمی کے حالات اور شان کو ملاحظہ فرمایئے جس نے دنیا میں عدل وانصاف قائم کیا۔اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو عدل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(ثم آمین)

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی خلافت کے زمانہ میں ایک رات سیر کر

رہے تھے وہ مکان کے دروازے سے گزرنے لگے تو رونے کی آواز سنی تو آپ وہاں رک گئے اور آپ نے ایک عورت کو اپنی اولاد کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ میرے اور عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان ہے کہ وہ ہمارے حال سے غافل ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عورت کے دل کو خوش کرنے اور اس کا غم ہلکا کرنے کا ارادہ فرمایا تو آپ نے مکان کے دروازہ پر دستک دی اور پوچھا کہ تیرے ساتھ عمر نے کیا زیادتی کی ہے اور اسے یہ معلوم نہ تھا کہ پوچھنے والے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں تو اس عورت نے جواب دیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میرے خاوند کو فلاں جنگ میں بھیج دیا ہے اور وہ اپنے پیچھے یہ چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ گئے ہیں اور میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جو میں ان بچوں پر خرچ کروں اس لئے وہ رو رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ امیر المومنین ہمارے حالات سے بالکل غافل ہو گئے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر لرزہ طاری ہو گیا اور فوراً وہاں سے واپس تشریف لائے اور آپ نے بیت المال سے ایک بوری آٹا اور بہت سارا گوشت لیا اور اسے اپنی پشت پر رکھ لیا تو آپ کے اس غلام نے جو آپ کے ساتھ تھا کہا کہ امیر المومنین آپ اسے نیچے رکھ دیں میں اٹھا لیتا ہوں تو آپ نے فرمایا۔ اے اللہ کے بندے! آج دنیا میں تو تو میرے اس بوجھ کو اٹھا لے گا اور کل قیامت کو میرے بوجھ کو کون اٹھائے گا اور یہ کہتے ہوئے آپ رو بھی رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ کھانے کا سامان اٹھا کر اس گھر میں داخل ہوئے اسی وقت اپنے ہاتھ سے آٹا گوندھا تنور جلایا، روٹی اور گوشت پکایا اور بچوں کو بیدار کیا اور اپنے ہاتھوں سے لقمے بنا بنا کر بچوں کو کھلاتے رہے یہاں تک کہ وہ سیر ہو گئے اس کے بعد آپ نے اشکبار آنکھوں سے ان سے کہا کہ مجھے معاف کر دینا اور قیامت کے دن میرے ساتھ اس تاخیر پر نہ جھگڑنا۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم آپ کو معاف کرتے ہیں اور قیامت کے دن آپ سے کسی قسم کا مواخذہ کا سوال نہیں کریں گے۔ اس عدل و انصاف کے باوجود جب آپ فوت ہوئے تو موت کے پندرہ سال بعد ایک آدمی نے آپ کو خواب میں دیکھا اور اس نے آپ سے پوچھا اے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تیرے

رب نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے تو آپ نے فرمایا میں ابھی ابھی حساب سے فارغ ہوا ہوں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ۔ کہ بے شک اللہ تعالیٰ عدل واحسان کا حکم دیتا ہے۔ (الخ) (رونق المجالس)

اقوال زریں

مکڑی کے پروں پر یہ حکایت لکھی ہوئی ہے ہم اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہیں ہمیں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر مسلط کر دیا ہے جو اطراف و اکناف میں تخریب کاری کرتے ہیں اور ہم کو جب ظلم اور فساد ظاہر ہوتا ہے تو ان لوگوں پر مسلط کر دیا جاتا ہے۔

(مشکاۃ)

اسلاف سے منقول ہے کہ ظلم اور علم شہروں میں ہے جہالت اور برکتیں دیہات میں ہوتی ہیں لیکن علم اور برکتیں شہر میں جمع ہو جاتی ہیں کیونکہ ان دونوں کے درمیان باہمی مناسبت ہوتی ہے اور جہالت اور ظلم کو بستیوں میں کھینچ کر لایا جاتا ہے کیونکہ ان دونوں کے درمیان باہمی مناسبت ہے اور اب اہل شہر اہل شہر کی شکایت کرتے ہیں اور بستی والوں کی شکایت نہیں کرتے اور بستی والے بستی والوں کی شکایت کرتے ہیں وہ مسافروں کی شکایت نہیں کرتے اور اہل سفر دین اسلام کے متعلق شکایت کرتے ہیں سابقہ ملتوں کی شکایت نہیں کرتے۔

اہل اللہ کی دعا کی قبولیت

روایت بیان کی گئی ہے کہ ایک سال مکہ مکرمہ میں قحط سالی کا سا سماں پیدا ہو گیا لوگ قحط سالی کا شکار ہو گئے وہ گھبرا کر باہر نکلے تاکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کریں کہ وہ ان پر بارش برسائے۔ وہ مسلسل تین دن تک بارش کا سوال کرتے رہے لیکن بارش نہ برسی۔ حضرت عبداللہ ابن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بہت بڑے بزرگ اور صوفی تھے انہوں نے خیال کیا میں بھی لوگوں کے ساتھ بارش طلب کرنے کے لئے باہر نکلوں اور اللہ سے دعا

کروں ہوسکتا ہے کہ وہ مجھ پر رحم فرمائے اور میری دعا قبول فرمالے میں تمام لوگوں سے الگ تھلک ہو کر ایک غار میں داخل ہوا تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ ایک حبشی غلام بھی اس غار میں داخل ہوا اس نے دو رکعت نفل ادا کئے اور اپنا سر سجدے میں رکھ دیا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرنے لگے اور میں ان کی دعا سن رہا تھا وہ عرض کر رہے تھے اے اللہ! یہ تیرے بندے ہیں اور تجھ سے مسلسل تین دنوں سے بارش طلب کر رہے ہیں اور تو نے ان پر بارش نہیں برسائی مجھے تیری عزت کی قسم میں اپنا سر سجدہ سے اس وقت تک نہیں اٹھاؤں گا جب تک تو ہم پر بارش نہیں برسا دیتا تو عبداللہ ابن مبارک نے فرمایا کہ انہوں نے اپنا سر سجدہ سے نہ اٹھایا یہاں تک کہ آسمان سے موسلا دھار بارش برسنا شروع ہو گئی وہ اٹھے اور چلتے بنے میں بھی ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگا یہاں تک کہ وہ شہر میں داخل ہو کر ایک حویلی میں داخل ہوئے اور اس کے دروازے پر کھڑے ہو گئے تو میں وہاں بیٹھ گیا یہاں تک کہ ایک شخص اس حویلی سے باہر آیا میں نے اس سے پوچھا یہ گھر کس کا ہے اس نے کہا یہ فلاں شخص کا ہے میں مالک مکان کے پاس حاضر ہوا اس سے کہا میں ایک غلام خریدنا چاہتا ہوں تو مالک مکان نے میرے سامنے ایک غلام پیش کیا تو میں نے کہا کیا اس کے علاوہ تیرے پاس کوئی اور غلام ہے تو مجھے وہ دکھا تو اس نے جواب دیا کہ میرے پاس ایک ایسا غلام ہے جو تیرے لئے مناسب نہیں میں نے پوچھا کیوں تو اس نے جواب دیا کہ وہ بہت سست ہے۔ میں نے اسے کہا کہ اسے میرے سامنے پیش کرو وہ غلام سامنے آیا میں نے اسے دیکھا تو کہا میں اس کو خریدنا پسند کرتا ہوں تو یہ مجھے کتنے میں فروخت کرے گا تو اس نے کہا میں نے اسے بیس دینار میں خریدا تھا لیکن یہ دس دینار کے مساوی بھی نہیں میں آپ کو یہ دس دینار میں فروخت کرتا ہوں میں نے اسے جواب دیا کہ میں آپ سے اسے دس دینار میں ہی خریدتا ہوں میں نے اسے قیمت دیا اور اس نے وہ غلام میرے سپرد کر دیا۔ تو اس غلام نے مجھے کہا کہ اے ابن المبارک تو نے مجھے کیوں خریدا ہے میں تیری خدمت نہیں کر سکتا تو میں نے اس سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے تو اس نے جواب دیا کہ محبوب محبوبوں کو پہچانتے ہیں تو ابن المبارک

نے فرمایا میں اسے اپنے گھر لے آیا تو اس نے وضو کرنے کا ارادہ کیا میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا وضو کے لئے برتن اس کے سامنے پیش کیا اور اس کا جوڑا اس کے سامنے رکھا وہ اٹھے وضو کیا نماز ادا کی اور سر سجدے میں رکھ کر عرض کی میں اس کے نزدیک ہو گیا تا کہ یہ سنوں کہ وہ کیا دعا مانگتا ہے میں نے اس سے سنا وہ عرض کر رہے تھے۔ **یا صاحب السر ان السر قد ظھر – ولا ارید حَیَاتِیْ بعد ما اشتھرا۔** کہ اے راز کے مالک اب میرا راز ظاہر ہو گیا ہے اور اب میں اس کے مشہور ہونے کے بعد زندہ رہنے کی تمنا نہیں رکھتا پھر وہ خاموش ہو گئے میں نے اسے حرکت دی تو ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی میں نے اس کی تجہیز و تکفین کا بندوبست کیا اور اسے دفن کر دیا اور میں نے اسی رات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ایک بزرگ نورانی چہرے والا پسندیدہ شکل والا آپ کی دائیں جانب تھا اور وہ حبشی غلام آپ کی بائیں جانب تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے تجھے جزائے خیر عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ تجھے کوئی نقصان نہ پہنچائے کیونکہ تو نے ہمارے حبیب کے ساتھ احسان کیا ہے تو میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا وہ آپ کا حبیب ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ میرا حبیب اور وہ خلیل الرحمٰن کا بھی حبیب ہے۔ (رونق المجالس)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو! ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے دن بے شمار ظلمتوں کا باعث ہو گا۔ (مصابیح)

چھ گناہوں کی سزا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ چھ آدمی چھ گناہوں کے سبب جہنم رسید ہوں گے۔ (۱) امراء ظلم کی وجہ سے (۲) بدو تعصب کی وجہ سے (۳) بازاری لوگ جہالت کی وجہ سے (۴) اور زمیندار تکبر کی وجہ سے (۵) تاجر خیانت کی وجہ سے (۶)

اور علماء آپس میں حسد کی وجہ سے۔

حضور ﷺ کی امت پر کرامت

روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے امت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چار ایسی نوازشات کے ساتھ نوازا ہے جو اس نے کسی کو عطا نہیں فرمائیں۔ (۱) میری توبہ کی قبولیت مکہ مکرمہ میں ہوئی اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توجہ سے جس مکان میں وہ توبہ کرلیں وہیں سے اللہ تعالیٰ اسے قبول کرتا ہے۔ (۲) میں جنت میں لباس میں ملبوس تھا جب مجھ سے فروگزاشت ہوئی تو مجھ سے لباس اتار لیا گیا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت برہنہ ہو کر نافرمانی کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ انہیں لباس پہناتا ہے۔ (۳) جب مجھ سے فروگزاشت ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے میرے درمیان اور میری بیوی کے درمیان جدائی ڈال دی اور امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نافرمانی کرے گی تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان اور ان کی بیگمات کے درمیان جدائی نہیں ڈالے گا۔ (۴) مجھ سے جنت میں فروگزاشت ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے نکال دیا اور امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنت سے باہر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے گی تو جب وہ توبہ کرے گی تو اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں داخل فرمائے گا۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔

اللھم صل وسلم و بارک علی سیدنا و مولانا و حبیبنا و حبیب رب العالمین و علی آلہ و اصحابہ اجمعین۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب

انچاس واں وعظ

ایمان کی علامت

نحمده و نصلی و نسلم و نبارک علی صفوة الانبیاء والمرسلین امام الاولین والاخرین سیدنا و سید العالمین – و حبیبنا و حبیب رب العالمین محمدن المصطفی رحمة للعالمین و علیٰ اله المجتبی الطاهرین و علی اصحابه المهدیین و علی ازواجه الطاهرات امهات المؤمنین و علی سائر الصحابة والتابعین الی یوم الدین۔

اما بعد– فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝ (انفال)

"صرف وہ ہی سچے ایماندار ہیں کہ جب ذکر کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا تو کانپ اٹھتے ہیں ان کے دل اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر اللہ کی آیتیں یہ بڑھا دیتی ہیں ان کے ایمان کو اور صرف اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ (اور) جو صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز کو نیز اس سے جو ہم نے دیا ہے خرچ کرتے ہیں۔ یہی لوگ سچے مومن ہیں، انہی کے لئے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور بخشش ہے اور باعزت روزی۔"

کمال ایمان کا وہ درجہ جس تک پہنچنے کی ہر مومن کے دل میں آرزو ہونی چاہئے اور اس کے لئے اسے ہر ممکن جدوجہد کرنی چاہئے۔ اس پر وہ ہی خوش نصیب فائز ہو سکتے ہیں جو ان صفات سے مزین ہوں جن کا ذکر ان آیات میں کیا گیا ہے اور وہ صفات یہ ہیں۔

(۱) جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل خوف الٰہی سے کانپ جاتے ہیں علماء نے خوف کی دو قسمیں لکھی ہیں۔

(۱) وہ اللہ کے عذاب اور اس کی نافرمانی کا دل میں خوف رکھتے ہیں۔ خوف کی یہ قسم گنہگاروں کے ساتھ خاص ہے جو اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔

(۲) اللہ کی عظمت اور ہیبت کا خوف۔ خوف کی یہ قسم اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کے ساتھ خاص ہے کیونکہ وہی اللہ کی عظمت اور ہیبت کو پہچانتے ہیں اور شدید ترین خوف محسوس کرتے ہیں۔ لیکن بندہ مومن کی شان عجیب ہے جب اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کی شان کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ اپنے مرتبہ کے مطابق اپنے دل کو اس کے ذکر میں اتنا مشغول کر دیتا ہے کہ اسے نہ عذاب کا خوف ہوتا ہے اور نہ ہی اللہ کی نافرمانی کا۔

(۲) جب ان پر آیات قرآنیہ کی تلاوت کی جاتی ہے تو ان کی ایمانی قوت میں اضافہ ہو جاتا ہے اور ان کے دلوں سے ہر قسم کا شک وشبہ زائل ہو جاتا ہے اور ان میں اللہ تعالیٰ کے عرفان اور پہچان کی قوت میں از احد اضافہ ہو جاتا ہے۔

(۳) وہ ہر کام میں اپنے رب پر توکل کرتے ہیں کیونکہ انہیں معلوم ہے جو اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ کرتا ہے تو وہ اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے اور وہ اس آیت طیبہ کا مصداق بن جاتا ہے۔ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ۔

(۴) وہ نماز کو تمام ارکان سمیت اپنے وقت مقررہ پر صحیح صحیح ادا کرتے ہیں تو جو اس طرح فرضی نماز ادا کرتا ہے اس کے لئے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بشارت دی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرما لیتا ہے اور وہ نماز بندہ مومن کے لئے معراج کی حیثیت رکھتی ہے۔

(۵) پانچویں صفت یہ ہے کہ وہ اس رزق سے خرچ کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمایا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ بندہ مومن کا اپنے مال سے صدقہ کرنا ستر مصیبتوں سے نجات دیتا ہے ان میں

سے سب سے چھوٹی مصیبت ابرص اور جزام کی ہے۔

جو آدمی ان اوصاف سے متصف ہوتے ہیں انہیں سچے اور کامل مومن کے لقب کے ساتھ نوازا جاتا ہے۔ اور ان کا ظاہر بھی مطلع انوار بن جاتا ہے اور ان کا باطن بقعہ نور اور اللہ تعالیٰ ان پر کرم یہ فرماتا ہے کہ جنت میں ان کے پروردگار کے ہاں ان کے لئے بلند درجات ہیں۔ اور ان کے لئے گناہوں سے بخشش کی نوید جانفزا ہے اور ان کے لئے باعزت روزی ہے اور جنت کے تمام درجات اتنے بلند و بالا ہیں کہ ان میں سے ہر درجہ کے درمیان سو سال کی مسافت ہے۔ ان درجات کی وسعت کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس طرح بیان فرمایا جسے حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جنت میں سو درجے ہیں اگر سارے عالم ان درجوں میں سے ایک میں جمع ہو جائیں تو وہ ان کے لئے کافی ہو جائے۔ (تفسیر خازن)

ان درجات کو حاصل کرنے کا طریقہ بھی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمایا حضرت ابوالدرداء نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کیا میں تمہیں تمام اعمال سے بہترین اور پاکیزہ عمل نہ بتادوں اور تمہارے درجات میں سے بلند ترین درجہ سے آگاہ نہ کردوں وہ درجہ سونا اور چاندی خرچ کرنے سے کہیں بہتر ہے اور اگر تمہارا دشمن سے مقابلہ ہو اور تم اسے قتل کر دو اور وہ تمہیں زخمی کر دے اور تم اس پر غالب آ جاؤ تو اس سے بھی کہیں زیادہ وہ عمل بہتر ہے صحابہ کرام نے عرض کی آپ ضرور ارشاد فرمائیں تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ (مصابیح)

بعض علماء کرام ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر تمام عبادات سے ارفع اور اعلیٰ ہے۔ کیونکہ باقی تمام عبادات اللہ کے ذکر کا وسیلہ ہیں تو اس ذکر کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) ذکر لسانی۔ (۲) ذکر قلبی۔ (۱) ذکر لسانی۔ وہ یہ ہے کہ انسان اپنی زبان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے اور (۲) ذکر قلبی یہ ہے کہ انسان کی زبان اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہی ہو لیکن اس کی آواز کان نہ سنیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی آیات میں غور و فکر کرتا رہے اس کا دل مراقبہ میں رہے۔

اس ذکر کو پاس انفاس بھی کہتے ہیں یعنی سانس اندر جائے تو وہ اللہ کہے اور سانس باہر نکلے تو وہ ہو کہے، اس طرح ذکر کرنا اور غور وفکر کرنا ذکر قلبی کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ایک لمحہ قدرت کی نشانیوں میں غور وفکر کرنا ستر سال کی عبادت سے زیادہ بہتر ہے اور یہ کیفیت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب انسان ذکر لسانی بھی کرے اور اس پر حضور قلب کی کیفیت طاری ہو اور وہ ماسوا اللہ ہر چیز سے غافل ہو جائے۔ (مجالس رومی)

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اوپر ذکر تو جنت کے درجات کا ہو رہا ہے لیکن نیچے ذکر کی فضیلت بیان کی جا رہی ہے اس کی ماقبل کے ساتھ مناسبت کیا ہے؟ تو اس شبہ کا ازالہ اس طرح ہوگا کہ ذکر الٰہی جنت کے درجات کے حصول کا سبب ہے اس لئے اس کا درمیان میں بطور جملہ معترضہ ذکر کر دیا گیا ہے۔

زیر بحث آیت طیبہ میں صاحب ایمان کامل اور سچے مومن کی صفات ذکر کی گئی ہیں اس لئے درج ذیل میں صوفیاء کرام میں سے دو کے اقوال زریں ذکر کیے جاتے ہیں امید ہے وہ آیت طیبہ کا مفہوم سمجھنے میں مد ثابت ہوں گے۔

کسی آدمی نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے دریافت کیا کہ کیا آپ سچے مومن ہیں تو آپ نے فرمایا کہ ایمان کی دو قسمیں ہیں (۱) کلمہ شہادت کا اقرار کرنا (۲) ایمان کامل کا حاصل ہونا۔ اگر آپ کا سوال ایمان کی پہلی قسم کے متعلق ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسالت کا اقرار کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے ملائکہ کو نورانی مخلوق اور آسمانی کتابوں اور اس کے تمام رسولوں کا یقین رکھتا ہوں۔ یوم آخرت اور جنت و دوزخ کے برحق ہونے کی تصدیق کرتا ہوں اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور اعمال کے حساب کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہونے پر ایمان لاتا ہوں تو میں مومن ہوں کیونکہ ان مذکورہ بالا تمام چیزوں کی صمیم قلب سے تصدیق بھی کرتا ہوں اور زبان سے ان کا اقرار بھی کرتا ہوں اور اگر تیرا سوال ایمان کی دوسری قسم یعنی ایمان کامل کے متعلق ہے جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے زیر عنوان ذکر کردہ آیات میں فرمایا ہے تو مجھے اللہ کی قسم ہے کہ میں نہیں جانتا میرا

شمار ان لوگوں میں ہے یا نہیں۔" آپ کا یہ فرمانا عاجزی اور انکساری کے اظہار کے لئے تھا ورنہ ان کی پوری زندگی ان مذکورہ بالا آیات میں بیان کردہ اوصاف سے مزین و آراستہ تھی۔

حضرت امام الاولیاء زبدۃ الاصفیاء ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صمیم قلب سے تصدیق کرتا ہے۔ پھر وہ اس پر شہادت قائم نہیں کرتا وہ اس تصدیق کے مطابق عمل پیرا ہو کر جنتیوں جیسے عمل نہیں کرتا تو وہ ان مذکورہ بالا آیات کے نصف پر ایمان لایا ہے۔ آپ کا یہ مذکورہ بالا ارشاد الزامی جواب ہے حقیقت میں آپ کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کوئی آدمی بھی یہ قطعی فیصلہ نہیں کر سکتا کہ وہ فی الحقیقت خالص مومنین کی طرح ثواب کا مستحق ہے اسی طرح وہ یہ فیصلہ بھی نہیں کر سکتا کہ سچا مومن ہے۔ کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ آدمی مسلسل نیک اعمال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ جنت کے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ اس کے جنت تک پہنچنے میں ایک بالشت کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس کی تقدیر اس پر غالب آ جاتی ہے اور اس سے ایسا عمل صادر ہو جاتا ہے کہ وہ جہنم کی اتھاہ گہرائی میں گرنے کا مستحق ہو جاتا ہے اور اس کے بالمقابل ایک آدمی مسلسل دوزخیوں جیسے عمل کرتا رہتا ہے اور اس کے دوزخ تک پہنچنے میں صرف ایک بالشت کا فاصلہ رہ جاتا ہے اس کا نوشتہ اس پر غالب آ جاتا ہے تو وہ ایسا عمل کر دیتا ہے جو اس کو جنت کا مستحق بنا دیتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ سلطان اقلیم فقر و غناء حضرت ابراہیم بن ادھم البلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بصرہ کے بازاروں میں سے ایک بازار سے گزر ہو رہا تھا۔ اہل بصرہ نے آپ کو دیکھ کر گھیرا میں لے لیا اور آپ سے عرض کرنے لگے کہ اے ابو اسحاق اللہ تعالیٰ اپنی کتاب مقدس میں فرماتا ہے تم مجھ سے دعا مانگو میں تمہاری دعا قبول فرما لوں گا۔ اور ہم عرصہ دراز سے دعائیں مانگ رہے ہیں لیکن ہماری التجائیں قبول نہیں ہو رہی ہیں تو آپ علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمایا۔ "اے اہل بصرہ دس باتوں سے تمہارے دل مردہ ہو چکے ہیں پھر تمہاری دعا کیسے قبول کی جائے۔

(۱) تم نے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اعتراف تو کیا لیکن اس کا حق ادا نہیں کیا۔ (۲) تم قرآن کریم تو پڑھتے ہو لیکن اس کے احکام کے مطابق عمل پیرا نہیں ہوتے۔ (۳) تم شیطان کے ساتھ دشمنی کا تو دعویٰ کرتے ہو لیکن اس کی اطاعت اور فرمانبرداری سے پیچھے نہیں ہٹتے ہو (۴) تم یہ تو کہتے ہو کہ ہم اللہ تعالیٰ کے محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت سے ہیں لیکن اس کی سنت کے مطابق عمل پیرا نہیں ہوتے ہو۔ (۵) تم یہ تو دعویٰ کرتے ہو کہ ہم جنت میں داخل ہو جائیں گے لیکن جنت میں داخل ہونے والوں جیسے اعمال نہیں کرتے ہو۔ (٦) تم دوزخ کی آگ سے نجات حاصل کرنے کی گڑگڑا کر دعائیں تو کرتے ہو لیکن ایسے اعمال کا ارتکاب کر رہے ہو جن کی وجہ سے تمہیں جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (۷) تم موت کے حق ہونے کا دعویٰ تو کرتے ہو لیکن اس کی تیاری نہیں کرتے ہو۔ (۸) تم اپنے بھائیوں کی عیب جوئی کرنے میں مشغول رہتے ہو اور اپنے گریبان میں جھانک کر نہیں دیکھتے ہو کہ تمہارے اپنے کیا کرتوت ہیں۔ (۹) تم اپنے رب کی نعمتوں سے ہر وقت لطف اندوز ہو رہے ہو لیکن ان کا شکریہ ادا کرنے کی تمہیں توفیق نہیں۔ (۱۰) تم روزمرہ اپنے مرنے والوں کو قبروں میں دفن کرتے ہو لیکن ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے ہو۔

حضرات گرامی قدر! جب تک انسان ان مذکورہ بالا آیات میں بیان کردہ اوصاف کو اپناتے نہیں اور بزرگان دین کے اقوال سے رہنمائی نہیں حاصل کرتے اس وقت تک کامل ایمان کا دعویٰ کرنا یہ اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے اگر ہم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے سمیع و بصیر ہونے کا پختہ یقین کر لیں تو ہم سے کوئی گناہ اور غلطی صادر نہ ہو۔ اس سلسلہ میں ایک مثال پیش کرتا ہوں ہو سکتا ہے کہ کسی بے چین دل کے لئے وہ چین کا باعث بن جائے۔

عبرت انگیز واقعہ

قوم کا ایک سردار تھا۔ اس کی ایک بہت ہی حسین و جمیل چچازاد بہن تھی ایک دن اس کے ساتھ بدمعاشی کرنے کا اسے خیال آیا۔ وہ اسے پکڑ کر ایک کمرہ کے اندر لے گیا جس

کے کئی دروازے اور کھڑکیاں تھیں اس نے اسے کہا کہ جاؤ اس کمرے کے تمام دروازے کھڑکیاں اور روشن دان بند کرآؤ وہ بادل نخواستہ اٹھی اور جا کر دروازے اور کھڑکیاں بند کر دیں واپس آئی تو اس کے بھائی نے پوچھا کیا تمام دروازے کھڑکیاں اور روشن دان بند کر دیئے ہیں تو اس نے جواب دیا کہ میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی ہے۔ اور انہیں بند کر دیا ہے لیکن ایک روشن دان ایسا ہے جسے میں بند نہیں کرسکتی تو اس نے کہا میرے بھائی وہ تو بھی بند نہیں کرسکتا تو بھائی نے کہا وہ کون سی کھڑکی ہے جسے میں بند نہیں کرسکتا تو اس نے جواب دیا۔ وہ وہ کھڑکی ہے جس سے میرا اور آپ کا خدا دیکھ رہا ہے۔ اس کا جوش ٹھنڈا ہو گیا بخت جاگ اٹھے۔ کہنے لگا واقعی یہ کسی کی ہمت بھی نہیں کہ وہ اسے بند کرسکے اس لئے اس نے برائی کا ارادہ ترک کیا سچے دل سے توبہ کی اور اپنا نام توبہ کرنے والوں میں درج کروالیا۔

وما علینا الا البلاغ المبین – ربنا آتنا فی الدنیا حسنة و فی الاخرة حسنة و قنا عذاب النار

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

پچاس واں وعظ

نجات کا ذریعہ اللہ کے بندوں کی محبت

نحمدہ و نصلی و نسلم و نبارک علی صفوۃ انبیاءِ ہ سیدنا و سید العالمین و حبیبنا و حبیب رب العالمین محمدن المصطفٰی رحمۃ للعالمین و علٰی آلِہ المجتبٰی الطاھرین و علی اصحابِہ المھدیین و علٰی ازواجہ امھات المومنین و علٰی سائرِ الصحابۃِ والتابعین اجمعین

اما بعد فاعوذ باللّٰہِ مِن الشیطن الرّجیم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ قال اللّٰہ تعالیٰ فی کلامہ المجید۔

اَلۡاَخِلَّآءُ یَوۡمَئِذٍۭ بَعۡضُہُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۶۷﴾ یٰعِبَادِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ وَ لَاۤ اَنۡتُمۡ تَحۡزَنُوۡنَ ﴿۶۸﴾ اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاٰیٰتِنَا وَ کَانُوۡا مُسۡلِمِیۡنَ ﴿۶۹﴾ (زخرف)

''اس روز (قیامت کے دن) گہرے دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے بجز ان کے جو متقی (اور پرہیزگار) ہیں۔ اے میرے (پیارے) بندو! آج تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم (آج) غم زدہ ہو گے (یعنی وہ بندے جو ایمان لائے تھے ہماری آیتوں پر اور فرمانبردار تھے)''۔

مذکورہ بالا آیات طیبات سورۂ زخرف کی ہیں۔ جو ان سات سورتوں میں سے ایک ہے جن کا آغاز (حم) سے ہوا ان تمام کا زمانہ نزول قریب قریب ہے۔ مضامین کی یکسانیت اس کی تائید کرتی ہے اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سورۃ اس وقت نازل ہوئی جب کفار کا عناد اور مخالفت اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایک خاص حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے اور وہ یہ ہے کہ قیامت کے دن دنیا کے سارے بھائی چارے، یارانے اور دوستیاں ختم ہو جائیں گی ہر شخص یہ چاہے گا کہ اس کے حصے کا عذاب بھی کسی

دوسرے پر مسلط کر دیا جائے اور وہ ایک دوسرے سے دور بھاگنے کی کوشش کریں گے ایک دوسرے سے بیزاری کا اعلان کریں گے جگری اور جانی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے صرف دوست ہی نہیں بلکہ اپنے عزیز ترین اور قریبی رشتہ دار بھی دور بھاگیں گے جس طرح اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ﴿۳۴﴾ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ﴿۳۵﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ﴿۳۶﴾

(عبس)

یعنی وہ دن جب آدمی اپنے بھائی، اپنی والدہ، اپنے باپ، اپنی رفیقہ حیات اور اپنے بیٹوں سے بھاگے گا لیکن وہ لوگ جو پرہیز گار تھے اور عمر بھر اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے تھے اور ان کی دوستی آپس میں کسی دنیاوی غرض کی وجہ سے نہ تھی بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے تھی وہ اس روز بھی سلامت رہے گی اور نفع کا باعث ہوگی۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے بندے ہیں جن کے لئے قیامت کے دن منبر بچھا دیئے جائیں گے جن پر وہ جلوہ افروز ہوں گے وہ ایسی قوم ہے جن کے لباس اور چہرے نورانی ہوں گے نہ وہ انبیاء ہوں گے نہ شہداء البتہ وہ ان کی عزت افزائی دیکھ کر ان پر رشک کریں گے۔ تو صحابہ نے پوچھا۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ کون ہوں گے تو آپ نے فرمایا وہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے آپس میں محبت کرتے تھے اور ایک دوسرے سے اسی لئے ملاقات کرتے تھے اور وہ اللہ کی خوشنودی کے لئے آپس میں مل کر بیٹھتے تھے۔

(الاوسط للطبرانی)

آپس میں محبت کا کرشمہ

روایت میں آیا ہے کہ قیامت کے دن ایک مومن آدمی پیش کیا جائے گا اس کے اعمال کا وزن کیا جائے گا اس کی بدیاں اس کی نیکیوں سے وزنی ہوں گی اس کو جہنم میں پھینکنے کا حکم دیا جائے گا تو وہ عرض کرے گا اے میرے پروردگار مجھے تھوڑی سی مہلت دیجئے تا کہ

میں اپنی والدہ سے کچھ نیکیاں مانگ لوں تو اللہ تعالیٰ اسے مہلت دے دے گا وہ اپنی والدہ
کے پاس حاضر ہو کر عرض کرے گا اے میری امی جان میں تجھے اس رشتہ کا واسطہ دیتا ہوں جو
تو نے دنیا میں میری تربیت کی اور تو نے مجھے ہر قسم کی بھلائی عطا کی مجھے اپنی نیکیوں میں سے
ایک نیکی بخش دے تاکہ میں دوزخ کی آگ سے نجات پالوں وہ کہے گی اے میرے بیٹے
میں تو اپنے معاملہ میں الجھی ہوئی ہوں اور اپنے کام میں حیران و پریشان ہوں میرے لئے
کیسے ممکن ہے کہ میں آج تجھے چھٹکارا دلاسکوں تو وہ اپنی والدہ سے مایوس ہوگا اس کے بعد وہ
اپنے تمام قریبی رشتہ داروں کے پاس حاضر ہو کر یہی سوال کرے گا۔ لیکن ہر طرف سے
مایوسی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں داخل کرنے کا حکم دے گا تو اسے
اس حالت میں اس کا ایک جگری دوست دیکھے گا کہ اس کو جہنم کی طرف کھینچ کر لے جایا جا رہا
ہے۔ تو اس کا وفادار دوست اسے کہے گا کہ میں اپنی تمام نیکیاں تجھے بخشتا ہوں تاکہ ہم میں
سے ایک تو جہنم کی آگ سے نجات حاصل کر لے۔ یہ بات اس سے کہیں آسان ہے کہ ہم
دونوں جہنم میں داخل ہو جائیں تو اس صورت میں اسے جنت میں داخل ہونے کا حکم دیا
جائے گا وہ جنت کی طرف تیزی سے جانے لگے گا تو راستے میں اسے ایک آواز سنائی دے
گی کہ یہ جوانمردی نہیں کہ تو دوزخ میں پڑے ہوئے اپنے دوست کو بھول جائے اور خود
جنت میں داخل ہو جائے تو وہ سجدہ میں گر پڑے گا اور اپنے دوست کی شفاعت کرے گا تو
اللہ تعالیٰ ان دونوں کو جنت میں داخل ہونے کا حکم فرمائے گا۔ (موعظہ)

- اسی طرح ایک اور روایت ذکر کی گئی ہے جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ دوستی جس
میں اخلاص ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو وہ بخشش کا باعث بنتی ہے۔

روایت میں آیا ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں دو مومن
شخصوں کو حاضر کرنے کا حکم دے گا ان دونوں میں سے ایک اللہ تعالیٰ کا نافرمان اور گناہگار ہو
گا اور دوسرا مطیع اور نیکوکار ہوگا اور ان دونوں کی موت ایمان پر ہوئی ہوگی اور وہ دونوں دوست
ہوں گے۔ تو اللہ تعالیٰ جنت کے محافظوں کو حکم دے گا کہ وہ اطاعت گزار کو جنت میں لے

جائیں اور اس کی عزت و احترام کریں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں اس سے راضی ہوں اور نافرمان اور گناہ گار کو جہنم میں لے جانے کا حکم ہوگا اور اللہ تعالیٰ جہنم کے محافظوں کو حکم دے گا کہ وہ اسے خوب عذاب دیں کیونکہ وہ دنیا میں شراب نوشی کرتا تھا۔ اور وہ شخص جو اطاعت گزار تھا وہ ہنستا مسکراتا جنت کی طرف چل پڑے گا تو جب جنت کے نزدیک پہنچے گا تو وہ اپنے پیچھے سے ایک آواز سنے گا جو کچھ ایسی ہوگی اے میرے دوست اور اے میرے محبوب میں تجھے اللہ کا واسطہ دیتا ہوں مجھ پر رحم کر اور اللہ کی بارگاہ میں میری بخشش کی شفاعت کر تو جب وہ نیکوکار یہ آواز سنے گا تو وہ وہیں کھڑا ہو جائے گا اور جنت میں داخل نہ ہوگا اسے جنت کا داروغہ کہے گا کہ تو جنت میں داخل ہو جا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر اس نعمت پر کہ تو نے دوزخ سے نجات حاصل کی تو وہ کہے گا میں جنت میں داخل نہیں ہوں گا تو مجھے جہنم میں لے چل تو جنت کا داروغہ کہے گا میں تجھے دوزخ میں کیسے لے جاؤں جبکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تجھے جنت میں داخل کروں اور تیری خدمت کروں تو وہ شخص کہے گا مجھے نہ تیری خدمت کی ضرورت ہے اور نہ ہی جنت کی تو ایک پکارنے والا جنت کے رضوان کو آواز دے گا کہ میں وہ سب کچھ جانتا ہوں جو میرے اس بندے کے دل میں ہے لیکن تو اس سے پوچھ لے تاکہ تجھے معلوم ہو جائے کہ اس کے دل میں کیا ہے تو جنت کا داروغہ اس شخص سے پوچھے گا تو جنت میں داخل کیوں نہیں ہوتا اور آگ کو کیوں پسند کرتا ہے تو وہ جواب دے گا کہ وہ گنہگار جسے دوزخ کی آگ میں پہنچایا گیا ہے اس کی دنیا میں میرے ساتھ شناسائی تھی اس نے مجھے آواز دی اور معذرت کی اور مجھ سے شفاعت کا مطالبہ کیا میں اسے جہنم سے نکالنے پر قادر نہیں ہوں اور نہ ہی اسے میں جنت میں داخل کر سکتا ہوں اس لئے میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ میں جہنم میں داخل ہو جاؤں اور اس کے ساتھ عذاب میں مبتلا ہو جاؤں تو رحمٰن کی جانب سے آواز دینے والا آواز دے گا کہ اے میرے بندے تو اپنی کمزوری کے باوجود یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ جہنم میں داخل ہو۔ کیونکہ اس نے تجھے دنیا میں دیکھا تھا اور اس کا یہ دیکھنا بہت تھوڑا تھا اس کی تیرے ساتھ شناسائی تھی اور وہ تھوڑے سے دن تیرے ساتھ رہا تو جب تو اس قلیل

عرصہ کی شناسائی کی وجہ سے اسے جہنم میں دیکھنا پسند نہیں کرتا تو میں اپنے بندے کو کیسے جہنم میں داخل کرنا پسند کروں گا جبکہ وہ پوری زندگی میرے ساتھ شناسائی رکھتا رہا اور مجھے پہچانتا رہا اور وہ ستر سال مجھے اپنا معبود سمجھ کر میری عبادات کرتا رہا اس لئے اللہ تعالٰی فرمائے گا کہ اے جنت کے داروغے تو اس کو جنت میں لے جا میں نے اسے معاف کر دیا ہے اور میں نے وہ تجھے بخش دیا ہے کہ تو اس کی خدمت کر۔ (موعظہ)

دلچسپ حکایت

بعض علماء نے سورہ یوسف کے اس قول کی تعریف بیان کرتے ہوئے (وجاءُ وْ اَبَاهم عشاءً لیبکون (ترجمہ) کہ یوسف علیہ السلام کے بھائی عشاء کے وقت اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے حاضر ہوئے)

ایک حکایت نقل کی ہے وہ بڑی عبرت انگیز اور دلچسپ ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک گندے اور پرانے کنویں کے اندر پھینک دیا اور شام کے وقت واپس لوٹے تو اپنے باپ کو مطمئن کرنے کے لئے ایک جھوٹا قصہ اختراع کیا اور وہ یہ کہ انہوں نے جنگل سے زبردستی ایک بھیڑیئے کو پکڑ لیا اور اسے لے کر اپنے باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے عرض کرنے لگے یہ ہے وہ بھیڑیا جس نے تیرے بیٹے یوسف علیہ السلام کو کھا لیا ہے تو حضرت یعقوب علیہ السلام اس بھیڑیئے کے ساتھ علیحدہ ہوئے اور دو رکعت نفل ادا کر کے اس بھیڑیئے سے پوچھا کیا تو نے میرے لخت جگر اور میری آنکھ کی ٹھنڈک کو کھا لیا ہے تو اللہ تعالٰی نے اس بھیڑیئے کو بولنے کی طاقت عطا فرمائی تو اس نے عرض کی کہ اے اللہ کے نبی میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ میں اسے کھاؤں کیونکہ انبیاء کرام کا گوشت نہ زمین کھا سکتی، نہ آگ اور نہ ہی درندے لیکن انہوں نے مجھے زبردستی پکڑ لیا اور آپ کی بارگاہ میں لے کر حاضر ہو گئے تو یعقوب علیہ السلام نے اس سے کہا اے بھیڑیئے تو مجھے یہ تو بتا کہ تو ان کے ہاتھ کیسے لگا اور تو کہاں سے آ رہا ہے اور کس طرف جانے کا ارادہ رکھتا ہے تو اس نے جواب دیا میں جرجان

کی سرزمین سے آرہا ہوں اور کنعان کی طرف جانے کا ارادہ رکھتا ہوں تا کہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے وہاں اپنے ایک بھائی سے ملاقات کروں تو یعقوب علیہ السلام نے فرمایا تو اس سے کیوں ملاقات کرنا چاہتا ہے تو بھیڑیئے نے جواب دیا کہ میرے باپ نے میرے دادا سے اور میرے دادا نے تیرے دادا ابراہیم علیہ السلام سے ایک حدیث بیان کی ہے۔ انہوں نے فرمایا جو اللہ کی خوشنودی کے لئے اپنے بھائی سے ملاقات کرتا ہے تو اس کے نامۂ اعمال میں ایک ہزار نیکی لکھی جاتی ہے اور اس کے ایک ہزار گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں اور اس کے لئے ایک ہزار درجے بلند کر دیئے جاتے ہیں اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے اپنے اس بھائی کی ملاقات کے سبب یوم قیامت کے عذاب سے نجات فرمائے گا اور اس کے بھائی اور اس کو جنت میں اس طرح اکٹھا کر دے گا جس طرح شہادت کی انگلی درمیانی انگلی سے مل جاتی ہے تو میں اپنے رضائی بھائی بھیڑیئے کی ملاقات کا ارادہ رکھتا تھا تو مجھے اس کے مرنے کی اطلاع ملی جس میں میں ازحد غم زدہ ہوں تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا اس بھیڑیئے کی بیان کردہ بات کو لکھ لو اے میرے دوستو اگر اللہ تعالیٰ سے ثواب حاصل کرنے کی خواہش میں اور دوزخ کے عذاب سے نجات میں اور جنت میں دونوں بھائیوں کے جمع ہونے کے مقصد میں ایک بھیڑیا ملاقات کرتا ہے تو تم اپنے بھائیوں سے ملاقات اور دوزخ کے عذاب سے نجات کے سبب اللہ تعالیٰ سے کیوں ثواب طلب نہیں کرتے۔ (موعظہ)

نوٹ: جن وانس کے علاوہ قیامت کے دن ان کے حسب حال ثواب وعذاب ہوگا اور تمثیل محض عبرت پذیری کے لئے ذکر کی گئی ہے۔

اللہ کی رضا کے لئے محبت کے ثمرات

وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی رضاء اور خوشنودی کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں یا اسی وجہ سے دوسرے لوگوں سے نفرت کرتے ہیں تو انہیں اللہ تعالیٰ وہ اجر عظیم عطا فرمائے گا جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہوگا نہ کسی کان نے اس کے متعلق سنا ہوگا اور نہ ہی کسی کے دل میں اس کا خیال پیدا ہوا ہوگا۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم علیہ

الصلوٰۃ والسلام سے ایک حدیث شریف روایت کرتے ہیں جو اس عظیم الشان اجر کو بیان کرتی ہے اور وہ یہ ہے۔

عن ابی هریرة رضی اللّٰه تعالٰی عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَيْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ فِيْ بِجَلَالِيْ اُظِلُّهُمْ فِيْ ظِلِّيْ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلِّيْ۔

(مسلم شریف)

"کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہاں ہیں وہ لوگ جو میری رضا کے لئے آپس میں محبت کرتے تھے مجھے اپنے جلال کی قسم آج میں انہیں اپنے سائے میں اس وقت جگہ عطا فرماؤں گا جب میرے سائے کے علاوہ اور کوئی سایہ نہیں ہوگا"۔

اسی طرح امام بیہقی نے باب شعب الایمان میں یہ حدیث نقل کی ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَنَّ عَبْدَيْنِ تَحَابَّا فِی اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَاحِدٌ فِی الْمَشْرِقِ و اُخْرٰی فِی الْمَغْرِبِ وَلَجَمَعَ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ يَقُوْلُ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتَ تُحِبُّهٗ فِیَّ۔

"کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے آپس میں محبت کریں ان میں سے ایک مشرق میں ہو اور دوسرا مغرب میں ہو تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کو قیامت کے دن اکٹھا کر دے گا اور فرمائے گا یہ ہے وہ جس کے ساتھ تو میری وجہ سے محبت کرتا تھا"۔

اللہ تعالیٰ کی جناب میں مقبول ترین عمل

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جو عمل سب سے زیادہ پسندیدہ اور مقبول ہے وہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کسی کے ساتھ محبت کرے یا کسی کے ساتھ دشمنی کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے

موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی اوران سے پوچھا اے موسیٰ علیہ السلام کیا تو نے میرے لئے کوئی عمل کیا ہے؟ تو آپ نے عرض کی یقیناً اے اللہ میں تیرے لئے نمازیں پڑھتا رہا روزے رکھتا رہا اور تیری رضا کے لئے صدقہ کرتا رہا اور ہمہ وقت تیرے ذکر میں رطب اللسان رہا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ اے موسیٰ علیہ السلام نماز تیری دلیل ہے روزہ تجھے جہنم سے بچانے کی ڈھال ہے اور صدقہ تیرے لئے سایہ ہے اور ذکر کرنا تیرے لئے نور ہے بتاؤ تم نے میرے لئے کون سا عمل کیا ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے دست بستہ عرض کی اے اللہ تعالیٰ تو ہی میری راہ نمائی فرما کہ وہ کون سا عمل ہے جو تجھے پسند ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام کیا تو نے کبھی میری رضا کے لئے کسی کے ساتھ دوستی کی ہے؟ اور کیا میرے لئے کسی کے ساتھ ناراضگی کی ہے؟ تو اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ محبوب عمل اللہ کی رضا کے لئے محبت اور اس کی رضا کے لئے کسی کے ساتھ بغض کرنا ہے۔ (طبرانی)

حضرت ابوادریس خولانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ ایک دن دمشق کی جامع مسجد میں داخل ہوئے تو انہوں نے وہاں ایک نوجوان کو دیکھا جس کے دانت بڑے ہی خوبصورت اور چمکدار تھے اور لوگ اس کے گرد حلقہ بنائے بیٹھے تھے جب ان میں کسی بات پر اختلاف ہو جاتا تو وہ ان کی خدمت میں عرض کرتے اور جو وہ رائے ارشاد فرماتے اس کے مطابق عمل پیرا ہو جاتے میرے پوچھنے پر بتایا گیا یہ صحابی رسول حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ دوسرے دن ان سے ملاقات کی غرض سے میں سویرے سویرے ان کے پاس حاضر ہوا مگر وہ میرے جانے سے پہلے اٹھ کر نماز میں مشغول ہو گئے تھے تو میں ان کے نماز سے فارغ ہونے تک ان کی انتظار کرتا رہا جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو میں ان کے سامنے آیا اور سلام عرض کیا اور عرض کی میں اللہ کی رضا کے لئے آپ سے محبت کرتا ہوں تو آپ نے تین بار فرمایا کیا تو میرے ساتھ اللہ کے لئے محبت کرتا ہے کیا تو میرے ساتھ اللہ کے لئے محبت کرتا ہے کیا تو میرے ساتھ اللہ کے لئے محبت کرتا ہے تو میں نے ہاں میں

جواب دیا تو آپ نے مجھے اپنے نزدیک کرتے ہوئے فرمایا تجھے مبارک ہو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تھا آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری رضا کے لئے آپس میں محبت کرنے والوں کی اور میری رضا کے لئے مل کر بیٹھنے والوں کی اور میری خوشنودی کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ ملاقات کرنے والوں کی اور میری رضا کے لئے مال خرچ کرنے والوں کی محبت مجھ پر واجب ہو جاتی ہے۔(موطا امام مالک)

ایسے ہی لوگوں کے متعلق نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ کہ قیامت کے دن آدمی کا حشر اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔

اس مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کے ولیوں اور پرہیزگاروں کے ساتھ محبت کرنا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث بنتا ہے اور ان کی محبت کے علاوہ ساری دوستیاں قیامت کے دن دشمنی میں تبدیل ہو جائیں گی اس لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا کرتے رہنا چاہئے کہ اے اللہ ہمیں اس دنیا میں بھی اپنے بندوں کی سنگت عطا فرما اور ہمارا حشر بھی انہی لوگوں کے ساتھ ہو جو تیری بارگاہ میں مقبول ہوں۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا ہی خوب فرمایا ہے۔

یک زمانہ صحبت با اولیاء　　بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

حضرت بابا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اولیاء کرام کے ساتھ حشر ہونے کے متعلق ایک واقعہ نقل فرماتے ہیں یہ واقعہ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بابا صاحب کے ملفوظات میں نقل کیا ہے آپ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر تھے تو آپ نے فرمایا کہ کشاف میں یہ لکھا ہے کہ جب کوئی آدمی یہ چاہے کہ قیامت کے دن اس کا حشر نیک لوگوں کیساتھ ہو تو وہ یہ آیت پڑھے۔

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ۝ (آل عمران)

اس کے بعد آپ نے ایک حکایت بیان فرمائی کہ ایک آدمی جو فسق و فجور میں بدنام

زمانہ تھا وہ مر جاتا ہے تو اسے خواب میں اولیاء اللہ اور دوستانِ خدا کے ساتھ دیکھا جاتا ہے تعجب سے اس سے پوچھا گیا کہ تجھے یہ دولت کہاں سے ملی تو اس نے جواب دیا میں نے تفسیر کشاف میں یہ لکھا ہوا دیکھا تھا کہ جو شخص اس مذکورہ بالا آیت طیبہ کو پڑھتا رہتا ہے تو اس کا حشر نیک لوگوں کے ساتھ ہوگا پس میں اس کو صدق دل سے پڑھتا رہا اور اللہ تعالیٰ نے جو تھوڑی چیز کو قبول کرنے والا ہے اور اس پر بڑی سے بڑی بخشش کرنے والا ہے میری یہ تھوڑی سی عبادت اس نے قبول فرمالی تمام گناہ بخش دیئے اب مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں دوستان خدا کی معیت میں ہی رہوں۔ کیا ہی خوش بخت انسان تھا؟

دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارا حشر بھی ان مقبولان خدا کے ساتھ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بے پناہ نوازشات سے نوازا ہے۔

اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

وما توفیقی اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ۔

اکیاونواں وعظ

ماہ شعبان اور اس کی برکات

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی وَنُسَلِّمُ وَ نُبَارِکُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ وَ عَلٰی اٰلِهٖ الطَّیِّبِیْنَ وَ عَلٰی اَزْوَاجِهٖ اُمَّهَاتِ المؤمنین وَ عَلٰی سَائِرِ الصَّحَابَةِ والتَّابِعِیْنَ اَجْمَعِیْنَ

اما بعد فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حٰمٓ ۞ وَ الْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۞ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَکَةٍ اِنَّا کُنَّا مُنْذِرِیْنَ ۞ فِیْهَا یُفْرَقُ کُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ ۞ (الدخان)

''حم-حق کو واضح کرنے والی کتاب کی قسم بے شک ہم نے اتارا ہے اسے ایک بابرکت رات میں ہماری یہ شان ہے کہ ہم بروقت خبردار کر دیا کرتے ہیں۔ اسی رات میں فیصلہ کیا جاتا ہے ہر اہم کام کا''۔ (جمال القرآن)

مذکورہ بالا آیات طیبات سورہ الدخان کی ابتدائی آیات ہیں یہ سورۃ بھی ان سات سورتوں میں سے ایک ہے جن کا آغاز حم کے ساتھ ہوتا ہے اس کے آغاز میں ہی اللہ تعالیٰ اپنی کتاب مبین کی قسم اٹھا کر فرما رہا ہے کہ اس یمن و برکت والی کتاب کو ہم نے ہی نازل فرمایا ہے نہ یہ انسانوں اور جنوں میں سے کسی فرد واحد کی تصنیف ہے اور نہ ہی دانشوروں کے کسی بورڈ کے باہمی مشوروں سے اسکا مسودہ تیار کیا گیا ہے ہم نے اس کو بڑی خیر و برکت والی رات میں نازل فرمایا ہے وہ کون سی رات ہے جسے خیر و برکت کا منبع قرار دیا گیا ہے۔ علماء کے اس میں دو قول ہیں حضرات ابن عباس، قتادہ اور اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ وہ لیلۃ القدر کی رات ہے کیونکہ سورۃ القدر میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ (الخ)۔

اور عکرمہ اور ایک جماعت کا خیال یہ ہے کہ یہ پندرہ شعبان کی رات تھی جس میں اللہ تعالیٰ نے اس کو لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر نازل فرمایا اور پھر آہستہ آہستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا جاتا رہا۔ لیلۃ القدر اور لیلۃ البرأت دونوں بڑی برکتوں۔ بخششوں اور رحمتوں والی راتیں ہیں۔ لیکن میں اس وعظ میں لیلۃ البرأت کی فضیلت بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔

لیلۃ البرأۃ نصف ماہ شعبان کی رات کو کہتے ہیں اور ماہ شعبان کی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو فضیلت بیان فرمائی ہے اس سے بھی اس رات کی شان وشوکت کا شعور حاصل ہوتا ہے میں پہلے وہ احادیث ذکر کرتا ہوں جن میں ماہ شعبان کی فضیلت بیان کی گئی ہے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

فَضْلُ الشَّعْبَانِ عَلٰی سَائِرِ الشُّهُوْرِ كَفَضْلِیْ عَلٰی سَائِرِ الْاَنْبِیَاءِ وَفَضْلُ رَمَضَانَ عَلٰی سَائِرِ الشُّهُوْرِ كَفَضْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی علی عبادهٖ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَیَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ لَاَنَّ النَّبِی عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ كَانَ یَصُوْمُ شَعْبَانَ كُلَّهٗ وَیَقُوْلُ یَرْفَعُ اللّٰهُ اَعْمَالَ الْعِبَادِ كُلَّهَا فِیْ هٰذَا الشَّهْرِ وَ قَالَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاسَلَّمَ اَقْدرونَ لِمَ سَمِّیَ شَعْبَانُ قَالُوْا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ لِاَنَّهٗ یُشَعَّبُ فِیْهِ خَیْرٌ كَثِیْرٌ (روضۃ العلماء)

"کہ شعبان کے مہینہ کی تمام مہینوں پر اسی طرح فضیلت ہے جس طرح میری فضیلت تمام انبیاء کرام پر ہے۔ اور ماہ رمضان شریف کی فضیلت تمام مہینوں پر اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی فضیلت اس کے تمام بندوں پر ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور پسند کرتا ہے (جسے چاہتا ہے) نہیں ہے انہیں کچھ اختیار کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شعبان کا سارا مہینہ روزہ رکھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس مہینہ میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے تمام اعمال اوپر اٹھا لیتا

ہے۔ اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم ہے اس ماہ مقدس کا نام شعبان کیوں رکھا گیا تو صحابہ کرام نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں تو آپ نے فرمایا کیونکہ اس ماہ میں خیر کثیر تقسیم کی جاتی ہے اس لئے اس کو شعبان کہا جاتا ہے"۔

اس ماہ کو شعبان کہنے کی وجہ

شعبان کا لغوی معنی شاخ اور حصہ ہے کیونکہ اس ماہ مقدس میں خیر کثیر کے بے شمار حصے مخلوق میں تقسیم کئے جاتے ہیں اس لئے اس کو شعبان کہا گیا ہے حضرت یحییٰ ابن معاذ فرماتے ہیں کہ شعبان کے پانچ حروف ہیں۔ ش-ع-ب-ا-اورن، ان میں سے ہر ایک حرف کے بدلے مومنین کو عطیہ اور تحفہ عطا فرمایا جاتا ہے ش کے عوض شرف وشفاعت، ع کے بدلے عزت وکرامۃ، ب کے بدلے نیکی اور خیر، الف کے بدلے میں الفت ومحبت اور ن کے عوض نور وعرفان عطا کیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ مہینہ اپنے نام کے اعتبار سے بھی بے شمار فضائل وکرامات کا سبب ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا

قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ جَعَلَ اللّٰهُ الرَّحْمَةَ مِائَةَ جُزْءٍ فَاَمْسَکَ عِنْدَهٗ تِسْعَةً وَ تِسْعِيْنَ وَاَنْزَلَ فِي الْاَرْضِ جُزْءً وَاحِدًا فَمِنْ ذَالِکَ تتراحَمُ الخلائق حتی تَرْفَعُ الدابۃ حافِرَها عن ولدِهَا خَشْيَةً اَنْ يُصِيْبَهٗ الضرر وَ فِيْ روايَةٍ لِمُسْلِمٍ وَ اَخَّرَ تسعةً وَ تسعين يَرْحم اللّٰهُ تَعَالٰى عبادهٗ يوم القيامۃ

(درۃ الناصحین)

" کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کو سو حصوں میں تقسیم فرمایا ہے اور اس نے ننانوے حصے اپنے پاس روک لئے ہیں اور ایک حصہ زمین پر نازل فرمایا ہے اور رحمت کے اس حصہ سے یہ بھی ہے کہ تمام مخلوق

کے اندر رحمت پیدا فرمادی ہے اور وہ آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے یہاں
تک کہ ایک چوپایا اپنا پاؤں اپنے بیٹے پر اس خوف سے نہیں رکھتا کہ کہیں اس کو
تکلیف نہ پہنچے اور مسلم شریف کی دوسری روایت میں ہے کہ باقی ماندہ رحمت کے
ننانوے حصے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر قیامت کے دن نازل فرمائے گا اور اس
طرح ان پر رحم کرے گا"۔ (طریقہ محمدیہ)

کہا جاتا ہے کہ رجب کا مہینہ انسانی بدن کو گناہوں کی میل کچیل سے پاک کرتا ہے اور شعبان کا مہینہ دل کو گناہوں کی آلودگی سے صاف کرتا ہے اور رمضان شریف کا مہینہ روح کی تطہیر کا باعث بنتا ہے اور جو شخص ماہ رجب میں بدن کو گناہوں کی میل کچیل سے پاک کر لیتا ہے تو شعبان میں وہ اپنا دل پاک کر لیتا ہے تو جو شعبان میں دل کو گناہوں کی آلودگی سے صاف کرتا ہے تو وہ ماہ رمضان میں روح کو پاک کر لیتا ہے اور اگر وہ رجب میں بدن کو پاک نہ کرے اور شعبان میں دل کو صاف نہ کرے تو رمضان شریف میں اس کی روح کیسے پاک ہو گی اسی لئے بعض حکماء نے فرمایا ہے کہ رجب کا مہینہ گناہوں سے استغفار کے لئے ہے اور شعبان کا مہینہ عیوب سے دل کو خالی کرنے کا ہے اور رمضان کا مہینہ روح کو روشن کرنے کے لئے ہے اور لیلۃ القدر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے ہے۔
(زبدۃ الواعظین)

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا جس نے ماہ شعبان کے پہلے تین دن اور درمیانے تین دن اور اس کے آخری تین دنوں میں روزہ رکھا تو اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں ستر نبیوں کا ثواب لکھ دیتا ہے اور وہ شخص اس آدمی کی طرح ہوتا ہے جس نے ستر سال اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور اگر وہ اسی سال مر جاتا ہے تو اسے شہید کی موت کا درجہ دیا جاتا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا۔

مَنْ عَظَّمَ شَعْبَانَ وَاتَّقَى اللّٰهَ تَعَالٰى وَ عَمِلَ بِطَاعَتِهٖ وَاَمْسَکَ
نَفْسَهٗ عَنِ المعصية غَفَرَاللّٰهُ تَعَالٰى ذُنُوْبَهٗ وَآمَنَهٗ مِنْ كُلِّ

مَایَکُوْنُ فِی تِلْکَ السَّنَةِ مِنَ الْبَلَایَا وَالْاَمْرَاضِ کُلِّھَا۔

''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جس نے ماہ شعبان کی تعظیم کی اور وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہا اور اس کی اطاعت کرتے ہوئے نیک اعمال کرتا رہا اور اس نے اپنے آپ کو نافرمانی سے بچائے رکھا تو اللہ تعالیٰ اس کے سارے گناہ بخش دے گا اور وہ اسے ان تمام آزمائشوں اور بیماریوں سے بچالے گا جو اس سال وقوع پذیر ہونے والی ہیں''۔(زبدۃ الواعظین)

لَیلَةُ البَرأتِ کی فضیلت اور بخشش

اس سے ماقبل وہ احادیث ذکر کی گئی ہیں جو ماہ شعبان کی فضیلت اور نوازشات کے متعلق تھیں اب ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وہ ارشادات گرامیہ ذکر کرتے ہیں جن میں لیلۃ البراۃ کی عظمت وشان کا ذکر کیا گیا ہے اس کی فضیلت میں بھی متعدد احادیث مروی ہیں ان میں سے چند احادیث ذکر کی جائیں گی۔(نمبر ۱) حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا کَانَتْ لیلةَ النصفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقُوْمُوْا لَیْلَھَا وَ صُوْمُوْا نَھَارَھَا فَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَنْزِلُ فِیْھَا لِغُرُوْبِ الشَّمْسِ اِلٰی سَمَاءِ الدُّنْیَا فَیَقُوْلُ اَلَا مُسْتَغْفِرٍ فَاَغْفِرَ لَہٗ اَلَا مُسْتَرْزِقٌ فَاَرْزُقَہٗ اَلَا مُبْتَلًی فَاُعَافِیَہٗ اَلَا کَذَا وَ کَذَا حَتّٰی یَطْلُعَ الْفَجْرُ۔(ابن ماجہ والبیہقی)(روح المعانی)

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب شعبان کی پندرھویں رات ہو تو رات کو جاگا کرو اور اس کے دن میں روزہ رکھا کرو جب سورج غروب ہوتا ہے اس وقت سے اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ ہے کوئی مغفرت طلب کرنے والا کہ میں اسے بخش دوں ہے کوئی رزق طلب کرنے والا تاکہ میں اسے رزق دوں ہے کوئی مصیبت زدہ کہ میں اسے

نجات دوں یہ اعلان طلوع فجر تک ہوتا رہتا ہے''۔

نمبر ۲۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے آپ فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے بستر پر نہ پایا تو میں حضور کی تلاش میں نکلی تو میں نے آپ کو جنت البقیع میں پایا کہ آسمان کی طرف حضور نے سر اٹھایا ہوا تھا مجھے دیکھ کر حضور نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَنْزِلُ لَیْلَۃَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ اِلٰی سماءِ الدنیا فَیَغْفِرُ لِاَکْثَرَ مِنْ عَدَدِ شعرِ غَنَمِ کَلْبٍ (ترمذی شریف وغیرہ)

''اللہ تعالیٰ نصف شعبان کو آسمان دنیا پر جلوہ گر ہوتا ہے اور قبیلہ کلب کی بکریوں کے جس قدر بال ہیں ان سے زیادہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے''۔

نمبر ۳: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شعبان کی نصف رات کو میرے پاس جبرائیل حاضر ہوا اور کہا (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ وہ رات ہے جس میں آسمانوں اور رحمت کے تمام دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اٹھئے نماز ادا کیجئے اور اپنا سر مبارک اور اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کیجئے (یعنی اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے) تو میں نے کہا کہ اے جبرائیل اس رات کی کیا شان ہے تو اس نے جواب دیا کہ یہ رات ہے جس میں رحمت کے تین سو دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان تمام لوگوں کو بخش دیتا ہے جو کسی چیز کو اللہ کا شریک نہیں بناتے سوائے جادوگر۔ کاہن، دشمنی رکھنے والے ہمیشہ شراب پینے والے زنا پر اصرار کرنے والے، سود خور، اپنے والدین کے نافرمان، چغل خور، قطع تعلق کرنے والے کے۔ کیونکہ یہ وہ بدبخت لوگ ہیں جن کے اس وقت تک گناہ نہیں بخشے جائیں گے جب تک وہ توبہ نہیں کرتے اور ان گناہوں کو چھوڑ نہیں دیتے تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام گھر سے باہر تشریف لے آئے اور آپ نے نماز ادا فرمائی اور اپنے سجدے میں گریہ وزاری کرنے لگے اور وہ یہ عرض کر رہے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ عِقَابِکَ وَ سَخَطِکَ وَلَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اِنَّکَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ فالحمدلک حتی ترضی۔ (زبدۃ الواعظین)

''اے اللہ میں تیرے عذاب اور تیری ناراضگی سے تجھ سے پناہ مانگتا ہوں میں تیری تعریف اس طرح نہیں کرسکتا جس طرح تو نے اپنی تعریف کی ہے ساری تعریفیں تیرے لئے ہیں یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے''۔(لیلۃ البراۃ میں جاگنے کی برکات)۔

حضرت محمد ابن عبداللہ الزاہدی سے ایک روایت نقل کی گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میرا دوست ابوحفص الکبیر فوت ہو گیا میں نے اس کی قبر پر حاضری نہ دی اس کے بعد میں نے اس کی قبر پر حاضری دینے کا ارادہ کیا اور اسی اثناء میں رات کو سو گیا تو میں نے اسے خواب میں دیکھا کہ اس کا رنگ متغیر اور چہرہ زرد تھا میں نے اسے سلام دیا تو اس نے میرے سلام کا جواب نہ لوٹایا۔ میں نے تعجب کرتے ہوئے کہا سبحان اللہ تو نے میرے سلام کا جواب کیوں نہ لوٹایا تو اس نے جواب دیا سلام کا جواب لوٹانا عبادت ہے اور مرنے کے بعد ہم عبادت کے مکلف نہیں رہتے تو میں نے حیران ہو کر اس سے پوچھا کہ تیرا چہرہ بڑا حسین و جمیل تھا یہ متغیر کیوں ہو گیا ہے اور اس پر زردی کیوں چھا گئی ہے تو اس نے جواب دیا کہ جب مجھے قبر میں دفن کر دیا گیا تو ایک فرشتہ آیا اور وہ میرے سر کی طرف کھڑا ہو گیا تو اس نے کہا اے گناہ کا ارتکاب کرنے والے بوڑھے اور اس نے میرے برے اعمال اور گناہ شمار کرنے شروع کیے اور ساتھ ہی اس نے مجھے ایک ایسا ڈنڈا مارا جس سے میرے جسم سے آگ کے شعلے بھڑک اٹھے پھر میرے ساتھ میری قبر ہمکلام ہوئی اس نے کہا تو نے گناہ کرتے ہوئے میرے رب سے حیاء کیوں نہیں کیا پھر اس قبر نے مجھے خوب بھینچا یہاں تک کہ میری ہڈیاں آر پار ہو گئیں اور جوڑ منقطع ہو گئے اور اس رات تک جس میں شعبان کا چاند طلوع ہوا میں عذاب کی سختیاں سہتا رہا۔ جس رات شعبان کا چاند طلوع ہوا تو اچانک میرے اوپر سے

ایک آواز دینے والے نے آواز دی اے اس پر مسلط فرشتے اس سے عذاب اٹھا لے کیونکہ اس نے اپنی عمر میں شعبان کی ایک رات کو زندہ کیا تھا اور اس کا ایک دن روزہ رکھا تھا تو اللہ نے اس طرح شعبان کی ایک رات قیام کی وجہ سے اور اس کا ایک دن کا روزہ رکھنے سے مجھے عذاب سے نجات عطا فرمائی اور مجھے جنت اور رحمت کی نوید جانفزا سنائی اسی لئے نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جس نے عید الفطر اور عید الضحیٰ کی راتوں میں سے ایک رات اور نصف شعبان کی رات قیام کیا ان میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تو اس کا دل اس وقت مردہ نہیں ہوگا جب باقی لوگوں کے دل مردہ ہو چکے ہوں گے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو جائیں گے۔ (زہرۃ الریاض)

۲۔ حضرت ابونصر ابن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جب شعبان کی 13 ویں رات تھی تو میرے پاس جبرائیل امین حاضر ہوئے اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھئے نماز تہجد کا وقت ہو گیا ہے اپنے رب سے اپنی امت کی بخشش کی دعا کیجئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اٹھے صلوٰۃ و دعا میں مشغول رہے۔ یہاں تک کہ صبح صادق طلوع ہو گئی تو پھر جبرائیل امین حاضر ہوئے اور عرض کی اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ نے آپ کی خاطر آپ کی امت کا تیسرا حصہ بخش دیا ہے یہ سن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رونے لگے اور فرمایا اے جبرائیل میری امت کے دوسرے دو حصوں کے بارے میں بھی بتائیے کہ ان کا کیا ہوگا تو اس نے عرض کی مجھے معلوم نہیں جب شعبان کی 14 ویں رات آئی تو وہ پھر حاضر ہوئے اور عرض کی اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھئے نماز تہجد ادا فرمائیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسا ہی کیا تو جب صبح صادق طلوع ہوئی جبرائیل امین نے حاضر ہو کر عرض کی اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے آپ کی امت کے دوسرے حصہ کو بھی بخش دیا ہے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یارہ صبر نہ رہا اپنی امت کے تیسرے حصے کی بخشش کی فکر کرنے لگے اور زار و قطار رونے لگے اور جبرائیل امین سے کہا اے جبرائیل مجھے اپنی امت کے تیسرے حصے کے متعلق بھی آگاہ

کیجئے تو اس نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ جب شعبان کی ۱۵ ویں رات آئی جس کو لیلۃ البرأۃ کہتے ہیں تو جبرائیل امین حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے لئے بشارت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تمام امت کو آپ کی خاطر بخش دیا ہے سوائے ان لوگوں کے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک بناتے ہیں ان کی بخشش نہیں ہوگی۔ پھر جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا سر مبارک آسمان کی طرف بلند فرمایئے اور وہاں مشاہدہ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و بخشش کا کیا انداز نظر آ رہا ہے تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نظریں اٹھا کر اوپر دیکھا کہ سارے آسمانوں کے دروازے کھلے ہیں آسمان دنیا سے لے کر عرش معلیٰ تک تمام ملائکہ سربسجود ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کے لئے مغفرت و بخشش کی التجاء کر رہے ہیں اور آسمان کے ہر دروازے پر ایک فرشتہ موجود ہے جو اس رات میں رکوع و سجود کرنے والوں، اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں صلوٰۃ وسلام عرض کرنے والوں کے گناہوں کی بخشش اور جنت میں داخل ہونے کی بشارتیں دے رہے ہیں اور وہ فرشتے یہ عرض کر رہے ہیں کہ مبارک ہو ہر اس شخص کو جو اللہ کے ڈر سے رو دیا ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگی ہیں اور ساتویں آسمان کے دروازہ پر ایک فرشتہ مقرر ہے وہ ہر اس شخص کو مژدہ جانفزا سنا رہا ہے جو اس رات میں قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے اور ساتھ ہی وہ یہ اعلان کر رہا ہے کہ کوئی مانگنے والا ہے کہ اس کو عطا کیا جائے؟ کوئی ہے؟ دعا کرنے والا کہ اس کے گناہ بخشے جائیں اور اس کی توبہ قبول کی جائے؟ یہ سلسلہ غروب شمس سے طلوع شمس تک جاری رہتا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ شعبان کی پندرھویں رات میں غروب شمس سے لے کر طلوع شمس تک اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازے کھلے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس رات کو بنو کلب قبیلہ کی بکریوں کے بالوں کے برابر دوزخیوں کو دوزخ کی آگ سے آزاد فرماتا ہے۔ (زبدۃ الواعظین)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے آپ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میری باری میں میرے حجرہ میں تشریف فرما تھے۔ اور آپ اپنے بستر پر تھے

اچانک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بستر پر نہ پایا میں نے خیال کیا کہ آپ کہیں دوسری
ازواج میں سے کسی کے پاس تشریف لے گئے ہوں گے۔ میں آپ کی تلاش میں نکل کھڑی
ہوئی تمام حجرات سے تلاش کیا مگر آپ کو نہ پایا اسی تشویش و فکر میں۔ میں حضرت فاطمۃ
الزہراء کے گھر خیر الانبیاء کے دروازہ پر پہنچی اور دستک دی تو آواز آئی کون؟ میں نے عرض کیا
میں عائشہ ہوں اور اس وقت آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تلاش میں حاضر ہوئی ہوں۔ تو اس
گھر کے مکین حضرت فاطمہ سیدنا علی۔ امام حسین اور امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم اٹھ کھڑے
ہوئے اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے کہنے پر ہم نے آپ کو مسجد میں تلاش کیا تو وہاں بھی آپ
کو نہ پایا۔ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا وہ جنت البقیع میں تشریف لے گئے ہوں گے
چنانچہ ہم سب جنت البقیع کی طرف گئے تو دیکھا کہ قبرستان بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ سیدنا علی رضی
اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ نور آپ ہی کی وجہ سے ہے۔ ہم وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں؟ آپ
علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سر سجدہ میں رکھا ہوا ہے اور زار و قطار رو رہے ہیں اور عاجزی و
انکساری کی انتہا فرما رہے ہیں اور عرض کر رہے ہیں اے اللہ اگر تو انہیں عذاب دے تو یہ
تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں معاف فرما دے تو تو غالب اور دانا ہے۔ یہ عجیب و غریب
منظر دیکھ کر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کے سر کے برابر کھڑی ہو گئیں اور آپ کے
سر مبارک کو اوپر اٹھایا اور عرض کی اے میرے والد محترم رونے اور عاجزی کی کیا وجہ؟ کیا
کسی دشمن نے تکلیف پہنچائی ہے یا وحی نازل ہوئی ہے؟ آپ نے فرمایا اے فاطمہ نہ دشمن
نے کوئی گزند پہنچایا ہے اور نہ ہی فرشتہ اترا ہے بلکہ یہ لیلۃ البرأۃ ہے اور میں اللہ تعالیٰ سے
اپنی امت کی بخشش طلب کر رہا ہوں۔ اور فرمایا اے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا! اگر قیامت
برپا ہو جائے تو میں اس طرح سر سجدے میں رکھ کر اپنے رب سے مغفرت طلب کرتا رہوں گا
اور اپنی امت کی شفاعت کی درخواست کرتا رہوں گا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا اگر تم
میری رضا چاہتے ہو تو سجدے میں گر کر میرے ساتھ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں عاجزی و
انکساری کرو اور بخشش کی دعا کرو۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی،

حضرت فاطمہ اور حسنین کریمین کو بھی فرمایا اور آپ کا حکم ملتے ہی سب سجدہ ریز ہو گئے اور زاروقطار رو کر دعائیں مانگنے لگے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے رب سے اپنی بے شمار لغزشوں اور گناہوں کی معافی مانگنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین ثم آمین) (روضۃ العلماء)

لیلۃ البرأۃ کی وجہ تسمیہ اور اس میں صلوٰۃ ودعا

برأۃ کا لغوی معنی ہے جدا ہونا علیحدہ ہونا چونکہ پندرہ شعبان کی رات کافروں، مرتدوں اور بدبختوں کو جنت سے نکالنے والی رات ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا برأۃ من اللہ ورسولہ۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے یہ جنت سے نکالنے کا اعلان ہے اور یہ رات متقیوں، صوفیوں اور نیک بختوں کو دوزخ کی آگ سے نجات دلانے والی رات ہے جس طرح اس کی تفصیل اوپر بیان کر دی گئی ہے اور اسی رات میں ایک سال سے لے کر دوسرے سال تک کے عمل زمین سے اٹھا لیے جاتے ہیں اور اسی رات رزق تقسیم کیے جاتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "فیھا یفرق کل امر حکیم" اس رات میں ہر اہم کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

"دعاء البرأۃ"

جن خوش نصیبوں کو اسی سراپا برکت ورحمت والی رات میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ بے کس پناہ میں دعا مانگنے کی توفیق حاصل ہو تو وہ یہ دعا مانگیں۔

اَللّٰھُمَّ اِنْ کَتَبْتَ اِسْمِیْ شَقِیًّا فِیْ دِیْوَانِ الْاَشْقِیَاءِ فَامْحُہٗ وَاکْتُبْنِیْ فِیْ دِیْوَانِ السُّعَدَاءِ وَاِنْ کُنْتَ کَتَبْتَ اِسْمِیْ سَعِیْدًا فِیْ دِیْوَانِ السُّعَدَاءِ فَاَثْبِتْہٗ فَاِنَّکَ قُلْتَ فِیْ کِتَابِکَ الْکَرِیْمِ یَمْحُو اللّٰہُ مَا یَشَاءُ وَ یُثْبِتُ وَعِنْدَہٗ عِلْمُ الْکِتَابِ

"اے اللہ تعالیٰ اگر تو نے میرا نام بدبختوں کی فہرست میں لکھا ہوا ہے تو اسے وہاں سے ہٹا دے اور نیک بختوں کے دیوان میں لکھ دے اور اگر تو نے میرا نام نیک

بختوں کے دیوان میں لکھا ہوا ہے تو اس کو وہیں ثابت رکھ کیونکہ تو نے اپنی معزز کتاب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اسے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے اسے لوح محفوظ میں لکھ دیتا ہے اور اسی کے پاس علم الکتاب ہے۔"

(پارہ نمبر ۱۳)(مرقات شرح مشکاۃ)

نوافل کے پڑھنے کی ترتیب

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص پندرہ شعبان کی رات کو سو رکعت نماز نفل ادا کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر پانچ ہزار رحمت کے فرشتے نازل فرماتا ہے اور ان میں ہر ایک کے پاس ایک نور کا دفتر ہوتا ہے جس میں وہ قیامت تک اس کا ثواب لکھتے رہتے ہیں حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں۔

اَنَّهٗ قَالَ مَنْ صَلّٰی مِائَةَ رَكْعَةٍ فِیْ لَیْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ یَقْرَءُ فِیْ كُلِّ رَكْعَةٍ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَالْاِخْلَاصَ - خَمْسَ مَرَّآتٍ اَوْ قَالَ عَشْرَ مَرَّاتٍ اَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ خَمْسَمِائَةِ مَلَكٍ مَعَ كُلِّ مَلَكٍ دَفْتَرٌ مِنْ نُوْرٍ یَكْتُبُوْنَ ثَوَابَهٗ فِیْهِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ

"آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جو شخص پندرہ شعبان کی رات کو سو رکعت نفل ادا کرے ہر رکعت میں پانچ یا دس دفعہ سورۃ فاتحہ اور سورۃ اخلاص پڑھے تو اللہ تعالیٰ پانچ ہزار فرشتے نازل فرماتا ہے ہر فرشتے کے پاس ایک نور کا دفتر ہوتا ہے جس میں وہ اس کا ثواب قیامت تک لکھتے رہتے ہیں"۔

کیا ہی خوش بخت ہیں وہ لوگ جو اس رات کو اپنی جبین نیاز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جھکاتے ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مزید فرمایا:

وَالَّذِیْ بَعَثَنِیْ بِالْحَقِّ نَبِیًّا مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ فِیْ هٰذِهِ اللَّیْلَةِ یُعْطٰی مِنْ ثَوَابِ النَّبِیّٖنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَالْمَلَآئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ

"مجھے اس ذات کی قسم ہے جس نے مجھے حق کے ساتھ نبی بنا کر مبعوث فرمایا ہے کہ جو شخص اس رات میں مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے تو اسے تمام انبیاء کرام، رسل عظام، ملائکہ اور تمام انسانوں کے برابر ثواب عطا کیا جاتا ہے"۔ (مشکاۃ الانوار)

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے ہمیں ایسے بابرکت مواقع سے فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

وآخِرُ دَعْوانا اَنِ الحمد للّٰہ رب العالمین۔

وما علینا الا البلاغ المبین

وما توفیقی اِلّا باللّٰہِ علیہ توکلتُ والیہ اُنیب اللھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آلہٖ و اصحابہ اجمعین۔

باونواں وعظ

اسلام کی نظر میں جہاد کی اہمیت

نَحمدہ و نصلی و نسلم و نُبَارِکُ علی رسولِہِ الکریم و عَلٰی آلِہٖ و اصحابِہٖ و اُتبَاعہ اِلی یوم الدین

أما بعدُ فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَ جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ (صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلَانَا الْعَظِیْم)۔ (الحج:78)

"(سرتوڑ) کوشش کرو اللہ کی راہ میں جس طرح کوشش کرنے کا حق ہے۔اس نے چن لیا ہے تمہیں (حق کی پاسبانی اور اشاعت کے لئے) اور نہیں روا رکھی اس نے تم پر دین کے معاملہ میں کوئی تنگی"۔(جمال القرآن)

حضرات! اس سے ماقبل آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بندگی کا حکم دیا ہے اور اللہ تعالیٰ وہ خداوند برحق ہے اور قادر مطلق ہے جس کی عظمت و کبریائی کی شہادت آسمان کی بلندیاں، زمین کی پستیاں، پہاڑوں کا سکون، دریاؤں کی روانیاں، عندلیبوں کے نالے اور پھولوں کی مسکراہٹیں، کانٹوں کی چبھن اور کلیوں کی پھبن غرضیکہ ہر چیز اپنی ہمت و صلاحیت کے مطابق دے رہی ہے۔اس کی اس طرح بندگی کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے جو صرف زبان تک محدود نہ ہو، جو رکوع و سجود میں مقید نہ ہو، جو مساجد و عبادت گاہوں کے دروازوں تک آ کر ختم نہ ہو جائے بلکہ ایسی بندگی جس کا زندگی کے ساتھ ہمہ وقتی تعلق ہو۔زندگی کا قافلہ جس راہ پر گامزن رہے، غم و اندوہ کے جتنے عمیق کھڈوں سے گزرے، خوشی و مسرت کے جتنے چمن راہ میں آئیں ہر ہر جگہ، ہر ہر قدم پر بندگی کا نشان زندگی کی جبین پر تابندہ رہے۔

رکوع و سجود سے اداء نماز کا حکم ملا و اعۡبُدُوا سے اس کے تمام احکام بجالانے کی تاکید

ہوئی وَافْعَلُوا الْخَيْرَ سے ایسے کام کرنے کا فرمان صادر ہوا جو اس کے لئے، اس کی قوم و ملت کے لئے، ساری نوع انسانی کے لئے ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق کے لئے اپنے دامن میں خیر و نفع کی ساری نعمت سمیٹے ہوں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ ۱۲، ۱۳ سال ظلم و تعدی کی چکی میں پسنے والے اپنا دفاع کر سکیں اور جن پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے اور وہ تسلیم و رضا کے مجسمے خاموشی سے برداشت کر رہے تھے انہیں طاقت کا جواب طاقت سے دینے کی اجازت دی جا رہی ہے لیکن جہاد کے اس حکم کی اجازت میں تین چیزوں کو ملحوظ رکھنا شرط قرار دیا ہے۔

۱۔ جہاد کا مقصد کیا ہے؟

۲۔ کس کے ساتھ جہاد کا حکم ہے؟

۳۔ کن شرائط و قیود کے ساتھ جہاد کی اجازت دی گئی ہے؟

ان تینوں امور کو اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ کی اس آیت طیبہ میں بیان فرما دیا ہے۔ فرمایا

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۝ (بقرہ)

"اور لڑو اللہ کی راہ میں ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور (ان پر بھی) زیادتی نہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا زیادتی کرنے والوں کو"۔ (جمال القرآن)

یعنی مقصد جہاد کے متعلق تو فرمایا فی سبیل اللہ (حق کی سربلندی کے لئے) لوٹ مار، تجارتی و صنعتی رقابت، وطنی و نسلی عداوت و تعصب، یا اس قسم کے سفلی مقاصد مومن کی جنگ کے پیش نظر نہیں رہتے، صرف ان لوگوں کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم ہے جو تمہارے ساتھ جنگ کر رہے ہوں، جو تم پر یلغار کرنے کے لئے پر تول رہے ہیں۔ ان کو اَلَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ کے ساتھ بیان فرمایا اور اس شرط کے ساتھ لَا تَعْتَدُوْا (کہ زیادتی نہ کرو) جب جذبات پر قابو نہیں رہتا، آتش انتقام بھڑک رہی ہوتی ہے خبردار! اس وقت بھی کسی پر زیادتی نہ کرو کیونکہ زیادتی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا، عورتوں، معصوم بچوں،

اپاہجوں، بوڑھوں، کسانوں، مزدوروں اور راہبوں پر ہاتھ اٹھانے سے اسلام نے منع فرمادیا ہے بشرطیکہ یہ لوگ جنگ میں شریک نہ ہوں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جب اپنے ایک سپہ سالار یزید ابن سفیان کو الوداع کہنے کے لئے پاپیادہ ان کے ساتھ گئے تو رخصت کرتے وقت پھل دار درختوں کے کاٹنے، اونٹوں اور شیر دار جانوروں کو بلا ضرورت ہلاک کرنے سے منع فرمادیا۔

مستشرقین حضرات جو اسلام کے نظریۂ جہاد پر طرح طرح کے اعتراض کرتے ہیں اور اسے حقوق انسانی کے تلف ہونے کا سبب قرار دیتے ہیں وہی انصاف سے بتائیں کیا دنیا میں کوئی ایسی قوم گزری ہے یا آج کی مہذب اور متمدن دنیا میں کوئی ایسی قوم موجود ہے جس کے جنگی قانون میں عدل وانصاف کا یوں لحاظ رکھا گیا ہو۔ آج تو جنگ شروع ہوئی ہے تو پرامن شہریوں اور آباد بستیوں کو ایٹم بموں سے اڑا کر رکھ دیا جاتا ہے۔ عورتوں، معصوم بچوں، بوڑھوں اور بیماروں میں سے کسی سے درگزر نہیں کیا جاتا۔ ہسپتالوں، درسگاہوں، عبادت خانوں تک کا احترام بھی پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔ اسی موجودہ زمانہ میں آپ اپنے ماحول کا جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اپنے آپ کو بزعم خود مہذب کہلانے والے انسانی حقوق کی پاسداری کے دعویدار امریکہ نے افغانستان اور فلسطین میں کیا اودھم مچائی ہے اور اسے ان نہتوں اور بھوک اور افلاس زدوں پر ذرا ترس نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ ہماری حالت زار پر رحم فرمائے اور ان ظالموں کے شر سے محفوظ رکھے۔ آمین خصوصاً عراق میں جس ظلم وتعدی کا اس نے مظاہرہ کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

اسلامی جہاد کی یہ مذکورہ بالا حکمتیں اور شروط وقیود جن کو اوپر وضاحت سے بیان کردیا گیا ہے۔ آپ انہیں پڑھئے اور خود سوچئے کہ کیا یہاں انسانی حقوق کے تلف ہونے کی کوئی وجہ بھی ہے یا دشمنان اسلام کی طرف سے اس حکم پر یہ ایک لایعنی اور بے ہودہ اعتراض ہے۔ اللہ تعالیٰ سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

جہاد کی فضیلت قرآن وحدیث کی روشنی میں

جہاد کا لغوی اور اصلاحی معنی بیان کرنے اور اس کی اقسام کی وضاحت سے پہلے جہاد کی فضیلت اور جہاد میں شریک ہونے والوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور بخششوں کا جو نزول ہوتا ہے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاکیزہ ارشادات اور قرآن کریم کی آیات طیبات میں جس طرح بیان کیا گیا ان کا کچھ تذکرہ یہاں کر دینا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنجِيكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿١٠﴾ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١١﴾ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١٢﴾ (سورۂ صف)

''اے ایمان والو! کیا میں آگاہ کروں تمہیں ایسی تجارت پر جو تمہیں دردناک عذاب سے بچائے (وہ تجارت یہ ہے کہ) تم ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے۔ یہی طریقہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم (حقیقت کو) جانتے ہو۔ اللہ تعالیٰ بخش دے گا تمہارے لئے تمہارے گناہوں کو اور داخل کرے گا تم کو باغات میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں اور پاکیزہ مکانوں میں جو سدا بہار باغوں میں ہیں۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔''
(جمال القرآن)

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے بھی جہاد کو تمام اعمال سے افضل قرار دیا ہے۔

ا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اعمال میں سے کون سا عمل افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ پھر آپ سے پوچھا گیا کہ اس کے بعد کون

سا عمل افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔ پھر عرض کی گئی کہ اس کے بعد کس عمل کا درجہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ اس طرح حج ادا کرنا جس میں حاجی کسی نافرمانی کا ارتکاب نہ کرے۔ (بخاری و مسلم شریف)

۲- حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ کی جناب میں کون سا عمل زیادہ پسندیدہ ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب ارشاد فرمایا: اپنے وقت مقررہ پر پانچ نمازیں ادا کرنا۔ میں نے پوچھا اس کے بعد کون سا عمل محبوب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: والدین کے ساتھ نیکی کرنا، میں نے پوچھا اس کے بعد؟ آپ نے فرمایا: اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔ (بخاری و مسلم شریف)

۳- وہ آدمی جو فی سبیل اللہ جہاد کے راستے میں چلتا ہے اور اس کے قدم گرد آلود ہو جاتے ہیں تو اس کو دوزخ کی آگ مس تک نہیں کرتی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جس کو ابی عبدالرحمٰن ابن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَا اغْبَرَّتْ قَدَمَا عَبْدٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَتَمَسَّهُ النَّارُ (بخاری شریف)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس آدمی کے قدم اللہ کے راستے میں جہاد کرنے کے لئے غبار آلود ہوتے ہیں اسے جہنم کی آگ مس تک نہیں کرتی"۔

اس قسم کی بہت سی آیات اور احادیث ہیں جن میں جہاد کی فضیلت بیان کی گئی اور مجاہدین کو جن نوازشات اور دائمی انعامات سے نوازا جاتا ہے ان کا بھی کچھ ذکر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَیَسْتَبْشِرُوْنَ

بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (آل عمران)

"اور ہرگز خیال نہ کرو کہ وہ جو قتل کئے گئے ہیں اللہ کی راہ میں وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس (اور) رزق دیئے جاتے ہیں شاد ہیں ان (نعمتوں) سے جو عنایت فرمائی ہیں انہیں اللہ نے اپنے فضل و کرم سے اور خوش ہو رہے ہیں بسبب ان لوگوں کے جو ابھی تک نہیں آ ملے ان سے ان کے پیچھے رہ جانے والوں سے کہ نہیں ہے خوف ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے، خوش ہو رہے ہیں اللہ کی نعمت اور اس کے فضل پر اور (اس پر) اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا اجر ایمان والوں کا۔"

(ضیاء القرآن)

یعنی اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے دین کی سربلندی کے لئے جہاد کرتے ہیں اور وہ اپنا خون ناب دے کر اس کی وحدانیت اور اس کے دین کے حق ہونے کی شہادت دیتے ہیں انہیں حیات جاوداں عطا فرمائی جاتی ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی جناب سے خاص رزق عطا فرمایا جاتا ہے اور انہیں یہ مژدہ جانفزا سنایا جاتا ہے کہ وہ زندہ ہیں انہیں مردہ گمان تک نہ کرو کیونکہ جو راہ خدا میں جان کا نذرانہ پیش کرتے ہیں وہ مردہ نہیں ہوتے بلکہ وہ زندہ ہوتے ہیں اور انہیں اپنے رب کی جانب سے رزق دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فیض خصوصی لطف و عنایات سے انہیں نوازا ہے اس پر وہ خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تمہارے بھائی احد میں شہید ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح کو سبز پرندوں کے قالب عطا فرمائے وہ جنتی نہروں پر سیر کرتے پھرتے ہیں جنتی میوے کھاتے ہیں طلائی قندیلیں جو زیر عرش معلق ہیں ان میں رہتے ہیں جب انہوں نے کھانے

پینے اور رہنے کے پاکیزہ سامان پائے تو کہا ہمارے بھائیوں کو کون خبر دے کہ ہم جنت میں زندہ ہیں تا کہ وہ جنت سے بے رغبتی نہ کریں اور جنگ سے پیٹھ نہ پھیر جائیں...... اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں انہیں تمہاری خبر پہنچاؤں گا۔ (خزائن العرفان)

اللہ کے رسول کی یہ حدیث بھی صحیح ہے اور اللہ کی کتاب کی یہ آیت بھی سچی ہے۔ جنت میں رہتے ہوئے شہداء کی روحوں کا تعلق اپنے بدنوں سے قائم ہے اور وہ اپنے بدنوں کے ساتھ زندہ ہیں۔ اسی حیات کی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر سال شہداء احد کے مزارات پر تشریف لے جایا کرتے تھے اور انہیں اپنی دعاؤں اور تسلیمات سے محظوظ کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے جمال جہاں افروز کے دیدار سے بھی شادکام فرمایا کرتے۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث پاک نقل کی ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام قرار دے دیا ہے کہ وہ انبیاء، شہداء، علماء، ربانیین اور ثواب کے لئے اذان دینے والوں اور قرآن کے حافظوں کے جسموں کو کھائے۔

اس سلسلہ میں دو واقعات نقل کئے جاتے ہیں جس سے واضح ہو جائے گا کہ شہداء کی زندگی روحانی اور جسمانی دونوں طرح کی ہوتی ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ صرف روحانی زندگی ہوتی ہے لیکن پہلا قول ہی صحیح ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے روایت فرمایا ہے کہ جنگ احد کے چھیالیس (۴۶) سال بعد حضرت عمرو ابن جموح اور حضرت عبداللہ بن جبیر کی قبر (دونوں ایک ہی قبر میں مدفون تھے) سیلاب کی وجہ سے جب قبر کھل گئی تو ان کے اجساد طاہرہ یوں شگفتہ وشاداب پائے گئے جیسے انہیں کل ہی دفن کیا گیا ہو۔ (مؤطا شریف)

بیسویں صدی کا واقعہ ہے کہ جب دریائے دجلہ حضرت عبداللہ بن جابر اور دیگر شہداء کی قبروں کے بالکل نزدیک پہنچ گیا تو حکومت عراق نے ان شہداء کرام کی نعشوں کو حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مزار پرانوار کے جوار میں منتقل کرنا چاہا تو ان حضرات کی قبریں کھودی گئیں۔ تیرہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی ان کے پاک جسم صحیح سلامت پائے

گئے۔ ہزار ہا مخلوق نے اسلام کا یہ معجزہ اور قرآن کریم میں بیان کردہ صداقت کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔ وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا۔

اللہ تعالیٰ کے انعامات اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنے غلاموں کو ان کی بشارت دینا صحابہ کرام اور آپ کے غلاموں کے لئے راہ حق میں جان و مال اور اولاد قربان کرنے کا سبب بنا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ۔ "ان جوانمردوں سے کچھ تو اپنی نذر پوری کر چکے اور بعض (اس ساعت سعید) کا انتظار کر رہے ہیں۔"

یعنی بعض تو وہ بیدار بخت ہیں کہ انہوں نے سرفروشی اور جانبازی کی جو نذر مانی تھی اسے پورا کر دیا اور جان دے کر شہداء کی صف میں شامل ہو گئے۔ اسلام کے ان جانباز مجاہدین کا شمار نہیں کیا جا سکتا جس کو دیکھو محبت رسول اور عشق خدا کے بادۂ گلفام سے مخمور ہے اور جریدۂ عالم پر عشق و وفاء کے ایسے تابندہ نقوش ثبت کرکے جا رہا ہے جن کی چمک قیامت تک ہر لحہ فزوں تر ہوتی رہے گی۔

آیئے ان سرفروشوں اور جانبازوں میں سے دو کا ذکر سماعت فرمائیں ایمان تازہ ہو جائے گا۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مالدار باپ کے بڑے لاڈلے بیٹے تھے۔ بڑے خوش پوش تھے۔ ان کا زرق برق قیمتی لباس آنکھوں کو خیرہ کر دیتا تھا۔ ناز و نعم میں پلے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی نگاہ کرم نے انہیں اسلام کے لئے چن لیا۔ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر در مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی اختیار کی۔ انصار مدینہ نے جب عقبہ کے میدان میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست حق پرست پر بیعت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت سے پہلے حضرت مصعب کو ان کے ہمراہ یثرب روانہ کیا تاکہ وہاں جا کر اسلام کی تبلیغ کریں ان کی تبلیغی سرگرمیوں سے اوس و خزرج کے کئی سردار مشرف باسلام ہوئے اور گھر گھر میں توحید کا نور چمکنے لگا۔ کوہ احد کی ترائی میں جب کفر حق سے پنجہ آزما ہوا تو یہ بھی دیگر غلامان مصطفیٰ کی طرح شوق شہادت سے جھومتے ہوئے داد شجاعت دینے لگے۔ کیف

ومستی کا یہ عالم تھا کہ اپنے تن بدن کا ہوش نہ تھا۔ اپنی ذات کا فکر نہ تھا، صرف ایک ہی دھن تھی کہ اسلام کا پرچم سرنگوں نہ ہونے پائے۔ اللہ تعالیٰ کے حبیب کریم کو کوئی گزند نہ پہنچے۔ زخموں سے چور ہو کر گرے اور جام شہادت نوش فرمایا۔ جنگ ختم ہوئی تو محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سرہانے تشریف لائے اسلام کے اس بہادر سپاہی کی نعش کے قریب کھڑے ہو گئے۔ اس کے لئے دعا فرمائی اور پھر یہ آیت تلاوت کی، من المؤمنین رجالٌ الایۃ پھر فرمایا اَشْہَدُ اَنَّ ھٰؤُلَاءِ شُھَدَاءُ عِنْدَ اللّٰہِ تَعَالٰی یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فَاْتُوْھُمْ فَزُوْرُوْھُمْ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا یُسَلِّمُ عَلَیْھِمْ اَحَدٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ اِلَّا رَدُّوْا عَلَیْہِ (قرطبی، بیہقی) یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں یہ لوگ قیامت تک شہید ہیں۔ پس ان کے پاس آؤ۔ ان کے مزارات کی زیارت کرو۔ اس ذات پاک کی قسم! جس کے دست قدرت میں میری جان ہے قیامت تک جو بھی انہیں سلام کرے گا، وہ جواب دیں گے۔ (ضیاء القرآن)

حضرت نضر بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بدر میں شریک نہ ہونے کا ازحد ملال تھا۔ ہمیشہ کہتے تھے کہ افسوس میں کفر وشرک کے پہلے معرکہ میں شرکت سے محروم رہا۔ اب اگر خدا نے موقع دیا تو دنیا دیکھے گی کہ شمع جمال مصطفیٰ علیہ اطیب التحیہ والثناء کے پروانے جاں سپاری کا کیا منظر پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ جنگ احد میں شامل ہوئے۔ لشکر اسلام میں جب کھلبلی مچی اور یہ افواہ پھیل گئی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہو گئے تو بعض مسلمان دل شکستہ ہو کر بیٹھ رہے یہ پاس سے گزرے۔ پوچھا یوں بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہو گئے۔ آپ نے انہیں للکارا کہ رسول پاک کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے۔ آؤ اس بات پر ہم بھی جان دے دیں، جس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جان دے دی ہے۔ پھر تلوار بے نیام کی اور دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ کفار پر پے در پے وار کرتے جا رہے تھے اور زبان سے یہ کہتے جا رہے تھے۔ یا سعدُھا وَرِیْحُ الْجَنَّۃِ وَ رَبِّ النَّضْرِ وانی لَاَجِدُ رِیْحَھَا دون احدٍ۔ اے سعد نضر کے رب کی قسم!

مجھے جنت کی خوشبو آرہی ہے اور مجھے یہ خوشبو کوہ احد کے پیچھے سے آرہی ہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ جب ان کے زخم گنے گئے تو اسی (۸۰) سے زیادہ تھے اور کوئی عضو بھی سلامت نہ تھا کہ ان کی پہچان ہو سکے۔ ان کی ہمشیرہ نے ان کی انگلیوں کے پورے دیکھ کر انہیں پہچانا۔ علامہ صاحب فرماتے ہیں

تپید یک دم و کرد ندزیب فتراکش
خوشا نصیب غزالے کہ زخم او کاریست

"کہ وہ یک دم جوش میں آگئے اور تیروں والا تھیلا زیب تن کیا۔ وہ ہرن بڑا ہی خوش بخت تھا جس کو زخم کاری لگا"۔

جہاد کا معنی اور اس کی اقسام

علامہ راغب اصفہانی جہاد کے لفظ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اَلْجِھَادُ وَالْمُجَاهَدَةُ – اِسْتِفْرَاغُ الْوُسْعِ فِیْ مُدَافَعَةِ الْعَدُوِّ (دشمن کا مقابلہ کرنے میں اپنی ہر امکانی کوشش صرف کرنے کو جہاد اور مجاہدہ کہتے ہیں پھر لکھتے ہیں جہاد کی تین قسمیں ہیں۔

نمبر ا: مجاهدة العدوِ الظاهر (ظاہری دشمن سے جہاد کرنا)

نمبر ۲: مجاهدة الشَّيْطٰنِ (شیطان کے ساتھ جہاد کرنا)

نمبر ۳: مجاهدة النفس (اپنے نفس کے خلاف جہاد کرنا)

اور اس آیت طیبہ میں تینوں قسم کے جہاد داخل ہیں ارشاد نبوی ہے۔ جَاهِدُوْا اَهْوَاءَ کُمْ کَمَا تُجَاهِدُوْنَ اَعْدَاءَ کُمْ۔ (اپنے ظاہری دشمن سے جس طرح تم جہاد کرتے ہو اسی طرح خواہشات نفسانی سے جہاد کرو۔ آخر میں لکھتے ہیں جہاد ہاتھ سے بھی ہوتا ہے اور زبان سے بھی۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ "جَاهِدُوا الْکُفَّارَ بِاَیْدِیْکُمْ وَاَلْسِنَتِکُمْ" کفار کا مقابلہ زور بازو کے ساتھ بھی کرو اور زبان سے بھی کرو۔ (مفردات) منقول از ضیاء القرآن)

گویا دشمن کے مقابلہ میں سر دھڑ کی بازی لگا دینا لفظ جہاد کے مفہوم میں داخل ہے۔

امکانی وسائل مہیا کرنے میں، جنگی تدابیر میں صبر و استقامت کا مظاہرہ کرنے میں اگر کسی قسم کی غفلت برتی جائے گی تو گویا ایسی ادھوری کوشش کو قرآنی اصطلاح میں جہاد کا نام دینا زیادتی ہوگی۔ جَاهِدُوْا کا معنی ذہن نشین کرنے کے بعد آگے بڑھئے ارشاد ہے فِي اللّٰهِ یعنی یہ تمہاری ساری تگ و دو، یہ عظیم جانثاری اور فدائیت یہ بے مثال صبر و استقامت کی کوشش ذاتی یا دنیوی مقصد کی تکمیل کے لئے نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کا نام بلند کرنے کے لئے ہونی چاہئے۔ یہی وہ خصوصیت ہے جس کے باعث امت مسلمہ کی جنگ دوسری قوموں کی جنگ سے غایت اور مقصد کے اعتبار سے بالکل ممتاز ہو جاتی ہے۔ خود مسلمان بھی اگر اس مقصد کے علاوہ کسی اور مقصد کے لئے آمادہ پیکار ہوں گے تو اسے قرآنی اصطلاح میں جہاد نہیں کہا جائے گا۔ پھر فرمایا حَقَّ جِهَادِهٖ۔ جہاد کرو تو اس کا حق ادا کرو اللہ تعالیٰ کا نام بلند کرنے کے لئے خون کے دریا بہتے ہیں تو انہیں خوب بہنے دو۔ اگر کشتوں کے پشتے لگ رہے ہیں تو ذرا پرواہ نہ کرو۔ رنگ رنگیلی جوانیاں قربان ہو رہی ہیں تو انہیں بلا تامل قربان ہونے دو۔ جب تک تمہاری جان میں جان ہے۔ اسلام کا پرچم سرنگوں نہ ہونے پائے۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح ایک ہاتھ کٹ گیا تو جھٹ دوسرے ہاتھ میں جھنڈا تھام لو۔ اگر دوسرا بازو بھی کٹ گیا ہے تو اسے اپنے دانتوں سے پکڑ لو۔ تمہارا جسم اگر تیر و سنان کے چرکوں سے چھلنی ہو گیا ہے تو کیا ہوا اسلام کی عظمت و ناموس کو اگر تم نے اپنی جان دے کر بچا لیا تو تم سے زیادہ سرخرو اور کون ہوگا فانی زندگی دے کر تم نے باقی زندگی حاصل کر لی یہ سودا سراسر نفع ہی نفع ہے۔ علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے کیا ہی خوب فرمایا ہے

برتر از اندیشہ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی

جس قوت ارادی، عزم اور قربانی کی ضرورت ایمان کے ظاہری دشمنوں کے مقابلہ کے لئے ہے اسی طرح شیطان اور نفس کا مقابلہ کرنے کے لئے بھی ان صفات کا مظاہرہ ضروری ہے۔ بلکہ یہاں پہلے سے بھی چوکس اور ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ وہ دشمن تھا

اور دشمن کا لباس پہن کر آیا تھا۔ یہ ایسے دشمن ہیں جو اپنے آپ کو مخلص ترین دوست ظاہر کرتے ہیں۔ ان کی چالیں بڑی باریک ہوتی ہیں۔ ان کا دام فریب تب نظر آتا ہے۔ جب انسان اس میں پھنس کر پھڑ پھڑانے لگتا ہے اس لئے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس وقت یہ ارشاد فرمایا جب آپ ایک جنگ سے فتحیاب ہونے کے بعد واپس پلٹ رہے تھے۔

رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ - قِيْلَ مَا الْجِهَادُ الْاَكْبَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَلَا وَهِيَ مُجَاهَدَةُ النَّفْسِ۔

"کہ ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ رہے ہیں آپ سے پوچھا گیا۔ جہاد اکبر کیا ہے اے اللہ تعالیٰ کے رسول تو آپ نے فرمایا وہ نفس کے ساتھ جہاد ہے۔"

کیونکہ یہ نفس اور شیطان انسان کے شدید ترین دشمن ہیں۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اَعْدٰى عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِيْ بَيْنَ جَنْبَيْكَ (کشف المحجوب)

"کہ تمام دشمنوں سے تیرا سب سے زیادہ دشمن تیرا وہ نفس ہے جو تیرے دو پہلوؤں میں ہے"۔

ایک اور ارشاد گرامی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجاہد کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی ہے۔

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ فِي اللّٰهِ۔ (کشف المحجوب)

کہ مجاہد وہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اپنے نفس سے جہاد کیا۔

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نفس کے ساتھ جہاد کے متعلق یہ فرماتے ہیں کہ نفس کی خواہشات کی مخالفت کرنا تمام عبادات کی اصل ہے۔ اور مجاہدات کا کمال ہے۔ اور بندہ مومن سوائے مخالفت نفس کے حق تعالیٰ کی راہ نہیں پاسکتا اس لئے نفس امارہ کی موافقت بندہ کی ہلاکت اور اس کی مخالفت بندہ کی نجات کا باعث ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ

نے اس کی مخالفت کا حکم ارشاد فرمایا اور اس کے خلاف کوشش کرنے والوں کی تعریف کی اور اس کی موافقت کرنے والوں کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ فرمایا:

وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (نازعات)

"کہ جس نے نفس کو اس کی خواہش سے بچالیا تو اس کا ٹھکانہ جنت ہے"۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ

"کہ کیا جب بھی تمہارے پاس کوئی رسول ایسی چیز لایا جسے تمہارے نفس پسند نہیں کرتے تو تم نے تکبر کیا"۔

نفس کی مخالفت کرنا یہ بھی اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان ہے۔ فرمایا:

اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا بَصَّرَهٗ بِعُيُوْبِ نَفْسِهٖ۔

"کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو وہ اسے اس کے اپنے نفس کے عیوب دکھا دیتا ہے"۔

اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی:

يَا دَاوٗدُ عَادِ نَفْسَكَ فَاِنَّ وُدِّيْ فِيْ عَدَاوَتِهَا۔

"کہ اے داؤد (علیہ السلام) اپنے نفس کی مخالفت کر کیونکہ میری محبت اس کی مخالفت میں ہے"۔

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں۔

جب انسان مجاہدات، ریاضات اور ذکر و افکار میں مصروف ہوتا ہے اور نفس کی چالوں سے آگاہ ہو کر ان پر قابو پالیتا ہے۔ تو نفس اس کا دامن چھوڑ جاتا ہے اور اس کے جسم سے نکل بھاگتا ہے۔ جس طرح حضرت محمد بن علیان نسوی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے بزرگ اصحاب سے تھے، سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں ابتدائے حال سے نفس کی برائیوں سے واقف تھا اور اس کی چالوں کو خوب جانتا تھا اور اس کے ساتھ سخت

دشمنی تھی ایک روز کوئی چیز لومڑی کے بچے جیسی میرے حلق سے نکلی اور خدا تعالیٰ کے فضل سے میں نے جان لیا کہ یہ نفس امارہ ہے تو میں اسے پاؤں کے نیچے ڈال کر روندنے لگا، مگر روندنے سے وہ اور بڑا موٹا ہوتا جاتا تھا جتنی لاتیں میں اسے مارتا تھا وہ بڑا پھول جاتا تھا۔ میں نے پوچھا اے فلانے سب چیزیں تکلیف اور چوٹ سے ہلاک ہو جاتی ہوں اور تو ہے کہ بڑا ہوتا جا رہا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میری پیدائش ہی الٹی ہے۔ جس چیز سے اور چیزوں کو تکلیف ہوتی ہے وہ میرے لئے راحت ہے اور جو چیز دوسری چیزوں کے لئے راحت کا باعث ہے وہ میرے لئے باعث رنج ہے۔ (کشف المحجوب)

اقوال زریں

نفس کے متعلق مشائخ عظام کے اقوال بھی بڑے سبق آموز ہیں۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اَشَدُّ الْحِجَاب رُؤْيَةُ النَّفسِ وَ تَدْبِيرُهَا۔

کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے سامنے سب سے شدید حجاب نفس کی دیکھ بھال کرنا اور اس کی تدبیر کرنا ہے۔

۲۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے۔

النَّفْسُ صِفَةٌ لَا تَسْكُنُ اِلَّا بِالبَاطِلِ

کہ نفس ایک ایسی صفت ہے جس کو باطل سے ہی تسکین ہوتی ہے یعنی وہ بندے کو حق کے راستے پر کبھی نہیں چلنے دیتا۔

۳۔ حضرت محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

تُرِيْدُ اَنْ تَعْرِفَ الحقَّ مَعَ بَقَاءِ نَفْسِكَ فِيْكَ وَ نَفْسُكَ لَا تَعْرِفُ نَفْسَهَا وَ كَيْفَ تَعْرِفُ غَيْرَهَا۔

”کہ تو چاہتا ہے کہ خدا کو پہچانے حالانکہ تیرا نفس تیرے اندر باقی ہے اور تیرا نفس اپنے آپ کو نہیں پہچانتا تو وہ غیر کو کیسے پہچانے گا“۔

۴- حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے۔

اَسَاسُ الْکُفْرِ قِیَامُکَ عَلٰی مُرَادِ نَفْسِکَ۔

کہ کفر کی بنیاد یہ ہے کہ تو اپنے نفس کی مراد پر قائم رہے۔

۵- حضرت ابو سلیمان درانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

اَلنَّفْسُ خَائِنَۃٌ مَا نِعَۃٌ وَاَفْضَلُ الْاَعْمَالِ خِلَافُھَا۔

"کہ نفس خیانت کرنے والا، بھلائیوں سے روکنے والا ہے۔ تمام اعمال سے افضل عمل اس کی مخالفت ہے"۔ (کشف المحجوب)

حضور ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ انسان نفس کا اس وقت تک مقابلہ نہیں کر سکتا جب تک اللہ تعالیٰ کی قدرت اس کی دستگیری نہ کرے۔ اور جب تک اس کی رحمت شامل حال نہ ہو تو وہ بندہ کو ایسی لڑھکنی دیتا ہے کہ چشم زدن میں گمراہی کی اتھاہ گہرائی میں پھینک دیتا ہے اس لئے چاہئے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کرتا رہے اور یہ دعا مانگتا رہے۔

یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ لَا تَکِلْنِی اِلٰی نَفْسِی طَرْفَۃَ عینٍ واَصْلِحْ لِی شَؤُوْنِیْ کُلَّھَا۔

وآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

اللھم صَلِّ عَلٰی سَیِّدَنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَ بَارِکْ وَسَلِّمْ عَلَیْہِ۔

وما تَوْفِیْقِی اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْب

ترپن واں وعظ

فلاح دارین کا حصول

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَ عَلٰی اٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ وَ عَلٰی ازواجہ الطَّاھِرات اُمَّھَاتِ الْمؤمِنِیْنَ وَ عَلٰی سَائِرِ الصَّحَابَۃِ والتابِعِیْنَ اَجْمَعِیْنَ

اما بعد - فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی ۝ وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی ۝ (الاعلیٰ)

"بے شک اس نے فلاح پائی، جس نے اپنے آپ کو پاک کیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا"۔

یہ آیات طیبات سورۃ الاعلیٰ کی ہیں جو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اگرچہ بعض علماء نے اسے مدنی کہا ہے لیکن جمہور علماء کے نزدیک یہ سورت مکہ مکرمہ میں ہی نازل ہوئی۔ اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس کو حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام میں سے سب سے پہلے ہجرت کر کے مصعب بن عمیر اور عبداللہ بن مکتوم رضی اللہ عنہما تشریف لائے۔ اور ہمیں قرآن کریم کی تعلیم دینی شروع کی۔ ان کے بعد عمار، بلال اور سعد رضی اللہ عنہم یہاں پہنچے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے بیس ساتھیوں سمیت یہاں آئے۔ ان کے بعد رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سرزمین یثرب کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرمایا میں نے اہل مدینہ کو جتنا اس دن شاداں و فرحاں دیکھا۔ ایسا کبھی نہیں دیکھا، یہاں تک کہ چھوٹے بچے اور بچیاں کہہ رہے تھے۔ "یہ اللہ کے رسول ہیں" جو ہمارے ہاں تشریف لے آئے ہیں اس وقت میں نے یہ سورت پڑھی ہوئی تھی اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کے ہجرت فرمانے سے پہلے ہی یہ نازل ہو چکی تھی۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرمادیا ہے کہ کامیابی کا تاج فقط اس شخص کے سر کی زینت بنتا ہے، جو فکری اور علمی گمراہیوں سے اپنا دامن بچاتا ہے اور ذکر الٰہی میں شب و روز مصروف رہتا ہے اور یہ ایک ابدی حقیقت ہے جسے قرآن کریم میں بیان کر دیا گیا ہے اور اس سے پہلے جو آسمانی صحیفے انبیاء سابقین پر نازل ہوئے ان میں بھی اس حقیقت کو بیان کر دیا گیا ہے حقیقت تو یہ ہے کہ یہ کامیابی اور سرخروئی اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک انسان حضرت خواجۂ خواجگان سید محبوب الٰہی بخاری چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر کا مصداق نہ بن جائے۔ آپ فرماتے ہیں۔

در یاد جمال تو چناں مشغولم
کہ زخود خبرے نیست کجا مے باشم

یعنی اے اللہ میں تیرے جمال جہاں آرا کی یاد میں اس قدر مشغول ہوں کہ مجھے اپنی خبر نہیں کہ میں کہاں ہوں؟

اس مضمون کی مزید وضاحت سے پہلے آیت میں مذکور تین الفاظ کا معنی سمجھنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

اَفْلَحَ - اِفلاحٌ سے ماضی معروف کا صیغہ ہے جو فلاح سے مشتق ہے اور فلاح کا معنی "الفَوْزُ فِی الدَّارین" ہے۔ یعنی فلاح ادھوری اور ناقص کامیابی کو نہیں کہتے بلکہ مکمل کامیابی کو عربی زبان میں فلاح کہا جاتا ہے اور وہ دونوں جہانوں میں کامیابی ہے صرف دنیاوی یا اخروی کامیابی کو فلاح نہیں کہتے بلکہ دنیا میں عزت و آبرو کے ساتھ زندگی گزارنے اور اخروی ابدی نعمتوں سے بھی مالا مال ہونے کو کہتے ہیں۔

تَزَکّٰی - یہ تزکّیا سے ماضی معروف کا صیغہ ہے جو زکوٰۃ سے مشتق ہے۔ اس کا معنی بڑھنا اور نشو ونما پانا اور پاک وصاف ہونا ہے تو معنی یہ ہوگا کہ دل میں نور وعرفان کا بڑھنا اور اس کو شرک وکفر کی آلودگیوں اور جہالت کی ظلمات سے پاک رکھنا۔

صَلّٰی - یہ تَصْلِیَۃٌ سے ماضی معروف کا صیغہ ہے جس کا معنی دعا کرنا اور ارکان مخصوصہ کی ادائیگی کے ساتھ نماز ادا کرنا ہے تو آیت کا معنی یہ ہوگا کہ یقیناً اس شخص نے دونوں جہانوں کی کامیابی حاصل کر لی۔ جس نے اپنے آپ کو شرک و کفر کی آلودگیوں سے بھی پاک کر لیا اور اپنے دامن عمل کو فسق و فجور، نافرمانی اور سرکشی سے بھی آلودہ نہ ہونے دیا جو اپنے رب کی یاد میں ہر وقت مشغول رہا اور نماز پنجگانہ میں بھی سستی نہ کی اس کے سر پر ہی دارین کی کامیابی کا تاج سجایا جائے گا۔

ہر شخص خواہ عالم ہو یا فاضل ہو۔ سائنسدان ہو یا فلسفی، ڈاکٹر ہو یا طبیب، امیر ہو یا غریب اس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اس دنیا میں کامیاب و کامران زندگی بسر کرے، جس معاشرہ میں وہ زندگی بسر کر رہا ہے وہاں اسے عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے، جس راستہ اور گلی سے وہ گزرے لوگ اس کا تحسین و آفرین کے دلربا نعروں سے استقبال کریں اور اسے اس دنیا میں وہ مقام حاصل ہو کہ ہر کوئی رشک بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھے اس مقصد کے حصول کے لئے ہر ایک نے الگ الگ لائحہ عمل سوچ رکھا ہے۔ کسی نے یہ سمجھا کہ دولت کی فراوانی کامیابی کا سبب ہے کسی نے یہ خیال کیا کہ پوری دنیا کا فاتح ہونا کامرانی کی علامت ہے۔ کسی کا خیال ہے کہ اولاد کثیر کا باپ ہونا عزت و شرف کا معیار ہے کسی نے سوچا کہ علم و فضل کی فراوانی ترقی کی معراج ہے لیکن جب ہم اس عالم رنگ و بو میں غور و فکر کرتے ہیں اور ہم تاریخ کے دبیز اوراق پر نظر دوڑاتے ہیں تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ نہ تو صرف دولت کثیر حاصل کر لینا کامل کامیابی ہے کیونکہ اگر کثیر دولت کا مالک ہونا کامیابی کی علامت ہوتا تو قارون سب سے بڑا کامیاب ہوتا جس کے پاس دولت کی اتنی فراوانی تھی جس کا اندازہ لگانا مشکل ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اس کے پاس اتنی وافر مقدار میں دولت تھی کہ اس کے خزانوں کی چابیوں کا گچھا اتنا وزنی تھا کہ ستر جوان انہیں اٹھانے کی کوشش کرتے تو ان کی پشتیں دوہری ہو جاتیں۔ لیکن جب وہ مرتا ہے اور واصل جہنم ہوتا ہے تو دنیا سے کف افسوس ملتا ہوا رخصت ہوتا ہے اور اپنی ساری دولت سمیت وہ

زندہ زمین کے اندر غرق ہو جاتا ہے اور اس کی وہ دولت اسے کچھ نفع نہیں پہنچاتی اور اگر زیادہ علم حاصل کرنا کامیابی کا سبب ہوتا تو شیطان لعین سب سے زیادہ کامیاب ہوتا۔ کیونکہ وہ ملائکہ کا استاذ تھا۔ اور بہت ہی زیادہ عبادت گزار تھا، زمین و آسمان کا کوئی ٹکڑا ایسا نہیں تھا جس پر اس نے سجدہ نہ کیا ہو لیکن وہ راندۂ درگاہ ہوا اور اب اسے کہیں سر چھپانے کو جگہ نہیں ملتی۔ ساری دنیا اس پر لعنت کرتی ہے۔

اور اگر ممالک کو فتح کر لینا کامیابی اور کامرانی کا معیار ہوتا تو ہٹلر اور میسولینی سب سے زیادہ کامیاب ہوتے۔ جن کا یہ نظریہ تھا کہ وہ فاتح عالم کی حیثیت سے اس دنیا پر براجمان رہیں گے۔ لیکن آج ان کا نام لینے والا بھی کوئی نظر نہیں آتا۔ اسی طرح سکندر اعظم جس نے پوری دنیا کو فتح کرنے کا تصور دیا تھا۔ لیکن جب دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو وہ بھی حسرت اور مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے جاتا ہے اور مرنے سے پہلے یہ وصیت کرتا ہے کہ جب میں مر جاؤں اور مجھے کفن پہنا دیا جائے تو میرے دونوں ہاتھ کفن سے باہر نکال دینا تاکہ اہل دنیا کو یہ معلوم ہو جائے کہ فاتح عالم خالی ہاتھ رخصت ہو رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نہ فاتح عالم ہونا مکمل کامیابی ہے اور نہ ہی علم و فضل اور کثرت عبادت فلاح کی علامت ہے تو ہم حیران ہو کر یہ سوچتے ہیں کہ کامیابی کیسے نصیب ہو اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں۔ اے اللہ تو ہماری راہنمائی فرما کہ جب تک ہم اس دنیا میں زندہ رہیں تو عزت و آبرو کی نگاہ سے دیکھے جائیں۔ اور سکون قلب کی دولت سے مالا مال رہیں اور جب اس دنیا سے رخصت ہوں تو ہماری زبانوں پر یہ نعرہ ہو فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ۔ کہ مجھے کعبہ کے رب کی قسم میں زندگی کی بازی جیت کر جا رہا ہوں۔ ہار کر نہیں جا رہا اور ادھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی یہ آواز آ رہی ہو۔ اے نفس مطمئنہ تو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ آ۔ لیکن حسرت و یاس کے عالم میں نہیں، گھبراہٹ اور پریشانی کے ساتھ نہیں بلکہ اس طرح آ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً کہ تیرا رب تجھ سے راضی ہو اور تو اپنے رب سے راضی۔

تو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اس مقصد کے حصول کے لئے یہ ارشاد فرمایا کہ

دارین کی کامیابی کا تاج اس کے سر سجایا جائے گا، جس نے اپنا تزکیہ کر لیا اور جو اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور پنجگانہ نماز پڑھتا رہا تو اللہ تعالیٰ نے فلاح دارین کے حصول کے لئے تین باتیں فرمائیں۔

۱-تزکیہ نفس ۲-اللہ کے نام کا ذکر ۳-نماز پابندی سے ادا کرنا

اب ان میں سے ہر ایک کے متعلق کچھ وضاحت کی جاتی ہے۔

تزکیہ نفس کیا ہے؟

اس کا معنی یہ ہے کہ نفس امارہ کو شرک و کفر، بغض وحسد، عداوت و ناچاقی اور بخل و کنجوسی جیسی تمام ذمیمہ صفات سے پاک کیا جائے اور گناہوں کی آلودگیوں سے اسے صاف کیا جائے، اور یہ تزکیہ نفس دو طریقوں سے حاصل ہوتا ہے۔(۱) اللہ تعالیٰ کے ذکر سے۔(۲) مرد کامل کی نگاہ لطف و کرم سے۔

اللہ تعالیٰ کا ذکر

جب انسان کا دل گناہوں کی آلودگیوں سے آلودہ ہو جاتا ہے اور اس کی ظلمت تہ در تہ اس پر جم جاتی ہے تو اسے پاک کرنے کا نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک طریقہ ارشاد فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ کثرت سے کلمہ طیبہ کا ذکر کیا جائے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

لِكُلِّ شَيْءٍ صَقَالَةٌ وَ صَقَالَةُ الْقَلْبِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

ہر چیز کو صاف کرنے کا کوئی نہ کوئی ذریعہ ہوتا ہے اور دل کو صاف کرنے کا ذریعہ لا الٰہ الا اللہ ہے۔ اسی لئے اس ذکر کو افضل الذکر کہا گیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اللہ تعالیٰ کے لاڈلے پیغمبر تھے۔ ایک دن انہوں نے اللہ کی جناب میں عرض کی کہ اے مولیٰ کریم مجھے کوئی ایسا خاص ذکر ارشاد فرما جس سے تو راضی ہو جائے اور وہ میرے ساتھ ہی خاص ہو۔ اور وہ کسی اور پیغمبر نے نہ کیا ہو۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے موسیٰ کلمہ طیبہ کا ذکر کیا کرو۔ انہوں نے دوبارہ عرض کی۔ اے مولائے

کریم: کلمہ طیبہ کا ذکر تو ہر مومن کرتا ہے۔ میں نے تو ایسے ذکر کی التجاء کی ہے جو اور کسی نے کبھی نہ کیا ہو تو اللہ تعالیٰ نے دوبارہ یہی ذکر کرنے کی تلقین فرمائی۔ اے موسیٰ! ترازو کے دو پلڑے ہوتے ہیں۔ اگر ایک پلڑا میں زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہے وہ رکھ دیا جائے۔ اور دوسرے پلڑا میں کلمہ طیبہ کا ذکر رکھ دیا جائے تو کلمہ طیبہ کا پلڑا بھاری ہوگا۔

جب انسان کلمہ طیبہ کا ذکر کرتا ہے تو اس کا دل جو آئینہ کی مانند ہوتا ہے وہ صاف ہو جاتا ہے اور پھر جو کچھ لوح محفوظ پر لکھا ہوا ہے وہ سارے کا سارا اس پر منعکس ہو جاتا ہے اور جب وہ اللہ کا بندہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر لوح محفوظ پر دیکھنا چاہتا ہے تو وہ اپنے دل کی طرف توجہ کرتا ہے۔ کسی مرد درویش نے کیا ہی عجب بات کہی وہ کہتے ہیں۔

لوح محفوظ است پیش اولیاء
ہرچہ محفوظ است محفوظ از خطاء

کہ لوح محفوظ اولیائے کرام کے سامنے ہوتا ہے اور جو کچھ لوح محفوظ میں ہے وہ ہر قسم کی خطا سے محفوظ ہے۔

ذکر الٰہی سے بندہ مومن کا دل گناہوں کی آلودگیوں سے صاف ہو جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے نور سے جگمگا اٹھتا ہے تو اس کے اندر ایسی قوت پیدا ہو جاتی ہے جس کے ذریعے سے وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب منیر سے بالواسطہ یا بلاواسطہ فیض حاصل کر سکتا ہے اور اسی چیز کو علامہ عارف باللہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

وَلَمَّا كَانَ طَرِيْقُ تَحْصِيْلِ تِلْكَ الْمَعَارِفِ مُنْحَصِرًا فِي الْإِلْقَاءِ وَالْإِنْعِكَاسِ وَكَانَ كَثْرَةُ الذِّكْرِ وَالْمُرَاقَبَةِ يُفِيْدُ لِلْقَلْبِ وَالنَّفْسِ صَلَاحِيَّةَ الْإِنْعِكَاسِ مِنْ مِشْكَاةِ صَدْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلَا وَاسِطَةٍ او بِوَاسِطَةٍ۔ (تفسیر مظہری)

"جب ان معارف کے حاصل کرنے کا طریقہ صرف القاء اور انعکاس ہے اور ذکر

الٰہی اور مراقبہ سے ہی دل میں یہ استعداد پیدا ہوتی ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے پرنور سینہ سے بلاواسطہ یا بالواسطہ فیضان والقاء قبول کر سکے"۔

اس لئے حکم دیا کہ میرا ذکر کیا کرو کثرت ذکر سے ہی تم اس مقام پر فائز کئے جاؤ گے۔ جہاں انوار و تجلیات کی بے محابا بارش ہوتی ہے اور دوری کے حجاب یکسر الٹ دیئے جاتے ہیں اور پھر وہ انسان اللہ تعالیٰ کے قرب کی اس منزل پر فائز ہو جاتا ہے جہاں سے وہ فرماتا ہے کہ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی بندہ کی کوئی عزت افزائی ہو سکتی ہے۔ کہ اس کا خالق و مالک اس کو اپنی یاد سے سرفراز فرما دے۔ ایک حدیث قدسی بھی ملاحظہ ہو تا کہ اپنے رب کریم کی بندہ نوازی کا آپ کو اندازہ ہو سکے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:-

قال اللّٰہ تعالیٰ: اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَاَنَا مَعَہٗ اِذَا ذَکَرَنِیْ — فَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ نَفْسِہٖ ذَکَرْتُہٗ فِیْ نَفْسِیْ وَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ مَلَاءٍ ذَکَرْتُہٗ فِیْ مَلَاءٍ خَیْرٍ مِّنْھُمْ وَ اِنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْہِ ذِرَاعًا وَاِنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْہِ بَاعًا وَاِنْ اَتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُہٗ ھَرْوَلَۃً۔ (متفق علیہ)

"میرا بندہ جیسے مجھ سے گمان رکھتا ہے ویسے ہی میں اس کے ساتھ برتاؤ کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھے دل میں یاد کرے تو میں بھی اسے ایسے ہی یاد کرتا ہوں۔ اگر مجمع عام میں یاد کرے تو میں اسے اس سے بہتر مجمع میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ ایک بالشت میرے نزدیک ہو تو میں ایک ہاتھ اس کے نزدیک ہو جاتا ہوں۔ اگر وہ ایک ہاتھ میرے نزدیک ہو تو میں ایک قدم اس کے نزدیک ہو جاتا ہوں۔ اگر وہ چل کر میری طرف آئے تو میں دوڑ کر اس کی طرف جاتا ہوں"۔ (بخاری و مسلم)

(منقول از ضیاء القرآن)

ذکر کئی طریقوں سے کیا جاتا ہے سب سے افضل ذکر قرآن کریم کی تلاوت کرنا ہے

جس کا ایک حرف تلاوت کرنے سے دس نیکیاں حاصل ہوتی ہیں۔ حرف سے مراد الٓمٓ نہیں بلکہ الف الگ حرف ہے۔ لام اور میم الگ الگ حرف ہیں تو گویا الٓمٓ کی تلاوت کرنے سے تیس نیکیاں قاری کو حاصل ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ وَلَا اِلٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم کا ذکر کرنے سے ذاکر کے لئے بے شمار نورانی فرشتے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور اس کے درجات کی بلندی کی التجاء کرتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معراج کی رات میں نے ایک ایسا سمندر دیکھا جس کی مقدار اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس کے کنارے پر ایک پرندہ کی شکل میں ایک فرشتہ موجود تھا اس کے ستر ہزار نورانی پر تھے۔ تو جب کوئی اللہ کا بندہ ''سبحان اللہ'' پڑھتا ہے تو وہ اپنی جگہ سے حرکت کرتا ہے اور جب وہ الحمد للہ زبان سے کہتا ہے تو وہ اپنے پر پھیلا دیتا ہے اور جب اللہ کا بندہ ''لَا اِلٰہَ اِلّا اللّٰہ'' کا ذکر کرتا ہے تو وہ پرواز کرتا ہے اور جب وہ بندہ ''وَاللّٰہ اکبر'' کہتا ہے تو وہ سمندر میں غوطہ لگاتا ہے اور جب وہ بندہ ''لاحول ولا قوۃ الّا باللّٰہ العلی العظیم'' پڑھتا ہے تو وہ سمندر سے باہر آ جاتا ہے اور اپنے پر جھاڑتا ہے تو اس کے ہر پر سے ستر ہزار پانی کے قطرات گرتے ہیں۔ ان قطروں میں سے ہر ایک قطرے سے اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے وہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کا ذکر کرتے ہیں اور کلمہ طیبہ کا ورد الاپتے ہیں۔ اور اس پڑھنے والے کے لئے قیامت تک اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے گناہوں کی بخشش طلب کرتے رہتے ہیں۔ (زبدۃ الواعظین)

کلمہ طیبہ کا ذکر کرنے والوں کے لئے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک بہت بڑے اعزاز کا ذکر فرمایا ہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے عرش کے سامنے ایک بہت بڑا ستون پیدا فرمایا ہے۔ اور جب بندہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا ذکر کرتا ہے تو وہ ستون جھوم اٹھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے فرماتے ہیں۔ اے ستون سکون پذیر ہو جا تو وہ جواب عرض کرتا ہے کہ میں کیسے ساکن ہو جاؤں جبکہ تو نے کلمہ

طیبہ کا ذکر کرنے والے کے گناہ معاف نہیں فرمائے۔ تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ میں نے اس کے گناہ معاف فرما دیئے ہیں۔ یہ مژدہ جانفزا سننے کے بعد وہ سکون پذیر ہو جاتا ہے۔ (زبدۃ الواعظین)

عجیب وغریب حکایت

ایک دفعہ حضرت موسیٰ علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک راستہ سے گزر رہے تھے تو آپ نے ایک بوڑھے کو دیکھا جس کی کمر بڑھاپے کی وجہ سے خم ہو چکی تھی اور اس نے اپنے گلے میں زنار باندھا ہوا تھا اور اس کے سامنے وہ آگ تھی جس کی وہ پرستش کرتا تھا۔ اسے اس حالت میں دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، اے بوڑھے تو اس آگ کی کتنے سالوں سے عبادت کر رہا ہے تو اس نے جواب دیا چار سو نوے سال سے میں اس کی پرستش کر رہا ہوں۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔

کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تو آگ کی پرستش سے توبہ کر لے اور الملک الجبار کی طرف رجوع کرے تو اس نے عرض کی اے موسیٰ علیہ السلام! آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر میں اس کی طرف رجوع کروں تو وہ مجھے قبول فرما لے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کیوں نہیں وہ تو ارحم الراحمین ہے تو اس نے عرض کی۔ اے موسیٰ علیہ السلام اگر تو یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بھاگنے والوں کو اپنے لطف وکرم سے قبول فرما لیتا ہے تو میرے سامنے اسلام پیش فرما۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے اس پر اسلام پیش کیا۔ اس کے خفتہ بخت بیدار ہو گئے۔ اور اس نے پڑھ لیا لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہُ موسیٰ رسول اللّٰہ۔ تو اسلام قبول کرنے کی خوشی میں اس نے چیخ ماری اور نعرہ بلند کیا اور اس پر موت کی غشی طاری ہو گئی تو موسیٰ علیہ السلام نے اسے اپنے پاؤں سے حرکت دی تو دیکھا اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کی تجہیز وتکفین فرمائی اور نماز جنازہ پڑھ کر اسے دفن کر دیا پھر آپ اس کی قبر پر کھڑے ہو گئے اور اللہ کی بارگاہ میں عرض کی کہ اے اللہ تو مجھے آگاہ فرما۔ کہ تو نے اس بندے کے ساتھ ایک دفعہ توحید کا اقرار کرنے کی وجہ سے کیا سلوک کیا ہے۔ تو اسی وقت

حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے۔ اور عرض کی اے موسیٰ علیہ السلام! تیرا رب تجھے سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ کیا تجھے یہ معلوم نہیں جو شخص **لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ موسیٰ رسول اللّٰہ** کے کلمہ طیبہ کے ساتھ ہمارے ساتھ مصالحت کرتا ہے تو ہم اپنی جناب خاص سے اس کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور اسے جنت کی پوشاک پہناتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے پاس تشریف لائے اور انہیں یہ سارا قصہ سنایا تو انہوں نے **لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ موسیٰ رسول اللّٰہ** کے حروف شمار کئے تو ان کی تعداد چوبیس بنی تو گویا اللہ تعالیٰ نے ہر حرف کے بدلے بیس سال کے گناہ معاف کر دیئے۔ (رونق المجالس)

موسیٰ علیہ السلام کا امتی جب ان کی رسالت کا اعتراف کرتے ہوئے کلمہ طیبہ کا ذکر کرتا ہے تو اس کو اس مذکورہ بالا انعام سے نوازا جاتا ہے۔ اگر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی غلام کلمہ طیبہ کا ذکر کرے تو اس کا درجہ کتنا بلند ہوگا۔

بخشش کا بہانہ

کسی بزرگ نے فرمایا رحمت حق بہانہ می جوید بہانہ می جوید۔ کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی بخشش بہانہ تلاش کرتی ہے وہ خزانوں کو نہیں دیکھتا اس سلسلہ میں ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے۔ جس سے آپ اندازہ لگا سکیں گے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کو بخشنا کتنا پسند ہے روایت میں آتا ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص کو پیش کیا جائے گا اور اسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کھڑا کیا جائے گا۔ اس کا محاسبہ ہوگا۔ تو وہ اپنے کثیر گناہوں کی وجہ سے اور نیکیوں کی قلت کی وجہ سے آگ کا مستحق ہوگا۔ وہ ہلاکت کے گڑھے میں گرنے کے قریب پہنچے گا تو وہ خوف کے مارے تھر تھر کانپ رہا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ اس کی اس حالت کا مشاہدہ فرما رہا ہوگا تو وہ اپنے فرشتوں سے فرمائے گا۔ اے میرے ملائکہ اس کے اعمال کا دفتر دیکھو کیا اس میں کوئی نیکی ہے تو وہ اس کے دفتر کی چھان بین کریں گے اور عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار ہمیں اس کے اعمال نامہ میں کوئی نیکی نظر نہیں آئی تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ اس کی ایک نیکی میرے پاس موجود

ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ رات کے وقت سو رہا تھا تو اچانک اس کی آنکھ کھلی اور اس نے میرا ذکر کرنے کا ارادہ کیا پھر اس پر نیند غالب آ گئی اور یہ میرا ذکر نہ کر سکا تو میں نے اس کے اس ارادہ کے سبب اس کے تمام گناہ بخش دیئے ہیں۔ (تنبیہ الغافلین)

اللہ تعالیٰ اور شیطان لعین کا مکالمہ

حضرت سعید رضی اللہ عنہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ شیطان لعین نے اپنے رب سے کہا۔ اے میرے پروردگار! مجھے تیری عزت اور تیرے جلال کی قسم میں تیرے ان بندوں کو گمراہ کرتا رہوں گا اور انہیں کفر و عصیان کا حکم دیتا رہوں گا۔ جب تک ان کے جسموں میں ان کی روح گردش کرتی رہے گی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اے ملعون! مجھے بھی اپنی عزت و جلال کی قسم، میں انہیں معاف کرتا رہوں گا جب تک وہ میرا ذکر کرتے رہیں گے اور مجھ سے گناہوں کی بخشش مانگتے رہیں گے۔ (مجالس الانوار)

تزکیہ نفس کا دوسرا سبب

اختصار کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے تزکیہ نفس کا ایک سبب ذکر کیا۔ جس میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی برکتیں اور نوازشات بیان کی گئی ہیں اب آیئے۔ تزکیہ نفس کا دوسرا سبب ذکر کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اگر کسی مرد کامل کی صحبت نصیب ہو جائے اور وہ اپنی نگاہ لطف و کرم سے اس بندے کو نواز دے تو قلیل مدت میں وہ عرفان کی منازل طے کرتے ہوئے بارگاہ صمدیت میں قرب حاصل کر لیتا ہے اور اس کے دل کا آئینہ صاف ہو جاتا ہے۔

حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا واقعہ

اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جن مقاصد کے لئے مبعوث فرمایا ان میں ایک تزکیہ نفس ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾

(سورۃ بقرہ)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے مبعوث فرمایا ہے کہ وہ ان کو کتاب و حکمت سکھائے اور اپنے روحانی تصرف سے ان کے دلوں کے آئینوں کو جلا بخشے اور انہیں روشن کر دے۔ تاکہ حقائق و معارف ان میں جلوہ نما ہو سکیں۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان صفات کو عملی جامہ پہنایا اور کئی خفتہ بختوں کے بخت جگائے۔ اور بد بختوں کو نیک بخت بنایا۔ انہیں میں سے ایک فضالہ ہے۔

فضالہ اپنے ایمان لانے کا واقعہ خود بیان کرتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ مجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تبلیغی فرائض سر انجام دینا از حد ناپسند تھا۔ میں ہمیشہ ایسے موقع کی تلاش میں رہتا کہ آپ کو شہید کر دوں۔ ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بیت اللہ شریف کا طواف فرما رہے تھے اور آپ اکیلے تھے۔ میں نے سوچا آج موقع ہے اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ لہٰذا میں نے خنجر بغل میں دبایا اور مسجد حرام میں داخل ہو گیا۔ بیت اللہ شریف کے ایک کونے میں کھڑا ہو گیا۔ اور خیال یہ تھا کہ جونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوسری جانب منہ پھیریں گے تو پیچھے سے وار کر کے آپ کا قصہ تمام کر دوں گا، لیکن بصد حسرت ایسا نہ ہو سکا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میرے نزدیک آئے اور فرمایا۔ اے فضالہ! کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تو دائرہ اسلام میں داخل ہو جائے اور بھڑکتی ہوئی جہنم کی آگ کے شعلوں سے بچ جائے۔ آپ کا یہ فرمانا تھا کہ میرے اوپر کپکپی طاری ہو گئی اور میں نے بولنے کی کوشش کی لیکن بول نہ سکا۔ آپ نے مجھے قریب کیا اور میرے سینے پر ہاتھ پھیرا اور ان الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی۔

اللّٰھم اذھَبِ الغِلَّ مِنْ صَدرِ فضالۃ

"اے اللہ فضالہ کے دل سے کفر و شرک کی ظلمات مٹا دے اور اس کے دل کے آئینہ کو روشن فرما دے"۔

آپ کے یہ کہنے کی دیر تھی کہ میرے دل کی کائنات بدل گئی۔ میرے دل میں اسی وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اسلام کی محبت پیدا ہو گئی۔ میں نے کلمہ طیبہ پڑھا اور دائرہ اسلام میں

داخل ہو گیا۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے شرک و کفر کے ساتھ میں ہر قسم کی برائیوں کا مرتکب تھا۔ لیکن اس کے بعد میرے اوپر یہ اثر ہوا کہ میں جس راستہ سے بیت اللہ شریف کا طواف کرنے آتا تھا۔ اس راستہ میں ایک کافرہ عورت رہتی تھی۔ جس کے ساتھ میرے ناجائز تعلقات تھے اور میں اس کے ساتھ بیٹھ کر رنگ رلیاں منا تا تھا۔ وہ اپنے دروازے پر میرا انتظار کر رہی تھی لیکن جب میں واپس پلٹا تو میری نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔ اس کی طرف دیکھنا گوارہ نہ تھا۔ وہ حیران ہو کر دیکھتی رہی تو جب میں اس کے دروازے سے آگے نکلا وہ بے ساختہ بول اٹھی کہنے لگی اے فضالہ مجھ سے کیا غلطی ہوئی۔ کہ آج میری طرف دیکھنا بھی گوارہ نہیں تو میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر اسے کہا کہ میں دائرہ اسلام میں داخل ہو چکا ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ کے حسن و جمال کا مشاہدہ کر چکا ہوں اور اسلام اس بات سے منع کرتا ہے کہ کسی غیر محرم عورت کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا جائے۔ یہ ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ فیض جس نے چشم زدن میں فضالہ کے دل کی کائنات بدل دی۔ وہ پہلے جہنمی تھا اور اب جنتی ہو گیا کیا ہی کسی نے خوب کہا ہے کہ

نگاہ نبی میں یہ تاثیر دیکھی   بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

نوٹ: شاعر سے معذرت کے ساتھ اس میں ولی کی جگہ نبی لکھ دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اولیائے کرام کو بھی یہ سعادت عطا فرماتا ہے کہ وہ لوگوں کی تقدیر بدل دیتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی کا مشہور واقعہ ہے جس کو قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے مقالات مجدی کے حوالہ سے تفسیر مظہری میں نقل کیا ہے کہ آپ کے دو صاجزادے تھے اور آپ نے ان کی تعلیم و تربیت کے لئے ملا طاہر لاہوری جو اس زمانہ کے فاضل اجل تھے کی خدمات حاصل کیں اور انہیں اپنے صاجزادوں کا استاذ مقرر کیا۔ ایک دن آپ نے اپنے صاجزادوں سے فرمایا کہ میں نے لوح محفوظ پر دیکھا ہے وہاں لکھا ہوا ہے کہ تمہارا استاذ بدبخت ہے۔ نیک بخت نہیں۔ بچوں نے اصرار کیا کہ آپ ان کے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی بدبختی نیک بختی میں بدل دے تو آپ نے فرمایا کہ وہ تو تقدیر مبرم ہے جو ٹل نہیں

سکتی۔ آخرکار بچوں کے اصرار سے مجبور ہوکر آپ نے اچھی طرح وضوفرمایا دو رکعت نماز نفل ادا کئے۔ اللہ کی حمد وثناء کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا اور پھر سر کو سجدہ میں رکھ کر ملا طاہر لاہوری کی بخشش کی دعا کی تو اللہ کی بارگاہ میں وہ دعا قبول ہوئی۔ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے اپنی نگاہ باطن سے دیکھا کہ غیب سے ایک ہاتھ نمودار ہوا ہے، جس نے لوح محفوظ سے ''ھذا اشقی'' کے الفاظ مٹا دیئے ہیں اور ان کی جگہ ''ھذا سعید'' لکھ دیا ہے۔ علامہ صاحب نے کیا ہی پیارے کلمات کہے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

جو ہو ذوق یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اس قسم کے بے شمار واقعات اولیائے اللہ کی سیرتوں میں لکھے گئے ہیں۔ طوالت کے خوف سے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اللہ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ہماری قسمت بھی بدل دے اور کسی ولی کامل کے ساتھ تعلق جوڑ دے تا کہ ہمارے خفتہ بخت بیدار ہو جائیں۔ اور ہمارے دل بھی اللہ تعالیٰ کی معرفت کے انوار وتجلیات کے مہبط بن جائیں۔

فلاح دارین کا تیسرا سبب

فلاح دارین کا تیسرا سبب آیت طیبہ میں اپنے وقت پر نماز ادا کرنا ذکر فرمایا ہے نماز انسان کے ظاہر اور باطن دونوں کو پاک کر دیتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دفعہ اپنے صحابۂ کرام کو فرمایا کہ تم مجھے یہ بتاؤ کہ اگر کسی شخص کے دروازہ کے سامنے صاف شفاف پانی کی نہر جاری ہو اور وہ اس میں چوبیس گھنٹوں میں پانچ دفعہ غسل کرے تو کیا اس کے جسم میں میل کچیل کا کوئی اثر باقی رہ جاتا ہے؟ تو صحابۂ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ وہاں تو نجاست، گندگی اور میل کچیل کا نام تک باقی نہیں رہے گا۔ تو آپ نے فرمایا۔ پانچ وقت نماز پڑھنے والا اسی طرح گناہوں سے پاک اور صاف ہو جاتا ہے جس طرح نہر میں غسل کرنے والا صاف ستھرا ہو جاتا ہے أو کما قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم۔

علامہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ فصلی کا ایک معنی دعا بھی کیا گیا ہے۔ یعنی جو شخص دعا مانگنے

سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتا ہے تو اس کی دعا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہوتی ہے۔
آپ نے دعا کے آداب کے سلسلہ میں چند حدیثیں بھی لکھی ہیں جن میں سے دو آپ بھی ملاحظہ فرمالیں۔

۱۔ حضرت فضالہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز تشریف فرما تھے۔ ایک آدمی آیا اس نے نماز ادا کی اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور کہا:

اَللّٰھُمَّ اِغۡفِرۡلِیۡ وَارۡحَمۡنِیۡ۔

''اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عَجِّلۡتَ اَیُّھَا الۡمُصَلِّیۡ۔ اے نمازی تو نے بڑی عجلت سے کام لیا ہے۔ اِذَا صَلَّیۡتَ فَقَعَدۡتَ فَاحۡمَدِ اللّٰہَ بِمَا ھُوَ اَھۡلُہٗ وَصَلِّ عَلَیَّ ثُمَّ ادۡعُہٗ۔ کہ جب تو نماز پڑھ کر بیٹھے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کر جس طرح اس کی شان کے لائق ہے۔ پھر مجھ پر درود پڑھ پھر دعا مانگ۔ اس کے بعد ایک شخص آیا۔ اس نے نماز پڑھی۔ نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اَیُّھَا الۡمُصَلِّیۡ اُدۡعُ تُجَبۡ۔ (رواہ الترمذی)

اے نمازی اب دعا مانگ تیری دعا قبول کی جائے گی۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ بھی حاضر تھے۔ جب میں نماز پڑھ چکا تو میں نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی پھر بعد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا۔ پھر اپنے لئے دعا مانگی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سَلۡ تُعۡطَہۡ ، سَلۡ تُعۡطَہۡ (رواہ الترمذی)

مانگ اب تجھے دیا جائے گا۔ مانگ اب تجھے دیا جائے گا۔

آخر میں وہ دعا ذکر کرتا ہوں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک شخص کو سکھائی تھی۔ اس کو علامہ ابن کثیر نے حافظ ابن عساکر کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلٍ - قُلْ اللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ نَفْسًا بِکَ مُطْمَئِنَّۃً تُؤْمِنُ بِلِقَاءِ کَ وَ تَرْضٰی بِقَضَائِکَ وَ تَقْنَعُ بِعَطَائِکَ۔

"کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو فرمایا۔ تم اس طرح دعا مانگا کرو۔ اے اللہ! میں تجھ سے ایسے نفس کا سوال کرتا ہوں۔ جسے تیری وجہ سے اطمینان حاصل ہو۔ وہ تیری ملاقات پر ایمان رکھتا ہو اور وہ تیرے فیصلے پر راضی ہو اور جو کچھ تو اسے عطا فرمائے اس پر قانع ہو"۔ (ضیاء القرآن)

اللہ تعالیٰ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

الحمد للّٰہ رب العالمین و اجملُ الصّلوٰۃِ وَاَحْسَنُ التَّسْلِیْمَاتِ و اکْمَلُ الْبَرَکَاتِ وَاَطْیَبُ التَّحِیَّاتِ عَلٰی صَاحِبِ الْمَقَامِ الْمَحْمُوْدِ وَ حَامِلِ لِوَاءِ الْحَمْدِ سیدنا محمد المبعوث رحمۃ للعالمین و علی الہ الطیبین الطاھرین و ازواجہ الطاھرات امھات المؤمنین و علی سائر الصحابۃ والتابعین و اولیاء امتہ الکاملین و علماء ملتہ الربّانیین و علینا معہ الی یوم الدین اللّٰھم انی اَسْئَلُکَ نَفْسًا بِکَ مُطْمَئِنَّۃً وَتُؤْمِنُ بلقائِکَ وَ تَرْضٰی بقضائِکَ وَ تَقْنَعُ بِعَطَائِکَ واٰخِرُ دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔

وما توفیقی اِلّا باللّٰہ علیہ توکلتُ والیہ اُنِیْبُ۔

چونواں وعظ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل وکمالات بزبان قدرت

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَ عَلٰی اٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ وَ عَلٰی اَزْوَاجِہٖ الطَّاہِرَاتِ اُمَّہَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ و عَلٰی سَائِرِ الصَّحَابَۃِ والتابعین اَجْمَعِیْن

اما بعدفاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ ۝۱ وَ وَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ ۝۲ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَہْرَکَ ۝۳ وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ ۝۴ الخ

”کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا اور ہم نے اتار دیا ہے آپ سے آپ کا بوجھ۔ جس نے بوجھل کر دیا تھا آپ کی پیٹھ کو اور ہم نے بلند کر دیا ہے آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو“۔ (جمال القرآن)

یہ آیات طیبات سورۃ الم نشرح کی ہیں جو مکہ مکرمہ میں اس وقت نازل ہوئی۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعلان نبوت فرما دیا تھا اور آپ نے نبوت کے اس بار امانت کو جس کا بوجھ معمولی نہ تھا۔ لوگوں تک پہنچانا شروع کیا تھا۔ نبوت کا بار امانت وہ کوہ گراں تھا۔ جسے آسمانوں اور پہاڑوں نے بھی اٹھانے سے معذوری ظاہر کر دی تھی تو جونہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعوت توحید کا آغاز کیا تو مکہ کی ساری فضا دشمنی کی آگ سے سلگنے لگ گئی۔ لوگوں کے اطوار بدل گئے۔ ہر چہرے پر نفرت ہر آنکھ میں عناد کے شعلے ناچنے لگے تو ان سراسر ناموافق حالات میں اللہ تعالیٰ نے قلب نبوت کو راحت اور سکون عطا فرمایا اور فرمایا کہ اے میرے محبوب! آپ پریشان نہ ہوں۔ ہم نے آپ کی خاطر علوم ومعرفت کے ساتھ آپ کے قلب منیر کو کھول دیا اور اس بوجھ کو اتار دیا ہے۔ جس نے آپ کی پیٹھ کو بوجھل کر دیا تھا اور ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کر دیا ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے وہ فضائل وکمالات بیان فرمائے ہیں جو اس نے وافر انداز میں انہیں عطا فرمائے ہیں اور آپ کی تعریف کا وہی حق ادا کرسکتا ہے جس نے اس کو یہ عظمتیں عطا فرمائیں ہیں۔ کیونکہ وہی صحیح جانتا ہے کہ اس کے نبی کی شان کیا ہے اور وہ بلندی کے کس مقام پر فائز ہیں۔ وہ بے شمار آیات جن میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل وکمالات ذکر فرمائے ہیں۔ ان میں سے صرف سورۃ الم نشرح کی چند آیات پیش خدمت ہیں پہلے میں ان کا ترجمہ پیش کرتا ہوں تا کہ آپ کو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم کو کیا شان عطا فرمائی۔ میں کیا؟ اور میری بساط کیا؟ آپ کے حسن سرمدی کا حق ادا کرسکوں۔ صرف انہی الفاظ پر اکتفا کروں گا جو کامل اور محقق علمائے کرام نے بیان کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ

اے محبوب! کیا ہم نے آپ کے سینے کو کھول نہیں دیا۔ میں نے آپ کے سامنے عربی کا لفظ اَلَمْ نَشْرَحْ پڑھا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو میں نے ترجمہ بیان کیا ہے۔ وہ اس لفظ کا حق ادا نہیں کرسکتا۔ اس ترجمہ میں تو اس لفظ کے حسن و جمال کا کروڑواں حصہ بھی موجود نہیں اور وہ حقیقت عظمیٰ جس کو بارگاہ رب العزت نے اپنے فصیح و بلیغ کلام میں بیان فرمایا ہے۔ اس ترجمہ کا اس کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اس لئے میں محتاج ہوں اس بات کا کہ میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے کسی کامل ترین مفسر کی تفسیر کی آڑ لے کر اس کا مفہوم بیان کروں۔

علامہ سید محمود آلوسیؒ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اَلشَّرْحُ فِي الْاَصْلِ اَلْفَصْلُ وَالتَّوَسُّعُ۔ اس کا معنی کشادہ کرنا اور وسیع کرنا ہے۔ کسی الجھی ہوئی اور مشکل بات کی توضیح کو بھی شرح کہتے ہیں۔ مزید فرماتے ہیں کہ شرح کے لفظ کا استعمال دلی مسرت اور قلبی خوشی کیلئے بھی آتا ہے اور آخر میں لکھتے ہیں۔

وَ قَدْيُرَادُ بِهٖ تَاْيِيْدُ النَّفْسِ بِقُوَّةٍ قُدْسِيَّةٍ وَ اَنْوَارِ اِلٰهِيَّةٍ بِحَيْثُ تَكُوْنُ مَيْدَانًا لِمَوَاكِبَ الْمَعْلُوْمَاتِ وَ سَمَاءً لِكَوَاكِبِ

الْمَلَكَاتِ وَ عَرْشًا لِاَنْوَارِ التَّجَلِّيَاتِ وَ فَرْشًا لِسَوَائِمِ الْوَارِدَاتِ فَلَا يُشْغِلُهُ شَانٌ عَنْ شَانٍ وَ يَسْتَوِيْ لَدَيْهِ يَكُوْنُ وَكَائِنٌ وَ مَا كَانَ (روح المعانی)

"یعنی شرح صدر کا یہ مفہوم بھی لیا جاتا ہے کہ نفس کو قوت قدسیہ اور انوار الٰہیہ سے اس طرح مؤید کرنا کہ وہ معلومات کے قافلوں کے لئے میدان بن جائے ملکات کے ستاروں کے لئے آسمان بن جائے اور گوناں گوں تجلیات کے لئے عرش بن جائے اور واردات کے کاروانوں کے لئے فرش بن جائے۔ جب کسی کی یہ کیفیت ہوتی ہے تو اس کو ایک حالت دوسری حالت سے مشغول نہیں کر سکتی۔ اس کے نزدیک مستقبل، حال اور ماضی سب یکساں ہو جاتے ہیں"۔

پھر فرماتے ہیں:

وَالْاَنْسَبُ بِمَقَامِ الْاِمْتِنَانِ هُنَا اِرَادَةُ هٰذَا الْمَعْنٰی۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ اپنے احسان کا ذکر فرما رہا ہے۔ اس لئے یہاں شرح صدر کا یہی آخری معنی زیادہ مناسب ہے۔

اس تحقیق کے بعد آیت کی تشریح یوں الفاظ فرماتے ہیں۔

فَالْمَعْنٰی اَلَمْ نَشْرَحْ صَدْرَكَ حَتّٰی حَوٰی عَالَمَیِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ وَ جَمَعَ بَیْنَ مَلَكَتَیِ الْاِسْتِفَادَةِ وَالْاِفَادَةِ فَمَا صَدَّكَ الْمُلَابَسَةُ بِالْعَلَائِقِ الْجِسْمَانِیَّةِ عَنِ اقْتِبَاسِ اَنْوَارِ الْمَلَكَاتِ الرُّوْحَانِیَّةِ وَ عَاقَكَ التَّعَلُّقُ بِمَصَالِحِ الْخَلْقِ عَنِ الْاِسْتِغْرَاقِ فِیْ شُئُوْنِ الْحَقِّ

"یعنی آیت کا معنی یہ ہے کہ کیا ہم نے آپ کے سینہ کو کشادہ نہیں کر دیا کہ غیب و شہادت کے دونوں جہان اس میں سما گئے ہیں۔ استفادہ اور افادہ کی دونوں ملکتیں جمع ہو گئی ہیں علائق جسمانیہ کے ساتھ آپ کی وابستگی ملکات روحانیہ کے انوار کے

حصول میں رکاوٹ نہیں۔ خلق کی بہبودی کے ساتھ آپ کا تعلق، معرفت الٰہی میں استغراق میں رکاوٹ نہیں''۔ (منقول از ضیاء القرآن)

جب شرح کا معنی مذکورہ بالا کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے قدسی طاقت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس کو علم سے مالا مال کیا اور اپنے حبیب کے کاشانۂ دل کو اپنی تجلیات کا مرکز بنایا ہے تو انہیں ایک حالت دوسری حالت سے مشغول نہیں کر سکتی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات ہماری طرح نہیں۔ اگر ہم ایک طرف توجہ کرتے ہیں تو دوسری جانب کا علم نہیں ہوتا۔ کہ اس طرف کوئی کیا کر رہا ہے۔ ہماری عقل محدود ہے۔ ہماری آنکھیں سامنے والی چیز کو دیکھ سکتی ہیں اس کا عرفان کر سکتی ہیں۔ لیکن دوسری اشیاء اس کے لئے دھندلے نشان دکھائی دیتے ہیں۔ ہم اگر ایک چیز کی طرف راغب ہوں تو دوسری چیز سے غافل ہو جاتے ہیں لیکن وہ نفس ذکیہ جس کو اللہ تعالیٰ قدسی صفات سے مؤید کرتا ہے وہ اگر کسی ایک حالت میں ہو تو دوسری حالت سے غافل نہیں ہوتا۔ اگر وہ بیٹھا فرش پر ہو تو اس کی نگاہ عرش کی بلندیوں کو دیکھ رہی ہوتی ہے اور اگر عرش کے مقام رفیع پر وہ بلند ہوتا ہے تو پھر بھی خاک نشینوں سے اس کا ذہن خالی نہیں ہوتا۔ غرضیکہ کوئی حالت اس کو منہمک کر کے دوسری سے منحرف نہیں کر سکتی۔

مَا لَدَیْهِ یَکُوْنُ وَ کَائِنٌ وَ مَا کَانَ اور علوم کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ جو واقعات گزر چکے ہیں اور جو قیامت تک آنے والے ہیں وہ اس کی نگاہ میں برابر ہوتے ہیں۔ یہ جو کچھ میں نے آپ کے سامنے بیان کیا ہے یہ تو صاحب تفسیر روح المعانی نے لکھا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے سینہ کو کھول دیا۔ اور اس کو انوار و تجلیات سے روشن فرما دیا اور تمام حجابات اٹھا دیئے اور وہ مقام رفیع عطا فرمایا کہ کوئی حالت ان پر مخفی نہیں اور عرفان کا یہ عالم ہے کہ وہ ہر چیز کو اس طرح جانتے ہیں اور دیکھتے ہیں جس طرح ہتھیلی پر رائی کا دانہ ہوتا ہے اور سینہ کو انوار سے روشن فرما دیا۔ دل کو گنجینہ عرفان اور نورانی قوتوں کا مہبط بنا دیا تو ہم کیا کیا شان بیان کریں نگاہ کی رسائی کی، اس نورانی قلب کی گہرائیوں کی۔

جو اجڑے چمن کو رشک صد طور بنا دیتے ہیں۔

صاحب تفسیر روح المعانی نے جو کچھ لکھا ہے۔ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے اس آیت کے ضمن میں کچھ اسی قسم کی وضاحت کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"اس میں علوم و معارف کے سمندر اتار دیئے اور لوازم نبوت اور فرائض رسالت برداشت کرنے کا بڑا وسیع حوصلہ دیا۔"

اللہ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو علوم و معارف عطا فرمائے۔ ان کے متعلق امام بوصیریؒ نے قصیدہ بردہ شریف میں یوں بیان کیا ہے۔

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِکَ الدُّنْیَا وَ ضَرَّتَهَا

وَ مِنْ عُلُوْمِکَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

"دنیا اور آخرت دونوں آپ کے جود و کرم کے مظہر ہیں اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم کا ایک حصہ ہے"۔

علامہ ملا علی قاری حنفی آخری مصرع کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

عِلْمُهُمَا اَنْ یَّکُوْنَ سَطْرًا مِنْ سُطُوْرِ عِلْمِهٖ وَ نَهْرًا مِنْ بُحُوْرِ عِلْمِهٖ

"کہ لوح و قلم کا علم آپ کے علم کے دفتر کی ایک سطر ہے اور آپ کے علم کے سمندروں کی ایک نہر ہے"۔

(شرح قصیدہ بردہ شریف ملا علی قاری قلمی کرمی افغانان اٹک)

علامہ اقبالؒ عرض کرتے ہیں۔

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب

گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ساری زندگی اس آیت کی آئینہ دار ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس بلند حوصلگی اور اولوالعزمی سے فرائض نبوت کو ادا کیا۔ جس صبر و شکر کیساتھ

اس راہ میں آنے والی مشکلات کو برداشت کیا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شرح صدر کے بغیر ممکن نہ تھا۔

پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انسانی زندگی کے ہر پہلو کو اپنے علم کے نور سے منور کیا اس کو بھی شرح صدر کی برکت کے بغیر اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

اب آیئے ایسے چند واقعات سنئے جن سے شرح صدر محبوب کا آپ اندازہ لگا سکیں گے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ اطلاع ملی کہ روم کا بادشاہ ہرقل مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہونے کی تیاریاں کر رہا ہے اور مسلمانوں کی اس نوخیز ریاست کو نیست و نابود کرنا چاہتا ہے تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے مقابلہ کے لئے ایک لشکر تیار فرمایا۔ تاکہ دشمن کے ناپاک پاؤں اپنی پاک سرزمین پر نہ رکھنے دیئے جائیں تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یکے بعد دیگرے اپنے لشکر کے تین سپہ سالار مقرر فرمائے۔ سب سے پہلے فرمایا کہ اس لشکر کا سپہ سالار زید ابن حارثہ ہوگا۔ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عاشق جانثار اور آزاد کردہ غلام تھا۔ اس کے بعد حضرت جعفر طیار ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بھائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد تھے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اس اسلامی لشکر کا سپہ سالار عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ ہوں گے پھر مسلمان جس کو چاہیں۔ اپنا جرنیل منتخب کر لیں۔

اس کے بعد آپ نے ان غلاموں کو رخصت فرمایا۔ اور اس ترتیب سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ان کو لشکر کا سپہ سالار مقرر کرنا۔ اس بات کی دلیل تھی کہ وہ تینوں جام شہادت نوش فرما کر فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ کا نعرہ لگاتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گے۔ اسی لئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ان کے گھروں میں جا کر انہیں مبارکباد پیش کرتے تو جب صحابہ کرام انہیں الوداع کہنے کے لئے باہر تشریف لے گئے ہیں تو انہیں دعا دی۔

قَالَ الْمُسْلِمُوْنَ مُوَدِّعِيْنَ لَهُمْ صَحِبَكُمُ اللّٰهُ وَ دَفَعَ عَنْكُمُ السُّوْءَ وَرَدَّكُمْ سَالِمِيْنَ غَانِمِيْنَ۔

''اللہ تعالیٰ تمہارا ساتھی ہو۔ وہ ہر تکلیف کو تم سے دور کرے اور تمہیں صحیح وسلامت اموالِ غنیمت سے مالا مال کر کے واپس لے آئے''۔

تو جب مسلمانوں نے انہیں ان الفاظ کے ساتھ رخصت کیا۔

حضرت عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ صبر نہ کر سکے اور آپ نے فی البدیہہ یہ اشعار پڑھے۔

وَلٰكِنَّنِي اَسْئَلُ الرَّحْمٰنَ مَغْفِرَةً
وَ ضَرْبَةً ذَاتَ فَرْغٍ تَقْذِفُ الزُّبَدَ

کہ مجھے سلامتی کی ضرورت نہیں میں تو جھولی پھیلا کر یہ دعا مانگتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو معاف فرمادے۔ صرف مغفرت ہی نہیں بلکہ یہ عرض کرتا ہوں کہ اے اللہ تعالیٰ میں جب جہاد میں جاؤں اور دل کھول کر دشمنوں کو واصل جہنم کروں پھر دشمن کی ایسی ضرب لگے جو وسیع زخم کر دے جس سے خون کا فوارہ ایسا نکلے جس سے جھاگ پیدا ہو رہی ہو مجھے سلامتی اور زندگی کی ضرورت نہیں۔

حَتّٰى يُقَالَ اِذَا مَرُّوْا عَلٰى جَدَثِيْ
اَرْ شَدَكَ اللّٰهُ مِنْ غَازٍ وَ قَدْ رَشَدَ

(التاریخ الخمیس جلد دوم)

اور جب اس جگہ سے مسلمانوں کا قافلہ گزرے جس جگہ میں شہید ہو کر دفن کیا گیا ہوں تو وہ یہ دعا دیں کہ یہ ہے وہ جو محبوب کی عظمت پر سر کٹانے والا ہے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے تجھے ہدایت اور رہنمائی مرحمت فرمائی ہے۔ یہ منزل مقصود تک پہنچ گیا ہے۔

یہ تعلق و ربط اور یہ جنون اس نگاہ لطف و کرم نے پیدا کیا تھا۔ جس کو خالق کائنات نے کُن کی کنجی کا لقب عطا فرمایا ہے اور یہ ہے ترقی کا وہ زینہ جو حوادثات کے طوفانوں کے بعد بھی جوں کا توں قائم اور دائم رہتا ہے اور جس کی وجہ سے دین کی سربلندی اور اس کی حفاظت کے لئے خون کا آخری قطرہ تک بہا دیا جاتا ہے چنانچہ جب یہ قافلہ میدان کارزار

کی طرف روانہ ہونے لگا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حسب معمول ان کو رخصت فرمانے کے لئے کھجور کے ایک درخت کے نیچے کھڑے ہو گئے اور انہوں نے جب پیچھے مڑ کر دیکھا تا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصویر دل کے آئینہ میں وہ پوری طرح نقش کر لیں تو بے ساختہ یہ شعر زبان پر جاری ہو گیا۔

وَ اَقُوْلُ السَّلَامَ عَلٰی امْرَاءٍ ودّعتُهٗ

فِی النَّخلِ خَیْرُ مُشَیِّحٍ وَ خَلِیْلُ

''اے رب العالمین! اس ذات پاک کو اپنی نگاہ میں رکھ جو اس درخت کے نیچے الوداع کرنے کے لئے تشریف فرما ہے۔ وہ بہترین الوداع کرنے والے اور خلیل ہیں''۔

چنانچہ اس ولولے، جذبے اور جوش کی دولت سے مالا مال ہو کر وہ ہرقل کی طرف پیش قدمی فرماتے ہیں۔ جب مملکت روم میں معان کے مقام پر پہنچے تو ان کو پتہ چلا کہ وہ ایک لاکھ مکمل اسلحہ سے لیس فوج لے کر آ رہا ہے اور مسلمانوں کی کل تعداد کم و بیش تین ہزار تھی۔

جب مسلمانوں کو یہ اطلاع ملی تو انہوں نے مجلس مشاورت قائم کی۔ بعض نے تجویز پیش کی کہ اس صورتحال سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آگاہ کرنا چاہئے۔ اس کے بعد جو آپ حکم فرمائیں گے۔ تو وہ کمک بھیج دیں گے۔ ورنہ ہم اس قلیل تعداد کے باوجود دشمن کو خاطر میں نہیں لائیں گے اور نہ ہی ہمیں ان کا کوئی خوف ہے لیکن عبداللہ ابن رواحہ کی غیرت ایمانی بیدار ہوئی۔ آپ نے فرمایا:

یٰقَوْمِ وَاللّٰهِ اِنَّ الَّتِیْ تَکْرَهُوْنَ لِلَّتِیْ خَرَجْتُمْ تَطْلُبُوْنَ الشَّهَادَةَ وَ مَا نُقَاتِلُ النَّاسَ بِعَدَدٍ وَّلَا قُوَّةٍ وَّلَا کَثْرَةٍ وَّلَا نُقَاتِلُ اِلَّا بِهٰذَا الدِّیْنِ الَّذِیْ اَکْرَمَنَا اللّٰهُ بِهٖ فَانْطَلِقُوْا فَاِنَّمَا هِیَ اِحْدَی الْحُسْنَیَیْنِ اِمَّا ظُهُوْرٌ وَّاِمَّا شَهَادَةٌ۔

''کہ اب تم جس چیز کو مکروہ جان رہے ہو اور اسی آرزو کو تم لے کر آئے ہو اور ہم

کیوں نہ شہادت کا تاج اپنے سر پر سجائیں۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو یہ اطلاع دینا عشق کے مذہب میں جائز نہیں۔ بلکہ اب تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر سر دھڑ کی بازی لگا دینی چاہئے۔ پہلے بھی ہم نے اسلام ہی کی قوت سے کفر کو خاک آلود کیا۔ جس اسلام نے ہمیں عزت عطا فرمائی۔ آگے بڑھو۔ دو نیکیوں میں سے ایک تمہیں حاصل ہو گی یا تو دشمن پر غلبہ نصیب ہو گا یا شہادت کا تاج سروں کی زینت بنے گا"۔

چنانچہ اسی پر مسلمانوں کا جوش وخروش تازہ ہو گیا۔ اور اپنے محبوب کے ذکر کو بلند کرنے کے لئے سر ہتھیلیوں پر رکھ کر روانہ ہوئے۔ موتہ کے مقام پر دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے۔ ایک طرف بے شمار فوج پورے اسلحہ سے لیس ہو کر سامنے کھڑی ہے اور دوسری جانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار قلت تعداد کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جذبہ ایمانی کے ساتھ کفر کے لشکر پر صاعقہ بن کر گرنے کے لئے تیار کھڑے ہیں۔ یہ جمعہ کا دن تھا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام مسجد نبوی میں نماز جمعہ کے لئے تشریف لائے اور منبر پر تشریف فرما ہوئے تو آپ نے میدان کارزار کا چشم دید حال بیان کرنا شروع کر دیا۔ اور فرمایا کہ سب سے پہلے زید ابن حارثہ نے اسلام کا جھنڈا اپنے ہاتھوں میں پکڑا اور داد شجاعت دینا شروع کر دی۔ دشمن پر جھپٹ جھپٹ کر وار کیے۔ یہاں تک کہ جام شہادت نوش کر لیا۔ آپ کے بعد حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے اسلام کا جھنڈا پکڑا اور اُسے سرنگوں نہ ہونے دیا۔ اور آپ نے بھی دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا کئی کافروں کو واصل جہنم کیا۔ اسی اثناء میں آپ کا دایاں ہاتھ کٹ گیا تو آپ نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا اور جب بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا تو اسلام کا جھنڈا زمین پر نہ گرنے دیا بلکہ اسے اپنے دانتوں کے ساتھ مضبوط پکڑ لیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے بھی جام شہادت نوش کر لیا۔

پھر فرمایا کہ اب وہ جھنڈا عبداللہ ابن رواحہ نے تھام لیا ہے اور انہوں نے بھی خوب داد شجاعت دی ہے۔ یہاں تک کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے دین کو اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی

عظمت کو بلند کرتے ہوئے جام شہادت نوش کر چکے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

چہ خوش رسم بنا کر دند در خاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقاں پاک طینت را

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب اسلام کا جھنڈا سیف من سیوف اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اس سے مراد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں وہ نیام سے باہر نکلی اور تھوڑے سے ساتھیوں کے ساتھ دشمن کا اس طرح جوانمردی سے مقابلہ کیا کہ ان کے منہ پھیر دیئے۔

یہ ہے شرح صدر کی وہ دولت کہ آپ مسجد نبوی کے منبر پر تشریف فرما ہیں اور غزوہ موتہ کے غازیوں کی خبر سنا رہے ہیں۔ صحابہ کرام نے یہ سب واقعات ہوش وخرد سے سنے اور کسی نے بھی ان کا انکار نہ کیا اور نہ ہی کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اتنے دور دراز علاقہ سے آپ کو یہ کیسے معلوم ہو گیا انہوں نے سنا اور اس پر یقین کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝ الَّذِیْۤ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝

آگے فرمایا کہ اے محبوب ہم نے آپ سے وہ بوجھ دور کر دیا۔ جس نے آپ کی کمر کو دوہرا کر دیا تھا۔ وہ کون سا بوجھ تھا اس کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ (احزاب:72)

"کہ یہ امانت ہم نے پہاڑوں پر پیش کی۔ انہوں نے کہا یہ ہماری طاقت سے باہر ہے اور زمین نے بھی اسی طرح معذرت کی اور آسمانوں نے بھی اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا تو وہ امانت کا بوجھ انسان نے اٹھا لیا"۔

اس بار گراں کو الَّذِیْۤ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ کے ساتھ بیان کیا۔ وہ بوجھ جس نے آپ کی پشت کو ڈنگا کر دیا تھا اس کو ہم نے ہلکا کر کے آپ کی تکلیف کو آسان کر دیا ہے اور ہم نے

اپنے فضل وکرم اور مہربانی سے اس بوجھ کو دور کر دیا ہے۔ اور وہ بوجھ اللہ تعالیٰ کی توحید کا پیغام لوگوں تک پہنچانا تھا اور اللہ تعالیٰ نے یہ پیغام لوگوں تک پہنچانے کے لئے کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر مبعوث فرمائے جنہوں نے اس کو لوگوں تک پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

اور اسی کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی مبعوث فرمایا گیا تھا کہ آپ اس انسان کو جو اپنے رب کی معرفت سے دور ہو چکا تھا۔ اور وہ جس کا رشتہ عبودیت خدا سے کٹ چکا تھا اور جو خواب غفلت میں لمبی تان کر سویا ہوا تھا اس کو خدا کی معرفت سے بہرہ ور کیا جائے اس کے ٹوٹے ہوئے رشتہ کو جوڑا جائے۔ یہ کوئی معمولی ذمہ داری نہ تھی۔ یہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہی شان تھی جنہوں نے اس امانت کو برداشت فرمایا اور اس ذمہ داری کو نبھانے کا حق ادا کیا۔

سوشل بائیکاٹ کا معاہدہ

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کفر وظلم کی آماجگاہ وادی میں یہ اعلان فرمایا "قولوا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْن" کہ اگر تم لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی دعوت کو قبول کرتے ہو تو تم اس دنیا میں بھی عزت و آبرو کے ساتھ نوازے جاؤ گے۔ اور اخروی کامیابی بھی تمہارا مقدر بن جائے گی۔ تو وہی اہل مکہ جو آپ کو صادق اور امین کہتے تھے اور آپ کو عزت و آبرو کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ انہوں نے اس حکم کو ماننے کی بجائے ظلم وتعدی کا راستہ اختیار کیا۔ اور ان کی آنکھوں سے ظلم وعناد کی چنگاریاں شعلہ زن ہونے لگیں محبت کی جگہ بغض نے لے لی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ جو بھی دامن توحید میں پناہ لیتا اس کے ساتھ بائیکاٹ کر دیا جاتا۔ اور اس پر ظلم وستم کے تیر برسائے جاتے۔ یہاں تک کہ خاندان بنو ہاشم کے ساتھ سوشل بائیکاٹ کر دیا گیا۔ اور وہ شعب ابی طالب میں محصور ہو کر رہ گئے۔

سرداران قریش نے یہ شرطیں لگا دیں کہ نہ کوئی ان سے کلام کرے گا اور نہ ہی ان سے رشتوں کا لین دین ہوگا۔ اور کسی بھی قسم کا ان کے ساتھ کاروبار کرنا یا لین دین کرنا جائز نہ ہو

گا۔ اور انہوں نے یہ ایک معاہدہ لکھا جس پر صناد ید قریش نے دستخط کئے۔ بڑے اہتمام کے ساتھ اس کو ایک کپڑے میں لپیٹا پھر اس کپڑے کو چمڑے کی ایک نلکی میں بند کیا اور اس نلکی کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر ایک صندوق میں بند کیا۔ اور کعبۃ اللہ کے اندر محفوظ جگہ پر رکھ دیا۔ خاندان بنو ہاشم تین سال تک شعب ابو طالب میں اہل مکہ سے الگ تھلگ ہو کر رہ گئے۔ اور سوشل بائیکاٹ کی سختیاں برداشت کرتے رہے۔ اس شدت اور تکلیف کا آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اگر پورے شہر میں سے چند افراد کو الگ تھلگ کر دیا جائے تو ان کی تکلیف اور غم واندوہ کا کیا عالم ہوگا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک غلام بیان کرتا ہے کہ جب ہم شعب ابی طالب میں محصور تھے تو بھوک کی وجہ سے ہماری یہ حالت تھی کہ کھانے کے لئے کوئی چیز نہیں دستیاب ہوتی تھی۔ اور جب قدرتی آندھی چلتی تو چمڑے کے ٹکڑے اڑ کر اس وادی میں آ کر گرتے۔ تو ہم انہیں پانی میں بھگو کر چباتے تھے۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حق کا پیغام پہنچانے کے لئے کتنی شدید تکلیفیں برداشت کرنا پڑیں اور یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہی دل وجگر تھا۔ جنہوں نے یہ سب کچھ برداشت کیا۔ لیکن دعوت حق کے فریضہ کو ادا فرماتے رہے۔ اور اس میں ذرہ بھر بھی کوتاہی نہیں فرمائی۔ جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اب اس امتحان کی گھڑی سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور آپ کے خاندان کو نجات دی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس بات سے آگاہ فرمایا کہ اس معاہدہ کو دیمک نے چاٹ لیا ہے۔ سوائے اللہ تعالیٰ کے نام کے تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دن اپنے چچا ابو طالب کو فرمایا کہ قریش مکہ نے جو معاہدہ لکھا تھا۔ اور اسے بڑے ہی اہتمام کے ساتھ بند کر کے کعبہ مقدسہ کے اندر رکھا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے دیمک کو مسلط کر دیا۔ اور اس معاہدہ میں جہاں اللہ کا نام ہے۔ وہ جگہ محفوظ ہے۔ باقی سب کچھ دیمک نے چاٹ لیا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ دیمک کو بھی اللہ تعالیٰ کے نام کی عظمت کا علم تھا۔ اس لئے اس نے بھی اس نام کو نہ چاٹا۔

یہ انسان ہی کوتاہ اندیش ہے کہ نہ وہ اپنے رب کو پہچانتا ہے اور نہ رسول کو اور نہ ہی اہل بیت اطہار اور صحابہ اکرام کی شان کا احساس کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیا کی تو ہر چیز ان کو پہچانتی ہے۔ لیکن انسان ہی ناشکرا ہے۔

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے چچا کو یہ پیشن گوئی سنائی تو وہ سوچنے لگے کہ ان کی آنکھ کس طرح ان کو دیکھ رہی ہے۔ اس لئے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔

اَاَللّٰہُ اَخبَرَکَ ''کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دی ہے''۔

آپ نے جواب دیا نَعَمْ اَللّٰہُ اَخْبَرَنِیْ۔

کہ رب تعالیٰ نے ہی مجھے یہ علم عطا فرمایا ہے تو ابو طالب نے مزید تاکید کے لئے عرض کی کہ میں اب بوڑھا ہو چکا ہوں۔ میری داڑھی سفید ہو چکی ہے اگر یہ بات غلط ہوئی تو مجھے اس عمر میں قوم کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے گا۔ اس لئے اگر آپ مجھے شرمسار نہ کرتے تو کتنا بہتر ہوتا۔ لیکن اگر یہ آپ کی بات سچی ہوئی تو فبہا ورنہ میرا آپ کا تعلق منقطع ہو جائے گا۔ آپ نے فرمایا۔ اے میرے چچا!

میرا علم ناقص اور ادھورا نہیں اہل دنیا کے علم میں تو شک ہو سکتا ہے۔ ان کی نگاہ کے دیکھے ہوئے میں تو فرق ہو سکتا ہے لیکن جو علم میرے رب نے مجھے سکھایا ہے اس میں ذرہ برابر شک نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ بات اس طرح نہ ہوئی جس طرح میں نے کہا ہے تو میرا تعلق ختم ہو گا۔

چنانچہ ابو طالب شعب ابی طالب سے نکل کر قریش کے پاس تشریف لے گئے۔ بڑے بڑے قریش وہاں موجود تھے۔ آپ نے جا کر انہیں فرمایا۔

اے گروہ قریش! اس طویل مدت میں ایسے واقعات رونما پذیر ہو گئے ہیں۔ جن کے بارے میں ہم تمہیں نہیں بتا سکتے۔ تم اس صحیفہ کو کعبۃ اللہ شریف سے باہر لے آؤ۔ ممکن ہے ہمارے اور تمہارے درمیان مصالحت کی کوئی صورت نکل آئے۔

حضرت ابو طالب نے پہلے انہیں اس بات سے آگاہ نہ کیا جس سے حضور صلی اللہ علیہ

وسلم نے انہیں مطلع فرمایا تھا تا کہ وہ صحیفہ میں کچھ گڑ بڑ نہ کر دیں۔ اہل مکہ کی خوشی کی حد نہ رہی۔ انہیں یقین ہو گیا کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب اور ابو طالب خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت واعانت سے دل برداشتہ ہو گئے ہیں۔ وہ یقیناً انہیں ہمارے حوالے کر دیں گے۔ پھر طے شدہ پروگرام کے مطابق ہم ان کے ساتھ معاملہ کریں گے اور یہ فتنہ جس نے ہماری راتوں کی نینداور دنوں کا چین حرام کر دیا ہے۔ وہ ہمیشہ کے لئے دفن ہو جائے گا۔

وہ بڑی تیزی سے اٹھے اور کعبہ میں گئے۔ وہاں سے اس معاہدہ کو لے کر واپس آئے اور سب اہل مجلس کے سامنے اس کو رکھ دیا۔ انہوں نے ابو طالب کو کہا کہ اب وہ وقت آ گیا کہ تم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت و نصرت سے باز آ جاؤ اور ہماری تمہاری دشمنی دوستی میں بدل جائے۔

حضرت ابو طالب نے فرمایا میں آج ایک بڑا منصفانہ حل لے کر تمہارے پاس آیا ہوں سب ہمہ تن گوش آپ کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ نے فرمایا میرے بھتیجے نے مجھے بتایا ہے اور وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا کہ یہ دستاویز جو اس وقت تمہارے ہاتھوں میں ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے دیمک مسلط کر دی ہے۔ جس نے اس کی ساری عبارت چاٹ لی ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک جہاں جہاں ہے وہ صحیح وسلامت موجود ہے۔ اب تم خود اس کو کھولو اگر میرے بھتیجے کی بات سچی نکلی تو پھر ہم کسی قیمت پر اس کو تمہارے حوالے نہیں کریں گے۔ خواہ اس کے لئے ہمیں اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہانا پڑے اور اس کی یہ بات سچی نہ نکلی تو پھر ابھی ہم اس کو تمہارے حوالے کر دیں گے، جو چاہو تم اس کے ساتھ کرو۔ خواہ اس کو قتل کر دو یا اسے زندہ رہنے دو۔

حضرت ابو طالب کی یہ تجویز سن کر وہ بڑے مطمئن ہو گئے اور کہا (قَدْ رَضِينَا بِالَّذِیْ تَقُوْلُ) کہ جو آپ نے کہا ہم اس تجویز پر راضی ہیں پھر انہوں نے اس بحفاظت رکھے ہوئے صحیفہ کو اپنے ہاتھوں سے کھولا۔ اور جو صادق و مصدق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ اسی طرح حرف بحرف پایا یہ دیکھ کر ان کے ہوش اڑ گئے لیکن شقاوت ازلی نے ان کو حق کو

قبول کرنے کی توفیق نہ بخشی وہ اور برافروختہ ہو گئے۔ کہنے لگے۔

هٰذَا سِحْرُ اِبْنِ اَخِيْكَ

اے ابوطالب! یہ تمہارے بھتیجے کے جادو کا کرشمہ ہے۔ حق روز روشن کی طرح عیاں ہو گیا تھا۔ لیکن اندھی عصبیت نے انہیں اجازت نہ دی۔ کہ وہ اسے تسلیم کرلیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ان کے دلوں میں بغض و عناد کے شعلے پہلے سے بھی زیادہ بھڑکنے لگے۔

یہ ہے اَلَمْ نَشْرَحْ کی شان (منقول از ضیاء النبی جلد دوم)

تو فرمایا وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ کہ ہم نے آپ سے اس بوجھ کے ثقل کو دور کر دیا اور ان مصائب و آلام کو برداشت کرنا آسان بنا دیا۔ وہ بوجھ جس نے آپ کی پشت کو ٹیڑھا کر رکھا تھا۔ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔ اے محبوب! ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کر دیا ہے تو جہاں جمع کا صیغہ ذکر فرمایا۔ جو اللہ تعالیٰ کے تمام صفاتی اسماء کو شامل ہونے کا شعور دلاتا ہے۔ یعنی ہم نے جو مالک و خالق ارض و سماہیں آپ کو یہ شان عطا کی ہے۔ اور ہم نے تیرا ذکر چاردانگ عالم میں پھیلا دیا ہے تو یہ آیت طیبہ جب نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے اس کا مطلب دریافت کیا۔ تو جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھ کر بتایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اذَا ذُكِرْتُ ذُكِرْتَ مَعِي۔

کہ جہاں میرا ذکر کیا جائے گا وہاں میرے ذکر کے ساتھ تیرا ذکر بھی کیا جائے گا۔

جب مؤذن اذان میں۔

اشهد ان لا اِله اِلا الله۔ کہے گا تو اسے اشهدان محمدا رسول الله بھی کہنا پڑے گا۔ تکبیر میں بھی اور نماز میں بھی جس نے تیرا نام نہ لیا اس کی عبادت اس کے منہ پر دے ماری جائے گی اور کلمہ طیبہ میں بھی جہاں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰه کہنے کا حکم ہے۔

وہاں محمد رسول الله (صلی الله علیه وسلم) کہنا بھی ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص ساری زندگی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰه پڑھتا رہے اور محمد رسول الله نہ پڑھے تو وہ مومن نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح خطبہ میں بھی جب کلمہ شہادت پڑھا جاتا ہے تو اشهدان

محمدا رسول الله بھی پڑھنا ضروری ہے۔ تو اس لئے فرمایا کہ اِذَا ذُکِرْتُ ذُکِرْتَ مَعِیْ کہ جہاں میرا ذکر کیا جائے گا وہاں تیرا نام بھی لیا جائے گا۔

عرش کے کنگروں پر جنت کے دروازوں اور اس کے درخت کے ہر ہر پتے پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام مبارک لکھ دیا گیا ہے بلکہ کائنات کا ذرہ ذرہ آپ کی تعریف میں زبان حال سے یا زبانِ قال سے رطب اللسان ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس عظمت شان کا اسے ہی ادراک ہوتا ہے جس کا دل نور ایمان سے منور ہو۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا۔

دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت شان کا ادراک صرف آنکھوں سے نہیں ہوتا۔ بلکہ دیدہ دل کے نور سے ہوتا ہے۔

آخر میں حضرت ذوالنون مصریؒ کا ارشاد گرامی نقل کرتا ہوں ہوسکتا ہے کہ کسی بے تاب دل کے لئے وہ سکون وراحت کا باعث بنے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ورفعنا لک ذکرک سے اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے درجات عرش سے نیچے تک ہیں۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عرش کی سرفرازیوں اور بلندیوں سے کہیں اوپر ہیں۔

سیمرغ فہم ہیچکس از انبیاء
نہ رفت آنجا کہ تو ببال کرامت پریدہ
ہر کس بقدر خویش بجائے رسیدہ اند
آنجا کہ جائے نیست تو رسیدہ ای

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ اے محبوب ہم نے آپ کے لئے آپ کے ذکر کو بلند کیا

تو جس کے ذکر کو خدا تعالیٰ بلند کرے اس کو کون جھکا سکتا ہے دنیا کی ساری طاقتیں باطل کی ساری قوتیں اگر مل جائیں اور سارے ابو جہل اکٹھے ہو جائیں تو مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو نہ وہ پہلے بند کر سکے ہیں اور نہ آئندہ بند کر سکیں گے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ آگے فرمایا:

فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا۔

اے محبوب تو نے میری رضا کی خاطر مصائب و آلام برداشت کئے۔ دانت مبارک شہید کرائے پنڈلیاں لہولہان کرائیں، وطن سے ہجرت کی عزیز و اقارب کو چھوڑا تو یاد رکھو ہر تنگی کے بعد آسانی آتی ہے۔ تو وہ مقام آ گیا ہے۔ کہ ستر ہزار فرشتے رات دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھنے کے لئے آتے ہیں اور جس فرشتہ کی باری ایک دفعہ آتی ہے قیامت تک اسے دوبارہ موقع نہیں ملے گا۔ تو فرمایا:

إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا

بے شک تنگی کے بعد آسانی ہوتی ہے اس لئے تنگی سے گھبرانا مومن بندے کا شیوہ نہیں۔

ایک روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تبسم فرماتے ہوئے باہر تشریف لائے اور فرمایا لن يغلب عُسْرٌ يُسْرَيْنِ۔

یعنی ایک تنگی دو آسانیوں پر غالب نہیں آئے گی پھر آپ نے یہ آیت طیبہ تلاوت فرمائی اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر سختی کے بعد دو آسانیوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ایک دنیا میں اور دوسری آخرت میں۔

وَ لَنِعْمَ مَا قِيْلَ

إِذَا اشْتَدَّتْ بِكَ الْبَلْوٰى

فَفَكِّرْ فِيْ أَلَمْ نَشْرَحْ

فَعُسْرٌ بَيْنَ يُسْرَيْنِ إِذَا فَكَّرْتَهُ فَافْرَحْ

یعنی جب تجھ پر آزمائشیں سخت ہو جائیں تو الم نشرح کی سورت میں غور کر تو اس میں دو آسانیوں کے درمیان ایک سختی ہے۔ جب تو اس میں غور کرے گا تو تو خوش ہو گا کیونکہ کوئی ایسی مشکل نہیں جو آسان نہ ہو۔

شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

مشکلے نیست کہ آسان نشود

مرد باید کہ ہراساں نشود

اللہ تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت شان کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے دلوں کو عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے منور فرمائے۔ آمین

وما علینا الا البلغ المبین – اَنِ الحمد للّٰہ رب العلمین۔

اللهم انت ربنا و رب حبيبنا المصطفٰی علیه اطیب التحیة و اجمل الثناء وَفِّقنَا اَنْ نَقتَفِیَ اٰثَارَہٗ النَّیِّرَۃَ السَّنِیَّۃَ وَ نؤدی ما او جبت علینا لرفع کلمتک و رفع ذکر نبیک احسن الاداء انت الموفق و بیدک ذمة التوفیق ایاک نعبدو ایاک نستعین –

وما توفیقی الّا باللّٰہ علیه تو کلت و الیه انیب۔

پچپن واں وعظ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امتیازی شان کا بیان اور کوثر کی تشریح

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّيْ وَ نُسَلِّمُ وَ نُبَارِكُ عَلٰى صَفْوَةِ اَنْبِيَائِهٖ وَ عَلٰى اٰلِهٖ الْمَهْدِيِّيْنَ وَ عَلٰى اَصْحَابِهِ الْكُرَمَآءِ وَ عَلٰى اَزْوَاجِهِ الطَّاهِرَاتِ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ عَلٰى سَائِرِ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ اَجْمَعِيْنَ

اما بعد فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝

"بے شک ہم نے آپ کو (جو کچھ عطا کیا) بے حد و بے حساب عطا کیا۔ پس آپ نماز پڑھا کریں اپنے رب کے لئے اور قربانی دیں (اس کی خاطر) یقیناً آپ کا جو دشمن ہے وہی بے نام (ونشان) ہوگا"۔ (ترجمہ جمال القرآن)

میں نے قرآن کریم کی ایک مختصر سی سورت آپ کے سامنے تلاوت کرنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ جو اکثر مومنوں کو یاد ہے۔ یہ سورۃ طیبہ تین چھوٹی چھوٹی آیات پر مشتمل ہے لیکن ان مختصر الفاظ میں معانی واسرار کا وہ بے پیدا کنار سمندر موجزن ہے۔ جس کا صحیح طور پر اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کا ایک وسیع اور بہت بڑا خزانہ اس سورت میں مخفی کر رکھا ہے۔ اگر اس کو کچھ تھوڑا سا کسی نے سمجھا ہے تو وہ عرب ہیں۔ ان کی مادری زبان عربی تھی اور ان کو اپنی فصاحت و بلاغت اور روانی کلام پر ناز و تکبر تھا۔ اور وہ اپنے آپ کو تمام اہل دنیا سے زیادہ فصیح و بلیغ تصور کرتے تھے اور وہ یہ کہتے کہ ہمارے علاوہ تمام لوگ عجمی ہیں۔ یعنی گونگے۔ کہ وہ تمام ہماری فصاحت و بلاغت کے مقابلہ میں کلام پیش نہیں کر سکتے وہ گونگے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں ان کا یہ دستور تھا کہ ملک کے نامور

ادیب اور شعراء عکاظ اور ذی المجاز جیسی موسمی منڈیوں کے موقعہ پر جمع ہوتے اور مجمع عام میں اشعار اور قصائد پڑھتے اور فصیح و بلیغ خطبے دیتے اور جن کے اشعار اور قصائد ان کے نقطہ نظر کے مطابق فصاحت و بلاغت کا معیار ہوتے تو وہ انہیں خانہ کعبہ میں جا کر غلاف کعبہ سے لٹکا دیتے تا کہ آنے جانے والے زائرین ان کے کلام کی داد دیتے رہیں اور یہ سلسلہ پورا سال جاری رہتا تو جب یہ سورۃ پاک نازل ہوئی۔ تو غلامانِ مصطفیٰ نے اپنے آقا کی خدمت میں گزارش کی کہ اگر آپ اجازت فرمائیں تو ہم اس سورۃ پاک کو عربوں کے دستور کے مطابق غلاف کعبہ کے ساتھ جہاں پہلے ہزاروں قصائد لٹکے ہوئے ہیں لٹکا دیں تا کہ اہل عرب جب خانہ کعبہ کا طواف کرنے کے لئے آئیں تو وہ اسے پڑھیں اور اس کی فصاحت و بلاغت کا جائزہ لیں آپ نے انہیں وہاں لٹکانے کی اجازت فرما دی سال کے بعد جب کفار اور بڑے بڑے فصحاء و بلغاء آئے اور خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ اس کے ساتھ لٹکے ہوئے لمبے لمبے قصائد پڑھے اور اس وقت کا جو مشہور و معروف فصیح اور ماہر بلاغت تھا۔ اس نے جب اس سورۃ پاک کو ان قصائد کے ایک پہلو میں لٹکے ہوئے دیکھا تو وہ حیران ہو گیا اور انگشت بدنداں اس کے سامنے کھڑا ہو گیا اور مجسمۂ حیرت و استعجاب بن کر اس کے معانی میں غور کرنے لگا تو وہ اس کے حسن و جمال اور اس کے معانی و اسرار کے بحر ناپیدا کنار سے ایسا متاثر اور وارفتہ ہوا کہ اس وارفتگی کے عالم میں اس نے اس سورت پاک کے نیچے یہ لکھ دیا۔ مَا هٰذَا کَلَامُ الْبَشَر کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں۔ اس اعتبار سے کافروں نے بھی قرآن کریم کی عظمت کو تسلیم کر لیا اور یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے۔

اس کے اسرار و رموز اور بے پناہ معانی کا بیان کرنا میرے جیسے کم علم کے لئے ممکن نہیں۔ اس لئے میں علمائے ربانیین نے اس کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اسی کو بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔ اللہ تعالیٰ سمجھنے اور سمجھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

شانِ نزول

اس سورۃ طیبہ کے نازل ہونے کے متعلق دو قول لکھے گئے ہیں۔

نمبر ا: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ سورۃ طیبہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی اور اس سلسلہ میں علامہ سیوطی نے ایک واقعہ ان کی طرف منسوب کیا ہے کہ ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک آپ پر وحی کے نزول کی کیفیت طاری ہوئی۔ آپ کا سر مبارک جھک گیا۔ تھوڑی دیر بعد تبسم فرماتے ہوئے آپ نے سر کو اٹھایا۔ لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ابھی مجھ پر یہ سورت نازل فرمائی ہے پھر الکوثر کی تلاوت کی۔

نمبر ۲: حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ ابن زبیر اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اور یہی قول راجح ہے اگر ان دونوں روایتوں کو تطبیق دی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ بعض سورتیں اپنی اہمیت کے پیش نظر متعدد بار نازل فرمائی گئیں۔ اس لئے ہوسکتا ہے کہ یہ سورۃ پاک ایک دفعہ کفار کی گستاخیوں کا جواب دینے کے لئے نازل کی گئی ہو اور دوسری دفعہ کسی خاص حکمت کے پیش نظر مدینہ طیبہ میں اس محفل میں نازل کی گئی ہو جس کا ذکر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کیا ہے۔ چنانچہ علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ اہل تفسیر اور مغازی کے نزدیک اس میں مکہ مکرمہ میں نازل ہونا ہی زیادہ مشہور ہے اور اس کا انداز بیان بھی مکی سورتوں سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔

اس سورۃ پاک کے شان نزول کے متعلق سیدی وسندی حضور ضیاء الامت نے ضیاء القرآن شریف میں اس کے تعارف میں جو کچھ لکھا ہے۔ اس کو ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔

ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں حضرت زینب، حضرت ام کلثوم، حضرت فاطمہ اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہن اور دو صاحبزادے حضرت قاسم رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تولد ہوئے۔ حضرت عبداللہ کا لقب طیب اور طاہر بھی ہے۔ اعلان نبوت سے پہلے یہاں کے باشندے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا احترام کرتے تھے۔ انہوں نے آپ کی ذات سے

بڑی حسین توقعات وابستہ کر رکھی تھیں آپ کے سیرت و کردار سے وہ اتنے متاثر تھے کہ آپ کو صادق وامین کہہ کر پکارا کرتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صفا کی چوٹی پر کھڑے ہو کر قُوْلُوْا لَا اِلٰهَ الا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا کی دعوت دی تو اہل مکہ کے تیور بدل گئے۔ دلوں میں نفرت، حقارت اور عداوت کے جذبات امڈ آئے۔ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات سے چڑ ہو گئی۔ ہر وہ حادثہ جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر عاطر کو دکھ پہنچتا۔ ان کے لئے وہ مسرت وشادمانی کا باعث بنتا۔ چنانچہ جب دونوں صاحبزادے یکے بعد دیگرے کمسنی میں وفات پا گئے تو ان جانکاہ حادثات پر اہل مکہ کو ذرا رنج نہ ہوا بلکہ انہوں نے اطمینان کا سانس لیا اور خوشی کے شادیانے بجائے، ان کے اعتقادات، ان کے رسم و رواج اور ان کے تمدن و معاشرہ کو اسلام سے جو سنگین قسم کا خطرہ محسوس ہو رہا تھا۔ اس کی شدت میں کمی آ گئی۔ انہوں نے یہ کہہ کر اپنے آپ کو بہلانا شروع کر دیا کہ جب ان کی شمع زیست بجھے گی تو ان کا یہ لایا ہوا دین بھی دم توڑ دے گا۔ لڑکا تو کوئی ہے نہیں جو اس سلسلہ کو جاری رکھ سکے۔ اس لئے قریش کے گستاخ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ابتر یعنی جس کا کوئی فرزند نہ ہو۔ کہنے لگے۔ ابولہب جو حقیقی چچا تھا۔ لیکن بغض وعناد کی یہ حالت تھی کہ جب حضور کے دوسرے صاحبزادے کا انتقال ہوا تو اس کی خوشی کی حد نہ رہی۔ دوڑتا ہوا مشرکین کے پاس گیا اور ان کو یہ مژدہ سنایا۔ بَتِرَ محمدٌ اَللَّيْلَةَ یعنی آج رات محمد کی نسل منقطع ہو گئی ہے اس طرح کی یاوہ گوئی عاص ابن وائل بھی کیا کرتا تھا۔

اس قسم کی دل آزاریاں جب تہذیب وشائستگی کی ساری حدود کو توڑ گئیں۔ ان کے طعن و تشنیع کے تیروں سے صبر کا دامن تار تار ہونے لگا اس وقت اللہ کریم نے اپنے محبوب بندے اور برگزیدہ رسول پر یہ سورۃ مبارکہ نازل فرمائی جس میں انتہائی مختصر اور از حد موثر انداز میں ان بے حد و بے حساب خیر و برکات کا مژدہ سنایا گیا۔ جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو مالک بنا دیا تھا۔ جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ بتا دیا کہ تم یہ سمجھتے

ہو کہ میرے محبوب کا ذکر مٹ جائے گا۔ ان کا کوئی نام ونشان باقی نہیں رہے گا۔ سن لو! یہ سراسر غلط ہے میرے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا چشمہ فیض تا ابد جاری رہے گا۔ دنیا اس سے ہمیشہ ہمیشہ سیراب ہوتی رہے گی۔ اہل دل اس کی بارگاہ جمال میں اپنے عقیدت و محبت کے رنگین پھول پیش کرتے رہیں گے۔ ارباب ذوق وشوق بزم عالم کو اس کے ذکر خیر سے آباد رکھیں گے۔ درود وسلام کی روح پرور صدائیں ہر لحظہ گلشن ہستی کے لئے مژدہ بہار سناتی رہیں گی جب تک میری کبریائی کا پرچم عرش وفرش پر لہرا رہا ہے۔ اس وقت تک میرے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہوتا رہے گا۔ یہ شمع جس کو میں نے خود روشن کیا ہے۔ تند و تیز طوفانوں کے باوجود ہمیشہ نور افشاں رہے گی۔ فنا تو وہ ہوگا، نام ونشان تو اس کا مٹے گا۔ جڑ تو اس کی کٹے گی جس کے دل میں میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت ہوگی۔ (ضیاء القرآن)

کیا ہی اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے خوب کہا ہے۔

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعداء تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

اب آیئے کہ اس مختصر اور جامع سورۃ پاک میں اللہ تعالیٰ نے حضور رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کے محامد و کمالات، بے حد و بے حساب نوازشات اور عنایات کو بیان کیا ہے۔ اس کی ایک جھلک دیکھ لیں۔ اگرچہ ان کا بیان اور وضاحت انسانی طاقت سے باہر ہے، لیکن میں علمائے محققین اور فضلائے ربانیین نے جو اس کے معانی و مفاہیم بیان فرمائے ہیں۔ ان کی زبانی ان کی تفسیر بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ بے کس پناہ میں التجاء ہے کہ وہ مجھے اس سورۃ پاک کے سمجھنے اور تمام اہل اسلام کو سمجھانے کی توفیق عطا فرمائے، اور انہیں اللہ تعالیٰ اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق سے نوازے۔ مختصر بات تو یہ ہے کہ یہ سورۃ طیبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعریف و توصیف میں نازل ہوئی۔ اور یہ تعریف و توصیف اللہ تعالیٰ نے ہی اپنے محبوب کی بیان فرمائی ہے۔

کیونکہ وہی جانتا ہے کہ اس نے اپنے محبوب کو کن عظمتوں، شانوں اور کمالات سے نوازا ہے۔ وہی اس کا حق ادا کر سکتا ہے۔ اب آیئے اس کی وضاحت سماعت فرمایئے۔

حضور ﷺ کی شانیں بیان کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا اپنا ذکر کرنے کی حکمت

اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن کی تلاوت کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور آپ نے غور وفکر کیا تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہر وہ آیت جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی شان بیان فرمائی۔ اور جو عظمتیں اور کمالات عطا فرمائے ہیں۔ خواہ وہ کسی سپارہ میں یا کسی رکوع میں یا کسی آیت میں ہوں۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنا ذکر فرمایا اور اس کے بعد اپنے محبوب کو عطا کردہ شانوں اور نوازشات کا ذکر کیا۔ آپ کو کوئی ایسی آیت نہیں ملے گی جس میں یہ اسلوب اختیار نہ کیا گیا ہو۔ مثلاً ارشاد فرمایا: إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا الخ کہ ہم نے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر نبوت کا تاج رکھا اور ہم نے ہی آپ کو تمام صداقتوں کا گواہ بنایا اور جنت کی خوشخبریاں دینے والا۔ دوزخ سے ڈرانے والا اور چمکتا ہوا چراغ بنایا۔ جس سے ایک چراغ نہیں کروڑوں چراغ روشن فرمائے اور ایک دوسری جگہ فرمایا: هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ کہ میں قدرتوں والے رب قدیر ہی نے اس نبی کو رسالت کی خلعت فاخرہ عطا فرما کر دنیا کی طرف بھیجا اور اس یتیم مکہ کو ہم نے ہی ہدایت کا چراغ عطا فرمایا اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ وہ اس دین قیم کو تمام دینوں پر غالب کر دے۔ اور اس طرح اس ارشاد گرامی میں بھی پہلے اپنا ذکر فرمایا: وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ کہ ہم نے ہی آپ کو سارے جہانوں کے لئے سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ انداز کیوں اختیار فرمایا کہ پہلے اپنا ذکر کیا پھر مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بیان فرمائی۔ جہاں تک میں نے غور کیا ہے تو اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس میں دو حکمتیں ہیں۔

۱۔ کہ میں نے جو اپنے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عظمتیں عطا فرمائی ہیں وہ غیر

محدود ہیں اور انسانی عقل کو حیران کر دیتی ہیں کیونکہ اس کی عقل محدود ہے وہ غیر محدود کا اندازہ کیا لگا سکتی ہے۔ کہ کہیں ایسا نہ ہو۔ کوئی عقل کا اندھا اور علم کا دعویٰ کرنے والا ان عظمتوں اور شانوں کو دیکھ کر ان کا انکار ہی کر دے اگر کسی کے ذہن میں ان کے انکار کرنے کا فاسد خیال پیدا ہو تو پہلے وہ میری قدرت کا انکار کرے اور میری شان عطا کو تسلیم نہ کرے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود ان عظمتوں کا یہ دعویٰ نہیں کیا کہ یہ سب کرامات اور نوازشات میری ذاتی ہیں بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ عطا کرنے والا ہے جو خالق کائنات ہے اور جو علیم، حکیم، مدبر اور قدیر ہے۔ اس لئے آپ کی شانوں کا انکار کرنا اس کی قدرت حکمت اور علم کا انکار کرنا ہوگا اور یہ کفر ہے۔ دوسری حکمت یہ ہے۔

۲- کہ کوئی عقل کا اندھا میرے محبوب کی شان رفیع کو دیکھ کر اور ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۝ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی کا مرتبہ دیکھ کر، چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا مشاہدہ کر کے اور ڈوبے ہوئے سورج کو واپس کرنے والی شان کو دیکھ کر آپ کو خدا یا خدا کا بیٹا نہ کہنا شروع کر دے۔ کیونکہ یہ تمام عظمتیں اور شانیں میں نے عطا فرمائی ہیں اہل دنیا کا عقل چونکہ محدود ہے اس لئے وہ کوئی ایسی بات جو خلاف عادت کسی سے صادر ہوا سے دیکھ کر خدا کا بیٹا یا خدا کہہ دیتے ہیں اور یہی شرک ہے نعوذ باللہ من ذلک۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو معجزات عطا فرمائے۔ جن کو قرآن کریم میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

اَنِّیْ قَدْ جِئْتُکُمْ بِاٰیَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ ۙ اَنِّیْۤ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَۃِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَکُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا تَاْکُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِیْ بُیُوْتِکُمْ ۭ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ (آل عمران)

"(وہ انہیں آکر کہے گا کہ) میں آ گیا ہوں تمہارے پاس ایک معجزہ لے کر تمہارے رب کی طرف سے (وہ معجزہ یہ ہے کہ) میں بنا دیتا ہوں تمہارے لئے

کیچڑ سے پرندے کی سی صورت۔ پھر پھونکتا ہوں اس (بے جان صورت) میں تو وہ فوراً ہو جاتی ہے پرندہ اللہ کے حکم سے اور میں تندرست کر دیتا ہوں مادر زاد اندھے کو اور (لاعلاج) کوڑھی کو اور میں زندہ کرتا ہوں مردے کو اللہ کے حکم سے اور بتلاتا ہوں تمہیں جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ تم جمع کر کے رکھتے ہو اپنے گھروں میں۔ بے شک ان معجزوں میں (میری صداقت کی) بڑی نشانی ہے تمہارے لئے اگر تم ایماندار ہو"۔ (جمال القرآن)

تو عیسائیوں نے آپ کو خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا۔

اسی طرح حضرت عزیر علیہ السلام کو جب یہود نے دیکھا کہ وہ سو سال مردہ رہنے کے بعد زندہ ہو کر واپس تشریف لائے ہیں تو قوم نے انہیں پہچاننے سے انکار کر دیا۔ اور کہنے لگے یہ تو سو سال پرانی باتیں ہیں۔ ہم انہیں کیسے تسلیم کریں۔ تو جب آپ نے پر اصرار انداز میں یہ بیان فرمایا کہ میں عزیر ہی ہوں تو انہوں نے کہا کہ حضرت عزیر علیہ السلام کو تورات یاد تھی اگر آپ وہ ہمیں سنا دیں تو ہم تسلیم کرلیں گے کہ آپ ہی عزیر ہیں تو آپ نے ان کے مطالبے پر تورات پڑھ کر سنانا شروع کر دی اور اس میں آپ کی قوم نے زبر زیر کا فرق نہ پا کر یہ کہہ دیا کہ عزیر علیہ السلام تو (نعوذ باللہ) خدا کے بیٹے ہیں لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تو اللہ تعالیٰ نے اتنی بے پناہ عظمتیں عطا فرمائی ہیں کہ انہیں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اور آپ کی شانیں ایک سے ایک اعلیٰ اور ایک سے ایک ارفع ہے لہٰذا یہ خدشہ تھا۔ کہ کہیں لوگ آپ کی ان رعنائیوں اور دلربائیوں کو دیکھ کر خدا یا خدا کا بیٹا ہی نہ کہنا شروع کر دیں۔ اس لئے پہلے اپنا ذکر فرمایا کہ یہ سب کچھ تو اسے میں عطا کرنے والا ہوں۔ جو ارض و سماء کا مالک ہوں۔ اور جس کی قدرت کے نشانات عروس گیتی پر ستاروں کی طرح چمک رہے ہیں اس نے آپ کو یہ عظمتیں عطا فرمائی ہیں اس لئے فرمایا إِنَّآ أَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ کہ ہم نے ہی آپ کو کوثر عطا فرمایا۔ کسی اور نے یہ نہیں عطا فرمایا۔ بلکہ میں جو زمین کا عرش کا خالق ہوں پستی اور بلندی کا مالک ہوں ہر چیز نوری ہو یا خاکی۔ میرے کُن کے کلمہ سے معرض وجود میں آ جاتی ہے یہ

سب رعنائیاں تو میں نے عطا کی ہیں۔ اب آئیے اس سورت طیبہ میں بیان کردہ ان عنایات کا تذکرہ کریں۔ جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں۔ علامہ نیشاپوری اس کی وضاحت کرتے ہوئے اپنی تفسیر میں اس طرح لکھتے ہیں کہ سب سے پہلی آیت میں گوناگوں مبالغہ ہے۔

(۱) اس آیت پاک کا آغاز لفظ اِنَّ سے کیا گیا ہے جو ثبات اور تاکید پر دلالت کرتا ہے۔ (۲) اس کے بعد "نَا" ضمیر جمع متکلم کی ذکر فرمائی ہے جو عظمت اور تعظیم کا مفہوم ظاہر کرتی ہے۔ (۳) یہاں اَعْطَیْنٰکَ صیغہ ماضی کا ذکر فرمایا ہے۔ جو اعطاء سے مشتق ہے۔ اٰتینَا ذکر نہیں کیا جو اِیْتَاءٌ سے مشتق ہے۔ کیونکہ اعطاء کا معنی ہے کہ کسی کو کوئی چیز دے کر اس کا مالک بنا دیا جائے اور ایتاء کا معنی بھی دینا ہے لیکن اس میں تملیک کا معنی نہیں پایا جاتا۔ (۴) یہاں ماضی کا صیغہ ذکر فرمایا ہے جو کسی کام کے تحقق اور وقوع پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی یہ کام ہو گیا ہے۔ اس طرح علامہ محمود آلوسیؒ نے بھی اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہاں اعطاء کو ضمیر متکلم کی طرف منسوب کیا گیا ہے نہ کہ اِیْتَاءٌ کو۔ اس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کوثر یعنی بہت ہی زیادہ کا مالک بنا دیا ہے۔ کیا شان جود و سخا ہے دینے والے کی اور کیا مقام رفعت و علا ہے لینے والے کا۔

کوثر کا معنی اور صیغہ

علامہ آلوسی نے الکوثر کے لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے اس طرح لکھا ہے کہ اَلْکَوْثَر۔ کثرت سے مشتق ہے اور فَوْعَلٌ کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے اس کا معنی ہے کہ کسی چیز کا اتنا کثیر ہونا کہ اس کا اندازہ نہ لگایا جا سکے علامہ قرطبی نے بھی کچھ اسی قسم کی وضاحت فرمائی ہے وہ لکھتے ہیں کہ جو چیز تعداد میں قدر و قیمت میں اور اپنی اہمیت کے لحاظ سے بہت زیادہ ہو اس کو کوثر کہتے ہیں۔ تو گویا اللہ تعالیٰ نے کوثر کے اس ایک کلمہ میں ان تمام عنایات اور خوبیوں کو سمو کر رکھ دیا ہے جو اس نے اپنے محبوب کو عطا فرمائی ہیں۔ تاکہ چشم حق بین حسن محمدی کے ایک ایک جلوے کو دیکھتی رہے اور سرشار ہوتی رہے اور اس پیکر جمیل کی رعنائیوں اور دلربائیوں کا مشاہدہ کرنے میں کھوئی رہے۔ دل اس حسن سرمدی کی دلنوازیوں

پر قربان ہوتے رہیں۔ اس محبوب کی ایک ایک ادا جان پرور ہے اس کا ایک ایک انداز روح افزاء ہے۔ زبان قدرت جب اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بیان فرماتی ہے تو وہاں اسلوب ہی نرالا اختیار کیا جاتا ہے۔ انداز تکلم بدل جاتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو بے شمار عنایات سے نواز کر ان کا مالک و مختار بنا دیا ہے۔ اور آپ کو یہ اختیار بھی دے دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ان بے شمار خزانوں میں سے جسے چاہیں۔ جو چاہیں، جتنا چاہیں عطا فرمائیں۔ یہ تو ہر کسی کی اپنی ہمت ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر فیض حاصل کر سکتا ہے۔ صاحب قصیدہ بردہ ؒ نے اس حقیقت کو اس طرح ظاہر فرمایا ہے۔

وَ كُلُّهُمْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ مُلْتَمِسٌ

غَرْفًا مِنَ الْبَحْرِ اَوْ رَشْفًا مِنَ الدِّيَمِ

فَهُوَ الَّذِیْ تَمَّ مَعْنَاهُ وَ صُوْرَتُهٗ

ثُمَّ اصْطَفٰهُ حَبِيْبًا بَارِئُ النَّسَمِ

"تمام انبیاء کرام بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بحر کرم سے چلو بھر رہے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ابر رحمت سے ہونٹ تر کر رہے ہیں۔ یہی وہ ذات اقدس ہے جس کا ظاہر و باطن مکمل ہے۔ پھر کائنات کے خالق نے اس سراپا حسن و خوبی کو اپنا حبیب منتخب فرمایا ہے"۔

اللہ تعالیٰ کے محبوب کی ملکیت میں زمین و زماں، مکین و مکاں، جنت اور حور و غلماں ہر چیز دے دی ہے۔ اور آپ اسے مخلوق خدا میں تقسیم فرما رہے ہیں۔ اس ضمن میں ایک واقعہ پیش کرتا ہوں۔

جنت میں محل عطا کرنے کا اختیار

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں منقول ہے کہ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام طواف کرنے کے لئے مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ اس وقت آپ کی معیت میں کم و بیش دس ہزار غلام تھے۔ تو آپ نے محسوس فرمایا کہ بیت اللہ شریف کے گرد طواف کرنے کی جگہ

تنگ ہے اور لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے تو اس کی تنگی کی وجہ سے بیت الحرام کی مسجد وسیع کرنے کی ضرورت ہے، ایک آدمی کا خانہ کعبہ کے قریب مکان تھا۔ آپ نے مکان کے مالک کو بلایا اور اسے فرمایا کہ اپنا یہ مکان جنت میں ایک محل کے بدلے مجھے دے دو۔ وہاں اس سے کئی درجہ زیادہ خوبصورت اور اچھا محل عطا کروں گا تو اس نے معذرت کی اور عرض کی کہ آپ مہربانی فرمائیں یہ مکان میرے پاس ہی رہنے دیں۔ میں غریب آدمی ہوں۔ میرا اور کوئی ٹھکانہ نہیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے مجبور نہ فرمایا کیونکہ آپ سراپا رحمت بن کر تشریف لائے تھے۔ اور خاموش ہو گئے۔ یہ بات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گوش نواز ہوئی تو آپ اسی وقت اس آدمی کے پاس تشریف لے گئے۔ اور آپ نے درہموں کی بھری ہوئی تھیلی بھی اپنے ساتھ لے لی اور اسے کہا اس مکان کے منہ مانگے دام مجھ سے لے لو۔ اور مجھے یہ فروخت کر دو چنانچہ اس نے وہ مکان تین ہزار درہم میں آپ کے ہاتھ فروخت کر دیا اور آپ نے اس سے وثیقہ لکھوالیا اور وہ وثیقہ لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ عرض کی۔ اے اللہ تعالیٰ کے محبوب! کیا جنت میں محل عطا کرنے کا وعدہ اس مذکور شخص کے ساتھ خاص ہے یا وہ کسی اور کو بھی عطا کیا جا سکتا ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا أنا لها، أنا لها ہاں میرا یہ وعدہ ہر اس آدمی کے ساتھ ہے جو یہ مکان مجھے دے دے۔ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ مکان میں نے خرید لیا ہے اور میں اسے مسجد حرام کی توسیع کے لئے آپ کی خدمت اقدس میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جنت میں محل عطا کرنے کی میں تمہیں بشارت دیتا ہوں۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ جن کے ایمان کی گواہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دی اور جنت میں محل کی خوشخبری سنائی۔ آج بے دین لوگ انہی کے ایمان میں شک کرتے ہیں۔ وہ عثمان رضی اللہ عنہ جس کا بازو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پکڑ لیا اور انہیں جنت میں داخل ہونے کی نوید جانفزا سنا دی بھلا اسے کون چھڑا سکتا ہے اور کون اسے اس سعادت عظمیٰ سے محروم کر سکتا ہے۔

علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث شریف کے ضمن میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جنت میں محل عطا کرنا اس لئے تھا کہ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی مَلَّکَہُ الْجَنَّۃَ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جنت کا مالک بھی بنادیا ہے اور اپنے غلاموں کو عطا کرنے کا اختیار بھی دے دیا ہے۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

آیت میں موصوف ذکر نہ کرنے کی حکمت

یہاں الکوثر کا لفظ ذکر فرمایا ہے اور کوثر فَوْعَلٌ کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے جو صفت کا معنی ظاہر کرتا ہے اور یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ صفت موصوف کے بغیر نہیں ہوتی تو یہاں اللہ تعالیٰ نے صفت ذکر فرمائی ہے۔ موصوف ذکر نہیں فرمایا۔ علمائے کرام نے اس کی یہ وجہ ذکر فرمائی ہے۔ کہ اس آیت طیبہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو جو عنایات عطا فرمائی ہیں اور وافر مقدار میں عطا کی ہیں۔ جن کو انسانی عقل نہ شمار کر سکتی ہے اور نہ ہی ان کا احاطہ کر سکتی ہے۔ تو اگر یہاں کوئی ایک موصوف ذکر کر دیا جاتا تو فعل اس کے ساتھ خاص ہو کر رہ جاتا۔ اور ہر کوئی یہ سمجھتا کہ یہ مذکور چیز تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت زیادہ عطا فرمائی ہے۔ لیکن اس کے علاوہ تھوڑا تھوڑا عطا فرما کر اپنے محبوب کو خوش کر دیا ہے۔ تو اس طرح اللہ تعالیٰ کے محبوب کی عظمتیں، کمالات اور شانیں مستور ہو کر رہ جاتیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو صرف ایک یا دو چیزیں ہی زیادہ عطا نہیں فرمائیں۔ بلکہ جن فضائل و کمالات، رعنائیوں اور دلربائیوں سے نوازا ہے وہ مخلوق کے مقابلہ میں بے حد و بے حساب ہیں علم فرمایا تو اس کی حد نہیں۔ حسن و جمال عطا فرمایا تو اس کی مثال نہیں۔ اخلاق و عادات عطا فرمائے تو انہیں عظیم کہا۔ کیا ہی کسی شاعر نے خوب کہا ہے۔

تیرے خلق کو حق نے عظیم کہا، تیری خلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا، تیرے خالق حسن و ادا کی قسم

علم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام کمالات عطائی ہیں اس رب قدیر نے عطا فرمائے ہیں۔ جس نے کلمہ کن کے ساتھ اس پوری کائنات کو عدم سے وجود عطا فرمایا۔ اسی خالق کائنات نے اپنے محبوب کو بھی بے پناہ علم عطا فرمایا ہے۔ آیئے اس کی ایک جھلک دلائل کی روشنی میں ملاحظہ کریں۔

کوثر یہ صفت ہے۔ اور اس سے پہلے اگر علم موصوف محذوف مان لیں تو معنی یہ ہوگا کہ ہم نے آپ کو بہت ہی زیادہ علم عطا فرمایا اگرچہ مفسرین کرام نے کوثر کا معنی متعین کرتے ہوئے متعدد چیزیں ذکر کی ہیں۔ مثلاً قرآن کریم، امت کثیرہ، حوض کوثر، نبوت، دین اسلام، مقام محمود وغیرہ لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کوثر کا معنی الخیر الکثیرہ یعنی خیر الکثیر ذکر فرمایا ہے۔ ان تمام کی تفصیلات بیان کرنا طوالت کا باعث ہوگا اس لئے میں اس وعظ میں صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم، حسن اور جود وسخا کے متعلق کچھ چیزیں عرض کرتا ہوں۔ امید ہے ان کا ذکر کرنا تسلی کا باعث ہوگا لیکن یہ یاد رکھئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم اور تمام کمالات کو اللہ تعالیٰ کے علم محیط اور کمالات کے ساتھ اتنی نسبت بھی نہیں جتنی پانی کے ایک قطرہ کو دنیا بھر کے سمندروں سے ہے لیکن آپ کا یہ حادث عطائی اور محدود علم اتنا محدود بھی نہیں جتنا بعض حضرات نے سمجھ رکھا ہے اس کی وسعتوں کو یاد رہنے والا جاتا ہے یا لینے والا، آیئے سماعت فرمائیں۔

نمبر ا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔

اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ کچھ سکھا دیا جو آپ نہیں جانتے تھے۔

بعض علمائے کرام اس سے صرف علم شریعت مراد لیتے ہیں۔ حالانکہ اس سے ماقبل آیت میں اللہ تعالیٰ نے کتاب اور حکمت اتارنے کا ذکر فرمایا ہے جس میں شریعت اور اس کے لوازمات کا علم آ جاتا ہے۔ اس لئے وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ میں ان مذکورہ بالا کے علاوہ اور علم ہوگا جو سکھایا گیا ہے اور وہ ما کان وما یکون اور ما ھو کائن کا علم ہے۔

نمبر ۲:　　تفسیر خازن میں ایک حدیث شریف ذکر کی گئی ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ کہ میرے سامنے میری امت اپنی صورتوں میں پیش کی گئی اور مجھے بتایا گیا کہ کون مجھ پر ایمان لانے کا شرف حاصل کرے گا اور کون میرے ساتھ کفر کر کے جہنم رسید ہوگا تو منافقین جو اس قسم کی باتوں کی تاڑ میں رہتے تھے۔ جب انہوں نے یہ خبر سنی تو وہ استہزاء کرتے ہوئے کہنے لگے کہ دیکھو آپ یہ گمان کر رہے ہیں کہ انہیں معلوم ہے قیامت تک آنے والوں میں سے کون ایمان کی دولت سے مالا مال ہوگا اور کون میرے ساتھ کفر کرے گا۔ حالانکہ ہم صبح و شام آپ کے پاس ہوتے ہیں۔ اور آج تک ہمارا پتہ نہیں چل سکا کہ ہم مومن ہیں۔ یا کافر۔ ان کی یہ بات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچی آپ کا چہرہ مبارک غصہ سے سرخ ہو گیا۔ اور آپ نے صبح کی نماز سے فراغت کے بعد مسجد نبوی میں منبر بچھانے کا حکم دیا۔ آپ اس پر کھڑے ہو گئے اور وعظ کرنا شروع کیا۔ آپ نے صبح سے لے کر ظہر کی نماز تک وعظ فرمایا، ظہر کی نماز ادا کرنے کے لئے منبر سے نیچے تشریف لائے۔ نماز سے فراغت کے بعد دوبارہ منبر پر تشریف لے گئے اور وعظ فرمانا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ عصر کی نماز کا وقت ہو گیا تو آپ نے منبر سے اتر کر عصر کی نماز ادا فرمائی، پھر منبر پر تشریف لے گئے۔ شام تک وعظ فرماتے رہے۔ اور آپ نے فرمایا اِسْئَلُوْنِیْ مَا شِئْتُمْ۔ مجھ سے پوچھو جو تم چاہتے ہو۔ اور آپ یہ کلمات بار بار دہراتے رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کو جلالی کیفیت میں دیکھ کر گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے۔ دست بستہ عرض کی فَاعْفُ عَنَّا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ اے اللہ تعالیٰ کے رسول ہمیں معاف فرما دیجئے رَضِیْنَا بِاللّٰہِ رَبًّا وَ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَ بِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا۔ یا رسول اللہ ہمیں معاف فرمائیے۔ تو آپ نے پر جلال انداز میں فرمایا۔ مَا بَالُ قَوْمٍ طَعَنُوْا فِیْ عِلْمِیْ اس قوم کا کیا حال ہوگا جنہوں نے میرے علم پر اعتراض کیا۔ فَھَلْ اَنْتُمْ مُنْتَھُوْنَ کیا تم اعتراض کرنے سے باز نہیں آؤ گے فَھَلْ اَنْتُمْ مُنْتَھُوْنَ کیا تم اعتراض کرنے سے باز نہیں آؤ گے۔

اس اثناء میں حضرت عبداللہ ابن حذافہ رضی اللہ عنہما اٹھے اور عرض کی یارسول اللہ مَنْ اَبِیْ۔ میرا باپ کون ہے۔ کیونکہ لوگ آپ کے نسب میں شک کرتے تھے۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تیرا باپ حذافہ ہی ہے۔ یہ ایک ایسا راز ہے۔ جو حقیقی باپ کو بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اس میرے بیٹے نے میرے ہی نطفہ سے جنم لیا ہے یا اس کی والدہ خیانت کی مرتکب ہوئی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو ایسی باتوں سے بھی آگاہ فرمادیا تھا اور آپ کا یہ فرمانا۔ علم یقینی کی بنا پر تھا۔ یہ ظن نہیں تھا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس طویل ترین خطبہ میں ابتدائے خلق سے لے کر انتہائے خلق تک جو کچھ ہوا، جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ ہوگا اس کو کھول کر بیان فرمادیا۔ اور ہم میں سب سے زیادہ عالم وہ شخص ہے جس کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ خطبہ زیادہ یاد ہے۔

(تفسیر خازن)

اس حدیث شریف سے دو باتیں واضح ہو جاتی ہیں۔ نمبر (۱) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم عطائی کی وسعت، نمبر (۲) کہ آپ کے علم پر اعتراض کرنا آپ کے غصہ کا باعث بنتا ہے۔ کیونکہ جب منافقین کا یہ لغو اعتراض آپ نے سنا تو آپ کا چہرہ مبارک غصہ سے سرخ ہو گیا۔ حالانکہ آپ حلم و تحمل، وقار و بردباری کا ایک پہاڑ ہیں۔ آپ کو طرح طرح سے ستایا گیا لیکن آپ نے کبھی بھی اس طرح جلال کا مظاہرہ نہیں فرمایا۔

نمبر ۳: علامہ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث قدسی ذکر فرمائی ہے۔ جس کے متعلق امام ترمذی لکھتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور فرماتے ہیں کہ میں نے اس کے متعلق امام بخاری سے پوچھا تو آپ نے فرمایا ھذا حدیث صحیح۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن صبح کی نماز کا وقت تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم معمول کے مطابق تشریف نہ لائے۔ قریب تھا کہ سورج طلوع ہو جائے پھر حضور تیزی سے تشریف لائے۔ تکبیر ہوئی حضور نے نماز پڑھائی۔ سلام کے بعد ارشاد فرمایا۔ عَلٰی مَصَافِّکُمْ اپنی صفوں پر بیٹھے رہو۔ پھر آپ

ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ میں تمہیں دیر سے آنے کی وجہ بتاتا ہوں میں آج رات ذکر الٰہی میں کھڑا ہوا جتنا مقدور تھا۔ اتنی نماز پڑھی پھر مجھے نماز میں ہی نیند آ گئی۔ یہاں تک کہ مجھے گرانی محسوس ہونے لگی پھر میں کیا دیکھتا ہوں کہ میرا رب کریم بڑی پیاری شان کے ساتھ تشریف فرما ہے۔ اور فرمایا یا محمد میں نے عرض کی لَبَّیْکَ یَا رَبِّیْ اے میرے رب میں حاضر ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا۔ یہ آسمان کے فرشتے کس بات میں جھگڑ رہے ہیں۔ میں نے عرض کی میں نہیں جانتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنی ہتھیلی میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھی میں نے ان کی انگلیوں کی ٹھنڈک کو اپنے سینے میں پایا۔ فَتَجَلّٰی لِیْ کُلُّ شَیْئٍ۔ اس کی برکت سے میرے لئے ہر چیز روشن ہوگئی اور میں نے اس کو پہچان لیا۔ دوسری روایت میں ہے۔ فَعَلِمْتُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی جو کچھ زمینوں اور آسمانوں میں تھا۔ میں نے اسے جان لیا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر فرمایا۔ یا محمد میں نے عرض کی حاضر ہوں۔ پوچھا آسمان کے فرشتے کس بات پر جھگڑ رہے ہیں۔ میں نے عرض کی درجات اور کفارات میں اللہ تعالیٰ نے پوچھا درجات کیا ہیں۔ میں نے عرض کی۔ اِطْعَامُ الطَّعَامِ وَاِفْشَاءُ السَّلَامِ وَالصَّلٰوۃُ بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ کہ کھانا کھلانا، سلام پھیلانا اور رات کے وقت جب لوگ سو رہے ہوں۔ اس وقت اٹھ کر نماز پڑھنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ نے سچ کہا ہے۔ اب بتاؤ۔ کفارات کیا ہیں۔ میں نے عرض کی اِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ فِی الْمَکَارِہِ وَاِنْتِظَارُ الصَّلٰوۃِ بَعْدَ الصَّلٰوۃِ - وَنَقْلُ الْاَقْدَامِ اِلَی الْجَمَاعَۃِ۔ کہ تکلیف کی حالت میں بھی مکمل وضو کرنا۔ اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا۔ جماعت میں شریک ہونے کے لئے چل کر جانا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محبوب! تو نے سچ کہا۔ اب مانگو جو مانگنا چاہتے ہو۔ تو میں نے عرض کی:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ وَتَرْکَ الْمُنْکَرَاتِ وَ حُبَّ الْمَسَاکِیْنِ وَاَنْ تَغْفِرَلِیْ وَتَرْحَمَنِیْ وَاِذَا اَرَدْتَ بِعِبَادِکَ فِتْنَۃً فَاقْبِضْنِیْ اِلَیْکَ غَیْرَ مَفْتُوْنٍ - اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ حُبَّکَ وَ

حُبَّ مَنْ اَحَبَّکَ وَ حُبَّ عَمَلٍ یُقَرِّبُنِیْ اِلٰی حُبِّکَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَعَلَّمُوْ ھُنَّ وَ اَدْرِسُوْ ھُنَّ فَاِنَّھُنَّ حَقٌّ۔

''الٰہی میں تجھ سے نیک کام کرنے کی، برے کاموں کو چھوڑنے کی اور مسکینوں سے محبت کرنے کی توفیق مانگتا ہوں۔ اور میں التجا کرتا ہوں کہ تو مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور جب اپنے بندوں کو تو کسی فتنہ میں مبتلا کرنا چاہے تو مجھے فتنہ سے بچا کر اپنی طرف بلا لے۔ اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ مجھے اپنی محبت عطا فرما۔ اور جو تجھ سے محبت کرتا ہے اس کی محبت عطا فرما، اس کام کی محبت عطا فرما جو مجھے تیری محبت کے قریب کر دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو فرمایا۔ دعا کے یہ فقرے تم بھی سیکھ لو اور لوگوں کو سکھاؤ، کیونکہ یہ حق ہے''۔ (ضیاء القرآن شریف)

بعض روایات میں جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے یا محمد کہہ کر پکارا تو اس کو تین دفعہ دہرایا گیا ہے۔ یعنی اللہ نے فرمایا یا محمد تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کی اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ پھر رب نے فرمایا یا محمد تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کی اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ پھر رب نے فرمایا یا محمد تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کی اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ۔ علماء فرماتے ہیں کہ اس بار بار بلانے میں کیا حکمت ہے۔ وہ لکھتے ہیں چونکہ اللہ تعالیٰ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ از حد محبت ہے اور جس کے ساتھ محبت ہوتی ہے اس کا نام بار بار زبان پر لانا محبوب ہوتا ہے۔

مولانا روم لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ جنگل میں کسی نے مجنوں کو دیکھا کہ وہ وہاں تنکوں کے ساتھ لیلیٰ لیلیٰ لکھ رہا تھا۔ تو دیکھنے والے نے کہا۔ اے دیوانے۔ یہ کیا لکھ رہے ہو۔ تو اس نے جواب دیا'' نام لیلیٰ نقش می کنم و تسلی خاطر خود می دہم'' کہ میں نام تو لیلیٰ کا لکھ رہا ہوں لیکن اپنے دل کو تسلی دے رہا ہوں۔

حسن مصطفی ﷺ

اگر کوثر سے پہلے حسن موصوف محذوف مانیں تو معنی یہ ہوگا کہ حسن عطا فرمایا تو بے

مثال عطا فرمایا۔ اور اتنا عطا فرمایا جس کو الفاظ میں بیان کرنا ہمارے لئے ممکن نہیں۔ اس لئے ہم ان حضرات کی زبانی ہی کچھ عرض کرتے ہیں جنہوں نے اپنی آنکھوں کے ساتھ حسن کے جلوے دیکھے ہیں۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصیدہ خوان تھے۔ وہ عرض کرتے ہیں۔

وَاَجْمَلُ مِنْکَ لَمْ تَرَقَطُّ عَیْنِی
وَ اَحْسَنُ مِنْکَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ

"کہ آپ جیسا حسین و جمیل آج تک میری آنکھ نے دیکھا تک نہیں بلکہ آپ جیسا حسین و جمیل تو آج تک کسی ماں نے جنا ہی نہیں"۔

حضرت علامہ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اپنی سنن میں ایک حدیث شریف روایت کرتے ہیں:

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْه – قَالَ مَا بَعَثَ اللّٰهُ نَبِیًّا اِلَّا حَسَنَ الوجْهِ، حَسَنَ الصوتِ وَکَانَ نَبِیُّکُمْ اَحْسَنَهُمْ وَجْهًا وَاَحْسَنَهُمْ صَوْتًا

"کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام کو خوبصورت چہرے والا اور خوبصورت آواز والا بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ لیکن تمہارا نبی ان تمام سے ازروئے چہرہ خوبصورت اور ان تمام سے آزروئے آواز حسین ہے۔ اسی چیز کے پیش نظر کسی نے اپنے دل کی آواز اس طرح بلند کی"۔

سارے جہاں کے خوبرو تیری قسم تیرے سوا
جچتے نہیں نگاہ میں ، میں اپنی نظر کو کیا کروں

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ کہ ہم نے آپ کو جو کچھ عطا فرمایا وہ بہت ہی زیادہ دیا اور فرمایا:

کہ اے محبوب! ہر شان دینے والا اور رتبے عطا فرمانے والا۔ ساری کائنات کے

لئے رحمت بنانے والا میں رب قدیر ہوں کوئی انکار کرے تو کیوں، کسی کا دل جلے تو کیوں؟ جلنے والے جلتے رہیں۔ انکار کرنے والے انکار کرتے رہیں۔ تیری عظمتوں اور تیری شانوں میں اضافہ ہی ہوتا رہے گا۔ اور آپ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى کا مصداق بنتے ہی رہیں گے۔

جود وسخا، حلم و بردباری اور جذبہ خیر خواہی۔ جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں کسی انسان میں یہ طاقت نہیں کہ ان کو کما حقہ بیان کر سکے۔

جودوسخا

اللہ تعالیٰ نے آپ کو جود و سخا اتنا عطا فرمایا جس کی مثال پیش کرنا ممکن ہی نہیں۔ خالق کائنات نے ارشاد فرمایا کہ اے میرے محبوب! ولا تبسط یدک کل البسط (سخاوت کرتے ہوئے) اپنا ہاتھ پورے طریقے سے نہ پھیلائیے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ اتنی سخاوت فرمایا کرتے تھے کہ انہیں افلاس کا کوئی خدشہ نہیں ہوتا تھا۔ خصوصاً رمضان شریف کے مہینے میں سمندر کی لہروں سے بھی آپ کی سخاوت زیادہ ہوتی تھی۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ عرض کرتا ہوں۔ بحرین سے بہت سارا مال غنیمت آیا اور آپ نے مسجد نبوی میں بیٹھ کر اسے تقسیم فرمانا شروع کر دیا۔ صبح سے عصر تک تقسیم فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ جب سارا مال تقسیم ہو گیا۔ ایک اعرابی آیا اس نے دست سوال دراز کرتے ہوئے عرض کی کہ اے اللہ تعالیٰ کے رسول! مجھے بھی عطا فرمائیے۔ تو آپ نے فرمایا تو بہت تاخیر سے آیا ہے۔ اب تو مال تقسیم ہو چکا ہے، تم ایسا کرو فلاں یہودی کے پاس چلے جاؤ۔ اس سے میرے نام پر جو ضرورت ہے وہ لے لو۔ میں اس کے دام ادا کر دوں گا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ آپ آئندہ مال غنیمت آنے تک وعدہ فرمالیں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنا مکلف تو نہیں بنایا کہ آپ قرض لے کر لوگوں کی ضروریات پوری کرتے رہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا۔ گویا آپ کو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی یہ

بات پسند نہ آئی۔ پاس ہی ایک اور صحابی بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! آپ لوگوں کی ضروریات پوری فرماتے رہیں افلاس وتنگدستی کا فکر نہ کریں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور خوشی سے کھل اٹھا۔ گویا کہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج کے مطابق بات کر کے خوش کر دیا۔

اختیار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ایک اور دلچسپ واقعہ سنیئے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام معراج پر تشریف لے گئے۔ تمام آسمانوں کو عبور کرتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ سے بلند ہوتے ہوئے اور عرش معلیٰ کو پیچھے چھوڑتے ہوئے۔ دَنَا فَتَدَلّٰی ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی کے مقام پر پہنچے اور اس خلوت گاہ میں تشریف فرما ہوئے۔ جہاں فرشتوں کے استاذ اور ان کے سردار جبرائیل امین بھی پہنچنے پر دل چھوڑ بیٹھے اور اس نے عرض کی۔

اگر یک سر موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

اور جہاں کوئی فرشتہ، کوئی مقرب نہیں پہنچ سکتا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس مقام قرب پر فائز ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اَنَا وَاَنْتَ وَمَا سِوَا ذٰلِکَ خَلَقْتُ لِاَجْلِکَ ایک میں ہوں اور ایک آپ ہیں۔ میں خالق اور تو مخلوق حاصل کائنات ہے۔ میں نے یہ زمین بھی اور اس میں جو درخت اور سبزہ اگایا گیا ہے یہ جو چشمے اس میں جاری کر دیئے گئے ہیں۔ یہ پہاڑ، ہوا، سورج، چاند ستارے، فرشتے اور عرش وکرسی، جنت اور اس کی بہاریں، سب کچھ تیرے لئے پیدا کی ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پذیرائی کی خلعت شرافت عطا کی گئی تو اللہ تعالیٰ کے اس مقبول رسول نے بھی اس کے جواب میں عرض کی۔ اَنْتَ وَاَنَا وما سوا ذلک تَرَكْتُهٗ لِاَجلکَ کہ ایک تو اور ایک میری ذات یہ جو کچھ بھی ہے میں نے تیرے لئے ترک کر دیا ہے۔

نہ مجھے بادشاہی کی ضرورت ہے نہ سیم وزر کی، نہ مال وثروت کی، اور نہ ہی حکومت کی

بلکہ میں جو چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ تیرا در ہو اور میرا سر ہو۔ اور ہر وقت میں تیری جناب میں سر بسجود رہوں۔ ایک تیری ذات اور ایک میں، تو میرا خالق اور میں تیری مخلوق، تو میرا معبود اور میں تیرا عابد، تو مالک میں مملوک اس کے علاوہ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں، یہ عجز و نیاز دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: إِنَّآ أَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ کہ اے محبوب! ہم نے آپ کو جو کچھ عطا فرمایا بے شمار عطا فرمایا، جس کی حد بندی کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔

ایک نکتہ کی وضاحت

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ تم الکوثر کا یہ معنی کر کے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو بے حد و بے حساب عطا فرمایا ہے، شرک کے مرتکب ہو جاتے ہو۔ العیاذ باللہ

اس سلسلہ میں میں یہ بات لکھنے میں ذرا باک محسوس نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو مملکت، حکومت، اختیار عطا فرمایا اس کے متعلق ارشاد فرمایا:

هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ

"(اے سلیمان) یہ ہماری عطا ہے بغیر حساب (کسی کو بخش کر) احسان کر چاہے اپنے پاس رکھ تم سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی"۔ (جمال القرآن)

اس آیت پاک سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بے حساب عطا فرمایا۔ دوسرا یہ کہ انہیں یہ اختیار دے دیا کہ جسے آپ چاہیں عطا فرمائیں۔ اور جس کو چاہیں آپ نہ دیں آپ سے اس معاملہ میں کوئی باز پرس نہ ہوگی۔ کیونکہ ان میں تصرف کرنے کا اختیار آپ کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ (مظہری)

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ یہ نعمتیں کلی طور پر ان کے حوالے کر دی گئی ہیں۔ (روح المعانی)

علامہ عثمانی اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں۔ یعنی کسی کو بخش دو یا نہ دو تم مختار ہو اس قدر بے حساب دیا اور حساب و کتاب کا مواخذہ بھی نہیں رکھا حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ یہ اللہ مہربانی کی کہ اتنی دنیا دی اور مختار کر دیا حساب معاف کر کے لیکن وہ کھاتے تھے

اپنے ہاتھ کی محنت سے ٹوکرے بنا کر۔ (حاشیہ عثمانی)

جب حضرت سلیمان علیہ السلام پر یہ کرم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بے حد و بے حساب عطا فرمایا ہے پھر اس میں تصرف کرنے کا اختیار بھی عطا کر دیا ہے۔ تو اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو سرمدی نعمتیں اور طرح طرح کے بے شمار خزانے عطا فرمائے ہیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ کے اذن سے کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم مختار نہیں ہوں گے؟ یہ کہنا بڑی جسارت ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان رفیع گھٹانے کے لئے اور خداداد اختیارات کا انکار کرنے کے جوش میں واضح آیات سے بھی اغماض کر لیا جاتا ہے اور آنکھیں بند کر لی جاتی ہیں اللہ تعالیٰ اس کور باطنی سے بچائے۔

(ضیاء القرآن)

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ بے کس پناہ میں دعا ہے کہ وہ ہمیں قرآن کریم سمجھنے اور سمجھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور اس میں بیان کردہ حقائق کو تسلیم کرنے اور ان کے مطابق عمل پیرا ہونے کی ہمت عطا فرمائے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سچی محبت اور عشق عطا فرمائے۔

(آمین ثم آمین)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا رَسُوْلِ اللّٰہِ الَّذِیْ اَعْطَاہُ رَبُّہٗ الْکَوْثَرَ کُلَّمَا ذَکَرَہُ الذَّاکِرُوْنَ وَ غَفَلَ عَنْ ذِکْرِہٖ الْغَافِلُوْنَ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا حُبَّہٗ وَاِتِّبَاعَہٗ وَاحْشُرْنَا فِیْ زُمْرَتِہٖ تَحْتَ لِوآءِ ہٖ وَاغْفِرْلَنَا وَلِوَالِدَیْنَا وَ ذُرِّیَتِنَا بِشَفَاعَتِہٖ – یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ یَا اکرم المسئولین

وما توفیقی الا باللّٰہ علیہ توکلتُ و الیہ اُنِیْبُ

چھپن واں وعظ

قیامت کی ہولناکیوں کا بیان

نحمدہ نصلی و نسلم علی رسولہٖ الکریم و علی الہٖ واصحابہٖ واتباعہٖ باحسانِ الیٰ یوم الدین

اَمّا بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۝ صدق اللہ مولانا العظیم۔

(سورۃ ابراہیم)

"(اے میرے نبی) ڈرائیے لوگوں کو اس دن سے جب آئے گا ان پر عذاب تو بول اٹھیں گے ظالم۔ اے ہمارے رب! ہمیں مہلت دے تھوڑی دیر کے لئے ہم تیری دعوت پر لبیک کہیں گے اور ہم رسولوں کی پیروی کریں گے۔ (اے کافرو) کیا تم قسمیں نہیں اٹھایا کرتے تھے اس سے پہلے کہ تمہیں یہاں سے کہیں جانا نہیں ہے"۔

یہ آیت طیبہ سورۃ ابراہیم کے آخری رکوع کی آیات میں سے ایک ہے۔ یہ سورۃ مبارکہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مکی دور کے اس سال میں نازل ہوئی جب کفار نے ہر قسم کے تعلقات کو نظر انداز کر دیا تھا اور بڑی شد و مد سے کھل کر اسلام کی مخالفت شروع کر دی تھی۔ اور آپ کی دعوت کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ اور طرح طرح کی دھمکیاں دینے لگ گئے تھے۔ یہاں تک کہ مکہ مکرمہ سے جبری نکال دینے کے منصوبے بنانے لگے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورۃ پاک مکی زندگی کے آخری دلوں میں نازل ہوئی۔ اور اہل مکہ وقوع قیامت کا تصور تک نہیں کرتے تھے۔ اور نہ ہی وہ

اس کی ضرورت محسوس کرتے تھے۔ اس آیت طیبہ میں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کفار کو جس پشیمانی کا سامنا ہوگا اس کی یاد اور اس کا احساس دلا کر آج اس دنیا میں انہیں تائب ہونے کی ترغیب دے رہا ہے اور انہیں فرمایا جا رہا ہے کہ توبہ کا ابھی دروازہ کھلا ہے توبہ کرو گے تو توبہ قبول ہوگی جب توبہ کا دروازہ بند ہو گیا۔ اس وقت سر پٹاؤ گے لیکن بے سود۔ وہ اس دن سراپا التجا بن کر عرض کریں گے ہمیں تھوڑی سی مہلت بخشی جائے۔ ہم اپنی گزشتہ غلطیوں کی تلافی کرلیں گے لیکن ان کی یہ التجا مسترد کردی جائے گی۔ اور انہیں ان کی وہ جاہلانہ اور متکبرانہ باتیں یاد دلا کر مزید رسوا اور شرمندہ کیا جائے گا کہ تم تو بڑی قسمیں اٹھا اٹھا کر کہتے تھے کہ قیامت کا دن کبھی نہیں آئے گا تم سے کوئی باز پرس نہیں کی جائے گی، اب بتاؤ کہاں گئیں وہ تمہاری قسمیں اور کدھر ہیں تمہاری ڈینگیں۔

اہل مکہ وقوع قیامت کا کیوں زور وشور سے انکار کرتے تھے۔ اس کی وجوہات کیا تھیں اس کے متعلق ضیاء القرآن شریف سے سورۃ نبأ کے تعارف کا ایک اقتباس پیش خدمت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات ویسے تو اہل مکہ کے لئے حیرت انگیز تھی۔ وہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنتے اور حضور کے اعمال کا مشاہدہ کرتے تو ان پر عجیب قسم کی سراسیمگی طاری ہو جاتی۔ سب سے زیادہ جس چیز نے انہیں پریشان کر رکھا تھا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد تھا کہ اس جہان رنگ و بو کے بعد ایک اور جہاں بھی ہے۔ اس چندروزہ زندگی کے بعد ایک ایسی زندگی بھی ہے جس کی انتہا نہیں۔ قیامت کے دن انہیں اور ان کے اباؤ اجداد کو قبروں سے نکال کر رب کائنات کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ اور وہاں ان سے ان کے چھوٹے بڑے اعمال کا حساب لیا جائے گا۔ ان کی عقل جس کی دقیقہ سنجی پر انہیں بڑا گھمنڈ تھا۔ اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے ہرگز تیار نہ تھی۔ ہزاروں صدیوں کی پہنائیوں میں ان کی مشت خاک کے بکھرے ہوئے ذرے کون جمع کرے گا اور پھر ان میں روح کیسے پھونکی جائے گی وہ اس مسئلہ پر شب و روز غور کرتے آپس میں بحث و تمحیص

کرتے۔ ان کی مجلسوں میں اس موضوع پر گرما گرم مذاکرے ہوتے لیکن وہ کسی صورت میں وقوع قیامت کو ماننے کے لئے اپنے آپ کو تیار نہ پاتے۔ اس نہ ماننے میں ایک نفسیاتی جھجک بھی سد راہ بنی ہوئی تھی۔ اگر وہ وقوع قیامت کو تسلیم کرتے ہیں تو ان کی زندگی کا سارا نقشہ تلپٹ ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس معاشرہ میں انہیں لوٹ کھسوٹ کی جو آزادی میسر تھی۔ عیش وطرب کی محفلیں جن میں مدہوش اور بدمست جوانیاں ساری رات محو رقص رہا کرتیں، بادہ ارغوانی کے بلوری جام مصروف گردش رہتے۔ جہاں کسی ضرورت مند کا استحصال مباح تھا۔ جہاں قرض خواہ اپنے مقروض سے من مانی شرح پر سود لیا کرتا تھا۔ اگر وہ روز حساب پر ایمان لاتے ہیں تو ان کو تمام لغویات سے دستکش ہونا پڑتا ہے جس کے لئے وہ تیار نہ تھے۔ اس سنگ گراں کو ان کی راہ سے ہٹانے کے لئے قرآن کریم میں متعدد بار بڑے زور وشور سے بڑے زوردار دلائل پیش کیے گئے ہیں۔

وقوع قیامت کوئی معمولی حادثہ نہیں بلکہ یہ ایک عظیم سانحہ ہے جس میں اس جہان رنگ وبو کائنات کا ہر ہر ذرہ درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔ لوگوں کی بدحواسی کا یہ عالم ہوگا کہ انہیں اپنے قیمتی مال ومتاع اور قریبی عزیز واقارب کی ہوش تک نہ ہوگی۔ ہر فرد نفسا نفسی کے عالم میں پریشان وششدر ہوگا۔ اس قیامت کے دو مرحلے ہوں گے۔ پہلا مرحلہ وہ ہوگا جب یہ موجودہ نظام کائنات درہم برہم کر دیا جائے گا نہ چرخ نیلوفری رہے گا۔ نہ مہر وماہ کی تابانیاں ہوں گی اور نہ ہی ان گنت ستارے چمکتے نظر آئیں گے۔ فلک بوس پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر ہوا میں غبار اور روئی کے گالوں کی طرح اڑنے لگیں گے۔ چرند وپرند کی بھی حالت دیدنی ہوگی۔ کسی کو کسی کی پرواہ نہ ہوگی اور اس طرح اس کائنات کا یہ ظاہری نظام تہ وبالا ہو جائے گا۔ پھر اسرافیل اللہ کے حکم سے صور پھونکیں گے ہر چیز تباہ وبرباد ہو کر رہ جائے گی۔ اس کے بعد اس کا دوسرا مرحلہ وقوع پذیر ہوگا اور یہ مرحلہ اس وقت شروع ہوگا جب دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا۔ ہر چیز بغیر کسی تاخیر کے اپنی اپنی قبروں سے زندہ وبیدار اٹھ کھڑی ہو گی۔ اور سب کو بارگاہ خداوند ذوالجلال میں محاسبہ کے لئے پیش کیا جائے گا۔ ایک طرف

آنکھوں کے سامنے دوزخ کے شعلے بھڑک رہے ہوں گے۔ دوسری جانب جنت اپنی تمام تر زینتوں اور آرائشوں کے ساتھ بندگان خدا کے لئے چشم براہ ہوگی۔ یہ مرحلہ مشکل ترین مرحلہ ہوگا۔ عجیب افراتفری اور نفسانفسی کا عالم ہوگا کسی کو دوسرے کی ہوش نہ ہوگی۔ ہر ایک اپنی مصیبت میں پھنسا ہوا ہوگا۔ اور ان کی کیفیت یہ ہوگی جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ﴿٣٤﴾ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ﴿٣٥﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ﴿٣٦﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ﴿٣٧﴾ (سورۂ عبس)

"اس دن آدمی اپنے بھائی اور اپنی ماں اور اپنے باپ اور اپنی بیوی اور اپنے بچوں سے بھاگے گا۔ ہر شخص کو ان میں سے اس دن ایسی فکر لاحق ہوگی جو اسے (سب سے) بے پرواہ کر دے گی"۔ (ترجمہ از جمال القرآن)

جب تمام لوگ حساب و کتاب کے مرحلہ سے گزر رہے ہوں گے تو وہ تین گروہوں میں بٹے ہوئے ہوں گے۔

نمبر ۱: سواریوں پر سوار گروہ۔

نمبر ۲: پیدل چلنے والوں کا گروہ۔

نمبر ۳: چہروں کے بل گھسیٹے جانے والوں کا گروہ۔ اس کی مراد میں علماء کا نکتہ نظر الگ الگ ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن لوگوں کو تین اقسام میں قبروں سے اٹھایا جائے گا۔ (نمبر ۱) یہ وہ قسم ہوگی جو اپنے پاؤں پر چل رہے ہوں گے۔ (نمبر ۲) دوسرا وہ گروہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ سواریوں پر سوار ہوں گے۔ (نمبر ۳) تیسرا گروہ ان بدبختوں کا ہوگا جو چہروں کے بل چل رہے ہوں گے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا گیا کہ وہ چہروں کے بل کیسے چلیں گے۔ تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ وہ ذات پاک جو انہیں اپنے قدموں پر چلاتی رہی۔ وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ انہیں اپنے چہروں پر چلائے۔ پس وہ اس دن اپنے چہروں کے بل ہر طرف سے دوڑتے

چلے آ رہے ہوں گے تا کہ اپنے رب کے حضور پیش ہوں۔ (ترمذی شریف)

پیدل چلنے والے وہ مومن ہوں گے جن سے شومئی قسمت کی وجہ سے گناہ صادر ہوتے رہے اور سواریوں پر سوار وہ مومن ہوں گے جنہوں نے تقویٰ اور پرہیزگاری کو اختیار کیے رکھا اور وہ اعمال اور ایمان میں سبقت لے گئے تھے۔ اس لئے آج انہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے اور چہروں کے بل چلنے والے وہ ہٹ دھرم ضدی اور کافر ہوں گے جو ساری زندگی کفر اور شرک کا ارتکاب کرتے رہے۔

بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگوں کی اقسام تو تین ہی ہوں گی لیکن ان کی تقسیم میں فرق ہوگا۔ جو لوگ سواریوں پر سوار ہوں گے وہ مسلمان ہوں گے اور باقی دونوں قسمیں کفار کی ہوں گی۔ چہروں کے بل چلنے والے متکبر، سرکش، ظالم اور نصیحت کو نہ قبول کرنے والے ہوں گے اور تیسری قسم جو پیدل چل رہی ہوگی وہ کافر ہوں گے جو مذکورہ بالا کافروں کی پیروی کرتے رہے ہوں گے اور دنیا میں ان کے نقوش پا کو خضر راہ بناتے رہے ہوں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیث طیبہ میں قیامت کے دن لوگوں کے جن تین گروہوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ وہ لوگ جو منہ کے بل چل رہے ہوں گے وہ کافر ہوں گے اور ابدی سزا کے مستحق ہوں گے اور انہیں سر محشر ذلیل و رسوا کرنے کے لئے یہ سزا دی جائے گی اور جو گروہ پیدل چل رہا ہوگا وہ ان مومنین کا ہوگا جنہیں تصدیق قلبی بھی حاصل تھی اور اقرار باللسان بھی لیکن شومئی قسمت سے ان سے گناہ سرزد ہوتے رہے اس لئے انہیں پیدل چل کر ہی اپنی منزل طے کرنا ہوگی اور اپنے مقررہ مقام تک اسی حالت میں پہنچیں گے۔ لیکن جس گروہ کو سواریاں میسر ہوں گی اور وہ ان پر سوار ہو کر جنت کی سرمدی نعمتوں کی طرف رواں دواں ہوں گے۔ ان کے درجات و مراتب کے اعتبار سے سواریوں پر سوار ہونے میں علماء نے اختلاف کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ان میں سے بعض لوگ ایک ایک سواری پر دو دو، تین تین اور دس دس کی تعداد میں ہوں

گے اور اس کی وجہ یہ ظاہر کرنا مطلوب ہوگا کہ ان سواریوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ کتنی عظیم طاقت اور قوت عطا فرمادی ہے کہ اتنی مقدار میں بوجھ اٹھانے کے باوجود وہ خوشی میں جھومتی ہوئیں تیز رفتاری کے ساتھ چل رہی ہوں گی اور اس کی مثال حضرت صالح علیہ السلام کی ناقہ جیسی ہوگی کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے کیا قدر و منزلت عطا فرمائی تھی اور وہ کتنی عظیم اونٹنی تھی۔

قیامت کے دن کی ظلمات

قیامت کی ظلمات میں سے ایک عظیم ظلمت ان لوگوں کے حصہ میں ہوگی جو دنیا میں دوسرے انسانوں پر ظلم کرتے رہے ہوں گے ویسے وہاں بہت سی ظلمات ہوں گی، گمراہی کی ظلمت، نفاق کی ظلمت، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی ظلمت، صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کی ظلمت جس طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ (بقرہ:17)

ان کو اللہ تعالیٰ ایسی تاریکیوں میں چھوڑے گا جن میں وہ ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکیں گے جبکہ مومن کو ایسا نور عطا فرمایا جائے گا جو ان کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے جلوہ گر ہوگا جس طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (تحریم:8)

"(اس روز) ان کا نور ایمان دوڑتا ہوگا ان کے آگے آگے اور ان کی دائیں جانب وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب مکمل فرمادے ہمارے لئے ہمارا نور اور بخش دے ہمیں بے شک تو ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔ (اور اس کی وضاحت درج ذیل احادیث میں کی گئی ہے"۔

عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَنَّهُ عليه الصلوٰة والسلام قَالَ اِتَّقُوْا الظُّلْمَ فَاِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ - اِتَّقُوْا الشُّحَّ فَاِنَّ

الشُّحَّ اَهْلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ حَمَلَهُمْ عَلٰی اَنْ سَفَکُوْا دِمَاءَ هم وَاسْتَحَلُّوْا مَحَارِمَهُمْ۔ (درۃ الناصحین)

قَالَ الْقَاضِیْ وَهُوَ ظَاهِرُهٗ فیکون الظُّلْمُ ظُلُمَاتٍ عَلٰی صَاحِبِهٖ لَا یَهْتَدِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ سَبِیْلًا حَیْثُ یَسْعٰی نُوْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ بِاَیْمَانِهِمْ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے لوگو! ظلم سے بچو۔ کیونکہ ظلم قیامت کے دن کی ظلمتیں ہے۔ بخل سے بچو کیونکہ تم سے پہلے لوگوں کو بخل نے ہی ہلاک کر دیا ہے اس نے ان کو خونریزی کرنے اور محرمات کو حلال سمجھنے پر برانگیختہ کیا۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں۔ اس حدیث شریف کا ظاہری معنی یہ ہے کہ جو آدمی ظلم کرتا ہے اس کے لئے وہاں ظلمتیں ہوں گی وہ قیامت کے دن کوئی رستہ نہیں پاسکے گا۔ جس پر چل کر وہ منزل مقصود تک پہنچ جائے۔ جب کہ مومنین کا نور ان کے سامنے اور ان کی دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا۔ جس کی روشنی میں وہ چل کر جنت میں داخل ہوں گے۔

عن ابی هریرة رضی الله عنه - عن النبی صلی الله علیه وسلم فیما یَرْوِیْ عَنْ رَبِّهٖ تَعَالٰی - اَنَّهٗ قَالَ یَا عِبَادِیْ اِنِّیْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰی نَفْسِیْ وَ عَلٰی عِبَادِیْ اَلَا فَلَا تَظَالَمُوْا (مسلم وترمذی)

"ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظالموں کے بارے میں ایک حدیث قدسی شریف میں ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے میرے بندو! میں نے اپنی ذات پر اور اپنے بندوں پر ظلم کو حرام قرار دے دیا ہے۔ خبردار ظلم مت کرو"۔

یعنی اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں ہر نقص ہر عیب اور ہر کمزوری سے پاک ہوں اور میری شان ظلم سے بہت ہی بالاتر ہے اور تم بھی

تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ۔ کے مصداق بن جاؤ۔ یعنی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے اخلاق کے ساتھ مزین کرلو۔

قیامت کے دن ظلمتوں سے بچنے کا طریقہ

ظلم ایک ایسا عظیم جرم ہے۔ جو انسان کی ہلاکت، بربادی اور تباہی کا باعث بنتا ہے اور اسے واصل جہنم کر دیتا ہے کیونکہ اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے اور حقوق العباد اس وقت تک معاف نہیں کئے جاتے جب تک مظلوم کا حق لوٹا نہ دیا جائے۔ یا اس سے بخشوانہ لیا جائے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک ارشاد گرامی روایت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَنْ كَانَ عِنْدَهٗ مَظْلِمَةٌ لِاَخِيْهِ مِنْ عِرْضٍ اَوْ مِنْ شَيْءٍ اٰخَرَ فَلْيَسْتَحْلِلْهُ اليومَ قَبْلَ اَنْ لَا يَكُوْنَ لَهٗ دِيْنَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ اِنْ كَانَ لَهٗ عَمَلٌ صَالِحٌ اُخِذَمِنْهُ بِقَدْرِ الْمَظْلِمَةِ وَ اِنْ لَمْ يَكُنْ لَهٗ حَسَنَاتٌ اُخِذَ مِنْ سَيِّاٰتِ صَاحِبِهٖ وَ حُمِلَتْ عليه او كما قال عليه الصلوٰة والسلام (بخاری وترمذی)

"جس آدمی کے ذمے کسی اپنے بھائی پر ظلم کرنے کا گناہ اس کی عزت یا کسی اور چیز میں ہو۔ تو وہ آج اس دنیا میں اس سے بخشوالے اس وقت کے آنے سے پہلے جس میں نہ اس کے پاس دینار ہوں گے اور نہ ہی درہم اور اس وقت اگر اس کے نامہ اعمال میں نیکیاں ہوں گی تو اس ظلم کے اندازہ کے مطابق اس سے وہ لے لی جائیں گی اور اس آدمی کو دے دی جائیں گی جس پر اس نے ظلم کیا ہوگا اور اگر اس کے نامۂ اعمال میں کوئی نیکی نہ ہوگی تو اس مظلوم کے گناہ اس ظالم پر ڈال دیئے جائیں گے"۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ظالم کی نیکیوں سے مظلوم کا حق ادا کر دیا جائے گا۔ اور اگر اس ظالم کی کوئی نیکی نہیں ہوگی تو مظلوم کے گناہوں کا بوجھ اس ظالم پر ڈال دیا جائے گا اور اسے

واصل جہنم کر دیا جائے گا۔

اسی طرح ایک اور حدیث شریف ہے جس کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں اور علامہ ترمذی نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اَتَدْرُوْنَ مَنِ الْمُفْلِسُ قَالُوْا اَلْمُفْلِسُ فِیْنَا مَنْ لَادِرْھَمَ لَہٗ وَلَا مَتَاعَ قَالَ اِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ یَّاْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ بِصَلٰوۃٍ وَّ صِیَامٍ وَّ زَکٰوۃٍ وَّ یَاْتِیْ قَدْ شَتَمَ ھٰذَا وَ قَذَفَ ھٰذَا وَ اَکَلَ مَالَ ھٰذَا وَ سَفَکَ دَمَ ھٰذَا وَ ضَرَبَ ھٰذَا فَیُؤْتٰی ھٰذَا مِنْ حَسَنَاتِہٖ وَ ھٰذَا مِنْ حَسَنَاتِہٖ وَاِنْ فَنِتْ حَسَنَاتُہٗ قبل اَنْ یقضِیَ مَا عَلَیْہِ اُخِذَ مِنْ خَطَایَا ھُمْ وَ طُرِحَتْ علیہ ثُمَّ طُرِحَ فِی النَّارِ (مسلم والترمذی)

"ایک روز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اے لوگو! تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے۔ انہوں نے عرض کیا ہم تو اس کو مفلس کہتے ہیں جس کے پاس نہ روپیہ ہو نہ ساز و سامان فرمایا میری امت کا مفلس وہ ہے جو روز حشر آئے گا اور اس کے ساتھ اس کی نمازیں، اس کے روزے اور اس کی زکوٰۃ ہو گی نیز وہ اس حالت میں آئے گا کہ اس نے دنیا میں کسی کو گالی نکالی ہو گی، کسی پر بہتان باندھا ہو گا۔ کسی کا ناحق مال کھایا ہو گا کسی کا خون بہایا ہو گا، کسی کو مارا پیٹا ہو گا ان مظلوموں کی دادرسی کرنے کے لئے ان کی نیکیاں ان لوگوں میں بانٹی جائیں گی اور اگر مظلوموں کی حق رسی سے پہلے اس کی نیکیوں کا ذخیرہ ختم ہو گیا تو مظلوموں کے گناہ لے کر اس کے سر پر ڈال دیئے جائیں گے اور پھر اسے دھکا دے کر آتش جہنم میں پھینک دیا جائے گا"۔

احادیث کی کتابوں میں مذکور ہے کہ انسان کا ظلم اور گناہ تین طرح کا ہوتا ہے۔

نمبر(۱) شرک: یہ وہ ظلم ہے جس کو اللہ تعالیٰ ہرگز معاف نہیں فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا

ارشاد گرامی ہے إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ کہ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا اس (جرم عظیم) کو کہ شریک ٹھہرایا جائے اس کے ساتھ اور بخش دیتا ہے اس کے ماسوا جتنے جرائم ہوں جس کے لئے چاہتا ہے۔

نمبر ۲: وہ ظلم جو اللہ اور بندے کے درمیان ہے۔ یعنی بندہ اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کرتا ہے۔ محارم کا ارتکاب کرتا ہے۔ احکام شرعیہ یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج ادا نہیں کرتا تو یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے اگر وہ چاہے تو معاف فرما دے۔ کیونکہ ان احکام میں نافرمانی کا تعلق اللہ تعالیٰ کی اپنی ذات کے ساتھ ہے اور وہ غفور و رحیم ہے۔

نمبر ۳: تیسرا ظلم حقوق العباد کا ادا نہ کرنا ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ اٹل فیصلہ ہے کہ یہ اس وقت تک معاف نہیں کئے جائیں گے جب تک صاحب حق کا حق ادا نہ کیا جائے۔ یا اس سے معافی نہ مانگ لی جائے۔ مثلاً کسی کے پس پردہ اس کی غیبت کرنا، کسی بے گناہ پر تہمت لگانا، کسی کی چغلی کھانا کسی کو ناحق قتل کرنا، مال حرام کھانا، کسی کو مارنا اور گالی گلوچ دینا وغیرہ ہاں ان کی بخشش کی ایک صورت ہو سکتی ہے کہ بندہ انتہائی عاجزی انکساری اور ندامت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی سزا سے بچنے کی التجاء کرے تو وہ کریم کرم فرماتے ہوئے اور اپنی مہربانی سے صاحب حق کا حق ادا کر دے اور مجرم کو معاف کر دے تو وہ کر سکتا ہے۔

میمون ابن مہران ذکر کرتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کسی انسان پر ظلم کیا ہو اور اس کی خواہش یہ ہو کہ وہ اس مظلوم سے معافی مانگ لے لیکن وہ مظلوم مر چکا ہو جس کی وجہ سے وہ اس سے معافی نہ مانگ سکے تو اب اس کی بخشش کی ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ وہ پنجگانہ نماز کے بعد اس آدمی کے لئے دعائے استغفار کرے اور اسے ایصال ثواب کرے جس سے وہ خوش ہو جائے گا اور ظالم سزا سے بچ جائے گا۔

غالباً اسی وجہ سے ہر نماز کے اختتام پر یہ دعا پڑھنا مشروع کی گئی ہے۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ۔

عبرت انگیز حکایت

روایت کی گئی ہے کہ عاد کے دو بیٹے تھے ایک کا نام شداد اور دوسرے کا نام شدید تھا۔ وہ دونوں بڑے جابر اور ظالم بادشاہ تھے۔ شدید تو پہلے ہی پیکر اجل کو لبیک کہتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہو گیا اور اس کے بعد تمام مملکت پر شداد نے حکومت سنبھال لی وہ بھی متکبر اور جابر تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ آسمانی کتابوں سے بھی واقف تھا ان کتابوں میں اس نے جنت کا ذکر پڑھا ہوا تھا۔ اس لئے اس نے سوچا کہ میں جو بے شمار خزانوں کا مالک ہوں اور ہر جگہ پر میری فرمانروائی کا ڈنکا بج رہا ہے میں کیوں نہ اس دنیا میں اس جنت جیسی ایک جنت بنا دوں اس نے اپنے مشیروں وزیروں اور امیروں سے مشورہ کیا تو ان تمام جی حضوریوں نے کہا کہ تو بادشاہ ہے اور تمام دنیا پر تیری حکومت کا پھریرہ لہرا رہا ہے۔ اس لئے اگر تیری یہ مرضی ہے تو تو ایسا کر گزر اس نے فوراً اپنی مملکت میں فرمان جاری کر دیا کہ ہر طرف سے جس طرح ممکن ہو سکے سونا اور چاندی جمع کیا جائے۔ چنانچہ اس کے ظالم حکمرانوں نے عورتوں، بچوں، بیٹیوں اور لوگوں سے سونا اور چاندی چھین کر جمع کرنا شروع کر دیا۔ اور ان مظلوموں میں سے ایک یتیم بچے کی گردن پر دو درہم کے برابر سونے کا ایک ہار تھا وہ بھی انہوں نے چھین لیا۔ جب سونے اور چاندی کا وافر ذخیرہ جمع ہو گیا تو اس نے مشرق و مغرب سے معمار بلائے اور ان میں سے تین سو ماہر کاریگر منتخب کئے اور ہر کاریگر کے ماتحت ایک ہزار آدمی خدمت کے لئے مقرر کیا وہ کئی سال تک زمین میں گردش کرتے رہے۔ تاکہ زمین کا زرخیز کوئی حصہ تلاش کر لیں آخر کار وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے۔ ایک جگہ پہنچے وہاں دیکھا کہ اس زمین میں بہت زیادہ درخت ہیں۔ اور پانی کی بے شمار نہریں جاری ہیں تو انہوں نے وہاں میلوں ایریا باغ لگانے کے لئے گھیر لیا اور اس کے اندر سونے اور چاندی کی اینٹوں سے محلات تعمیر کئے اور باغات لگائے۔ درختوں کے تنے چاندی کے، شاخیں اور پتے سونے کے تھے اور مزید برآں سرخ یاقوت سفید بلوری پتھروں سے بہت ہی خوبصورت محلات تعمیر کئے اور اس جنت کے درختوں کی ٹہنیوں پر ہیرے اور

جواہرات لٹکا دیئے اور ان کے اوپر کستوری اور عنبر چھڑک دیا۔ جہاں تک ان کے لئے ممکن تھا انہوں نے اس جنت کو خوب آراستہ پیراستہ کیا۔

جب مکان کی تعمیر مکمل ہو گئی تو وقت کے بادشاہ شداد کو اس جنت کا نظارہ کرنے کی دعوت دی گئی وہ اپنے پورے جاہ و جلال، امراء اور وزراء اور فوجوں سمیت اس جنت کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے اپنے پائین تخت سے چلا لیکن ایک یتیم بچہ جس سے انہوں نے وہ دو درہم کا ہار چھینا تھا۔ اس نے اپنے رب ذوالجلال کی بارگاہ میں اپنی مظلومیت کو ظاہر کیا اور ازحد عاجزی وانکساری کے ساتھ آسمان کی طرف منہ اٹھا کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کی کہ اے میرے مولا! تو جانتا ہے کہ اس ظالم نے مخلوق خدا پر کس قدر ظلم کیا ہے۔ ان کا سازو سامان چھین لیا ہے۔ اب وہ دردر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ اے مستجیب الدعوات (دعاؤں کو قبول کرنے والے) اور ہر مدد چاہنے والے کی مدد کرنے والے تو ہماری مدد فرما اور اس ظالم کو اپنے ظلم کی سزا دے اس مظلوم کی آہ وفغاں سے آسمان کے فرشتے بھی رحم کھاتے ہوئے اس کی دعا پر آمین کہنے لگے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس مظلوم کی دعا کو قبول فرمایا اور جبریل کو حکم دیا کہ جب شداد اپنے لاؤ لشکر سمیت اس جنت سے چوبیس گھنٹوں کی مسافت پر ہو تو اسے ہلاک کر دے۔ تو جبریل نے حسب حکم الٰہی ایک زوردار چیخ ماری جس سے وہ سارے کے سارے ہلاک ہو گئے اور اپنی خود ساختہ جنت کا نظارہ نہ کر سکے اور ان میں سے نہ کوئی غنی باقی رہا اور نہ کوئی فقیر، نہ کوئی بادشاہ رہا اور نہ ہی اس کا کوئی مملوک۔ اور اس نے اپنے ظلم کا انجام پالیا اور اسی دنیا میں ذلیل ورسوا ہو کر حسرت کرتا ہوا واصل جہنم ہوا۔ اسی لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مظلوم کی دعا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فوراً قبول ہوتی ہے کیونکہ اس کے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا۔ (زبدۃ الواعظین)

اے لوگو! اس واقعہ سے عبرت حاصل کرو کہ ظلم کا انجام کیا ہوتا ہے اور قیامت کے دن ظالم لوگ کن مشکلات میں گھرے ہوئے ہوں گے اور ذلیل ورسوا ہو کر کس طرح جہنم کی اتھاہ گہرائیوں میں جا گریں گے۔ اس لئے اپنے آپ کو ظلم سے بچانا ازبس ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے ہم سب کا انجام بالخیر فرمائے۔ اور ظالم کے ظلم سے اور مظلوم کی مظلومیت سے بچائے رکھے۔ امین ثم آمین۔

وَاٰخِرُ دعوانا اَنِ الحمد لِلّٰہِ رب العالمین

والصلوٰۃ والسلام علی رسولہٖ الکریم

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ

وما توفیقی اِلا بِاللّٰہِ علیہ تو کلت و الیہ اُنِیب

ستاون واں وعظ

اللہ کی محبت اور مغفرت

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ وَ نُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ وَ عَلٰی اٰلِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَاَصْحَابِهٖ والتَّابِعِیْنَ اَجْمَعِیْن

امّا بعد فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ﴿۱۴﴾ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِیْدُ ﴿۱۵﴾ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ﴿۱۶﴾

صدق اللہ مولنا العظیم (سورہ بروج)

''اور وہی بہت بخشنے والا، بہت محبت کرنے والا ہے، عرش کا مالک ہے، بڑی شان والا، کرتا ہے جو کچھ چاہتا ہے''۔ (جمال القرآن)

یہ آیات طیبات سورۃ البروج کی ہیں۔ جو مکہ مکرمہ میں اس وقت نازل ہوئی جب اہل ایمان پر کفار کا ظلم وتشدد پورے شباب پر تھا۔ انہوں نے خون، قبیلہ اور ہمسائیگی کے تمام تعلقات کو نظر انداز کر دیا تھا اور ان میں سے جس کے پاس جتنی طاقت تھی وہ اسے مسلمانوں کو اذیت پہنچانے میں صرف کر رہا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ پاک نازل فرمائی تاکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں کو تسلی ہو جائے اور اس میں ایک ظالم بادشاہ کا واقعہ تین قسمیں اٹھا کر بیان کیا ہے کیونکہ اس نے اہل حق پر ظلم وستم کی انتہا کر دی تھی۔ جس نے خندقوں میں آگ جلا کر اہل حق کو جلا کر راکھ کر دیا تھا اور اسے اللہ تعالیٰ نے عبرتناک سزا دی تھی اور فرمایا کہ اے غلامان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ان ظالموں کے ظلم وستم سے گھبراؤ نہیں۔ عالی ہمتی اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے رہو اور یقین رکھو کہ کفر کا طلسم بہت جلد ٹوٹ جائے گا یہ طاغوتی قوتیں سرنگوں ہو جائیں گی، مخالفت کے طوفان تھم جائیں گے۔ اسلام کو فتح مبین حاصل ہو گی۔ ابولہب اور ابوجہل جیسے پہلے کئی فرعون وثمود گزرے ہیں لیکن وہ اپنی

موت آپ مر گئے اور حق کا پرچم لہراتا رہا اور قیامت تک لہراتا رہے گا اور یہ بھی اسی طرح ذلیل و رسوا اور خائب و خاسر ہو کر ہلاک ہو جائیں گے جس طرح اصحاب الاخدود ہلاک و برباد ہو کر واصل جہنم ہو گئے اور جن اہل حق پر انہوں نے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے تھے۔ وہ اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے اور آگ میں جل کر زندہ جاوید ہو گئے اور دائمی اور حقیقی زندگی سے سرشار ہوئے اور وہ اس شعر کا مصداق بن گئے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است برجریدہ عالم دوام ما

کہ وہ آدمی جس کا دل عشق الٰہی سے زندہ ہوتا ہے وہ ہرگز نہیں مرتا۔ اور وہ کہتا ہے کہ میرا دوام اس عالم کی تختی پر ہمیشہ ہمیشہ ثبت ہو گیا ہے۔

بلکہ یوں کہئے کہ انہیں ہر زمانے میں نئی زندگی حاصل ہوتی ہے جیسے کوئی کہتا ہے۔

کشتگان خنجر تسلیم را

ہر زمانے از غیب جان دیگر است

کہ جو تسلیم و رضا کے خنجر سے ذبح ہو جاتے ہیں۔ انہیں ہر زمانے میں غیب سے نئی زندگی حاصل ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "اے میرے محبوب کے غلامو! گھبراؤ نہیں۔ اے بلال! تپتے ہوئے صحرا میں گھسیٹے جانے والے! اے صہیب! ظلم و ستم کا ہدف بننے والے، اور اے یاسر اور سمیہ کلمہ حق کی خاطر اذیتیں برداشت کرنے والو! صبر و استقامت کا دامن تھامے رکھو تمہارا رب بڑا ہی کریم ہے وہ تمہیں تنہا نہیں چھوڑے گا بلکہ اس کی رحمت و بخشش آگے بڑھ کر تمہارا استقبال کرے گی۔ اور تمہیں ایسے انعامات سے وہ سرشار فرمائے گا جن کا تمہیں تصور تک نہیں اور وہ ایسی نعمتیں اور بخششیں عطا فرمائے گا جن کو کسی آنکھ نے دیکھا نہیں اور ایسی نوازشات سے نوازے گا جن کو کسی کان نے سنا تک نہیں کیونکہ تمہارا رب غفور اور کریم ہے اور وہ فرماتا ہے۔

وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ﴿١٤﴾ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ﴿١٥﴾ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿١٦﴾

اگر تم سے کوئی لغزش یا خطا سرزد ہوگئی تو وہ بھی معاف فرمادے گا کیونکہ اس کی رحمت و مغفرت کا دامن بڑا وسیع ہے۔ اسے اپنے فرمانبردار بندوں سے بہت زیادہ محبت ہے۔ وہ ان سے بے اندازہ پیار کرتا ہے اور جو اس کی مرضی اور ارادہ ہوتا ہے وہی کرتا ہے وہ تمہیں یقیناً دنیا و آخرت میں عظیم مراتب پر فائز فرمائے گا۔

اس مختصر سی تمہید کے بعد اب آیئے آیات کے الفاظ و معانی میں غور کریں اور اس میں بیان کردہ حقائق کو تسلیم کرتے ہوئے اس کی نوازشات و عنایات سے بہرہ ور ہونے کی کوشش کریں۔ فرمایا:

اَلْغَفُوْرُ:۔ یہ غَفَرَ سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اور غَفَرَ کا معنی ہے ''اس نے ڈھانپ دیا'' اور غفور کا معنی ہوگا بہت ہی زیادہ ڈھانپنے والا یعنی وہ اپنے بندوں کی لغزشوں، خطاؤں اور گناہوں کو اس طرح ڈھانپ دیتا ہے کہ ان کا نام و نشان اعمال نامہ سے مٹا دیتا ہے، تا کہ کسی موقعہ پر پردہ ہٹ جانے سے اس کے گناہوں کے نشانات ظاہر نہ ہو جائیں اور وہ شرمندہ نہ ہو۔ اور یہ گناہوں کو بخشنا اور مٹانا یہ صرف اور صرف اس کی محبت کی وجہ سے ہے جو اللہ تعالیٰ کو اپنے فرمانبردار بندوں سے ہوتی ہے۔ اس لئے اس کے بعد فرمایا:

اَلْوَدُوْدُ:۔ یہ بھی مبالغہ کا صیغہ ہے اور وَدٌّ یا مودَّۃٌ سے مشتق ہے۔ جن کا معنی محبت کرنا ہے، اور وَدُوْدٌ کا معنی ہوگا بہت ہی زیادہ محبت کرنے والا۔ اور یہ محبت نہ تو کسی غرض سے وابستہ ہوتی ہے اور نہ ہی کسی کا خوف اور ڈر ہوتا ہے بلکہ یہ تو محض اس کا کرم ہے کیونکہ وہ ذوالعرش عرش کا مالک اور المجید بڑی شانوں اور ساری بزرگیوں اور ساری عظمتوں کا مالک ہے۔

فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ:۔ جو اس کی مرضی اور ارادہ ہوتا ہے۔ وہ اسے کر گزرتا ہے کوئی اسے روک نہیں سکتا تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرمانبردار بندوں کے گناہوں، لغزشوں اور فروگزاشتوں کو ان کے نامہ اعمال سے مٹا دیتا ہے اور اس کی یہ بخشش و کرم اور غفران و رحمت

کسی لالچ، خوشامد یا کسی کے رعب کی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ اسے اپنے بندوں سے از حد محبت ہے۔

نامہ اعمال سے گناہوں کو مٹانا

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت و بخشش اور کرم کے صدقے اپنے بندے کے یا تو گناہوں سے درگزر فرماتا ہے۔ یا انہیں ڈھانپ دیتا ہے۔ تا کہ اس کا بندہ رسوا نہ ہو اور یا ان کا بالکل اعمال نامہ سے نشان ہی مٹا دیتا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے۔ کہ قیامت کے دن جب انسان کے اعمال کا وزن ہو جائے گا تو ایک شخص جس کے گناہ کا پلڑا بھاری ہو گا اور نیکیوں کا ہلکا اسے فرشتے گھسیٹ کر جہنم رسید کرنے کے لئے لے جا رہے ہوں گے تو مولائے کریم ارشاد فرمائیں گے۔ اے فرشتو! تم اسے کیوں گھسیٹ رہے ہو۔ اور کس طرف لے جانے کا ارادہ رکھتے ہو۔ وہ عرض کریں گے اے رب کریم یہ شخص دنیا میں ساری زندگی برے اعمال کرتا رہا اور آج اس کا نیکیوں والا پلڑا بالکل ہلکا ہے۔ اس لئے ہم اسے تیرے ہی ارشاد کے مطابق جہنم رسید کرنے کے لئے لے جا رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ اس کے اعمال کا دفتر میرے سامنے پیش کرو۔ تا کہ میں بھی دیکھ لوں کہ اس کے کون کون سے گناہ ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ فرشتے غلط نہیں کہہ رہے تو حسب ارشاد فرشتے اس کے اعمال کا دفتر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کریں گے اور اس کی ورق گردانی شروع کریں گے۔ تو یہ دیکھ کر حیران ہو جائیں گے کہ اس کے دفتر میں گناہوں کا نام ونشان تک نہیں ہو گا۔ فرشتے از حد پریشان ہو کر عرض کریں گے۔ اے اللہ! تو جانتا ہے ہم نے کبھی بھی تیرے حکم کی نافرمانی نہیں کی اور جو کچھ ہم نے اس کے دفتر میں لکھا تھا وہ حقیقت تھی۔ لیکن اس حقیقت سے ہم بے خبر ہیں کہ وہ کیسے مٹا دیئے گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نہایت ہی رحم فرماتے ہوئے ارشاد فرمائے گا۔ کہ اے فرشتو! تم نے غلط نہیں کہا اس نے واقعی گناہ کئے تھے لیکن اس نے ایک دن نصف رات کے وقت اٹھ کر میری بارگاہ میں ایسی توبہ کی کہ میں نے اسے قبول فرما لیا اور

اس نے اپنے کئے پر ندامت کے ایسے آنسو بہائے۔ جن سے اس کے اعمال نامہ سے گناہوں کی سیاہی دھل گئی۔ اس لئے اب اسے لے جاؤ اور جا کر جنت میں داخل کر دو۔ تو اس لئے فرمایا کہ ھوالغفور کہ وہ بہت ہی زیادہ بخشنے والا ہے۔

ایک اور بڑی دلچسپ حدیث سماعت فرمایئے کہ ایک دوسرا آدمی جس کو فرشتے اس کے گناہوں کی وجہ سے جہنم رسید کرنے کے لئے گھسیٹ کر لے جا رہے ہوں گے تو وہ شخص سفر کا ایک حصہ طے کرنے کے بعد پیچھے مڑ کر دیکھے گا کہ ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئے اور مجھے جہنم سے بچالے لیکن کسی طرف سے کوئی ایسے آثار نظر نہیں آئیں گے تو پھر وہ بادل نخواستہ آگے چلنا شروع کر دے گا۔ جب نصف راستہ طے کر لے گا تو پھر مڑ کر دیکھے گا کہ ہوسکتا ہے۔ کوئی بخشش کی صورت نکل آئے۔ پھر بھی مراد بر نہ آئے گی۔ پھر آگے چلنا شروع کر دے گا تو جب دو تہائی راستہ طے کر لے گا تو پھر مڑ کر دیکھے گا۔ تو اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملائکہ کو حکم ہوگا کہ اسے واپس لے آؤ تا کہ اس سے پوچھا جائے۔ یہ بار بار پیچھے مڑ کر کیوں دیکھتا ہے اور اسے کہا جائے گا۔ لِمَ اِلْتَفَتَّ کیوں تو پیچھے متوجہ ہوا۔ وَ هُوَ يَقُوْلُ يَا رَبِّ لَمَّا بَلَغْتُ ثُلُثَ الطَّرِيْقِ تَذَكَّرْتُ قَوْلَكَ وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُ والرَّحْمَةِ فَقُلْتُ لَعَلَّكَ تَغْفِرْلِیْ تو وہ عرض کرے گا اے میرے پروردگار تو بہت زیادہ مغفرت فرمانے والا اور عظیم رحمت کا مالک ہے۔ تو میں نے خیال کیا کہ شاید تو اپنی رحمت اور بخشش کے صدقے مجھے معاف کر دے اور جب میں نصف راستہ عبور کر چکا تو مجھے تیرا یہ فرمان یاد آیا وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ کہ اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشے گا تو مجھے امید بندھی کہ ہو سکتا ہے وہ کرم فرما دے اور مجھے معاف کر دے اور جب میں نے دو تہائی راستہ طے کر لیا تو مجھے تیرا یہ ارشاد گرامی یاد آیا کہ تو نے اپنے محبوب کو فرمایا ہے۔ قُلْ يٰعِبَادِیَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ کہ اے محبوب! آپ فرمایئے۔ اے میرے بندو! جنہوں نے زیادتیاں کی ہیں اپنے نفسوں پر تم مایوس نہ ہو جاؤ۔ اللہ کی رحمت سے یقیناً اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے سارے گناہوں کو

بلا شبہ وہی بہت بخشنے والا، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ (ترجمہ جمال القرآن)

تو میرا بخشش کا طمع اور زیادہ ہو گیا۔ اور تیری رحمت و بخشش پر مزید امید پیدا ہوئی اس لئے میں نے بار بار پیچھے مڑ کر دیکھا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا اِذْهَبْ قَدْغَفَرْتُ لَکَ اے بندے! جا میں نے تیرے گناہ معاف کر دیئے ہیں کیونکہ میں ارحم الراحمین ہوں۔

یہ ہے اللہ تعالیٰ کی مغفرت و بخشش اور اس کی محبت جس سے وہ اپنے بندوں کے گناہوں کو بخش دیتا ہے اور انہیں جنت میں داخل فرما دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اور بندے کی محبت میں فرق......؟

احادیث طیبہ میں اور قرآن کریم کی آیات طیبات میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ بندے کو اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ محبت ہونی چاہئے۔ جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ بھی اس سے محبت کرتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ بندے کی اللہ تعالیٰ سے محبت کا مطلب کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بندے سے محبت کا مفہوم کیا ہے؟

بندے کی محبت اللہ تعالیٰ سے

اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ پر تصدیق قلبی سے ایمان لائے۔ اس کی وحدانیت کا اقرار کرے اور اس کے احکام کو عملی جامہ پہنانے میں حتی المقدور کوشش کرے اور جن کاموں کے کرنے سے اس نے منع فرمایا ہے۔ ان سے امکانی حد تک دور رہے۔ اور ہر وہ چیز جو اس کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کرے اس سے اپنا دامن بچائے رکھے۔ اس کا دل اس کے ذکر سے معمور ہو۔ اور اس کی زبان شب و روز اس کی تسبیح و تہلیل میں مصروف رہے اور اگر وہ کسی چیز سے محبت کرتا ہے تو اس کے پیش نظر اللہ کی رضا ہو۔ اور اگر کسی سے نفرت کرتا ہے تو بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کی وجہ سے ہو۔ اور وہ اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ لِلّٰہِ کا مصداق ہو۔ اور جب انسان اس مقام پر پہنچتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ یہ فنا فی اللہ کے مقام پر فائز ہو گیا ہے اور اس مقام پر پہنچ کر وہ بندہ دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو جاتا ہے اگرچہ اسے اپنے عزیز و اقارب، مال و دولت اور اولاد سے بھی محبت ہوتی ہے۔ لیکن جہاں اللہ تعالیٰ کی

محبت تقاضا کرتی ہے وہاں وہ ان سب کو اس کی رضا کے لئے قربان کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنی جان بھی اس کی رضا کے لئے قربان کر دیتا ہے۔ اور دنیا سے رخصت ہوتے وقت وہ یہ نعرہ لگاتا ہے۔ فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ مجھے کعبہ کے رب کی قسم میں اپنے محبوب کے اشارہ پر جان قربان کر کے زندگی کی بازی جیت کر جا رہا ہوں۔ کیا ہی کسی نے خوب کہا ہے کہ وہ یہ کہہ رہا ہوتا ہے۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اس کی مثال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام سچے غلام ہیں اور تاریخ کے صفحات ان کے اس جذبہ محبت سے لبریز ہیں لیکن میں ان میں سے صرف ایک واقعہ آپ کے گوش گزار کرتا ہوں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دو غلام تھے ایک کا نام یاسر اور اس کی بیوی کا نام سمیہ تھا اور ان دونوں کو ابو جہل طرح طرح کی اذیتیں دیتا تھا۔ جب اسلام کا آفتاب مکہ مکرمہ کی تاریک زمین پر طلوع ہوا اور اس کی پہلی کرنیں اطراف واکناف میں پھیلنا شروع ہوئیں تو ان دونوں نے نور اسلام سے اپنے دل کو منور کر لیا۔ اور حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ کفار نے ان کے ساتھ بہیمانہ سلوک کرنا شروع کر دیا۔ ہر طرح سے انہیں روکنے کی کوشش کی۔ انہیں لالچ دیئے۔ مار پیٹ سے ان کی خوب مرمت کی اور طرح طرح کی دھمکیوں سے انہیں ڈرایا دھمکایا۔ لیکن ان کے دل عشق الٰہی کا مہبط بن چکے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کی آماجگاہ بن چکے تھے۔ اس لئے انہوں نے ان کی تمام سختیوں کو پرکاہ کی بھی وقعت نہ دی اور لا اِلٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کے وہ نعرے لگاتے رہے۔ یہاں تک کہ کفار نے ظلم وستم کی انتہا کر دی ان دونوں کو پکڑ ا ایک کھلے میدان میں لے گئے۔ وہاں انہیں ڈرایا دھمکایا اور خطرناک انجام کی وعید سنائی۔ لیکن ان دونوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔ آخر کار انہوں نے دو مست اونٹ منگائے اور حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کی ایک ٹانگ ایک اونٹ کے ساتھ اور

دوسری ٹانگ دوسرے اونٹ کے ساتھ باندھ دی اور دونوں اونٹوں کو مخالف سمتوں میں دوڑا دیا۔ حضرت یاسر کا جسد اطہر دولخت ہو گیا لیکن اس کے ہر ہر عضو سے اللہ اللہ کی صدائیں آ رہی تھیں۔ پھر وہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کی طرف متوجہ ہوئے۔ انہیں اپنے خاوند کا انجام یاد دلایا۔ اور کہنے لگے کہ اگر تو دوبارہ کفر اور شرک کی طرف لوٹ آئے تو بچ سکتی ہے ورنہ تیرا انجام تیرے خاوند سے بھی بدتر ہو گا لیکن آپ کا ایک ہی جواب تھا۔ جان جاتی ہے تو جائے، جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہوتے ہیں تو ہوتے رہیں لیکن جو عشق الٰہی کا پودا دل میں لگ چکا ہے اسے اکھیڑا نہیں جا سکتا۔ تو ان ظالموں نے حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو میدان کے وسط میں زنجیروں سے جکڑ کر کھڑا کر دیا۔ اور گھوڑوں پر سوار ہو کر نیزہ بازی کے انداز میں آپ پر حملہ کیا۔ یہاں تک کہ ایک ظالم نے ایک نیزہ اندام نہانی میں مارا جس سے آپ شہید ہو گئیں اور عرب کی سرزمین میں یہ دونوں پہلے وہ مجاہد ہیں جنہوں نے اپنے خون ناب سے مکہ کی سرزمین کو سیراب کیا اور جام شہادت نوش فرما کر اپنے مقام فردوس بریں میں جا لئے۔ یہی اول شہید فی الاسلام: یہ وہ خوش بخت ہے جس نے اسلامی تاریخ میں سب سے اول جام شہادت نوش کیا۔ یہ ہے بندے کی اللہ تعالیٰ سے محبت کا انداز جو اللہ تعالیٰ کی محبت کو بندے کی محبت کا سبب بناتا ہے۔ (ضیاء النبی جلد نمبر ۲ صفحہ ۳۳۶)

اللہ تعالیٰ کی محبت بندے سے

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب بندہ کو رضا والا طریقہ پر اپنا اظہار خود بہت کرتا ہے اور اپنا سب کچھ اپنے مولا کی رضا کے لئے قربان کر دیتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ بندہ نوازی فرماتا ہے اس کی رحمت جوش میں آ جاتی ہے پھر وہ اپنے بندے کو اپنے احسانات اور نوازشات سے نوازنا شروع کر دیتا ہے اور ایسی بندہ نوازی کرتا ہے جو اس کی شان کے لائق ہے اور پھر صورت حال کچھ اس طرح ہو جاتی ہے۔ جس طرح درج ذیل میں سے کسی نے اظہار کیا ہے۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

تو پھر بندہ یہ کہتا ہے میں تو ہو گیا اور تو میں ہو گیا۔ میں سراپا جسم ہوں اور تو اس کی جان ہے۔ تا کہ اس کے بعد کوئی یہ نہ کہے کہ میں اور ہوں اور تو اور ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ خدا بن گیا بلکہ یہ بطور تمثیل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی اس محبت کا جب اظہار فرمانا چاہتا ہے تو وہ اپنی پوری مخلوق میں فرشتوں سے یہ اعلان کروا دیتا ہے کہ میں اس بندہ سے محبت کرتا ہوں تم تمام بھی اس سے محبت کرو۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں اور دیگر علمائے حدیث نے اپنے اپنے اسفار جلیلہ میں یہ روایت ذکر کی ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةُ رَضی الله عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم اِنَّ الله (تعالٰی) اذا اَحَبَّ عَبْدًا دَعَا جِبْرَائِیْلَ فَقَالَ اِنِّی اُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبَّهُ قَالَ فَیُحِبُّهُ جِبْرَائِیْلُ ثُمَّ یُنَادِیْ فِی السَّمَاءِ فَیَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبُّوْهُ فَیُحِبُّه اَهْلُ السَّمَاءِ ثُمَّ یُوْضَعُ لَهُ الْقَبُوْلُ فِی الْاَرْضِ وَاِذَا اَبْغَضَ عَبْدًا دَعَا جِبْرَائِیْلَ فَیَقُوْلُ اِنِّی اُبْغِضُ فُلَانًا فَاَبْغِضْهُ قَالَ فَیُبْغِضُهُ جِبْرائِیْلُ ثُمَّ یُنَادِیْ فِیْ اَهْلِ السَّمَاءِ اِنَّ اللّٰهَ یُبْغِضُ فُلَانًا فَاَبْغِضُوْهُ قَالَ فَیُبْغِضُوْنَهُ ثُمَّ یُوْضَعُ لَهُ الْبَغْضَاءُ فِی الْاَرْضِ۔

(مسلم شریف)

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل کو بلاتا ہے اور فرماتا ہے اے جبریل میں اپنے فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر پس جبرائیل بھی اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ پھر وہ آسمان میں منادی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فلاں بندے سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو پھر سب اہل آسمان اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اس کے بعد زمین میں اس کی مقبولیت کا چرچا ہو جاتا ہے۔ (اور لوگ اس کے گرویدہ ہو جاتے ہیں) اس طرح جس کو اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے تو جبرائیل کو بھی اسے ناپسند

کرنے کا حکم ملتا ہے۔ پھر جبرائیل آسمان میں اس کے مبغوض اور ناپسند ہونے کی منادی کرتا ہے۔ آسمان والے اس سے بغض کرنے لگتے ہیں۔ اس کے بعد زمین میں اس کے بغض ونفرت کا جذبہ بڑھنے لگتا ہے"۔

اللہ تعالیٰ کو جو اپنے بندے سے محبت ہوتی ہے وہ اس محبت سے کہیں زیادہ ہوتی ہے جو اس کے ساتھ اس کی ماں اور اس کے عزیز و اقارب کو ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں مذکور ہے کہ ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کاشانۂ نبوت میں تشریف فرما تھیں۔ آپ کے پاس ایک بھوک اور افلاس کی شکار یہودیہ عورت حاضر ہوئی۔ اس کے ساتھ اس کے دو چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے۔ اس نے اپنے ایک ہاتھ میں ایک بیٹے کو پکڑا ہوا تھا اور دوسرے میں دوسرے کو۔ فاقہ اور بھوک کی علامات ان کے چہروں سے عیاں تھیں۔ وہ یہودیہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں عرض کرتی ہے۔ اے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گھر والی۔ میں اور میرے بچے مسلسل کئی روز سے فاقہ کشی کی حالت میں ہیں۔ کھانے کے لئے کوئی چیز دستیاب نہیں ہے۔ آپ کرم فرمائیں ہمیں کچھ عنایت کریں۔ تاکہ بھوک مٹانے کا سبب بن سکے۔ تو چونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر والے از حد سخی تھے۔ جو کچھ دستیاب ہوتا اسے فی سبیل اللہ تقسیم کر دیتے اس لئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے گھر کی تلاشی لی۔ تو وہاں سے صرف ایک کھجور دستیاب ہوئی۔ اور آپ نے وہی اس یہودیہ کے حوالے کر دی۔ اب اس عورت نے اسے دو حصوں میں تقسیم کیا۔ نصف ایک بچے کو دے دی۔ اور دوسرا نصف دوسرے بچے کو۔ خود جیسے بھوکی آئی تھی۔ ویسے ہی بھوکی واپس چلی گئی۔ اسی اثناء میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کاشانۂ اقدس میں جلوہ نما ہوئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حیرانگی کے عالم میں دیکھ کر پوچھا کیا بات ہے۔ تو عرض کی اے میرے سرتاج! میں نے آج عجیب واقعہ دیکھا ہے کہ ایک ماں کو اپنی اولاد سے کتنی شدید محبت ہوتی ہے۔ پھر آپ نے یہودیہ کا سارا قصہ عرض کر دیا۔ تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے عائشہ! تو

ماں کی محبت اولاد سے دیکھ کر اتنی حیران ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے سے اس سے بھی کہیں زیادہ محبت ہوتی ہے۔

اسی محبت کے تقاضا کے مطابق اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی فروگزاشتوں اور لغزشوں کو معاف فرما دیتا ہے اور اسے دنیا و آخرت میں وہ سربلندیاں عطا فرماتا ہے جہاں تک کسی کا طائر خیال نہیں پہنچ سکتا اور اس کو اپنی محبت سے نوازتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ملاقات کرنے کا اجر

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی الله عنه قَالَ قَالَ علیه الصلوٰة و السلام خَرَجَ رَجُلٌ یَزُوْرُ اَخًا لَهٗ فِی اللّٰهِ فَاَرْصَدَ اللّٰهُ لَهٗ مَلَكًا قَالَ اَیْنَ تُرِیْدُ قَالَ اُرِیْدُ فُلَانًا قَالَ اَلِقَرَابَةٍ؟ قَالَ لَا قَالَ اَلِنِعْمَةٍ له عِنْدَکَ تُرِیْدُ هَا؟ قَالَ لَا قَالَ فَیْمَ تَزُوْرُهٗ؟ قَالَ اِنِّیْ اُحِبُّهٗ فِی اللّٰهِ قَالَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاِنَّهٗ یُحِبُّکَ وَاِیَّاهُ۔ (الفردوس)

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ ایک شخص کسی اپنے دوست کی ملاقات کے لئے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے گھر سے نکلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے راستے میں ایک فرشتہ اس کے انتظار میں بٹھا دیتا ہے۔ جب وہ اس کے پاس پہنچتا ہے تو وہ اس سے پوچھتا ہے کہ تیرا کہاں جانے کا ارادہ ہے تو وہ شخص جواب دیتا ہے کہ میں فلاں اپنے دوست سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں تو وہ اس سے پوچھتا ہے کیا تیرا اس کے ساتھ کوئی قریبی رشتہ ہے؟ تو وہ نہ میں جواب دیتا ہے۔ پھر وہ اس سے پوچھتا ہے۔ کیا اس کا تیرے اوپر کوئی احسان ہے جس کا تو بدلہ چکانا چاہتا ہے تو وہ اس سوال کا جواب بھی نفی میں دیتا ہے۔ فرشتہ پوچھتا ہے پھر تو کس وجہ سے اس کی ملاقات کرنا چاہتا ہے تو وہ جواب دیتا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اس کے ساتھ محبت کرتا ہوں تو فرشتہ اسے جواب دیتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا فرستادہ ہوں اور اس نے مجھے یہ خوشخبری دینے

کے لئے بھیجا ہے کہ وہ تیرے ساتھ اور تیرے اس بھائی کے ساتھ محبت کرتا ہے جس کی ملاقات کے لئے تو جارہا ہے"۔

یہ ہے اللہ تعالیٰ کی محبت جس سے اپنے بندوں کو نوازتا ہے۔

اسی طرح حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا۔

قَالَ علیہ الصلوٰۃ والسلام ما من عبدٍ یزورُ اخًا لَہٗ فی اللّٰہِ اِلَّا قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ فی ملکوت عرشہٖ عبدی زارنی و عَلَیَّ قِرَاہُ ای ضِیَافَتُہٗ لَا اَرْضٰی لعبدی قِرًی دُوْنَ الجنّۃِ۔

"کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کسی اپنے بھائی کی ملاقات کے لئے جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے عرش کو اٹھانے والے ملائکہ کے سامنے اعلان کر دیتا ہے۔ میرا یہ بندہ میری ملاقات کے لئے حاضر ہو رہا ہے اور اس کی مہمان نوازی۔ میرے ذمہ کرم پر ہے تو میں اپنے اس بندے کے لئے جنت کے سوا کوئی مہمان نوازی پسند نہیں کرتا"۔

اس روایت کو صاحب فردوس نے بغیر سند کے روایت کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے محبت کرنا اور اس کو خوش کرنے کے لئے کسی کے ساتھ ناراض ہونا تمام اعمال سے افضل ترین عمل ہے۔ جیسا کہ المصابیح میں مروی ہے۔

اَنَّہٗ علیہ الصلوٰۃ والسلام قال اَفضلُ الاعمالِ الحبُّ فی اللّٰہِ والبغضُ لِلّٰہِ رواہ ابوھریرۃ۔

خلاصہ کلام:- بندہ مومن کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ کچھ ایسے دوست بنائے جن کے ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لئے محبت کرتا ہے اور کوئی نہ کوئی اس کا ایسا مخالف ہو جس کے ساتھ وہ اس کے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے بغض رکھتا ہو اور اسے ناپسند کرتا ہو۔ کیونکہ جب اس کی کسی کے ساتھ محبت اس وجہ سے ہوگی کہ اللہ اس سے راضی

ہو جائے تو پھر ضروری ہے کہ کسی کے ساتھ اس کی نفرت اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی وجہ سے ہو۔

(مجالس الرومی)

حضرت ادریس الخولانی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک دن دمشق کی ایک مسجد میں حاضر ہوا۔ وہاں میں نے ایک ایسا نورانی چہرے والا آدمی دیکھا جس کے اردگرد لوگوں کی کثیر تعداد حلقہ بنائے بیٹھی تھی۔ اور وہ لوگ ان کا ازحد احترام کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر ان میں کسی بات پر اختلاف پیدا ہو جاتا اور وہ بزرگ ہستی جس بات میں اپنی رائے پیش کرتے تو سارے اس کی بات تسلیم کرتے اور اس کے حکم کے سامنے سرتسلیم خم کر دیتے میں نے سوچا کہ یہ ہستی بہت بلند مرتبے پر فائز ہے اس لئے ان سے جان پہچان کرنی چاہئے میں نے لوگوں سے پوچھا۔ یہ بزرگ کون ہستی ہیں؟ تو مجھے بتایا گیا یہ تو حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ صحابی رسول ہیں۔ میں نے ان سے ملاقات کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا۔ اس لئے میں دوسرے دن جلد از جلد حاضر خدمت ہوا اور سویرے سویرے مسجد میں پہنچا میں نے انہیں دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں۔ میں ان کی فراغت کا انتظار کرنے لگا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے انہیں السلام علیکم کہا اور عرض کی کہ میں آپ سے اللہ کے لئے محبت کرتا ہوں تو انہوں نے تین بار سوالیہ انداز میں مجھ سے پوچھا۔ اَللّٰہِ تُحِبُّنِی قُلْتُ نَعَمْ دوبارہ اور سہ بارہ انہوں نے یہی کلمات دوہرائے اور میں نے انہیں ہاں میں جواب دیا تو انہوں نے فرمایا۔ اُبَشِّرُکَ بالجنۃ کہ میں تجھے جنت کی خوشخبری سناتا ہوں۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

و جبت مجتی لِلْمُتَحَابین فِیَّ وَالمتزاورین فِیَّ والمتباذلین فِیَّ - او کما قَالَ صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔

کہ میری محبت میری رضا کے لئے آپس میں محبت کرنے والوں، آپس میں ایک دوسرے کی ملاقات کرنے والوں اور میرے راستے میں باہمی خرچ کرنے والوں کے لئے

واجب ہوگئی ہے۔

فَعَّالٌ لِمَا یُرِیْدُ

''جو وہ ارادہ فرماتا ہے وہ اسے کر گزرتا ہے۔'' مطلب یہ ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو کسی کو شہنشاہ بنا دے اور اگر چاہے تو اس سے تاج کرامت چھین کر اسے گداگر بنا دے اور اسے ذلت و پستی کی اتھاہ گہرائی میں گرا دے اور اگر چاہے تو غلام علاؤ الدین خلجی کو مغل بادشاہوں کا تخت و تاج عطا فرما دے اور چاہے تو شہنشاہ کے شہزادوں کو پابہ زنجیر کر کے کال کوٹھڑیوں میں ڈلوا دے جہاں وہ سسک سسک کر ہلاک ہو جائیں۔ اور چاہے تو یتیم عبداللہ کو نبوت و رسالت کا تاج پہنا کر ساری کائنات کا سردار بنا دے اور جلنے والے ان کی عظمت شان کو دیکھ دیکھ کر جلتے رہیں اور ذلیل و رسوا ہوتے رہیں اور چاہے تو خواجہ معین الدین چشتی اجمیری علیہ الرحمۃ کو سلطان الہند کا لقب عطا فرما دے اور آپ کی تبلیغ سے راجہ پرتھوی کی مملکت میں بغیر ساز و سامان اور بغیر اسلحہ نوے لاکھ ہندوؤں کے زنار توڑ کر دائرہ اسلام میں داخل کر دے اور ان کی گردنوں میں غلامی مصطفیٰ کا طوق پہنا دے۔ جب آپ ہندوستان میں تشریف لائے اور آپ نے تبلیغ کرنا شروع کی اور جوق در جوق دیویوں اور دیوتاؤں کے پجاری ان کی پوجا چھوڑ کر ایک خدا وحدہٗ لاشریک کی بارگاہ میں جبین نیاز جھکانے لگے۔ ہندوستان کے راجوں مہاراجوں نے آپ کے تبلیغی اثر کو زائل کرنے کی ہزارہا کوششیں کیں لیکن وہ ناکام و نامراد ہوئے تو پھر انہوں نے ایک اور سازش سوچی کہ ان سے گناہ سرزد کرایا جائے تو خود بخود ہی ان کی تبلیغ کا اثر ختم ہو جائے گا چنانچہ انہوں نے ایک حسین و جمیل لڑکی کو خوب سجایا۔ اسے بناؤ سنگھار سے مزین کیا اور حضرت سلطان الہند کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کے لئے اسے بھیج دیا۔ وہ رات کی تاریکیوں میں حضرت خواجۂ خواجگان کی خلوت گاہ میں اس مذموم مقصد کو پورا کرنے کے لئے حاضر ہوئی۔ کمرے میں داخل ہو کر آپ کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کرانے کی بھرپور کوشش کرتی رہی لیکن وہ ناکام و نامراد ہوئی۔ بھلا جس کے سامنے حسن ازلی اپنے جمال جہاں آرا کو ظاہر کر رہا ہو وہ بھلا

کیونکر کسی غیر کی طرف متوجہ ہو۔رات ساری گزر گئی۔حضرت خواجہ خواجگان رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنا بھی گوارہ نہ کیا اور جمال یار کے نظارہ میں مستغرق رہے جب وہ اپنے مقصد میں نا کام ہو کر واپس لوٹنے لگی تو حضور سلطان الہند رحمۃ اللہ علیہ نے توجہ فرمائی۔ کہ اگر یہ جس طرح کافرہ آئی تھی ویسے ہی لوٹ گئی تو مجھے سلطان الہند کون کہے گا۔اس لئے آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی کہ اے مولائے کریم تو اسے ہدایت عطا فرما اور اس کا دل نور ایمان سے روشن و منور فرما۔تو آپ کی نظر کرم سے اس کے دل میں توحید کا ایسا جھنڈا گاڑا گیا کہ وہ باوجود تکالیف کے مذہب اسلام سے منحرف نہ ہوئی کیا ہی کسی نے خوب کہا ہے۔

نگاہ ولی میں یہ تاثیر دیکھی　　　بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

اسی طرح حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک طائفہ بدکارہ کی قسمت بدل دی وہ ایک محل میں رہائش پذیر تھی۔ جہاں اس نے بدمعاشی کا اڈا قائم کیا ہوا تھا۔ایک دن حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ اس کے دروازے پر تشریف لے گئے۔اور اس عورت کو اپنے فعل شنیع کی وجہ سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ اپنی جیب سے ادا کر دی اور فرمایا آج کی رات تیری میرے لئے وقف ہے۔اس لئے آج کوئی غیر ادھر نہ آئے۔ چنانچہ آپ نے اس کے دروازے کے سامنے نفلی نماز پڑھنا شروع کر دی۔ جو شخص اس طائفہ سے منہ کالا کرنے کے لئے ادھر آتا تو آپ کو نماز پڑھتے دیکھ کر واپس چلا جاتا ساری رات اسی طرح گزر گئی۔جب صبح ہوئی وہ نیچے اتری اور یہ دیکھ کر کہ ایک مرد درویش میرے دروازے کے سامنے عبادت میں مصروف ہے۔اور رب تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا کر رہا ہے کہ اے اللہ اس بدکارہ کو راہ راست پہ لے آ اور اس کا تاریک دل نور ایمان سے روشن و منور فرما پھر آپ نے اسے فرمایا کہ میں نے تیری اجرت تجھے دے دی ہے۔اب تو وہ عمل کرے گی جو میں تجھے کہوں گا چنانچہ اس نے حامی بھر لی۔آپ نے فرمایا جاؤ غسل کر کے صاف ستھرے کپڑے پہن کر آؤ۔اس نے حکم کی تعمیل کی اور آپ نے اسے مصلیٰ پہ کھڑا کر کے نماز پڑھنے کا

حکم دیا اور پھر اللہ تعالیٰ کی جناب میں ان الفاظ سے عرض کی۔ کہ اے اللہ تعالیٰ اسے تیری بارگاہ میں جھکانا میرا کام تھا۔ اب اسے قبول کرنا تیرا کام ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کی کایا پلٹ دی اس نے سچے دل سے توبہ کی اور حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی دعا سے وہ جنتی ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی کسی اپنے مقبول بارگاہ کی جناب میں حاضر ہونے کا موقع عطا فرمائے تا کہ ہمارے دلوں کی سیاہی دھل جائے اور ہم بھی واصل باللہ ہو جائیں۔

اللهم لکَ الحمد انت رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين و على الِهٖ واصحابه و من تَبِعَهٗ واَحَبَّهٗ واسعدسکَ بِعولهٖ اجمعين اِلى يوم الدين – رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعمتکَ الَّتِیٓ انعمت عَلَیَّ و علی والدیَّ و اَنْ اَعْمَلَ صَالحاً ترضاه وَاَصْلِحْ لِیْ فِی ذریتی اِنِّی تُبْتُ اِلیکَ وانی من المسلمين و اخر دعوانا اَنِ الحمد للّٰه رب العالمين۔

وما توفيقی اِلا باللّٰه عليه توكلت و اليه انيب

اٹھاون واں وعظ

موت کی سختی

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ وَ عَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴿۳۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَ نَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَ الْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۵﴾ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ (سورۃ انبیاء)

''اور نہیں مقدر کیا ہم نے کسی انسان کے لئے جو آپ سے پہلے گزرا (اس دنیا میں) ہمیشہ رہنا اگر آپ انتقال فرما جائیں تو کیا یہ لوگ (یہاں) ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ ہر نفس موت (کا مزہ) چکھنے والا ہے۔ اور ہم خوب آزماتے ہیں تمہیں برے اور اچھے حالات سے دوچار کر کے اور (آخرکار) تم سب کو ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے''۔ (ترجمہ از جمال القرآن)

یہ دونوں آیات سورۃ الانبیاء کی ہیں۔ جو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اور اس میں بہت سے انبیاء کرام کا تذکرہ ہے۔ اس وجہ سے اس سورۃ کا نام الانبیاء رکھا گیا ہے۔

شان نزول

ان دونوں آیات کا شان نزول حضور ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ کفار نے اشاعت اسلام میں ہر قسم کے روڑے اٹکائے لیکن اس کی اشاعت میں روز افزوں اضافہ ہی ہوتا گیا۔ انہوں نے اپنے غم نصیب دلوں کو یہ کہہ کر تسلی دینا شروع کی کہ آخر کہاں تک ایسا ہوتا رہے گا ایک روز تو ان کی زندگی ختم ہو ہی جائے گی۔ اس کے بعد تو ہمیں آرام کا سانس لینا نصیب ہوگا۔ وہ کہا کرتے فَنَتَرَبَّصُ بِمُحَمَّدٍ رَيْبَ الْمَنُوْنِ کہ ہم محمد

صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حادثات زمانہ کا انتظار کر رہے ہیں اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں اور انہیں ان کی حماقت کی طرف توجہ دلائی کہ اگر میرے محبوب نے اس دنیا میں ہمیشہ نہیں رہنا تو کیا تم ابدالآباد تک زندہ رہو گے۔ جب تم نے بھی ہر زندہ چیز کی طرح موت کا پیالہ پینا ہے پھر اس پر بغلیں بجانے کا کیا فائدہ......؟ (از ضیاء القرآن شریف)

موت ایک ایسی حقیقت ہے جو اٹل ہے۔ جو اس کے لئے وقت مقرر کیا گیا ہے اس پر ہر حالت میں واقع ہو کر رہتی ہے۔ اور زندگی کا رشتہ منقطع ہو جاتا ہے اور اس کا ذائقہ جلد یا دیر سے ہر حالت میں چکھنا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا کہ جب اس کی موت کا وقت آجائے تو اللہ تعالیٰ کسی شخص کو ہرگز مہلت نہیں دیا کرتا۔ اور اس موت کا ذائقہ بہت کڑوا ہوتا ہے۔ انبیاء کرام اور عباد الرحمٰن سکرات الموت سے از حد خوفزدہ رہتے اور اللہ تعالیٰ سے موت کی سختیوں اور سکرات کی پناہ مانگا کرتے تھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اللہ تعالیٰ کی جناب میں یہ دعا کیا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ سَخَطِکَ وَ عَذَابِکَ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ سَکَرَاتِ الْمَوْتِ وَ عَذَابِ الْقَبْرِ۔ اے مولائے کریم میں تجھ سے تیری ناراضگی اور تیرے عذاب سے پناہ مانگتا ہوں اور تجھی سے عذاب قبر اور سکرات الموت کی پناہ مانگتا ہوں۔

اس کی مزید وضاحت اور ہولناکی آپ اس واقعہ سے معلوم کر سکتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے مردہ زندہ کرنے کا معجزہ عطا فرمایا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کے اذن سے ان کو زندہ کرتے تھے۔ کسی کافر نے کہا کہ اے عیسیٰ آپ تو ان مردوں کو زندہ کرتے ہیں جو تازہ مرے ہوتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ مردہ نہ ہوں بلکہ ان پر سکتہ کی کیفیت ہو۔ آپ ہمارے لئے کوئی پہلے زمانے کا فوت شدہ آدمی زندہ کر کے دکھائیں تو آپ نے فرمایا کہ جس فوت شدہ کو آپ زندہ کرانا چاہیں اس کی نشاندہی کریں تو انہوں نے کہا کہ آپ ہمیں سام بن نوح علیہما السلام زندہ کر کے دکھائیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کے مزار پر تشریف لے گئے اور دو رکعت نماز نفل ادا فرمائی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی کہ اے مولا کریم!

میری دعا قبول فرما۔ یہ کہہ کر حضرت سام بن نوح علیہما السلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ اللہ کے اذن سے قبر سے باہر تشریف لاؤ۔ تو وہ قبر سے باہر تشریف لے آئے۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کے سر اور داڑھی مبارک کے بال سفید ہو چکے تھے آپ نے تعجب کرتے ہوئے پوچھا۔ اے سام! یہ بڑھاپا کیسا؟ حالانکہ آپ کے زمانہ میں یہ نہیں ہوا کرتا تھا انہوں نے جواب دیا کہ میں نے آپ کی آواز سنی تو خیال کیا کہ قیامت قائم ہو چکی ہے اس لئے اس کے خوف اور ہولناکی سے میرے سر اور داڑھی کے بال سفید ہو گئے ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ آپ کتنے سال دنیا سے رخصت ہونے کے بعد قبر میں تشریف فرما رہے ہو۔ تو انہوں نے فرمایا چار ہزار سال سے میں اس قبر میں موجود ہوں۔ لیکن موت کے سکرات اور اس کی کڑواہٹ کی شدت آج تک محسوس کر رہا ہوں۔

(درۃ الواعظین)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ

مذکورہ بالا واقعہ کی طرح ہی ایک اور عجیب و غریب واقعہ ہے۔ جس کا تعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ طیبہ طاہرہ حضرت مریم علیہا السلام کے ساتھ ہے۔ باوجود اس بات کے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ترین ہستی تھیں لیکن موت کا کڑوا ذائقہ انہیں قبر میں بھی نہ بھولا۔ اس کی تفصیل اس روایت سے معلوم ہوتی ہے جس کو وہب ابن منبہ نے اپنے دادا ادریس سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا میں نے ایک کتاب میں یہ واقعہ پڑھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ کی خدمت میں عرض کی کہ یہ دنیا فانی ہے اور زوال کا گھر ہے اور آخرت دار بقا۔ اس لئے آپ میرے ساتھ تشریف لائیں تاکہ ہم لبنان کے کسی پہاڑ پر جا کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں۔ وہ دونوں پہاڑ پر تشریف لے گئے، وہ دن کو روزہ رکھتے اور رات کو اللہ کی بارگاہ میں قیام کرتے۔ درختوں کے پتے کھاتے اور بارشوں کا پانی پیتے۔ وہ کافی عرصہ تک اس طرح عبادت میں مشغول رہے۔ ایک دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہاڑ سے نیچے اتر کر ایک وادی میں تشریف لے گئے۔ تاکہ اپنا روزہ

افطار کرنے کے لئے ایک خاص قسم کی گھاس تلاش کریں۔ جب وہ جا چکے تو حضرت مریم علیہا السلام کے پاس ملک الموت فرشتہ حاضر ہوا۔ اس نے عرض کی اے روزہ رکھنے والی مریم تجھے سلام قبول ہو۔ آپ نے پوچھا تو کون ہے؟ کیونکہ تیری آواز سن کر مجھ پر کپکپی طاری ہوگئی ہے اور تیری ہیبت سے میں پریشان ہوگئی ہوں۔ تو اس نے جواب دیا کہ میں وہ ہوں جو کسی چھوٹے پر اس کی صغر سنی کی وجہ سے رحم نہیں کرتا۔ اور نہ ہی کسی بوڑھے پر اس کے بڑھاپے کی وجہ سے رحم کرتا ہے۔ میں مخلوق خدا کی روحیں قبض کرنے والا ہوں۔ تو حضرت مریم علیہا السلام نے فرمایا۔ اے ملک الموت کیا تو میری ملاقات کے لئے آیا ہے یا روح قبض کرنے کے لئے تو اس نے کہا کہ آپ موت کے لئے تیار ہو جائیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ کیا میرے محبوب اور پیارے بیٹے کی واپسی تک تو مجھے مہلت نہیں دیتا تو اس نے آپ سے عرض کی مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا۔ میں تو اللہ کے حکم کا پابند ہوں۔ خدا کی قسم میں اس وقت تک کسی مچھر کی بھی روح قبض نہیں کرتا جب تک میرا پروردگار مجھے حکم نہیں دیتا۔ اور میں ایک قدم بھی اس وقت تک پیچھے نہیں ہٹوں گا جب تک کہ تیری روح اسی مقام پر قبض نہ کرلوں تو آپ نے فرمایا اے ملک الموت! میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرتی ہوں تو اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل پیرا ہو جا۔ وہ آپ کے نزدیک ہوا اور آپ کی روح قبض کر لی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تاخیر کی یہاں تک کہ عشاء کی نماز کا وقت آ گیا اور جب وہ واپس پلٹے تو عشاء کی نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ اور آپ کے پاس گھاس اور ساگ پات تھا۔ تو آپ نے اپنی والدہ کو دیکھا کہ وہ اپنی عبادت کی جگہ میں آرام فرما ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خیال کیا کہ ہوسکتا ہے کہ یہ اپنے فرائض سے فارغ ہوگئی ہوں اس لئے آپ نے اس ساز و سامان کو نیچے رکھا اور محراب کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو گئے اور ساری رات انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں گزار دی دوبارہ انہوں نے اپنی والدہ کی طرف دیکھا تو بڑی ہی غمگین آواز میں انہیں عرض کیا اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اُمَّاہُ اے میری مادر محترمہ! اب رات چھا گئی ہے روزے داروں کے روزے افطار کر لئے ہیں اور عبادت کرنے والے

عبادت میں مصروف ہوگئے ہیں۔ آج آپ کو کیا ہے؟ کہ آپ ارحم الراحمین کی عبادت کے لئے کھڑی نہیں ہو رہی ہیں۔ لیکن وہاں سے کوئی جواب نہ آیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خیال کیا۔ ہو سکتا ہے کہ آج نیند کی حلاوت نے آلیا ہو۔ لہٰذا آپ دوبارہ عبادت میں مصروف ہو گئے۔ یہاں تک کہ رات کا دوسرا ثلث گزر گیا اور آپ نے روزہ تک افطار نہ کیا تا کہ اپنی والدہ کے ساتھ مل کر روزہ افطار کریں اور عبادت کرتے رہے اور حزین آواز اور غمگین دل کے ساتھ اپنی والدہ کو پکارتے رہے۔ اے میری امی جان! آپ پر خدا کی سلامتی ہو۔ یہاں تک کہ صبح طلوع ہوگئی اور آپ نے اپنا رخسار والدہ کے رخسار پر اور اپنا منہ والدہ کے منہ پر رکھا اور آہ وزاری کرتے ہوئے اپنی والدہ کی خدمت میں عرض کرتے رہے۔ اے امی جان! السلام علیکم۔ رات گزر گئی، دن طلوع ہو گیا رحمٰن ورحیم رب کے فرض کو ادا کرنے کا وقت ہو گیا ہے۔ تو آپ کی آہ وفغاں سن کر آسمان کے فرشتے اور اطراف و اکناف کے جنات بھی رونے لگے۔ اور پہاڑ کانپنے لگا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی طرف وحی فرمائی کہ تمہیں کیا چیز رلا رہی ہے۔ تو انہوں نے عرض کی اے اللہ تو خوب جانتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہاں میں جانتا ہوں اور میں ارحم الراحمین بھی ہوں۔ تو اچانک ایک آواز آئی جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو چوکنا کر دیا اور کہا۔ اے عیسیٰ علیہ السلام اپنا سر مبارک اٹھا لیجئے۔ تیری والدہ محترمہ اس دار فانی سے کوچ کر چکی ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ تیرے اجر میں اضافہ فرمائے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے روتے ہوئے اپنا سر مبارک اٹھا لیا اور کہنے لگے میری تنہائی اور وحشت میں کون مجھے تسلی دے گا اور میری اس غربت میں کون میرا مونس وغمخوار ہوگا اور میری عبادت میں کون میرا معاون ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کی طرف وحی فرمائی کہ عیسیٰ علیہ السلام جو میری روح ہیں انہیں نصیحت کرو تو پہاڑ نے عرض کی۔ اے روح اللہ! یہ جزع وفزع کیسا؟ کیا تو اللہ کے ساتھ کسی اور غمخوار کا ارادہ رکھتا ہے۔ یہ سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس پہاڑ سے نیچے اترے اور بنی اسرائیل کی ایک بستی میں تشریف لے گئے۔ تو آپ نے اہل بستی کو السلام علیکم کہا تو انہوں نے پوچھا کہ اے اللہ کے بندے تو

کون ہے۔ تیرے چہرے کے حسن و جمال نے ہمارے گھروں کو روشن کر دیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں روح اللہ ہوں۔ میری والدہ محترمہ اس اجنبی جگہ پر وفات پا گئی ہیں۔ ان کی تجہیز و تکفین میں میری مدد کرو۔ تو انہوں نے کہا۔ اے روح اللہ! اس پہاڑ میں بے شمار زہریلے سانپ اور اژدھا ہیں ہمارے آباؤ اجداد تین سو سال سے اس کی طرف چل کر نہیں گئے۔ اس لئے ہم معذور ہیں۔ ان سے مایوس ہو کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام واپس پہاڑ کی طرف پلٹے تو وہاں دو خوبصورت نوجوان دیکھے آپ نے انہیں سلام کہا تو انہوں نے سلام کا جواب دیا پھر آپ نے ان دونوں کو فرمایا کہ اس عجمی ماحول اس پہاڑ پر میری والدہ محترمہ انتقال فرما گئی ہیں۔ تم دونوں ان کی تجہیز و تکفین میں میری مدد کرو۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ یہ میکائیل ہے اور میں جبرائیل ہوں اور یہ تجہیز و تکفین کا سامان تیرے رب کی طرف سے ہے۔ ابھی ابھی جنت سے خوبصورت آنکھوں والی حوریں حاضر ہوتی ہیں جو انہیں غسل بھی دیں گی اور کفن بھی پہنائیں گی حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پہاڑ کی چوٹی پر ان کی قبر کھودی اور غسل و کفن اور جنازہ کے بعد بڑے اعزاز کے ساتھ اس میں دفن کیا۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ اے اللہ! تو میرا مکان بھی دیکھتا ہے اور میرا کلام بھی سنتا ہے۔ میری کوئی بات تجھ سے مخفی نہیں۔ میری عدم موجودگی میں میری والدہ وفات فرما گئی ہیں تو تو ان کو اجازت عطا فرما کہ وہ مجھے ہمکلامی کا شرف بخشے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ اے عیسیٰ! جاؤ میں نے اسے تجھ سے ہمکلام ہونے کی اجازت بخشی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کے مزار پر حاضر ہوئے اور قبر پر کھڑے ہو کر بڑے ہی مغموم انداز میں اپنی والدہ کو سلام عرض کیا۔ تو قبر سے انہوں نے جواب دیا۔ اے میرے دل کے ٹکڑے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک۔ تو عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ اے میری مادر محترمہ! آپ نے اپنی آرام گاہ اور اپنا نیا ٹھکانہ کیسا پایا ہے اور آپ کی اپنے رب کی بارگاہ میں حاضری کیسے ہوئی۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ میری آرامگاہ بہترین آرامگاہ ہے۔ اور میرے ٹھہرنے کی جگہ بہترین ہے۔ میں اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہوئی تو اسے راضی پایا

وہ ناراض نہیں تھا تو عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ اے میری امی جان! آپ نے موت کا ذائقہ کیسا پایا تو آپ فرمانے لگیں۔ مجھے اس ذات کی قسم جس نے تجھے نبی برحق بنا کر بھیجا ہے موت کی کڑواہٹ اور ملک الموت کی ہیبت اب تک مجھ سے دور نہیں ہوئی اور اس کے بعد اپنے لخت جگر کو فرمایا:

فَعَلَیْکَ السَّلَامُ یَا حَبِیْبِیْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ

''اے میرے فرزند دلبند! قیامت تک تیرے اوپر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں برستی رہیں''

(اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ) (درۃ الناصحین)

موت کا ذائقہ

موت کا ذائقہ بہت ہی کڑوا ہوتا ہے جس کی کڑواہٹ اور شدت مرنے کے بعد سال ہا سال گزرنے کے بعد بھی ختم نہیں ہوتی۔ حضرت سام بن نوح علیہ السلام پیغمبر خدا کے فرزند دلبند اور نبی ہیں۔ اور حضرت مریم علیہا السلام طیبہ طاہرہ ہیں اور پیغمبر خدا کی والدہ محترمہ بھی ہیں۔ ان کے حالات سے آپ نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ موت کا ذائقہ کتنا کڑوا اور شدید ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا کرنی چاہئے کہ اے اللہ ہم سکرات الموت سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔ تو ہمارے لئے اس کو آسان فرما۔ اور مرتے وقت ہماری زبانوں کو کلمہ طیبہ کا ذکر کرنے کی توفیق عطا فرما۔ (آمین ثم آمین)

اگرچہ مومنین اور صالحین کے لئے اللہ تعالیٰ اس میں آسانی فرماتا ہے۔ اور اس کے برعکس کفار اور نافرمانوں کے لئے یہ لمحات شدید ترین ہوتے ہیں اور ملک الموت جب ان کی روح قبض کرتا ہے تو کافر کی حالت دیدنی ہوتی ہے۔ اور اس کی شدت کی وجہ سے اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں اور اس کی روح اس کے جسم سے نکلنے سے انکار کر دیتی ہے۔ کیونکہ اس کو اپنا المناک انجام نظر آرہا ہوتا ہے اور جہنم میں اس کا جو مقام ہوگا وہ اسے دیکھ رہا ہوتا ہے۔ اس لئے فرشتے اس کے رگ وریشہ میں گھس کر اس کو باہر کھینچ لاتے ہیں لیکن بندہ مومن کی یہ حالت نہیں ہوتی بلکہ وہ آدمی جس کو ایمان کی دولت نصیب ہو اور اسے

نفس مطمئنہ سے بہرہ ور کیا جائے۔ تو اس کے لئے اس کی شدت میں کمی ہوتی ہے۔ بلکہ اس کو یہ مژدہ جانفزا سنایا جاتا ہے۔

یَاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ۔ کہ اے نفس مطمئنہ اپنے رب کے پاس واپس لوٹ آ یعنی اس مخصوص مقام کی طرف جہاں وہ اپنے بندوں کو اپنی خصوصی عنایات سے سرفراز فرماتا ہے تو اس کی محبت میں آنسو بہاتا رہا اور اس کے عشق کی آگ میں جلتا رہا اور تو اس کے سوزِ فراق میں تڑپتا رہا۔ اب فراق کی طویل رات سحر آشنا ہو رہی ہے۔ دوریاں سمٹ رہی ہیں پردے اٹھ رہے ہیں تو اپنے بے تاب دل اور بے تاب نگاہوں سمیت حاضر ہو جا۔ ڈرتے ہوئے نہیں، گھبراتے ہوئے نہیں اس خیال سے پریشان ہو کر نہیں کہ جس رب کو راضی کرنے کے لئے۔ تو راتوں کو جاگتا رہا۔ دن کو روزہ رکھتا رہا اور اپنے دامن کو گناہوں کی آلودگیوں سے پاک رکھتا رہا۔ حسن اخلاق اور نیک اعمال کا مرقع بنا رہا کہ وہ راضی بھی ہوا ہے یا نہیں ان خدشات اور ان وسوسوں کو دل سے نکال کر باہر پھینک دو حریم ناز میں اس شان سے آؤ کہ تم اپنے رب کریم کی عنایات پر راضی اور وہ بندہ نواز بھی تجھ سے راضی...... کیا لطف ہے! کیا کرم ہے! کتنی بلند قسمت ہے اس خاکسار بندے کی جس پر یہ عنایت ہوئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا اِذَا تُوُفِّیَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ اَرْسَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی مَلَكَیْنِ وَاَرْسَلَ اِلَیْهِ بِتُحْفَةٍ مِّنَ الْجَنَّةِ فَیَقَالُ اُخْرُجِیْ اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ اِلٰی رَوْحٍ وَّ رَیْحَانٍ رَبٍّ عَنْكَ رَاضٍ ...... الخ۔

"حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب بندہ مومن کا اس دنیا سے رخصت ہونے کا وقت قریب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ جنت کے تحفوں کے ساتھ دو فرشتوں کو اس کی طرف بھیجتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے۔

اے نفس مطمئنہ تو راحت، آرام اور گل پوش وادیوں کی طرف نکل آ اور اس رب کی

طرف چل جو تجھ سے راضی ہے اور تو اس سے راضی"۔

لیکن جب کافر نافرمان کی موت کا وقت آتا ہے تو اس کے سامنے اس کا ٹھکانہ جو جہنم میں ہے وہ اس کو دکھا دیا جاتا ہے جس کو دیکھ کر وہ گھبراتا ہے اور اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ جاتا ہے اور اس وقت وہ پکارتا ہے۔

هَلْ مِنْ رَاقٍ کہ ہے کوئی دم کرنے والا یا جھاڑ پھونک کرنے والا جو مجھے اس عذاب سے نجات دلائے لیکن سب بے سود۔ (مشکوۃ شریف)

اسی طرح حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ مومن کا جب اس دنیا سے رشتہ حیات منقطع ہونے کا وقت آتا ہے۔ اور وہ اخروی دائمی زندگی کی طرف جانے کے لئے تیار ہوتا ہے تو اس کی طرف سفید چمکتے ہوئے چہروں والے فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ گویا ان کے چہرے سورج کی طرح چمک رہے ہوتے ہیں۔ ان کے پاس جنت کا کفن اور اس کا حنوط ہوتا ہے۔ اور وہ فرشتے اس شخص کی حد نگاہ تک اس سے دور بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت حاضر ہوتا ہے اور وہ اس کے سر کے نزدیک بیٹھ جاتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ اے نفس مطمعہ! تو اللہ تعالیٰ کی بخشش اور اس کی خوشنودی کی طرف نکل آ۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ نفس اس کے جسم سے اس طرح آسانی سے بہتے ہوئے نکلتا ہے جس طرح مشکیزہ سے پانی کے قطرات بہتے ہیں تو ملک الموت اسے پکڑ لیتا ہے اور وہ اسے آنکھ جھپکنے کی دیر میں دوسرے فرشتوں کو پکڑا دیتا ہے تو وہ اسے کفن اور خوشبو میں لپیٹ لیتے ہیں اور اس سے اس طرح پاکیزہ خوشبو آ رہی ہوتی ہے جس طرح کستوری کی خوشبو ہوتی ہے اور جب کافر کے مرنے کا وقت قریب آتا ہے تو اس کی طرف آسمان سے سیاہ اور بھیانک چہروں والے فرشتے اترتے ہیں۔ اور ان کے پاس بدبودار اور قابل نفرت کفن ہوتا ہے اور وہ اس کی حد نگاہ تک اس کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں اس کے بعد ملک الموت آتا ہے۔ وہ اس کے سر کے نزدیک بیٹھ جاتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی ناراضگی کی طرف

آ۔ اور اس کے جسم میں گھس جاتا ہے۔ اور اس کی روح کو اس کے جسم سے اس طرح کھینچتا
ہے جس طرح اون سے خاردار جھاڑی کے کانٹے کھینچے جاتے ہیں پھر وہ اسے پکڑ لیتا ہے
اور چشم زدن میں دوسرے فرشتوں کو پکڑا دیتا ہے اور وہ اسے اس بدبودار کپڑے میں لپیٹ
لیتے ہیں اور اس سے اس طرح بدبو اور گھن اٹھتا ہے۔ جس طرح مردار کے جسم سے تعفن
کے بھبھوکے اٹھتے ہیں۔ (تفسیر مظہری اور مسند امام احمد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی شخص مرنے لگتا ہے تو اس کے پاس فرشتے حاضر ہوتے ہیں
اگر وہ شخص مومن اور صالح ہو تو اس سے بڑے محبت بھرے لہجے میں کہتے ہیں۔ اے پاک
نفس! اپنے جسم سے باہر آ جا تجھے راحت اور خوشبودار غذا کی بشارت دی جاتی ہے اور تیرا
رب تجھ سے ناراض نہیں وہ فرشتے اسے اس طرح مژدہ جانفزا سناتے رہتے ہیں پھر جب وہ
جسم سے باہر نکل آتی ہے تو فرشتے اسے ریشمی اور خوشبودار رومالوں میں لپیٹ کر آسمان کی
طرف عروج کرتے ہیں اور آسمان کے دروازے اس کے لئے کھول دیئے جاتے ہیں اہل
آسمان پوچھتے ہیں یہ کون ہے انہیں بتایا جاتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فلاں بندہ ہے تو وہ
اسے ان کلمات سے خوش آمدید کہتے ہیں۔ "اے پاک نفس! پاک جسم کے مکین آ تو عزت و
آبرو کے ساتھ اندر داخل ہو جا۔ اور تجھے آرام اور کریم رزق کی بشارت ہو تیرا رب تجھ
سے ناراض نہیں ہے۔" اور فرشتوں کا اسے خوش آمدید کہنا ہر آسمان میں اسی طرح جاری رہتا
ہے یہاں تک کہ وہ اس بلندی پر پہنچ جاتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق جلوہ افروز
ہوتا ہے۔ اور اگر وہ شخص کافر، بدکردار اور حیاباختہ حرکات کا مرتکب ہو تو ملک الموت اسے
بڑی حقارت اور تذلیل کے لہجے میں کہتا ہے۔

"اے خبیث نفس! اے خبیث جسم کے مکین تو ذلت و رسوائی کے ساتھ اس خبیث جسم
سے باہر آ جا اور تجھے جہنم کا کھولتا ہوا پانی اور دوزخیوں کا دھوون اور پیپ مبارک
ہو۔"

وہ فرشتے اسے یہی کہتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ جسم سے باہر آتی ہے۔ اسے لے کر آسمان کی طرف عروج کیا جاتا ہے اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ پوچھا جاتا ہے یہ کون ہے تو انہیں بتایا جاتا ہے کہ یہ فلاں بد بخت ہے تو اسے کہا جاتا ہے۔ اے خبیث نفس! خبیث جسم کے مکین! تیرے لئے کوئی راحت وسکون اور کوئی خوشی نہیں۔ ذلیل ورسوا ہو کر واپس پلٹ جا۔ تیرے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور اسے پہلے آسمان سے ہی مطرود کر دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنی اس قبر کی طرف لوٹ جاتی ہے جو دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ (ابن ماجہ)

یہ جو کچھ مذکور ہوا یہ اس شخص کے متعلق ہے جو ساری زندگی۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا رہا اور اسے ایمان لانے کی توفیق نہ ہوئی لیکن بندہ مومن اور اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار کے ساتھ از حد نرمی کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ بلکہ جب وہ اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو اس کے چہرے پر مسکراہٹ اور شگفتگی ہوتی ہے۔ علامہ اقبال مرحوم فرماتے ہیں

بیا تو بگویم نشان مرد مومن چوں مرگ آید تبسم برلب اوست

روایت میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی مومن کی روح قبض کرنے کا ارادہ فرماتا ہے۔ تو وہ ملک الموت کو اس کی طرف بھیجتا ہے تو وہ اس کے منہ کی جانب سے روح قبض کرنے کے لئے آتا ہے تو اس کی زبان پر اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری ہو جاتا ہے اور وہ اسے کہتا ہے کہ تو اس طرف سے روح کیسے قبض کرے گا۔ جبکہ وہ اپنے پروردگار کا ذکر کر رہا ہے۔ تو ملک الموت اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض کرتا ہے کہ اے اللہ! یہ بندہ اس طرح کہہ رہا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے فرماتا ہے کہ کسی اور عضو سے اس کی روح قبض کرلو چنانچہ وہ دوسرے اعضاء کی طرف متوجہ ہوتا ہے تا کہ وہ ادھر سے روح قبض کرے لیکن وہ جس طرف سے بھی جاتا ہے۔ وہاں سے اس بندہ کی کوئی نہ کوئی نیکی سامنے آجاتی ہے۔ مثلاً اگر ہاتھوں کی طرف سے وہ روح قبض کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ تو وہاں سے صدقہ، یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنا، دینی کتابوں کا لکھنا اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں تلوار چلانا ظاہر ہوتے ہیں اور وہ بھی اسی طرح

جواب دیتے ہیں جس طرح منہ نے جواب دیا تھا۔ اسی طرح پاؤں، کانوں اور آنکھوں سے اس طرح کی نیکیاں ظاہر ہوتی ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ ان اعضاء سے بھی روح قبض کرنے سے عاجز آ جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے۔ اے اللہ اب میں اس کی روح کیسے قبض کروں تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تو میرا نام اپنے ہاتھ پر لکھ لے اور اس مومن کی روح کو دکھا تو وہ اس کو دیکھتے ہی خود بخود جسم سے باہر نکل آئے گی اور پھر تو اسے قبض کر لینا چنانچہ ملک الموت اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجا لاتا ہے اور اپنی ہتھیلی پر اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی لکھ لیتا ہے۔ اور اس روح کو دکھاتا ہے تو وہ اسے دیکھتے ہی محبت سے سرشار ہو جاتی ہے اور فوراً منہ سے باہر نکل آتی ہے تو اس طرح اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت سے موت کا ذائقہ حلاوت میں بدل جاتا ہے، اور نزع کے وقت اسے کوئی تکلیف نہیں ہوتی تو جب اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی کی وجہ سے موت کی شدت محسوس نہیں ہوتی تو پھر بندہ مومن کو عذاب اور ذلت و رسوائی سے کیوں نہ بچا لیا جائے گا۔ (موعظہ حسنہ)

کسی آدمی کا ایمان کی دولت سے مالا مال ہونا اور اس کے اعضاء کا نیک اعمال کرنا اسے سکرات الموت اور اس کے کڑوے ذائقے سے بچا سکتا ہے۔ اسی طرح یہاں سے عذاب قبر اور اس کی سختیوں سے بھی بچا سکتا ہے۔

روایت ذکر کی گئی ہے کہ جب حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا آپ کا جنازہ رات کے وقت آپ کی وصیت کے مطابق اٹھایا گیا اور جنازہ اٹھانے والے یہ حضرات تھے۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم، حسنین کریمین رضی اللہ عنہما اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ۔ نماز جنازہ کے بعد جب آپ کو قبر میں رکھا گیا تو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے قبر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اے قبر! کیا تجھے معلوم ہے کہ یہ کون سی ہستی ہے جو تیرے اندر دفن کی جا رہی ہے؟ پھر انہوں نے آپ کے فضائل بیان کیے اور کہا کہ فاطمۃ الزہرا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر اور آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اور آپ کے خاوند حضرت علی المرتضیٰ حیدر کرار فاتح خیبر رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور

آپ جنت کے نوجوانوں کے سرداروں حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کی والدہ محترمہ ہیں تو اسی وقت غیب سے آواز آئی کہ میں حسب ونسب کی جگہ نہیں بلکہ اعمال صالحہ کی جگہ ہوں جس نے نیک اعمال کئے اور اپنی فانی زندگی اپنے رب کو راضی کرنے میں گزار دی اس کے لئے میں جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہوں اور اس کے لئے راحت اور سکون کی جگہ ہوں اور میرے عذاب سے صرف وہی بچ سکتا ہے جس نے بہت زیادہ نیک اعمال کئے اور اس کا دل شیطانی وسوسوں سے سلامت رہا اور وہ صرف اپنے رب کو راضی کرنے کے لئے عمل کرتا رہا۔ (مشکوٰۃ الانوار)

عذاب قبر سے نجات کا طریقہ

حضرت ابواللیث فقیہ سمرقندی فرماتے ہیں کہ جو عذاب قبر سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ چار اعمال کے کرنے پر مداومت اختیار کرے۔ اور چار اعمال سے اپنے آپ کو بچائے وہ چار عمل جن پر مواظبت ضروری ہے وہ یہ ہیں۔ (۱) پانچ وقت نماز ادا کرنے پر مواظبت کرنے (۲) اپنی حیثیت کے مطابق صدقہ وخیرات دیتا رہے (۳) قرآن کریم کی تلاوت کرنے میں مصروف رہے (۴) کثرت تسبیح وتہلیل کرتا رہے۔ ان اعمال کا کرنا اس کی قبر کو روشن کر دے گا اور وسیع کر دے گا اور اس کے لئے قبر تنگ نہیں ہوگی وہ چار اعمال جن سے اجتناب کرنا قبر کے عذاب سے بچاتا ہے وہ یہ ہیں (۱) جھوٹ سے بچنا (۲) خیانت کا ارتکاب نہ کرنا (۳) چغلخوری نہ کرنا (۴) اور کھڑے ہو کر پیشاب نہ کرنا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اِسْتَنْزِهُوْا عَنِ الْبَوْلِ فَاِنَّ عَامَّةَ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْهُ کہ پیشاب سے اپنے آپ کو پاکیزہ رکھو کیونکہ قبر کا عذاب عام طور پر اسی سے ہوتا ہے۔ (مشکاۃ الانوار)

اے اللہ! ہم تجھ سے تیری ناراضگی اور تیرے عذاب سے پناہ مانگتے ہیں۔ اور عذاب قبر اور سکرات الموت کی سختیوں سے نجات کی التجا کرتے ہیں اور مسیح الدجال کے فتنہ سے تیری پناہ مانگتے ہیں اور تجھ سے نفس مطمئنہ کا سوال کرتے ہیں۔

علامہ ابن کثیر نے ابن عساکر کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ دعا مانگنے کی تلقین فرمائی۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلٍ قُلِ اللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ نَفْسًا بِکَ مُطْمَئِنَّۃً تُؤْمِنُ بِلِقَائِکَ وَ تَرْضٰی بِقَضَائِکَ وَتَقْنَعُ بِعَطَائِکَ۔

"اے اللہ میں تجھ سے نفس مطمئنہ کا سوال کرتا ہوں جو تیری ملاقات پر ایمان رکھتا ہو۔ جو تیری قضا پر راضی ہو اور جو تیری عطا پر قانع ہو"۔ (ابن کثیر)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

وَاَجْمَلُ الصَّلٰوتِ وَاَحْسَنُ التَّسْلِیْمَاتِ وَاَکْمَلُ الْبَرَکَاتِ

وَاَطْیَبُ التَّحِیَّاتِ عَلٰی صَاحِبِ الْمَقَامِ الْمَحْمُوْدِ وَ حَامِلِ لِوَاءِ الْحَمْدِ

سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ نِ الْمَبْعُوْثِ رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ

وَاَزْوَاجِہِ الطَّاھِرَاتِ اُمَّھَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ عَلٰی سَائِرِ الصَّحَابَۃِ

وَالتَّابِعِیْنَ وَاَوْلِیَاءِ اُمَّتِہِ الْکَامِلِیْنَ وَعُلَمَاءِ مِلَّتِہِ

الرَّبَّانِیِّیْنَ وَ عَلَیْنَا مَعَہٗ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ نَفْسًا بِکَ مُطْمَئِنَّۃً تُؤْمِنُ بِلِقَائِکَ

وَتَرْضٰی بِقَضَائِکَ وَ تَقْنَعُ بِعَطَائِکَ

بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ

انسٹھواں وعظ

جمعہ کے فضائل، مسائل اور اس کی وجہ تسمیہ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ وَ نُبَارِکُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِهِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ وَعَلٰی اَزْوَاجِهِ الطَّاهِرَاتِ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَعَلٰی سَائِرِ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِیْنَ اَجْمَعِیْنَ -

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَیْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ صَدَقَ اللّٰهُ مولٰینا الْعَظِیْمُ (سورۂ جمعہ)

"اے ایمان والو! جب تمہیں بلایا جائے نماز کی طرف جمعہ کے دن تو دوڑ کر جاؤ اللہ کے ذکر کی طرف اور فوراً چھوڑ دو خرید و فروخت یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم (حقیقت کو) جانتے ہو۔"

یہ آیت طیبہ جو آپ کے سامنے تلاوت کرنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ یہ آیت سورہ جمعہ کے آخری رکوع کی ہے جو باتفاق علمائے کرام مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ یہ کب نازل ہوئی؟ اس کے متعلق بعض علمائے کرام کی تحقیق یہ ہے کہ اس کا نزول ہجرت کے فوراً بعد ہوا جبکہ مسلمانوں کو اجتماعی عبادتوں کی تربیت دینے کی ضرورت تھی۔ یہاں اس کے مخاطبین فرزندان اسلام ہیں۔ انہیں نماز جمعہ کے آداب اور اس کے احکام سکھائے جا رہے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ "اے ایمان والو! جب تم نماز جمعہ کی اذان سنو تو جلدی سے اللہ کے ذکر کی طرف پہنچنے کی کوشش کرو۔ اور اسی وقت خرید و فروخت بند کر دو یہ تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے۔" تو نُوْدِیَ سے مراد جمعہ کی اذان ہے اور احناف کے نزدیک اس سے مراد پہلی اذان

ہے۔ جو خطبہ شروع ہونے سے کچھ دیر پہلے دی جاتی ہے۔ اور اِسْعَوْا کا معنی دوڑنا یا بھاگنا نہیں بلکہ وقار کے ساتھ تیزی سے چلنا مراد ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھاگ کر نماز میں شرکت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے۔

اِذَا ثُوِّبَ بِالصَّلٰوۃِ فَلَا تَاْتُوْهَا وَاَنْتُمْ تَسْعَوْنَ وَلٰكِنْ اِئْتُوْهَا وَعَلَيْكُمُ السَّكِيْنَةُ وَالْوَقَارُ وَمَا اَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ اَتِمُّوْا۔

"یعنی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نماز کی اقامت سنو تو بھاگ کر نہ جاؤ بلکہ بڑے سکون اور وقار کے ساتھ نماز کی طرف آؤ۔ جو رکعتیں مل جائیں وہ امام کے ساتھ پڑھو اور جو فوت ہو جائیں انہیں سلام کے بعد فوراً ادا کرو"۔

اس لئے علمائے کرام نے سَعْیٌ کا معنی یہ کیا ہے۔ اِخْلَاصُ النِّیَّةِ وَالْعَمَلِ یعنی ارادہ کر لو اور وہاں جانے کی تیاری شروع کر دو۔

اس آیت پاک میں صرف خرید و فروخت کو ختم کرنے یا بند کرنے کا حکم نہیں بلکہ تمام وہ مشاغل جو جمعہ کی حاضری میں رکاوٹ کا باعث بن سکیں تمام کو ترک کرنا ضروری ہے۔ اور خرید و فروخت کا خصوصی ذکر اس لئے ہوا کہ جمعہ کے روز لوگ باہر سے آتے اور بیچنے کے لئے اپنا سامان بھی لاتے اور شہر سے اپنی ضروریات خرید کر بھی لے جاتے ملحقہ بستیوں کے لوگوں کے آنے کی وجہ سے جمعہ کے دن بڑی گہما گہمی ہو جاتی اور خرید و فروخت کا بازار خوب گرم ہو جاتا اس لئے خصوصیت سے خرید و فروخت چھوڑنے کا حکم فرمایا۔ خرید و فروخت چھوڑنا اور جملہ مشاغل کو پس پشت ڈال کر مکمل تیاری سے نماز جمعہ میں حاضری تمہارے لئے تمام چیزوں سے زیادہ سودمند اور نفع بخش ہے۔

جمعہ کی فضیلت اور اس کی حکمتیں

عبادات کے فرض کرنے کی بے شمار حکمتوں میں سے دو اہم ترین حکمتیں یہ ہیں۔

(۱) اگر انسان خلوص نیت سے ان عبادات کو عمل کا جامہ پہنائے تو وہ اس کے گناہوں کی

بخشش اور مغفرت کا سبب اور بہانہ بن جاتی ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی انسان پر بے شمار نعمتیں ہیں جن کا شکریہ ادا کرنا اس پر لازم ہے لہٰذا یہ عبادات اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا سبب اور ذریعہ بھی ہیں اور جب انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے تو وہ اپنی مزید نوازشات سے نوازتا ہے۔ اور اس مقصد کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ نے کچھ ایام مختص فرما دیئے ہیں جن میں اس کی خاص رحمتوں کا نزول ہوتا ہے اور گناہگاروں کے گناہوں کو بخش دیا جاتا ہے۔ مثلاً شب معراج جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو اور بے شمار نوازشات سے نوازا وہاں یہ بھی اعزاز بخشا کہ اے میرے محبوب میں نے آپ کے امتیوں کی ناقص نیکیاں قبول فرمالی ہیں اور ان کے گناہوں کو اپنی رحمت اور فضل و کرم سے بخش دوں گا۔ اور اسی طرح لیلۃ القدر عطا فرمائی جس ایک رات کی عبادت کا ثواب ایک ہزار مہینوں کی عبادت سے زیادہ ہے اور فرمایا لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ۔ شب برأت عطا کی جس میں بنو تمیم قبیلہ کی بکریوں کے بالوں کے برابر اس امت کے گناہ گاروں کو بخشنے کا وعدہ فرمایا۔ شب میلاد جس میں سید العالمین باعث تخلیق کائنات کو پیدا فرمایا یہ وہ رات ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے فرشتے نازل ہوئے۔ اہل دنیا کو مبارک بادیاں پیش کیں۔ اس دن چرند و پرند۔ حور و غلمان۔ اللہ تعالیٰ کے فرشتے اور دنیا کی ہر چیز خوشیاں منا رہی تھی اگر کوئی ناخوش تھا تو وہ شیطان لعین تھا اور مارا مارا پھرتا تھا۔ خاک اٹھا کر اپنے سر میں ڈالتا اور روا ویلا کرتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی خوشی جس نے منائی وہ محروم نہ رہا بلکہ اسے بھی انعام و اکرام سے نواز دیا گیا اگرچہ وہ کافر ہی تھا جیسے مشہور ہے کہ ابولہب جو آپ کا شدید ترین دشمن اور مخالف تھا جس کی مذمت میں پوری سورت نازل ہوئی اسے بھی قبر میں سوموار کے دن اس کی اس انگلی میں جو اس نے محمد بن عبداللہ کی پیدائش کی خوشی میں اٹھا کر اپنی لونڈی ثوبیہ کو آزاد کیا تھا پانی جاری کر دیا جاتا ہے جس کو وہ چوستا ہے تو اسے راحت نصیب ہوتی ہے۔ رمضان المبارک، یوم عرفہ، جمعرات اور جمعہ بھی اسی سنہری سلسلہ کی کڑیاں ہیں اور

مغفرت وبخشش کا سبب ہیں۔

سابقہ امتوں کے لئے بھی ہفتہ میں ایک دن عبادات، مناجات اور ریاضات کے لئے مقرر کیا گیا تھا جس میں وہ اپنے رب کا ذکر کرتے اور اپنے گناہوں کی مغفرت وبخشش کے لئے التجائیں کرتے تو ان کے گناہ معاف کر دیئے جاتے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے لئے جمعرات کو مقرر کیا گیا تھا۔ یہودیوں نے اپنی مناجات کے لئے سبت یعنی ہفتہ کا دن مقرر کر رکھا تھا، عیسائیوں نے اتوار مختص کیا ہوا تھا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے لئے سوموار، زکریا علیہ السلام کے لئے منگل اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کے لئے بدھ کے ایام خاص تھے۔ یہودی اب بھی ہفتہ کے دن اور عیسائی اتوار کے دن مناجات کرتے ہیں اور ان دنوں کی عظمت کے قائل ہیں اور جب بھی یہودیوں نے اس دن کی عظمت کا خیال نہ رکھا تو ان پر خدائی عذاب نازل ہوا اور ان کی شکلیں بگڑ گئیں اور وہ بندر بن گئے یا ان کے اندر بندروں جیسی عادات پیدا ہو گئیں اور ان پر ذلت ومسکنت مسلط کر دی گئی۔

جمعہ کا دن نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں اور امتیوں کے لئے رحمت وبخشش کا ذریعہ بنایا گیا اور اسے سید الایام کہا گیا۔ جمعہ کے دن میں ایک ایسی مقبول ساعت ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ جو کچھ اس سے مانگتا ہے وہ اسے عطا فرما دیتا ہے اور جو دعا کرتا ہے وہ قبول ہوتی ہے۔ جمعہ کے دن جو ساعت مقبول ہے اس کے متعلق متعدد اقوال ہیں مگر ان میں سے دو قول زیادہ قابل اعتماد ہیں بعض علماء کا خیال ہے کہ وہ مقبول ساعت اس وقت شروع ہوتی ہے جب امام خطبے کے لئے منبر پر تشریف فرما ہوتے ہیں اور اس کے نماز سے فارغ ہونے تک باقی رہتی ہے اور بعض کا خیال ہے کہ وہ مقبول ساعت عصر کی نماز کے بعد شروع ہوتی ہے اور غروب آفتاب تک رہتی ہے اور حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نزدیک یہی قول معتبر ہے اس لئے آپ نے ایک غلام مقرر کر رکھا تھا کہ وہ جمعہ کے دن اس آخری ساعت سے آپ کو آگاہ کرے۔ چنانچہ جب وہ آپ کو آگاہ کرتا تو آپ سارے کام چھوڑ دیتی تھیں اور دعا کرنے میں مصروف ہو جاتی تھیں۔ اسی لئے جب اللہ

تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے جمعہ کے دن کی عظمت ظاہر فرمائی تو انہوں نے التجا کی کہ یہ دن انہیں عطا فرمایا جائے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! یہ دن تو میں نے حضور نبی مکرم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے مختص فرما دیا ہے اس لئے آپ کو عطا نہیں کیا جا سکتا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا کہ ہفتے کے ایام میں سے جمعہ کا دن افضل ہے۔ اسی لئے اسے سید الایام کہا جاتا ہے اور سال کے ایام میں سے افضل ترین دن یوم عرفہ ہے اور ایک روایت میں یہ الفاظ مذکور ہیں:

يَوْمُ الْجُمُعَةِ سَيِّدُ الْأَيَّامِ وَأَعْظَمُهَا عِنْدَاللّٰهِ مِنْ يَوْمِ الْاَضْحٰى وَيَوْمِ الْفِطْرِ اَوْ كَمَا قَالَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامِ۔

یوم جمعہ کی فضیلت کی وجوہات

اس دن کی فضیلت کی بے شمار وجوہات میں سے چند وجوہات یہ ہیں۔

۱- حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اسی دن ہوئی اور جمعہ کے دن ہی انہیں جنت میں داخل فرمایا گیا۔

۲- اسی دن آدم علیہ السلام کا وصال ہوا۔

۳- اسی دن قیامت قائم ہوگی۔

حضرت اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ مِنْ اَفْضَلِ اَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِيْهِ قُبِضَ وَ فِيْهِ النَّفْخَةُ وَ فِيْهِ السَّاعَةُ فَاَكْثِرُوْا عَلَيَّ مِنَ الصَّلٰوةِ فَاِنَّ صَلٰوتَكُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَيَّ - قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ تُعْرَضُ صَلٰوتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ اَرِمْتَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ اَنْ تَاْكُلَهَا (نسائی، ابن ماجہ)

"(کہ تمہارے ایام میں سے افضل دن جمعہ کا دن ہی ہے اسی دن آدم علیہ السلام کو

پیدا کیا گیا، اسی دن ان کی روح مبارک قبض کی گئی، اس میں صور پھونکا جائے گا، اسی دن قیامت قائم ہوگی اس لئے اس دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود شریف کا نذرانہ میرے اوپر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ! ہمارے درود شریف کا نذرانہ آپ کی بارگاہ میں کیسے پیش کیا جائے گا جبکہ مرور زمانہ کے ساتھ آپ کا جسد اطہر بوسیدہ ہو چکا ہوگا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کرام کے اجساد طیبہ کو کھائے"۔ (ضیاء القرآن)

تو گویا حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ وضاحت فرما دی کہ انبیاء کرام اپنے مزارات میں زندہ ہوتے ہیں اور ان کے اجساد طیبہ بوسیدہ نہیں ہوتے بلکہ وہ صحیح سلامت رہتے ہیں۔ اس لئے بطریق اولیٰ میں اپنے مزار انور میں جسد اطہر کے ساتھ زندہ ہوں گا۔

علامہ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَكْثِرُوا الصَّلٰوةَ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَاِنَّهُ يَوْمٌ مَشْهُوْدٌ تَشْهَدُهُ الْمَلَائِكَةُ لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يُصَلِّيْ عَلَيَّ اِلَّا بَلَغَنِيْ صَوْتُهُ حَيْثُ كَانَ - قُلْنَا وَ بَعْدَ وَفَاتِكَ ؟ قَالَ ، نَعَمْ ، وَ بَعْدَ وَفَاتِيْ ، اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ۔

"کہ جمعہ کے دن میری بارگاہ میں کثرت کے ساتھ درود شریف بھیجا کرو کیونکہ یہ وہ دن ہے جس کی فضیلت کی شہادت دی گئی ہے اس دن میں ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور بندوں میں سے کوئی بندہ بھی جب مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے تو اس کی آواز مجھ تک پہنچتی ہے خواہ وہ جہاں بھی ہو۔ (راوی نے کہا) ہم نے عرض کی کیا آپ کے اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہے گا تو آپ نے ہاں میں جواب فرمایا کہ میری وفات کے بعد بھی درود شریف میری بارگاہ میں پیش کیا جاتا رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے

جسموں کو کھائے"۔ (جلاء الافہام ص ۷۳)

اس حدیث پاک سے یہ ثابت ہو گیا کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنے مزارات میں اپنے اجساد اطہار کے ساتھ زندہ ہوتے ہیں اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ان غلاموں کا درود شریف سنتے ہیں جو آپ کی بارگاہ میں ہدیہ صلاۃ وسلام عرض کرتے ہیں چاہے وہ زمین کے کسی حصہ میں درود شریف پڑھیں۔

جمعہ نام رکھنے کی وجہ اور اسلام میں اس کا آغاز

زمانہ جہالت میں اس دن کو "عروبہ" کہا جاتا تھا اور روایات میں اس طرح مذکور ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے جد امجد کعب بن لوئ اس روز قریش کو اکٹھا کر کے خطبہ دیا کرتے تھے اور انہیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خوشخبری سناتے اور انہیں تاکید کرتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت میں غفلت سے کام نہ لیں ان کا ایک شعر بھی مشہور ہے۔

يَالَيْتَنِىْ شَاهِدًا نَجْوىٰ دَعْوَتِهٖ

اِذَا قُرَيْشٌ تَبْتِغ الْحَقَّ خُذْلَانٌ

"کاش میں (حضور علیہ الصلاۃ والسلام) کی دعوت کے وقت حاضر ہوتا جب قریش حق کو ناکام بنانے کی کوشش کر رہے ہوتے"۔

حضرت کعب نے ہی اس دن کا نام یوم الجمعہ رکھا تھا لیکن اس نام کو شہرت حاصل نہ ہوئی اہل عرب اس کو یوم العروبہ ہی کہتے رہے۔ کعب بن لوئ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے درمیان ۵۶۰ سال کا فاصلہ ہے جب مدینہ طیبہ کی سرزمین میں اسلام کا سورج طلوع ہوا اور اس کے اطراف نور ہدایت سے جگمگا اٹھے اور اس دن میں مسلمان اکٹھے ہو کر عبادت کرنے لگے تو اس نام کو شہرت حاصل ہوئی اور یہ دن یوم الجمعہ کے نام سے مشہور رہا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب مکہ مکرمہ کی سنگلاخ اور جہالت کی ظلمت سے تاریک جگہ میں نبوت کا اعلان فرمایا اور آہستہ آہستہ اسلام کا نور پھیلنا شروع ہوا اور یثرب

کی سرزمین اس کی سنہری کرنوں سے روشنی ہوئی تو اہل یثرب کی قسمت کا ستارہ چمک اٹھا اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ان کی تعداد میں اضافہ ہونا شروع ہوا۔ اسلامی تعلیمات کے حصول کا شوق انہیں کشاں کشاں مکہ مکرمہ لے گیا جہاں اہل مکہ نے مومنین پر زندگی کا جامہ تنگ کر رکھا تھا تو اہل یثرب نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ایک مبلغ بھیجنے کی درخواست کی کہ وہ انہیں دینی احکام کی تعلیم دے تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ان کے ہمراہ یثرب روانہ کر دیا۔ ان کی مساعی جمیلہ سے اہل یثرب نے اسلام قبول کر لیا اور ان کی تعداد کثیر ہو گئی تو انہیں خیال آیا کہ وہ ہفتہ میں ایک دن عبادت کے لئے مقرر کر لیں۔ جس طرح یہود نے یوم سبت یعنی ہفتہ کا دن مقرر کر رکھا ہے اور عیسائی اتوار کو اکٹھے ہو کر مناجات کرتے ہیں تا کہ ہم اس دن سب مل کر ایک جگہ اکٹھے ہو کر اللہ کا ذکر اور اس کی عبادت کریں نیز اس کی نعمتوں کا شکر ادا کریں لہٰذا انہوں نے اپنے اجتماع اور عبادت کے لئے عروبہ کا دن منتخب کیا۔ چنانچہ اس روز یثرب کے سارے مسلمان اکٹھے ہوئے اور حضرت اسعد بن زرارہ نے خطبہ دیا اور نماز پڑھائی۔ یہ پہلا جمعہ تھا جو سر زمین یثرب میں ادا کیا گیا۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ بن مالک جب جمعہ کی نماز ادا کرتے تو دعا مانگتے کہ اے اللہ! ہم سب پر اپنی رحمتیں نازل فرما۔ چنانچہ ان مسلمانوں کی ایمانی بصیرت اور اجتہاد نے دو چیزوں کی طرف ان کی رہنمائی فرمائی۔ ایک یہ کہ انہیں ہفتہ میں ایک روز عبادت، ذکر اور شکر کے لئے مخصوص کرنا چاہیے اور دوسری یہ کہ وہ دن ہفتہ اور اتوار نہیں ہونا چاہئے کیونکہ یہ دونوں دن یہودیوں اور عیسائیوں نے مناجات کے لئے مقرر کر رکھے ہیں بلکہ ان کے علاوہ کوئی اور دن مقرر کرنا چاہیے تا کہ ان کی انفرادیت برقرار اور نمایاں ہو۔ ان کا یہ فیصلہ از روئے اجتہاد تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی زیر بحث آیت کریمہ نازل فرما کر ان کے اجتہاد پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ اس دن جمعہ کی نماز ادا کرنے کا حکم دیا۔ اس وقت سے اس دن کا نام یوم الجمعہ ہو گیا اور اس نام کو پھر مقبولیت عام اور شہرت دوام حاصل ہو گئی۔

مدینہ طیبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلا جمعہ

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے تشریف لائے اور سرزمین یثرب کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا آپ چند دن یثرب کی نواحی بستی قباء میں قیام پذیر رہے اور مسجد قباء کی بنیاد رکھی۔ سوموار، منگل، بدھ اور جمعرات قباء میں ٹھہرے رہے اور جمعہ کے روز وہاں سے یثرب کی طرف روانہ ہوئے تاکہ اسے مدینہ بننے کا شرف عطا فرمائیں۔ بنی سالم بن عوف کی وادی میں پہنچے تو نماز جمعہ کا وقت ہو گیا۔ تو آپ نے وہاں ہی توقف فرمایا۔ خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا اور نماز جمعہ پڑھائی یہ پہلا جمعہ تھا جو حضور رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا کیا۔

نماز جمعہ ادا کرنے والے پر انعامات اور نہ ادا کرنے والے کے لئے وعید

جمعہ کا ادا کرنا فرض عین ہے۔ اس کی فرضیت کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے اور اس کی فرضیت کا انکار کفر ہے۔ قرآن کریم کی وہ آیت جو آغاز میں ذکر کی گئی ہے وہ اس کی فرضیت کی محکم دلیل ہے۔ فرمایا کہ جب نماز جمعہ کی اذان سنو تو سب کام چھوڑ دو اور تیزی سے اس کو ادا کرنے کے لئے روانہ ہو جاؤ۔ سعی کا حکم اور خرید و فروخت چھوڑ دینے کا اصرار اس کی فرضیت پر واضح دلالت کرتے ہیں اور اس کے علاوہ بکثرت ایسی احادیث موجود ہیں جو اس کی فرضیت پر دلالت کرتی ہیں ان میں سے دو احادیث پیش خدمت ہیں۔

(۱) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ فَرَضَ عَلَیْکُمْ فِیْ یَوْمِیْ ھٰذَا فِیْ مَقَامِیْ ھٰذَا۔

(ابن ماجہ)

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر جمعہ فرض کر دیا ہے اسی دن اور اسی مقام پر۔''

(۲) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کہ میرے پاس جبرائیل امین علیہ السلام حاضر ہوئے اور ان کے ہاتھ میں صاف

شفاف سفید شیشہ تھا اور کہا یہ جمعہ ہے جو آپ کے رب نے آپ پر فرض کیا ہے تا کہ یہ آپ کے لئے اور آپ کے بعد آپ کی امت کے لئے عید ہو جائے تو میں نے کہا اس میں میرے لئے اور میری امت کے لئے کیا اجر و ثواب ہے تو اس نے جواب دیا کہ اس دن میں ایک ساعت ہے جس میں جس کسی نے بھلائی کی دعا کی اگر اس کا قبول کرنا اس کے لئے بہتر ہوگا تو اسے اسی وقت قبول کر لیا جائے گا ورنہ اسے قیامت کے لئے ذخیرہ کر دیا جائے گا اور اس دن اسے عظیم اجر سے نوازا جائے گا اور اگر کسی نے اس ساعت میں کسی تکلیف سے بچنے کی التجاء کی تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور پناہ عطا فرمائے گا اور وہ ہمارے ہاں سید الایام ہے اور آخرت میں ہم اسے یوم المزید کے نام سے پکاریں گے۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے پوچھا اسے کیوں یوم المزید کے ساتھ پکارا جائے گا تو جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ تیرے رب ذوالجلال نے جنت میں ایک ملکی سفید وادی بنائی ہے جس سے کستوری کی خوشبو پھیلتی ہے اور جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ علیین سے اپنی کرسی پر جلوہ افروز ہوتا ہے اور ان کے لئے عیاں ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کے کریم چہرے کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ (الاوسط للطبرانی) (مسند امام شافعی)

اور وہ روایات جو جمعہ ادا نہ کرنے والوں کے لئے وعید کا باعث ہیں وہ بھی اس کی فرضیت پر دلالت کرتی ہیں۔ علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ یہ احادیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

فَاَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ اَنَّهٗ فَرْضٌ عَلَى الْاَعْيَانِ وَ غَلِطَ مَنْ قَالَ اِنَّهٗ فَرْضُ كِفَايَةٍ (مظہری)

"تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جمعہ ہر شخص پر فرض ہے اور جس نے اسے فرض کفایہ کہا ہے وہ بالکل غلط ہے"۔

نیکی جمعہ کا ثواب

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمْعَةِ غُفِرَتْ عَنْهُ ذُنُوبُه وَاِذَا مَشٰى اِلَى الْجُمْعَةِ كَتَبَ اللهُ تَعَالٰى لَهُ بِكُلِّ خُطْوَةٍ عِبَادَةَ عِشْرِيْنَ سَنَةً نَاذَا صَلَّى الْجُمْعَةَ اُجِرَ بِعَمَلِ مِائَتَيْ سَنَةٍ۔ (درۃ الناصحین)

"کہ جو شخص نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے غسل کرتا ہے تو اس سے اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور جب وہ جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ہر ہر قدم کے بدلے بیس بیس سالوں کی عبادت کا ثواب عطا فرماتا ہے اور جب وہ جمعہ کی نماز ادا کر لیتا ہے تو اسے دو سو سال کی عبادت کے مطابق اجر عطا کیا جاتا ہے۔"

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا "جمعہ کے دن فرشتوں کی ایک جماعت زمین کی طرف نازل ہوتی ہے جس کے ہاتھوں میں سنہری قلم اور چاندی کے کاغذات ہوتے ہیں وہ جامع مساجد کے دروازوں پر آ کر بیٹھ جاتے ہیں اور ہر اس آدمی کا نام لکھتے ہیں جو مسجد میں داخل ہوتا ہے اور جمعہ کی نماز ادا کرتا ہے تو جب وہ نماز جمعہ کی کارروائی سے فارغ ہوتے ہیں آسمان کی طرف عروج کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں اے پروردگار! ہم نے ہر اس آدمی کا نام لکھ لیا ہے جو مسجد میں داخل ہوا اور نماز جمعہ ادا کی تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے میرے فرشتو! مجھے اپنے عزت و جلال کی قسم میں نے ان تمام کو بخشش دیا ہے اور جو گناہ ان سے صادر ہوئے انہیں بھی معاف کر دیا ہے۔ (رونق المجالس)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے روز غسل کرے۔ اچھی طرح مسواک کرے اور جو خوشبو اسے دستیاب ہو اپنے جسم پر لگائے اور صاف ستھرا اور خوبصورت لباس پہنے پھر وہ نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے مسجد میں آئے۔ لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرے۔ اس کے بعد دو رکعت نماز تحیۃ المسجد اور جمعہ کی پہلی چار سنتیں ادا کرے پھر خاموشی سے بیٹھ جائے اور امام

کا خطبہ خاموشی سے سنتا رہے تو سابقہ جمعہ سے لے کر اس جمعہ تک جو گناہ اس سے صادر ہوئے تو یہ نماز ان کی بخشش کا کفارہ بن جاتی ہے۔ (ابوداؤد)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے پہلی ساعت میں مسجد میں آئے تو اس نے قربانی کا جانور ذبح کرنے کا ثواب حاصل کر لیا اور جو دوسری ساعت میں آیا تو اسے اتنا ثواب حاصل ہوگا جتنا گائے ذبح کر کے فی سبیل اللہ تقسیم کرنے کا ثواب حاصل ہوتا ہے اور جو تیسری ساعت میں آئے تو اس نے گویا مینڈھا ذبح کر کے اللہ کا قرب حاصل کر لیا اور جو چوتھی ساعت میں آیا تو اس نے مرغی صدقہ کرنے کا ثواب حاصل کیا اور جو پانچویں ساعت میں آیا تو اسے انڈہ صدقہ کرنے جتنا ثواب حاصل ہوا اور جب امام خطبہ کے لئے ممبر پر آ کر بیٹھ جاتا ہے تو فرشتے اپنے دفتر لپیٹ لیتے ہیں اور قلمیں اٹھا لیتے ہیں اور منبر کے پاس بیٹھ کر خطبہ سنتے ہیں اور جو اس کے بعد مسجد میں آئے تو وہ صرف نماز کا حق ادا کرنے کے لئے حاضر ہوا یعنی اس کے دفتر میں ثواب وغیرہ نہیں لکھا جاتا۔ (زبدۃ الواعظین)

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ جو لوگ نماز جمعہ ادا کرنے کی غرض سے پہلے آتے ہیں تو انہیں اجر عظیم سے نوازا جاتا ہے اور جو لوگ جتنی تاخیر سے آتے ہیں ان کے اجر میں اتنی ہی کمی ہو جاتی ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ لوگوں کو جب اللہ تعالیٰ کے جمال جہاں آراء کا مشاہدہ کرنے کا موقع نصیب ہوگا تو سب سے پہلے مشاہدہ کا شرف انہیں حاصل ہوگا جو جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے سب سے پہلے آتے ہیں۔ اسلام میں سب سے پہلی جو بدعت پیدا ہوئی وہ جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے تاخیر سے آنا ہے۔

وہ مومنین جو نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے کسی عذر کی وجہ سے حاضر نہ ہوئے تو وہ فرشتے جو جمعہ کے دن اعمال واسماء لکھنے پر مقرر ہوتے ہیں وہ ان کے لئے دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ! اگر وہ بھوک اور افلاس کی وجہ سے حاضر نہیں ہو سکے تو انہیں آسودگی عطا فرما اور اگر وہ مرض کی وجہ سے نہیں آسکے تو انہیں شفا عطا فرما اور اگر وہ کسی اور مصروفیت کی وجہ سے نہیں آسکے تو

انہیں اپنی عبادت کے لئے فارغ فرما۔ اور اگر وہ غفلت اور لہو ولعب کی وجہ سے حاضری کے شرف سے محروم رہے تو ان کے دلوں میں اطاعت و فرمانبرداری اور عبادت کا ذوق وشوق پیدا فرما۔ (درۃ الناصحین)

اسلام کے ابتدائی ایام میں جمعہ کی حاضری کا لوگوں کے دلوں میں اتنا ذوق وشوق ہوتا تھا وہ فجر کی نماز کے بعد اندھیرے میں ہی ہاتھوں میں چراغ لئے جامع مسجد کی طرف رواں دواں ہو جاتے تھے اور مساجد کی طرف جانے والے راستے لوگوں سے بھرے ہوئے ہوتے تھے اور مساجد میں اس طرح لوگوں کا ہجوم ہوتا تھا جس طرح نماز عید کے لئے عیدگاہوں میں ہجوم ہوتا ہے۔

جمعہ ادا نہ کرنے پر وعید

ویسے تو فرضی نماز ادا نہ کرنے والوں کو شدید قسم کے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے لیکن بالخصوص نماز جمعہ غفلت کی وجہ سے ادا نہ کرنے والوں کو بہت ہی زبردست عذاب کی دھمکی دی گئی ہے۔

حضرت ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما دونوں روایت کرتے ہیں۔

سَمِعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ عَلٰى أَعْوَادِ الْمِنْبَرِ اَقْوَامٌ عَلٰى وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ اَوْ لَيَخْتِمَنَّ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ثُمَّ لَيَكُوْنُنَّ مِنَ الْغَافِلِيْنَ۔

(مسلم شریف، ص ۲۸۴ قدیمی کتب خانہ)

"کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر بیٹھے ہوئے یہ فرماتے سنا جو لوگ جمعہ ترک کرتے ہیں وہ اس سے ضرور باز آ جائیں ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر ضرور مہر لگا دے گا اور وہ غافل ہو جائیں گے"۔

عَنْ اَبِیْ جُعْدِ الضمری عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَرَکَ ثَلَاثَ جُمَعٍ تَهَاوُنًا بِهَا طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قَلْبِهٖ۔ (تفسیر مظہری)

"حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ جس نے نماز جمعہ کو معمولی اور حقیر سمجھتے ہوئے تین جمعے مسلسل ترک کیے اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دے گا"۔

مہر لگنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص جس کے دل پر مہر لگا دی جائے اس پر ہدایت کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، وہ خدا کے عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے۔

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَعَلَيْهِ الْجُمُعَةُ اِلَّا مَرِيْضٌ اَوْ مُسَافِرٌ اَوْ اِمْرَاَةٌ اَوْ صَبِيٌّ اَوْ مملوكٌ فَمَنِ اسْتَغْنٰى بِلَهْوٍ اَوْ تِجَارَةٍ اِسْتَغْنَى اللّٰهُ عَنْهُ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ۔ (دار قطنی)

"حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس پر جمعہ فرض ہے سوائے مریض، مسافر، عورت، نابالغ اور غلام کے جو شخص کسی لہو و لعب یا تجارت کی بناء پر اس سے بے پرواہی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بے پرواہی کرے گا اور اللہ تعالیٰ غنی اور حمید ہے"۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا:

الجمعةُ واجبةٌ عَلٰى مَنْ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ الْجُمُعَةِ مَسَافَةٌ يُمْكِنُ الرُّجُوْعَ بَعْدَ اَدَائِهَا اِلٰى وَطَنِهٖ - قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ جُمُعَةً بِلَا عُذْرٍ فَلْيَتَصَدَّقْ بِدِيْنَارٍ فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ فَبِنِصْفِ دِيْنَارٍ وَمَنْ تَرَكَ ثَلَاثَ جُمَعٍ مُتَوَالِيَةٍ لَا تُقْبَلُ شَهَادَتُهٗ۔ (مصابیح)

"کہ جمعہ ہر اس شخص پر واجب ہے جو نماز ادا کرنے کی جگہ سے اتنی مسافت پر رہائش پذیر ہو کہ وہ نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد اپنی رہائش گاہ کی طرف آسانی سے لوٹ سکے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص بغیر کسی شرعی عذر کے جمعہ ترک کرے تو اسے چاہیے کہ وہ ایک دینار صدقہ کرے اور اگر ایک دینار اسے

دستیاب نہ ہو تو نصف دینار صدقہ کرے اور جس نے مسلسل تین جمعے چھوڑے تو اس کی شہادت مقبول نہ ہوگی"۔

اقوال زریں

۱۔ حضرت سعید ابن میتب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لَاَنْ اُصَلِّیَ صَلٰوۃَ الْجُمُعَۃِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ حَجٍّ تَطَوُّعًا۔ کہ مجھے جمعہ کی نماز ادا کرنا نفلی حج ادا کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔

۲۔ حضرت میسرہ رضی اللہ عنہ سے روایت انہوں نے فرمایا کہ میں مسلمانوں کے ایک قبرستان کے پاس سے گزرا وہاں میں نے سنت کے مطابق یہ کہا:

السلامُ علیکم یَا اَھْلَ الْقُبُوْرِ اَنْتُمْ لَنَا سَلَفٌ وَنَحْنُ بِکُمْ تَبَعٌ فَرَحِمَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِیَّانَا وَاِیَّاکُمْ وَغَفَرَلَنَا وَلَکُمْ ...... الخ۔

"اے اہل قبور! تم پر سلامتی ہو تم ہم سے پہلے تشریف لے گئے اور ہم بھی تمہارے پیچھے آنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اور تمہارے اوپر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ ہمارے اور تمہارے گناہ معاف فرمادے"۔

آپ (سعید ابن میتب) فرماتے ہیں کہ میں نے ایک قبر سے آواز سنی جو یہ تھی "اے اہل دنیا! تمہیں مبارک ہو کہ تم ہر مہینہ میں چار دفعہ حج کرتے ہو۔ تو میں نے پوچھا وہ کیسے؟ تو اس نے جواب دیا۔ ہر مہینہ میں چار جمعے آتے ہیں اور جو شخص جمعہ کی نماز ادا کرتا ہے اسے حج مبرور کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ اے کاش کہ ہمیں اجازت ہوتی کہ ہم تمہاری مساجد کے دروازوں پر حاضر ہوتے تاکہ ہم تمہارے اعمال دیکھتے اور تمہارا ذکر سنتے لیکن ہم تم سے راضی ہیں کیونکہ تم ہمارے لئے رحم اللہ فلانا کہتے ہو اور یہ ہمارے لئے بہت بڑی سعادت ہے۔ (زبدۃ الواعظین)

عجیب حکایت

حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ بہت بڑے صوفی بزرگ تھے۔ ان کے زمانہ میں

دو بھائی تھے جو آگ کی پوجا کرتے تھے۔ ان دونوں میں سے ایک نے ۷۳ سال اور دوسرے نے ۳۵ سال تک آگ کی پرستش کی۔ اس کے بعد چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی سے کہا اے میرے بھائی! ہم اتنے عرصہ سے آگ کی پرستش کر رہے ہیں آیئے ہم اسے آزمائیں اور دیکھیں کہ کیا وہ ہمیں بھی اسی طرح جلاتی ہے جس طرح دوسروں کو جلاتی ہے تو پھر ہم اس کی عبادت ترک کر دیں اور کبھی بھی اسے اپنا معبود نہ سمجھیں اور اگر اس نے ہمیں نہ جلایا تو مرتے دم تک ہم اس کی عبادت کرتے رہیں گے۔ لہٰذا انہوں نے آگ جلائی اور چھوٹے نے بڑے بھائی سے کہا، کیا آپ پہلے اپنا ہاتھ ڈالتے ہیں یا میں اپنا ہاتھ اس میں ڈالوں تو بڑے بھائی نے کہا کہ تم ہی اس میں اپنا ہاتھ ڈالو تو جب اس نے اپنا ہاتھ آگ کے نزدیک کیا تو اس جھوٹے معبود نے اپنے پرستار پر ذرا رحم نہ کیا اور جلا دیا۔ اس نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچتے ہوئے کہا۔ تجھ پر ہلاکت ہو۔ میں اتنا عرصہ تیری عبادت کرتا رہا اور تو نے مجھ پر ذرہ برابر بھی رحم نہ کیا اور مجھے تکلیف میں مبتلا کر دیا پھر اس نے اپنے بڑے بھائی سے کہا کہ ہم دونوں اس ظالمہ کی عبادت ترک کر دیں کیونکہ یہ کسی پر بھی رحم نہیں کرتی تو اس کے اس بد بخت بھائی نے کہا کہ میں اس کی ہرگز عبادت ترک نہ کروں گا لیکن چھوٹے بھائی کے بختوں نے یاوری کی اور اس نے ہمیشہ کے لئے آگ کی عبادت ترک کر دی اور اپنے بال بچے سمیت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ لوگوں کو وعظ فرما رہے تھے۔ اس مجوسی نے اپنا سارا واقعہ آپ کے سامنے پیش کیا اور اسلام قبول کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ مالک بن دینار رضی اللہ عنہ نے فوراً انہیں حلقۂ بگوش اسلام کیا اور انہیں جہنم سے نکال کر جنت کے دروازہ تک پہنچا دیا۔

جو لوگ وہاں موجود تھے وہ اتنے خوش ہوئے کہ ان کی آنکھوں سے تشکر کے آنسو جاری ہو گئے۔ مالک بن دینار رضی اللہ عنہ نے اس خوش بخت نوجوان کے لئے اپنے دوستوں سے کچھ مال جمع کرنے کی خواہش کی تو اس نوجوان نے یہ کہہ کر ان کی پیشکش کو ٹھکرا دیا کہ میں اپنا دین اس روی دنیا کے عوض فروخت نہیں کرنا چاہتا۔ پھر وہ اپنے بال بچوں سمیت وہاں سے

رخصت ہوکر ایک کھنڈر میں پناہ گزین ہوگیا اور وہ سارے رب حقیقی کی عبادت میں مصروف ہو گئے۔ صبح کے وقت بیوی نے بازار میں جا کر کوئی کام کرنے کی خواہش ظاہر کی تا کہ اس کی اجرت سے روزی کا بندوبست کیا جائے وہ مزدوری کی خاطر بازار گیا لیکن اس مقصد میں کامیاب نہ ہوا۔ اس نے خیال کیا کہ میں کیوں نہ اللہ کی رضا کے لئے کوئی عمل کروں لہٰذا وہ ایک مسجد میں داخل ہوا۔ شام تک ذکر وفکر اور نوافل ادا کرنے میں مصروف رہا۔ شام کو خالی ہاتھ اپنی پناہ گاہ میں آیا بیوی کے پوچھنے پر یہ جواب دیا کہ جس ذات کے لئے مزدوری کی ہے۔ اس نے کل اجرت دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اس طرح انہوں نے یہ رات بھی بھوکے گزار دی۔ دوسرے دن وہ پھر بازار گیا کوئی عمل نہ پایا اور حسب سابق یہ دن بھی مسجد میں نوافل ادا کرتے گزار دیا اور شام کو خالی ہاتھ واپس آیا۔ بیوی کے پوچھنے پر وہی جواب دیا کہ اجرت ملنے کا وعدہ آئندہ دن کے لئے ہے۔ یہ رات بھی بھوکے گزار دی۔

تیسرا دن جمعہ کا دن تھا اس دن بھی اسے کوئی کام نہ ملا اس نے مسجد میں آ کر دو رکعت نماز جمعہ ادا کی پھر اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے اور دعا کی کہ اے اللہ اس اپنے سچے دین کی برکت سے اور جمعہ کی برکت سے میرے اور میرے اہل وعیال کے دل سے بھوک اور افلاس کا فکر دور فرما۔ اب مجھے اپنے اہل وعیال سے شرم آتی ہے کہ میں انہیں کیا جواب دوں اور مجھے خدشہ ہے کہ وہ گھبرا کر دوبارہ آگ پرستی کی طرف نہ لوٹ جائیں اس نے یہ دعا کی اور وہیں بیٹھ گیا۔ اور ابھی ظہر کا وقت ختم نہیں ہوا تھا کہ ایک شخص اس کھنڈر کے دروازے پر آیا اور دستک دی۔ اس کی بیوی باہر آئی یہ دیکھ کر حیران ہوگئی کہ دروازے پر ایک خوبصورت نوجوان کھڑا ہے جس کے ہاتھ میں ریشمی لباس سے ڈھانپا ہوا ایک سونے کا تھال ہے اور اس نے وہ تھال اس عورت کو پکڑاتے ہوئے کہا" اپنے خاوند کو بتا دینا کہ یہ تیرے جمعہ کے دن کے عمل کی اجرت ہے۔ کیونکہ اس دن میں تھوڑا عمل بھی اللہ تعالیٰ کی جناب میں کثیر اجر کا باعث ہوتا ہے۔" تو اس خوش قسمت عورت نے تھال پکڑ لیا اس نے رومال ہٹایا۔ اس میں سونے کے ایک ہزار دینار تھے وہ ان میں سے ایک دینار جوہری کے

پاس لے گئی اس نے وزن کیا وہ دنیا کے دیناروں سے دوگنا وزنی تھا۔ جوہری نے اسے غور سے دیکھا تو اس نے جان لیا کہ یہ دنیا کا دینار نہیں۔ اس کے پوچھنے پر اس سعادت مند عورت نے اپنا سارا قصہ اسے سنایا وہ جوہری بھی مجوسی تھا۔ اس نے یہ قصہ سن کر اسلام قبول کرنے کی خواہش کی تو اس عورت نے اسے کلمہ طیبہ پڑھا کر حلقہ بگوش اسلام کر دیا اور جوہری نے اس عورت کو ایک ہزار دینار بطور تحفہ دیئے۔ اس عورت کا خاوند جب نماز سے فارغ ہو کر خالی ہاتھ گھر آیا۔ اس نے راستہ میں اپنے رومال میں کچھ مٹی باندھ لی تا کہ بیوی کو پوچھنے پر یہ بتا سکے کہ اس نے یہ عمل کر کے آٹا کمایا ہے۔ گھر آیا وہاں کھانے کی خوشبو سونگھی اپنا رومال دروازے پر پھینک دیا تا کہ اس کی بیوی محسوس نہ کرے تو بیوی کے کھانے کے متعلق پوچھنے پر من وعن سارا قصہ سنا دیا جس پر اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا تو جب عورت نے پوچھا کہ رومال میں کیا لپیٹ رکھا ہے تو اس نے جواب دیا۔ اس کے متعلق مجھ سے مت پوچھو۔ عورت نے رومال کھولا اور دیکھا کہ وہ مٹی اللہ تعالیٰ کے اذن اور نماز جمعہ کی برکت سے آٹا بن چکی تھی تو اس نیک بخت نوجوان نے دوبارہ سجدۂ شکر ادا کیا۔ (اربعین)

خلوص نیت سے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے جمعہ کی نماز ادا کرنے کی برکات اور اس کی نوازشات کس قدر عظیم ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے نیک اعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

یہاں تک جو کچھ لکھا جا چکا ہے یہ جمعہ کی اہمیت کے متعلق تھا اب میں آپ کے سامنے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کی مختصر وضاحت کرتا ہوں جس میں اللہ تعالیٰ نے جمعہ کی نماز سے فراغت کے بعد جس بات کی طرف توجہ مبذول کروائی ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٠﴾

”پھر جب پوری ہو چکے نماز تو پھیل جاؤ زمین میں اور تلاش کرو اللہ کے فضل سے اور کثرت سے اللہ کی یاد کرتے رہا کرو تا کہ تم فلاح پاؤ“۔ (جمال القرآن)

اس سے ماقبل آیت میں خرید وفروخت اور جملہ مشاغل کو پس پشت ڈالنے کا حکم تھا اور نماز جمعہ کے لئے تیار ہونے کا امر تھا اور یہ فرمان تھا کہ جمعہ میں حاضری تمہارے لئے تمام چیزوں سے زیادہ سودمند اور نفع بخش ہے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ جب نماز جمعہ سے فارغ ہو جاؤ تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو یہ حکم وجوب کے لئے نہیں بلکہ اباحت کے لئے ہے۔ کیونکہ جمعہ کی اذان کے بعد کاروبار سے منع کر دیا گیا تھا۔ اب اس کی اجازت دی گئی ہے اور کئی سلف صالحین کا یہ معمول تھا کہ وہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس حکم کی تعمیل سے بازار کا چکر لگایا کرتے تھے تا کہ اس حکم پر عمل ہو جائے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کو صرف نماز تک محدود نہ رکھنا چاہئے بلکہ جب بھی موقعہ ملے اللہ کا ذکر کرنا چاہئے۔ آپ کوئی کام کر رہے ہوں اس وقت بھی آپ کو اللہ کے ذکر سے اپنی زبان کو ترو تازہ رکھنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ بے کس پناہ میں التجا ہے کہ وہ ہمیں جمعہ کی نماز ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس میں جو خیر و برکات ہیں ان سے مالا مال ہونے کی ہمت مرحمت فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

وما عَلَيْنَا اِلَّا البلاغ المبين

اللهم لک الحمد و لک الشکر انک حميد مجيدٌ

رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْکَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ شَفِیْعِ الْمُذْنِبِیْنَ رَحْمَةٍ لِّلْعَالَمِیْنَ سَیِّدِیْ وَمَوْلَائِیْ وَحَبِیْبِیْ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَ مَنْ تَبِعَهٗ اِلٰی یَوْمَ الدِّیْنَ یَا اَرْحَمَ الراحِمِیْن

وما توفیقی اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَیْهِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْهِ اُنِیْبُ

ساٹھواں وعظ

خطبہ کے دوران مسجد سے نکلنے کی ممانعت اور جمعہ کے تفصیلی مسائل کا ذکر

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ وَ نُبَارِکُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی آلِهٖ وَ اَزْوَاجِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَیْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ۚ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۚ وَاللّٰهُ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ۝ صَدَقَ اللّٰهُ مولٰینا الْعَظِیْمُ (سورۂ جمعہ)

"اور (بعض لوگوں نے) جب دیکھا کسی تجارت یا تماشا کو تو بکھر گئے اس کی طرف اور آپ کو کھڑا چھوڑ دیا (اے حبیب! انہیں) فرمایئے کہ جو نعمتیں اللہ کے پاس ہیں وہ کہیں بہتر ہیں لہو اور تجارت سے اور اللہ بہترین رزق دینے والا ہے"۔ (جمال القرآن)

شان نزول

اس آیت طیبہ میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ کر دیا جو ہجرت کے فوراً بعد پیش آیا تھا اور اس کے ذکر سے مسلمانوں کی تربیت فرما دی کہ آئندہ ان سے ایسی حرکت ہرگز سرزد نہ ہو۔

واقعہ یہ ہوا کہ مدینہ طیبہ میں سخت قحط پڑا۔ اشیاء خوردنی نایاب اور گراں ہو گئیں لوگ اس سلسلہ میں بہت پریشان ہو گئے۔ اچانک جمعہ کے روز جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ دحیہ کلبی ابن خلیفہ سامان تجارت لے کر شام سے مدینہ طیبہ پہنچا۔ ابھی یہ مسلمان نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے اپنی آمد کی اطلاع اہل شہر کو دینے کے لئے ڈھول بجانے شروع کر دیئے۔ جب حاضرین مسجد نے ڈھولوں کی آواز سنی اور دحیہ کی واپسی کا علم ہوا تو

اس اندیشہ سے کہ اگر وہ نماز میں مشغول رہے تو سامان خورد ونوش دوسرے لوگ خرید لیں گے۔ اس لئے وہ فوراً وہاں پہنچے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صرف بارہ آدمی رہ گئے جن میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ اللہ تعالیٰ کو مسلمانوں کی یہ حرکت سخت ناپسند ہوئی۔ اور یہ آیت نازل ہوئی اس میں ان کو اس حرکت کی قباحت کی طرف متوجہ کیا گیا اور انہیں آئندہ اس سے باز رہنے کا تاکیدی حکم دیا گیا۔ انہیں یہ بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس نعمتوں کے جو خزانے ہیں وہ اس لہو ولعب اور اس تجارت سے افضل اور اعلیٰ ہیں۔ رزق کے خزانے اس کے دست قدرت میں ہیں تمہیں اپنا رزق اس سے طلب کرنا چاہئے۔

یہاں ایک فرقہ کی طرف سے ایک اعتراض صحابہ کرام پر کیا جاتا ہے۔ اس کے جواب کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

شیعہ کی طرف سے صحابہ کرام پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ انہوں نے لہو وتجارت کے لئے نماز جمعہ ترک کردی۔ اس حال میں مسجد سے نکل کھڑے ہوئے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خطبہ ارشاد فرمارہے تھے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ان کے دل میں دین و آخرت سے دنیا اور سامان رزق کی قدر ومنزلت بہت زیادہ تھی۔ اسی لئے تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں کھڑے چھوڑ کر چلے گئے۔

اس کے بارے میں گزارش ہے کہ اکابر صحابہ جن میں خلفاء راشدین اور عشرہ مبشرہ تھے وہ سب حاضر رہے۔ چنانچہ باقی رہنے والوں میں ان کے اسماء صراحت سے درج ہیں۔ یہ واقعہ ہجرت کے بعد بالکل قریب دور کا ہے۔ جبکہ لوگوں کو صحبت نبوی سے فیض یاب ہونے کا موقع بہت کم ملا تھا اور یہ کمال تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم کرم کا تھا کہ ان کے دلوں میں بجز اللہ تعالیٰ کی یاد کے اور کسی قسم کی حسرت باقی نہ رہی تھی۔ اس مقام تک پہنچنے کے لئے تربیت کی ضرورت تھی۔ اس کے لئے وقت درکار تھا۔ اس اثناء میں ان سے لغزش کے صدور کا قوی امکان تھا۔ جب کبھی ایسی لغزش ان سے ہوئی فوراً اس پر انہیں متنبہ کردیا گیا اور ان کی

اصلاح کردی گئیں اس پیہم تربیت اور فیض صحبت نے وہ اثر دکھایا کہ انہوں نے جانبازی اور سرفروشی کے میدان میں ایسے عدیم المثال کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ آسمان کے ستارے، عالم بالا کے ملائک اور بہشت بریں کی بہاریں جھوم اٹھیں سروش غیب نے انہیں لقد رضی اللہ عن المؤمنین کا مژدہ جانفزا سنایا، اولئک ھم المؤمنون حقا کی ایمان افروز نوید فردوس گوش بنی۔ اس سے بڑھ کر بے انصافی اور کیا ہوسکتی ہے کہ ایک شخص کے طالب العلمی کے زمانہ کی کوتاہیاں بیان کر کے اس کی علمی بزرگی اور اخلاقی فضیلت پر زبان طعن درازی کی جائے۔ یہ کس نے کہا ہے کہ صحابہ کرام اس اسلامی تربیت سے پہلے ہی ہمہ صفت موصوف تھے۔ یہ کس نے دعویٰ کیا ہے کہ آغوش رسالت کی برکتوں کے بغیر ہی ان میں للھیت ایثار وخلوص اور تقویٰ کے آثار نمایاں ہو گئے تھے۔ یہ سب کمالات قرآن کریم، حامل کتاب مبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ کیمیا اثر کا نتیجہ ہیں۔ (ضیاء القرآن)

برسرعنوان آیت طیبہ کا شان نزول اور شیعوں کی طرف سے صحابہ کرام پر وارد ہونے والے اعتراض کا جواب ذکر کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد جمعہ کے ضروری ضروری مسائل کا ذکر کرتے ہیں تاکہ قارئین کرام ان سے استفادہ کرسکیں۔ اس سے ماقبل وعظ میں جمعہ کی فرضیت، فضائل اور اجر وثواب کا تذکرہ ہو چکا اور یہ بھی بیان کر دیا گیا ہے کہ جو شخص بغیر شرعی عذر کے دانستہ جمعہ کی نماز ادا نہیں کرے گا اسے کس قدر شدید عذاب کا سامنا ہوگا۔

درج ذیل میں جمعہ کے چند اہم مسائل ذکر کئے جاتے ہیں۔

مسئلہ (۱) جن لوگوں پر جمعہ فرض نہیں۔ یہ اگر ادا کریں گے تو ہو جائے گا اور وہ درج ذیل ہیں۔ مریض، مسافر، عورت، نابالغ، غلام اور وہ نابینا شخص جس کو پکڑ کر مسجد تک لے جانے والا کوئی نہ ہو اس کا شمار بھی بیماروں میں ہے اور اس پر بھی جمعہ فرض نہیں۔

مسئلہ (۲) اس پر سب کا اتفاق ہے کہ صحرا میں جمعہ جائز نہیں اور جمعہ کے لئے جماعت شرط ہے۔ اس کے بعد اب اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ جمعہ کس مقام پر فرض ہے؟ اور جمعہ کی جماعت میں کتنے لوگوں کی شرکت ضروری ہے۔ امام شافعی، امام احمد اور اسحاق کا قول یہ ہے

کہ ایسا قریہ جہاں چالیس آزاد، عاقل بالغ مرد مستقل طور پر اقامت گزیں ہوں اور انہیں حوائج ضروریہ دستیاب ہوں وہاں جمعہ کی اقامت واجب ہے اور ان ائمہ کے نزدیک جماعت میں ایسے ہی چالیس آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں۔ وہ قصبہ جس میں مقامات متصل ہوں وہاں مسجد بھی ہو اور بازار بھی یعنی وہاں ضروریات زندگی دستیاب ہوں وہاں جمعہ واجب ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مصر جامع کے بغیر جمعہ صحیح نہیں اور مصر جامع کی یہ تعریف کی گئی ہے۔

اَلْمِصْرُ هُوَ كُلُّ بَلَدٍ فِيهَا سِكَكٌ وَاَسْوَاقٌ وَلَهَارَسَاتِيقُ وَ وَوَالٍ يَنْصِفُ الْمَظْلُوْمَ مِنَ الظَّالِمِ اَوْ عَالِمٌ يُرْجَعُ اِلَيْهِ فِي الْحَوَادِثِ وَ قِيلَ مَا لَا يَسَعُ اَكْبَرُ مَسَاجِدِهٖ اَهْلُهٗ مِصْرٌ

"یعنی مصر اس شہر کو کہتے ہیں جس میں گلی کوچے ہوں بازار ہوں اس کے ساتھ چھوٹی چھوٹی آبادیاں ہوں۔ وہاں ایک والی ہو جو ظالم سے مظلوم کی دادرسی کرے یا وہاں ایسا عالم ہو کہ ضرورت کے وقت اس کی طرف رجوع کیا جا سکے۔ بعض نے مصر کی یہ تعریف کی ہے کہ وہاں کی ساری آبادی وہاں کی مسجد میں نہ سما سکے"۔

مسئلہ (۳) مصر کے کسی حصہ میں جمعہ ادا کیا جا سکتا ہے۔ اور وہ کھلا میدان جو اس شہر سے ملحق ہو وہاں بھی جمعہ جائز ہے۔ امام صاحب اس کی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صرف مسجد نبوی میں جمعہ ادا ہوتا تھا اردگرد جو آبادیاں تھیں وہاں کے لوگ مدینہ آکر جمعہ پڑھتے تھے۔ اگر دیہات میں جمعہ جائز ہوتا تو اہل قبا جہاں سب سے پہلی مسجد کی بنیاد رکھی گئی وہیں جمعہ ادا کرتے۔ مسجد نبوی کے علاوہ سب سے پہلے جہاں جمعہ قائم کیا گیا اس کے متعلق امام بخاری لکھتے ہیں۔ بجواث قریۃ بالبحرین کہ پہلا جمعہ جواثہ میں پڑھا گیا جو بحرین میں ایک قریہ ہے۔ اس سے ہر گاؤں میں جمعہ کے جواز پر استدلال نہیں کیا جا سکتا کیونکہ لفظ قریہ کا استعمال مصر پر بھی ہوتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ۔

''کہ کیوں نہ یہ قرآن دو گاؤں یعنی مکہ اور طائف کے عظیم آدمی پر نازل کیا گیا''۔

یہاں قریتین سے مراد مکہ اور طائف ہیں۔ حالانکہ طائف کے مصر ہونے میں کوئی اختلاف نہیں نیز جواث کوئی ایسا دیہات نہ تھا جس پر مصر کی تعریف نہ صادق آتی ہو۔ علامہ جوہری نے الصحاح میں لکھا ہے۔ اِنَّ جَوَاثَ حِصْنٌ بِالْبَحْرَيْنِ کہ بحرین میں ایک قلعہ ہے جس کا نام جواث ہے۔ اور جہاں قلعہ ہوتا ہے وہاں حاکم بھی ہوتا ہے اور عالم بھی۔ و فِی المبسوط اِنَّهَا مَدِيْنَةٌ بِالْبَحْرَيْنِ۔ ''کہ وہ بحرین میں ایک شہر ہے''۔

امام یوسف، امام محمد اور اوزاعی کے نزدیک امام سمیت تین آدمیوں کا جماعت میں شریک ہونا ضروری ہے۔ امام صاحب کے نزدیک امام سمیت چار آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔

مسئلہ (۴) امام صاحب کے نزدیک والی کا ہونا یا اس کا اذن جمعہ کی صحت کے لئے شرط ہے۔ اور امام مالک، شافعی اور امام احمد کے نزدیک یہ شرط نہیں۔ البتہ موجودہ زمانہ میں جہاں مسلمان حکومتیں ہیں وہاں یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ والی یا اس کے نائب کی طرف سے اجازت ہے کیونکہ ان کی طرف سے کسی قسم کا کوئی امتناعی حکم نہیں ہوتا۔ اس لئے مذکورہ بالا شرائط جس بستی میں پائی جائیں وہاں والی کی اجازت کے بغیر بھی جمعہ ادا کیا جاتا ہے۔

مسئلہ (۵) اگر کوئی شخص کسی گاؤں میں مقیم ہے کیا اس پر واجب ہے کہ وہ شہر میں جا کر جمعہ ادا کرے؟ امام صاحب اور امام محمد صاحب کے نزدیک اس پر شہر میں آ کر جمعہ ادا کرنا واجب نہیں۔ البتہ امام یوسف، امام شافعی، امام احمد اور اسحاق کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر اس گاؤں تک شہر کے مؤذن کی آواز پہنچتی ہے تو اس پر جمعہ فرض ہے ورنہ نہیں۔ امام مالک کا بھی یہی قول ہے۔

مسئلہ (۶) امام شمس الائمہ سرخسی کہتے ہیں کہ حضرت امام اعظم صاحب کے مذہب کے مطابق ایک شہر میں متعدد مقامات پر نماز جمعہ ادا کی جا سکتی ہے۔ ابن ہمام کہتے ہیں وبِهٖ نَاْخُذُ (ہمارا اس پر عمل ہے) لیکن یہ خیال رہے کہ بلا ضرورت ہر جگہ جمعہ کی نماز ادا کرنا اس

حکمت کے منافی ہے جس کے لئے جمعہ جاری کیا گیا تھا قال سرخسی الصَّحِیْحُ مِنْ مَذْھَبِ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ جَوَازُ اِقَامَتِھَا فِیْ مِصْرٍ وَاحِدٍ فِیْ مَسْجِدَیْنِ اَوْ اَکْثَرَ وَقَالَ اِبْنُ ھَمَامٍ وَ بِہٖ نَاْخُذُ۔

مسئلہ (۷) علامہ ابن ہمام کہتے ہیں کہ اگر لوگوں پر جمعہ کی شرائط کا پایا جانا مشتبہ ہو جائے تو انہیں چاہئے کہ نماز جمعہ کے بعد چار رکعت احتیاط الظہر پڑھیں اور اس کی نیت یوں کریں آخری ظہر جس کا وقت میں نے پایا ہے اور اس کو ادا نہیں کیا اس کو ادا کر رہا ہوں اگر وہاں جمعہ کی شرائط فی الواقع پائی جاتی ہوں گی تو یہ نفل ہو جائے گی اور اگر کوئی شرط مفقود ہوگی تو یہ ظہر کے قائم مقام ہو جائے گی۔ قال ابن ھمام اِذَا شَبِہَ عَلَی النَّاسِ وُجُوْدُ شَرَائِطِ الْجُمُعَۃِ یَنْبَغِیْ اَنْ یُصَلّٰی اَرْبَعاً بَعْدَ الْجُمُعَۃِ یَنْوِیْ بِھَا اٰخِرَ فَرْضِ ظُھْرٍ اَدْرَکْتُ وَقْتَہٗ وَلَمْ اُءَ دِّ بَعْدُ۔

مسئلہ (۸) انعقاد جمعہ کے لئے خطبہ شرط ہے۔ خطبہ کے بغیر جمعہ نہیں ہو سکتا۔ خطبہ میں پانچ چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ (۱) حمد باری تعالیٰ، (۲) درود و سلام، (۳) تقویٰ کی وصیت، (۴) قرأت قرآن، (۵) اہل ایمان کے لئے دعا۔

خطبہ میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آل، خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کا ذکر سب ذکر الٰہی میں داخل ہیں لیکن اس میں ظالم بادشاہوں یا امراء کا ذکر، ان کے القاب، ان کی ثناء اور ان کی مدح کا اللہ کے ذکر کے ساتھ دور کا واسطہ بھی نہیں، ما ذکر الظلمۃ والقابھم والثناء علیھم والمدح لھم فھو بعید من ذکر اللّٰہ بمراحل معاذ اللّٰہ

مسئلہ (۹) اگر امام کے سلام پھیرنے سے پہلے کوئی آدمی شریک ہو جائے گا تو وہ اٹھ کر دو رکعت ہی پڑھے گا امام صاحب کے نزدیک اس کی نماز جمعہ ادا ہو جائے گی، بعض ائمہ فقہ کے نزدیک اگر نماز جمعہ کی ایک رکعت امام کے ساتھ پا لے گا تو اس کی نماز جمعہ ہوگی ورنہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد ظہر کی چار رکعتیں ادا کرے گا لیکن فتویٰ پہلے قول پر ہے۔

چند چیزیں نماز جمعہ کے لئے مسنون ہیں حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے

متعلق فرمایا جمعہ کے روز غسل کرے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا جاء احد كم الى الجمعة فليغتسل (متفق علیہ) جب کوئی شخص نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے آئے تو غسل کرے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمعہ کے روز خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تاخیر سے آئے آپ نے فرمایا اے عثمان رضی اللہ عنہ ماهذا التاخیر۔ کیوں آپ تاخیر سے آئے ہیں آپ نے فرمایا میں کسی ضروری کام میں تھا ابھی ادھر سے آ رہا ہوں اور وضوء کیا ہے اور حاضر ہو گیا ہوں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا وضو بھی جائز ہے لیکن غسل کرنا زیادہ اولیٰ ہے۔"

نئے دھلے ہوئے کپڑے پہننا، مسواک کرنا، جو خوشبو دستیاب ہو اس کا لگانا بھی مسنون ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ - مَنْ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاسْتَنَّ وَمَسَّ مِنْ طِيْبٍ اِنْ كَانَ عِنْدَهٗ وَ لَبِسَ مِنْ اَحْسَنِ ثِيَابِهٖ ثُمَّ خَرَجَ حَتّٰى يَأْتِيَ الْمَسْجِدَ فَلَمْ يَتَخَطَّ رِقَابَ النَّاسِ ثُمَّ رَكَعَ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَرْكَعَ فَاَنْصَتَ اِذَا خَرَجَ الْاِمَامُ كَانَتْ كَفَّارَةً مَا بَيْنَهَا وَ بَيْنَ الْجُمُعَةِ الَّتِيْ قَبْلَهَا۔ (ابو داؤد)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے، مسواک کرے، اگر اس کے پاس خوشبو ہو تو وہ لگائے، اور اچھا لباس پہنے، پھر گھر سے نکل کر مسجد کی طرف آئے پھر لوگوں کی گردنوں کو پھاندتا ہوا نہ جائے اور پھر اللہ کی توفیق سے نفل پڑھتا رہے اور جب امام خطبہ دینے کے لئے آئے تو خاموشی سے بیٹھ جائے تو اس کا یہ عمل کفارہ بن جائے گا ان کوتاہیوں اور غفلتوں کا جو گزشتہ جمعہ سے اس جمعہ تک اس سے سرزد ہوئی ہیں"۔ (منقول از ضیاء القرآن)

جمعہ کے فضائل

گناہوں کی بخشش اور اس کی ادائیگی کے مسائل اوپر بیان کر دیئے گئے ہیں۔ اب مزید جو اس دن میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فرشتے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں کے لئے مغفرت اور بخشش کی دعائیں کرتے ہیں۔ اس کا ذکر کیا جاتا ہے تاکہ کوئی خوش قسمت ان واقعات کو پڑھے اور ان پر عمل کرے۔ تو یقیناً وہ بھی ان دعاؤں کا مستحق ہوگا۔

حضرت ابو عمرو اپنے دادا کے واسطہ سے اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جبل قاف کی دوسری جانب ایک وسیع میدان ہے۔ جس میں نباتات کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا۔ وہ چاندی کی طرح سفید ہے اور اس کی وسعت اس دنیا سے سات گنا ہے۔ وہ ملائکہ سے بھرا ہوا ہے وہاں ملائکہ کی اتنی کثرت ہے کہ اگر سوئی گرے تو ان ہی پر گرے گی۔ اور ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک جھنڈا ہے جس کی لمبائی چالیس فرسخ ہے (ایک سو بیس میل) اور ہر جھنڈے پر کلمہ طیبہ لا الٰہ اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے۔ وہ فرشتے جمعہ کے دن اس پہاڑ کے گرد جمع ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عاجزی وانکساری کرتے ہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی سلامتی کی دعائیں کرتے ہیں، جب صبح پھوٹتی ہے تو وہ عرض کرتے ہیں۔ اے اللہ! ہر اس آدمی کے گناہ معاف کر دے جس نے جمعہ کا غسل کیا اور جمعہ کی نماز کے لئے حاضر ہوا۔ پھر وہ روتے ہوئے اپنی آوازیں بلند کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے میرے ملائکہ تمہاری اس عاجزی، گریہ وزاری کا کیا مقصد ہے تو وہ عرض کرتے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ تو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے گناہ معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے انہیں معاف کر دیا۔ (مشکوٰۃ الانوار)

ایک روایت میں ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیت المعمور کے پاس ایک سفید چاندی کا مینار پیدا فرمایا ہوا ہے۔ اس کی لمبائی پانچ سو سال کی مسافت کی ہے جب جمعہ کا وقت ہوتا ہے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام اس مینارہ پر چڑھ کر اذان دیتے ہیں اس کے

بعد حضرت اسرائیل علیہ السلام خطبہ دیتے ہیں اور میکائیل علیہ السلام فرشتوں کی امامت کراتے ہیں جب نماز سے فارغ ہوتے ہیں تو جبرائیل علیہ السلام اللہ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ جو ثواب اس اذان کا مجھے حاصل ہوا ہے میں نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے زمین پر اذان دینے والوں کو بخش دیا ہے۔ اور اسرافیل اعلان کرتا ہے کہ جو جمعہ کے خطبہ کا مجھے ثواب حاصل ہوا وہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امت کے خطباء کو بخش دیا ہے۔ اور میکائیل عرض کرتا ہے کہ جو جماعت کرانے کا ثواب مجھے حاصل ہوا ہے وہ میں نے زمین پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے جمعہ کی جماعت کرانے والوں کو بخش دیا ہے۔ اور ان مذکورہ بالا کے علاوہ باقی تمام ملائکہ یہ عرض کرتے ہیں اے اللہ تعالیٰ جو ہم نے اس جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا ثواب حاصل کیا ہے۔ یہ ہم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان غلاموں کے نام ھبہ کر دیا ہے جنہوں نے جمعہ کی جماعت میں شرکت کی ہے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اے میرے ملائکہ! کیا تم میرے سامنے اپنی سخاوت کا اظہار کرتے ہو مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم۔ میں نے آج اپنے ان تمام بندوں کے گناہ معاف کر دیئے ہیں جنہوں نے جمعہ کی نماز میرے حکم کی پیروی کرتے ہوئے اور میرے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں ادا کی ہے۔ (زبدۃ الواعظین)

عجیب حکایت

ایک شخص تھا جو جمعہ کی نماز کا سخت پابند تھا۔ اس نے جمعہ کے دن آٹا پسوانے کے لئے اپنے گدھے پر گندم کی بوری لادلی اس نے کہا کہ جب میں نے گدھے سے گندم اتار لی تو وہ بھاگ کھڑا ہوا اور عین اسی وقت میرا ایک پڑوسی تھا اور اس کی زمین میری زمین کے ساتھ متصل تھی اس نے آ کر مجھے بتایا کہ آج ہی تیری پانی کی باری ہے۔ اٹھو اور اپنی زمین کو سیراب کر لو ورنہ تمہاری پانی کی باری ضائع ہو جائے گی تو میں نے سوچا کہ آج جمعہ ہے اور جمعہ کا وقت نزدیک ہے اور مجھے تمام باتوں سے جمعہ کی نماز ادا کرنا زیادہ پسند ہے۔ اس لئے میں نے ان تمام کاموں کو چھوڑا مسجد میں گیا اور جمعہ کی نماز ادا کی تو نماز سے فراغت

کے بعد جب میں گھر پہنچا تو دیکھا کہ گندم پس چکی تھی اور روٹی تیار کی جا رہی تھی اور میری زمین بھی سیراب کر دی گئی تھی اور میرا گدھا بھی واپس گھر پہنچ چکا تھا۔ میں نے اپنی بیوی سے پوچھا کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا تو اس نے جواب دیا کہ ہمارا پڑوسی چکی پر گیا اور اس نے یہ گمان کرتے ہوئے کہ ہماری گندم کی بوری اس کی ہے اس نے آٹا پسوایا تو جب وہ اسے لے کر اپنے گھر پہنچا تو اس نے پہچان لیا کہ وہ گندم کی بوری ہماری تھی۔ اس لئے وہ اسے اٹھا کر ہمارے گھر لے آیا۔ اور زمین سیراب ہونے کی وجہ یہ تھی کہ ہمارے پڑوسی نے اپنی زمین کو پانی لگایا۔ اس کی زمین سیراب ہو کر بھر گئی تو اس کا پانی اچھل کر ہماری زمین کو سیراب کر گیا تو جب میں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ برکت دیکھی تو میں نے دنیا کے تمام معاملات کو ترک کیا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت و ریاضت میں ہمیشہ کے لئے اپنے آپ کو مصروف کر لیا۔ (مطالع الانوار)

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ہمیں تمام نمازیں پابندی سے ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور خصوصاً جمعہ کی نماز اور اس دن کی عظمت کا لحاظ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور بخششیں اس دن میں اور جمعہ کی نماز ادا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی جاتی ہیں ان سے مالا مال ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

وما علینا الا البلغ المبین

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ؕ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ۬ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ ۞ (آمین) اللھم صل و سلم و بارک علی سیدنا و مولٰینا و حبیبنا و حبیب ربِّ العالمین محمدِ ن المصطفٰی رحمۃِ للعالمین و علی اٰلِہ و اصحابِہ و ازواجِہ والتابعین الی یومِ الدین

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہِ اُنِیب

اکسٹھواں وعظ

محاسبۂ نفس کی فضیلت

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ وَ نُبَارِکُ عَلٰی سَیِّدِنَا الکریم

محمدنِ المصطفٰی و علٰی اٰلِهٖ و اَصْحَابِهٖ وَ اَزْوَاجِهٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ (سورۃ الحشر)

''اے ایمان والو! ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور ہر شخص کو دیکھنا چاہئے کہ اس نے کیا آگے بھیجا ہے کل کے لئے اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوب آگاہ ہے جو تم کرتے رہتے ہو۔'' (جمال القرآن)

اس سے ماقبل آیات میں یہود کے غدر اور عہد شکنی کی سزا اور منافقین کے مکر و نفاق کا ذکر کیا گیا ہے اب اہل ایمان کو جھنجھوڑا جا رہا ہے اور انہیں نصیحت کی جا رہی ہے کہ اے فرزندان اسلام تقویٰ کو اپنا شعار بناؤ۔ خبردار! اس راہ پر قدم نہ اٹھے جس سے تمہارے رب نے تمہیں منع فرمایا ہے اور اس کے احکام کی تعمیل میں کوتاہی نہ ہو نیز یہ بھی تاکید فرما دی کہ ہر شخص اپنا محاسبہ کرتا رہے کہ اس نے اپنی عاقبت کے لئے کیا ذخیرہ تیار کیا ہے جو شخص آج کی مسرتوں اور خوشیوں میں یوں کھو جائے کہ اسے کل کا ہوش نہ رہے اور آخرت کے لئے وہ کچھ نہ کرے وہ دانا نہیں بلکہ نادان ہے۔ تم ایسا ہرگز نہ کرنا کیونکہ تم اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہو۔ قیامت کے روز تمہاری شان نرالی ہونی چاہئے۔ تمہاری زندگی کے گرد نور کا ہالہ ہو۔ اس نورانی ہالہ کے اندر تم چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہے ہو اور لوگ تمہیں رشک بھری نگاہوں سے دیکھ رہے ہوں تب لطف ہے۔ دوبارہ پھر تقویٰ کی

تاکید فرمادی اور بتا دیا کہ تم جو کچھ کام کرتے ہو تمہارا خداوند ذوالجلال اس سے خوب باخبر ہے۔ (ضیاء القرآن)

اسلاف کا محاسبہ نفس

روایت کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک رجسٹر تھا جس میں وہ اپنے اعمال لکھ لیا کرتے تھے اور ایک ہفتہ مکمل اس میں روزانہ کے اعمال درج فرما لیا کرتے تھے۔ جب ایک ہفتہ گزر جاتا تو آپ اس رجسٹر کو کھولتے۔ اور جو روزمرہ کے اعمال اس میں درج کئے ہوتے ان کا جائزہ لیتے اگر ان میں سے کوئی ایسا عمل ہوتا جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود نہ ہوتی تو آپ اپنے آپ کو اپنے کوڑے کے ساتھ مارنا شروع کر دیتے اور اپنے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے۔ اے عمر! تو نے یہ عمل کیوں کیا ہے جس کا مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا نہ تھی۔ اور یہ عمل ہر جمعہ کو ہوتا تھا تو جب آپ نے شہادت کا جام نوش کیا اور آپ کو غسل دیا جانے لگا تو غسل دینے والے نے آپ کی پشت اور پہلوؤں پر کوڑوں کی ضربات کے نشان دیکھے تو وہ حیران رہ گیا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی یہ شان تھی کہ جب وہ کسی قاری کو قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے سنتے اور وہ ان آیات کی تلاوت کر رہا ہوتا جن میں عذاب کی وعید ذکر کی گئی ہوتی تو آپ پر غشی طاری ہو جاتی اور کئی کئی دن بیماری کی حالت میں پڑے رہتے۔ یہاں تک کہ آپ کے دوست احباب آپ کی بیمار پرسی کے لئے حاضر ہوتے تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے کہ آپ کی آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں کے خطوط آپ کے چہرے پر نمایاں ہوتے۔ اور آپ یہ کہا کرتے کہ کاش میری ماں نے مجھے جنم نہ دیا ہوتا اور میں اس دنیا پر موجود نہ ہوتا تا کہ مجھے شرمندگی کا سامنا نہ کرنا پڑتا ایک دن آپ کسی کام کے لئے جا رہے تھے تو راستہ میں ایک قاری کو یہ آیت طیبہ تلاوت کرتے سنا۔ اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ لَوَاقِعٌ مَا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ''کہ یقیناً تیرے رب کا عذاب واقع ہوگا اور اسے کوئی ٹالنے والا نہیں۔'' تو آپ یہ سنتے ہی اپنی سواری سے غش کھا کر زمین پر گر پڑے اور آپ کو اٹھا کر گھر میں لایا گیا تو تقریباً ایک ماہ یوم آخرت کے عذاب کے خوف کی وجہ

سے گھر سے باہر تشریف نہ لائے اور توبہ استغفار میں مشغول رہے سوائے پانچ وقت نماز کے۔ (مجالس الانوار)

یہ صرف فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ہی حالت نہ تھی بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام جلیل القدر صحابہ کرام پر یہ کیفیت طاری ہوجایا کرتی تھی۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ خلافت کی مسند پر متمکن ہونے سے پہلے کا ہے۔ کیونکہ ایام خلافت میں آپ ملکی امور کو نبھانے میں اس قدر مصروف ہوتے کہ ایک لمحہ بھی فارغ نہ گزرتا تھا۔ بلکہ یا تو آپ ملکی امور کی تدبیر میں مصروف ہوتے یا مجاہدین کے لائحہ عمل کے متعلق سوچا کرتے یا خدمت خلق کے لئے مدینہ طیبہ کی گلیوں بازاروں اور صحراؤں میں چکر لگایا کرتے تھے۔ تاکہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کوئی غلام کسی وجہ سے پریشان ہو تو اس کی مدد کی جائے اور اس کی پریشانی کا سدباب کیا جائے۔ صدہا ایسے واقعات ہیں جو صفحہ قرطاس پر شمس و قمر کی طرح چمک رہے ہیں جو انہیں دیکھنا چاہے۔ وہ آپ کی سیرت کا مطالعہ کرے۔ ان شاء اللہ اسے بہت سے ایسے گوہر ہائے نایاب ملیں گے۔ جن سے مذکورہ بالا کی تصدیق ہوجائے گی بلکہ آپ کا درج ذیل پر از حکمت ارشاد گرامی اس مذکورہ بالا کی تائید کے لئے کافی ہوگا۔ حضرت علامہ محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر روح المعانی میں آپ کا ایک قول نقل فرماتے ہیں۔ وہ امت مسلمہ کے نوجوان کے لئے بھی مہمیز ثابت ہوگا اور آپ کے لائحہ عمل کا آئینہ دار بھی ہوگا۔ وہ نوجوان جن کے دلوں میں اپنی ملت کی زبوں حالی کا درد ہے اور وہ اپنی قوم کے مستقبل کو درخشاں دیکھنا چاہتے ہیں اور وہ ان کی پستی اور انحطاط پر شکوہ سنج بھی ہیں۔ وہ آپ کے اس ارشاد گرامی کو بار بار پڑھیں بلکہ میں تو عرض کروں گا کہ وہ اسے خوب صورت کاغذ پر خوش خط لکھ کر اپنے ڈرائنگ روموں میں سجائیں کہ جب بھی ان میں داخل ہوں تو ان کی نظر اس ارشاد گرامی پر پڑے اور ان کے دلوں میں جدوجہد اور محنت کا جذبہ پیدا ہو۔ آپ فرماتے ہیں۔

إِنِّي لَأَكْرَهُ أَنْ أَرَى أَحَدَكُمْ فَارِغًا سَبَهْلَلًا لَا فِي عَمَلِ دُنْيَاهُ

وَلَا فِیْ عَمَلِ آخِرَتِہٖ۔ (روح المعانی)

"یعنی میں اس بات کو سخت ناپسند کرتا ہوں کہ میں تمہیں نکما بیٹھے ہوئے دیکھوں نہ تم کوئی دنیا کا کام کر رہے ہو اور نہ تم اپنی آخرت کو سنوار رہے ہو۔"

آپ کا یہ فرمان نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ کوئی آپ کی سیرت سے بے خبر یہ نہ سمجھ لے کہ آپ پورا ایک مہینہ اپنے فرائض منصبی ادا کرنے سے غافل رہے۔ حالانکہ آپ کی زندگی کا ہر ہر لمحہ اللہ کے خوف کی وجہ سے خدمت خلق میں اور اس کی عبادت و ریاضت اور ذکر وفکر میں گزرتا تھا اور مذکورہ بالا آیت طیبہ کا سننا جس میں قیامت کے عذاب کے واقع ہونے کی وعید ہے جس کی وجہ سے آپ پر غشی کا طاری ہونا یہ بھی اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے تھا۔ اس لئے آپ کی ذات پر اعتراض کرنا کسی اعتبار سے بھی مناسب نہیں۔

خوف خدا سے رونے کا اجر

روایت بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ حقیقت میں دنیا سے کنارہ کش ہونے والوں کا زہد یہ ہے کہ وہ دنیا سے مکمل طور پر کنارہ کشی اختیار کریں یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دنیا کے اسباب و وسائل سے بھرپور فائدہ اٹھائیں اور اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے قربان کرتے رہیں۔ لیکن وہ ان کے دلوں کا کانٹا نہ بن جائے کہ وہ انہیں یاد الٰہی سے غافل کر دے جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دے۔

حضور ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ بندہ مومن کا تعلق دنیا کے ساتھ اس قدر ہونا چاہئے جس طرح مرغابی کا تعلق پانی کے ساتھ ہوتا ہے کہ اس کا زیادہ وقت پانی میں تیرتے اور اس میں غوطے لگاتے گزر جاتا ہے لیکن جب وہ پانی سے باہر آتی ہے تو اس کے پروں پر پانی کا ایک قطرہ تک نہیں ہوتا۔ اسی طرح بندہ مومن کی یہ شان ہونی چاہئے کہ وہ دنیا میں رہتے ہوئے اس کے اسباب و وسائل سے خوب فائدہ اٹھائے لیکن وہ

ہر اس چیز کو حرام تصور کرے جو اسے اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کرنے کا سبب بنے اور وہ اس سے کنارہ کش ہو جائے کوئی شخص بھی اس وقت تک اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں کر سکتا جب تک وہ دنیا کی محبت سے کنارہ کش نہیں ہو جاتا۔ اور جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دے دیا ہے۔ ان سے تقویٰ اختیار نہیں کرتا اور کوئی عبادت کرنے والا اس شخص جتنا اجر د ثواب حاصل نہیں کر سکتا جتنا وہ حاصل کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے اشکبار ہو جاتا ہے اور اس کی آنکھوں سے موسلا دھار بارش کی طرح آنسو ٹپکنے لگتے ہیں۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی یَا اَکْرَمَ الْاَکْرَمِیْنَ وَیَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ جو لوگ اس طرح زہد و تقویٰ اختیار کریں اور تیری حرام کردہ اشیاء کو حرام سمجھیں اور ان کو استعمال نہ کریں۔ اور تیرے خوف سے وہ رونا اپنی عادت بنا لیں تو انہیں تیری بارگاہ سے کیا نوازشات حاصل ہوں گی تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام! میں ایسے لوگوں کے لئے اپنی ساری جنت کو مباح کر دوں گا اور وہ بغیر حساب اس میں داخل ہوں گے اور انہیں جنت میں رفیق اعلیٰ کے ساتھ ہونے کا شرف حاصل ہوگا۔ (موعظہ حسنہ)

کتنے خوش بخت ہیں وہ لوگ جنہیں اس قسم کی نوازشات سے نوازا جائے گا۔

ایک بال کی شہادت سے عذاب الٰہی سے نجات

ایک روایت میں آیا ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص کو فرشتے پکڑ کر اللہ تعالیٰ کی جناب میں پیش کریں گے اور اس کا اعمال نامہ اس کے سامنے کھول دیا جائے گا جس میں وہ اپنے بہت زیادہ گناہ دیکھے گا اور ان کو تسلیم کرنے سے انکار کر دے گا تو اسے کہا جائے گا کہ اے شخص تو اپنے گناہوں سے انکار کر رہا ہے حالانکہ تیرے خلاف گواہ موجود ہیں۔ وہ یہ سنتے ہی گھبرا کر اپنے دائیں بائیں آگے اور پیچھے دیکھے گا۔ لیکن وہاں کسی کو نہ پا کر عرض کرے گا۔ اے میرے رب! گواہ کہاں ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ اس کے اعضاء کو حکم دے گا کہ وہ اس کے خلاف گواہی دیں۔ چنانچہ اس کے اعضاء اس کے خلاف گواہی دینا شروع کر دیں گے کان کہیں گے کہ اس نے یہ یہ غلط بات کہی جو ہم نے سنی ہے اور ہمیں یقین ہے کہ اس نے یہ غلط عمل کیا ہے۔

آنکھیں بول اٹھیں گی کہ اس نے ہمارے ساتھ مَنْهِی عنه اشیاء کو دیکھا ہے۔ زبان شہادت دے گی کہ اس نے یہ یہ جھوٹ بولا ہے یا خلاف حق باتیں کہی ہیں۔ اس طرح اس کے ہاتھ اور پاؤں بھی اس کے خلاف شہادت دیں گے کہ اس شخص نے ہمارے ساتھ چل کر اور پکڑ کر یہ یہ ظلم کیا ہے اور اس کی شرمگاہ بھی بول اٹھے گی کہ اس نے میرے ساتھ بے حیائی اور بدکاری کا ارتکاب کیا ہے۔ اس وقت وہ انسان حیران و ششدر ہو کر کھڑا ہو جائے گا۔ اور ندامت کی وجہ سے اسے بولنے کا یارا نہیں ہوگا۔ تو پھر اسے جہنم میں پھینکنے کا حکم ہوگا۔ جب فرشتے اسے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے جہنم کی طرف لے جانے لگیں گے تو اس کی آنکھوں کی پلکوں میں سے ایک پلک اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گفتگو کرنے کی اجازت طلب کرے گی جو اسے دی جائے گی تو وہ عرض کرے گی کہ اے اللہ تعالیٰ! کیا تیرا یہ فرمان نہیں کہ جس شخص کی ایک پلک بھی تیرے خوف سے تر ہو گئی تو تو اسے جہنم کی آگ سے نجات عطا فرمائے گا تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ ہاں میں نے یہ کہا ہوا ہے وہ پلک عرض کرے گی کہ میں گواہی دیتی ہوں کہ اس گنہگار شخص نے تیرے خوف کی وجہ سے مجھے آنسوؤں سے تر کئے رکھا تو اس طرح اللہ تعالیٰ اس ایک پلک کی گواہی سے اسے جنت میں داخل ہونے کا حکم فرمادے گا تو غیب سے آواز آئے گی کہ دیکھو اس شخص کو اس کی ایک پلک کی شہادت سے جنت میں داخل کر دیا گیا ہے اور اسے جہنم سے نجات عطا کر دی گئی ہے۔ (حیات القلوب)

یہ ہے اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونے کا انعام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے خوف سے اشکبار ہونے اور آنسو بہانے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

دوزخ کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کا ذریعہ

حضرت عطاء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں عبداللہ ابن عمر اور عبید بن عمرو تینوں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے عرض کی اے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ ہمیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کوئی ایسا عجیب وغریب ارشاد سنائیں جس سے ہمیں راحت ہو۔

وہ یہ سن کر رونے لگیں اور فرمایا کہ ایک رات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی میری آرامگاہ میں تشریف لانے کی باری تھی تو آپ میرے گھر تشریف لائے اور آپ بالکل میرے قریب ہی میرے بستر میں آرام فرما ہوئے تو اچانک آپ نے فرمایا اے عائشہ! اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کر لوں تو میں نے عرض کی کہ اے میرے آقا! میں اپنی خواہش کو اس وجہ سے قربان کرتی ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قرب حاصل کر لیں اور یہ بات مجھے اپنی خواہش سے زیادہ پسند ہے کہ آپ کا رب آپ پر راضی ہو جائے۔ (اس لئے آپ اپنے رب کے حضور عبادت میں مصروف ہو جائیں میری طرف سے کھلے دل سے اجازت ہے) چنانچہ آپ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے اور پانی کے اس مشکیزہ کی طرف تشریف لے گئے جو گھر میں موجود تھا اور آپ کی حالت یہ تھی کہ آپ زار و قطار رو رہے تھے۔ پس آپ نے وضو فرمایا اور بہت زیادہ پانی استعمال کیا پھر آپ نے قرآن کریم کی تلاوت شروع کر دی اور آپ اس قدر روئے کہ آپ کی چشمان مبارک سے اس قدر آنسو جاری ہوئے کہ وہ زمین پر بہنے لگے اور آپ پر یہی کیفیت طاری تھی کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور وہ آپ کو روتے ہوئے دیکھ کر رونے لگے اور عرض کی یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں۔ آپ کے رونے کا سبب کیا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر اگلے اور پچھلے لگائے گئے الزام مٹا دیے ہیں اور فرما دیا ہے۔ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے بلال! اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا کہ جب میرے رب نے مجھ پر لگائے گئے تمام الزامات ختم کر دیئے۔ اور مجھے مغفرت و بخشش کی نوید جانفزا سنا دی ہے تو کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بن جاؤں؟ پھر فرمایا۔ میں کیوں نہ روؤں جبکہ اللہ تعالیٰ نے گزشتہ رات میرے اوپر یہ آیت طیبہ نازل فرمائی ہے اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرنے کی تلقین فرمائی ہے اور فرمایا:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی

الْاَلْبَابِ ﴿١٩٠﴾ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾ (آل عمران)

"یقیناً آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور گردش لیل ونہار میں ان عقلمند لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو اٹھتے بیٹھتے اور اپنے پہلوؤں کے بل لیٹتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور وفکر کرتے رہتے ہیں۔ (کہتے ہیں) اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ سب کچھ باطل پیدا نہیں فرمائے۔ تیری ذات ہر عیب اور ہر کمزوری سے پاک اور منزہ ہے تو ہمیں دوزخ کی آگ سے بچا۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ اے بلال! دوزخ کی آگ کو صرف آنکھوں سے جاری ہونے والے آنسو ہی ٹھنڈا کر سکتے ہیں جو شخص اس آیت کو پڑھے اور اس میں غور وفکر نہ کرے اس کے لئے ہلاکت ہے۔ (مجالس الابرار)

اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونا دوزخ کی آگ کو ٹھنڈا کر دیتا ہے اور گناہوں کی بخشش کا سبب ہوتا ہے بلکہ یوں سمجھئے کہ خوف خدا سے رونے والوں کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جس طرح موسم خزاں میں درختوں سے پتے جھڑ جاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباس اور ان کے والد حضرت عباس ابن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما دونوں روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اِذَا اقْشَعَرَّ جِلْدُ الْعَبْدِ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ سَقَطَتْ عَنْهُ ذُنُوْبُهٗ كَمَا تَسَاقط عن الشجرةِ اليابِسَةِ اَوْرَقُهَا

"کہ جب بندہ مومن کا جسم اللہ تعالیٰ کے ڈر سے کانپتا ہے تو اس کے گناہ اس کے اعمال نامہ سے اس طرح گرتے ہیں جس طرح خشک درخت سے پتے گرتے ہیں"۔ (حیات القلوب)

دار چینی اور لونگ کے اگنے کا سبب

روایت کیا جاتا ہے کہ جب آدم علیہ السلام سے لغزش صادر ہوئی تو انہیں جنت سے زمین کی طرف اتارا گیا اور آپ کو سرزمین ہند میں پہنچایا گیا تو آپ اپنی اس لغزش پر از حد شرمندہ ہوئے اور اسے معاف کرانے کے لئے تین سو سال تک مسلسل روتے رہے اور اللہ تعالیٰ سے شرم وحیا کی وجہ سے آسمان کی طرف سر تک نہ اٹھایا اور جبل الہند پر ایک سو سال سر سجدہ میں رکھ کر گریہ وزاری کرتے رہے اور جزیرہ سرندیپ میں آپ کے آنسو جاری ہو گئے۔ جن کے سبب اس وادی میں اللہ تعالیٰ نے دارچینی اور لونگ پیدا فرما دیئے اور آپ کے آنسو اتنے کثرت سے جاری ہوئے کہ وہ چشمہ شیریں کی صورت اختیار کر گئے۔ پرندے اس چشمہ سے پانی پیتے تھے اور کہتے تھے۔ یہ کتنا عظیم الشان اور لذیذ پانی ہے کہ اس جیسا شیریں اور لذیذ پانی تو انہوں نے کبھی نہیں پیا اور آدم علیہ السلام یہ گمان کرتے تھے کہ پرندے ان کی لغزش کی وجہ سے ان کے ساتھ مذاق کر رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی اور فرمایا۔ اے آدم! میں نے گنہگاروں کی آنکھوں سے جاری ہونے والے پانی جیسا لذیذ اور عظیم کوئی پانی پیدا ہی نہیں کیا۔ (زہرۃ الریاض)

غلامی سے آزادی کا سبب

حضرت رباح العبسیؒ نے ایک حبشی غلام چار دنانیر میں خریدا جس کی شان یہ تھی کہ وہ رات کے وقت نہ خود سوتا اور نہ ہی اپنے آقا کو سونے دیتا خود بھی بے چین رہتا اور آقا کو بھی بے چین کرتا رہتا۔ ایک رات رباح نے اس سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے نہ تو تم خود سوتے ہو اور نہ ہی ہمیں سونے دیتے ہو تو اس نے جواب دیا۔ اے میرے آقا! جب رات کی تاریکی چھا جاتی ہے تو مجھے قبر کا اندھیرا اور جہنم کی ظلمت یاد آ جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے میں بے چین ہو جاتا ہوں اور میری نیند اڑ جاتی ہے اور جب میں یہ سوچتا ہوں کہ قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے محاسبہ کے لئے کھڑا ہونا ہے تو میرے غم میں اور اضافہ ہو جاتا ہے اور اس کے بالمقابل جب مجھے جنت اور اس کی نعمتیں یاد آتی ہیں تو ان کے حصول کے لئے میرا

شوق دو چند ہو جاتا ہے اس لئے مجھے نیند کیسے آ سکتی ہے۔ جب رباح نے یہ سنا تو وہ بھی بے چین ہو گیا اور غش کھا کر زمین پر گر پڑا جب اسے ہوش آئی تو کہنے لگا اے میرے حبشی غلام! جاؤ تم آزاد ہو کیونکہ میرے جیسا آدمی آپ جیسے خدا کا خوف رکھنے والے کا مالک کیسے بن سکتا ہے؟ اس لئے میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے آزاد کرتا ہوں۔ (مجالس الرومی)

حضرات! قبر کے اندھیرے اور جہنم کی ظلمت کا خوف جب دنیا کی غلامی سے آزادی دلا سکتا ہے تو یقیناً وہ آخرت کے عذاب سے بھی نجات کا باعث ہوگا۔

عبرت آموز واقعہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک باپ اور اس کا بیٹا رات کے وقت اکٹھے سوئے ہوئے تھے جب رات کا کچھ حصہ گزر گیا تو اس کے بیٹے پر اچانک بے چینی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اور وہ کروٹیں بدلنے لگا۔ باپ نے پوچھا۔ اے میرے پیارے بیٹے! تو اچانک کس وجہ سے بے چین ہو گیا ہے کیا تجھے کہیں درد ہے۔ یا اس بے چینی کی وجہ کوئی اور چیز ہے؟ تو لڑکے نے جواب دیا۔ اے میرے ابا جان! مجھے نہ کوئی تکلیف ہے اور نہ ہی کہیں درد ہے بلکہ میرے اساتذہ نے گزشتہ ہفتہ جو کچھ مجھے پڑھایا ہے وہ کل بروز جمعرات میرا امتحان لیں گے اور پچھلے ہفتے پڑھا ہوا سبق سنیں گے۔ میں خوفزدہ ہوں کہ اگر میں سبق صحیح نہ سنا سکا اور اس میں مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی تو وہ مجھے سزا دیں گے۔ اس خیال سے میں مضطرب اور بے چین ہوں باپ نے جب اپنے بیٹے کی یہ بات سنی تو وہ بھی بے چین ہو گیا۔ اور اسے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حساب کے لئے کھڑا ہونا یاد آ گیا۔ اس کے بختوں نے اس کی یاوری کی وہ زور زور سے چیخنے لگا اور سر میں مٹی ڈالنے لگا اور خوف حساب سے گریہ وزاری کرنے لگا اور کہنے لگا کہ جب قیامت کے روز میرا رب مجھ سے میرے اعمال کا محاسبہ کرے گا اور مجھ سے پوچھے گا کہ تو نے دنیا میں کیا کھویا اور کیا پایا اور کون کون سے نیک اعمال کئے تو میں اسے اس وقت کیا جواب دوں گا ابھی لئے میں اس کا زیادہ سزاوار ہوں کہ آج اپنے اعمال کا خود محاسبہ کروں اور جو فرو گذاشتیں مجھ سے صادر ہوئی ہیں انہیں رد کر اپنے

رب سے بخشوالوں اور آئندہ گناہوں سے اپنا دامن بچاتے ہوئے نیک اعمال کرنے میں مشغول ہو جاؤں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ قیامت کے دن تمام لوگ صف در صف اس کے سامنے پیش ہوں گے اس لئے اپنی آئندہ زندگی میں وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قیامت کے دن پیش ہونے سے ڈرتا رہا اور آہ وزاری کرتا رہا امید ہے کہ اس رونے کی وجہ سے اس کی بخشش ہو جائے گی۔ (طریقہ محمدیہ)

اقوال زریں

اہل عرفان کا قول ہے کہ انسان کو چاہئے کہ وہ چار اعمال کر کے اپنے چار اعضاء کو گناہوں کی آلودگیوں سے صاف کر لے۔

۱- اپنے چہرے کو اپنی آنکھوں سے ٹپکنے والے آنسوؤں سے۔

۲- اپنی زبان کو اپنے خالق کا ذکر کرنے سے۔

۳- اپنے دل کو اپنے رب کے خوف سے۔

۴- اور اپنے جسم کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ اور استغفار کرنے سے۔

فقیہ ابواللیثؒ فرماتے ہیں کہ بندے کے گناہ دو قسم کے ہیں۔ (۱) حقوق اللہ ادا نہ کرنے کا گناہ۔ (۲) حقوق العباد کی ادائیگی میں کوتاہی کرنا۔ حقوق اللہ سے مراد وہ اعمال ہیں جن کا تعلق خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت سے ہے۔ مثلاً پانچ وقت نماز ادا کرنا اور روزے رکھنا وغیرہ۔ ان کی بخشش و مغفرت کا طریقہ یہ ہے کہ انسان دل سے شرمندہ ہو۔ زبان سے استغفار پڑھے اور یہ پختہ عزم کرے کہ آئندہ حقوق اللہ ادا کرنے میں وہ ہرگز کوتاہی نہیں کرے گا اور اس کے ساتھ ساتھ جو حقوق اللہ ادا کرنے میں کوتاہی کر بیٹھا ہے اور انہیں ادا نہیں کر سکا تو ان کی قضا کرے۔ یعنی اگر نمازیں قضا ہوئی ہیں تو ان کی قضا کرے اور اگر فرضی روزے ادا کرنے میں کوتاہی ہوئی ہے تو روزوں کی قضا کرے کیونکہ توبہ اسی وقت موثر ثابت ہو سکتی ہے اور اس کے لئے نفع کا باعث بن سکتی ہے جب وہ ان کی قضا کر دیگا اگرچہ اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر ہے کہ اپنے بندے کی خلوص دل سے کی ہوئی توبہ کو قبول

کرتے ہوئے اپنے فضل وکرم سے اپنے حقوق معاف فرمادے۔

(حقوق العباد) ان سے مراد وہ حقوق ہیں جو اس نے بندوں کی حق تلفی کی ہے۔ یہ حقوق اس وقت تک معاف نہیں ہوں گے جب تک وہ ان کا معاوضہ ادا نہ کردے یا صاحب حق سے معافی نہ مانگ لے وہ اسے معاف نہ کردے ورنہ حقوق غصب کرنے والے کی نیکیوں سے ان کے حقوق ادا کئے جائیں گے۔ (موعظہ حسنہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن کوئی شخص بھی اس جگہ سے اس وقت تک قدم نہیں اٹھا سکے گا جب تک اس سے چار چیزوں کے متعلق سوال نہ کرلیا جائے گا۔

۱- اس سے پوچھا جائے گا کہ تم نے اپنی عمر کس طرح گزاری کیا اسے فضول کاموں میں صرف کیا یا مفید اور رب کو راضی کرنے والے اعمال میں اسے گزارا ہے۔

۲- اس سے یہ پوچھا جائے گا کہ تم نے اپنے صحت مند جسم کو کس عمل میں بوڑھا کیا ہے؟

۳- جو اسے اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا ہے اس سے متعلق اس سے پوچھا جائے گا کہ اس نے اس علم کے ساتھ کون سا ایسا کام کیا ہے جس سے اللہ راضی ہو جائے۔

۴- اس سے یہ سوال کیا جائے گا کہ تم نے مال ودولت کس طرح کمایا کیا حرام ذرائع سے اسے حاصل کیا یا حلال ذرائع سے اسے کمایا۔ کیا تو نے اسے نیک کاموں میں خرچ کیا یا برے کاموں پر خرچ کرتے رہے۔

فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ۔ اے عقلمندو آج وقت ہے اپنے ان سوالوں کا جواب تیار کرلو ورنہ اس وقت پچھتاؤ گے جب پچھتاوا سودمند نہیں ہو سکے گا۔ (طریقہ محمدیہ)

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد گرامی میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ ہر ایک شخص سے یوم حساب ان مذکورہ بالا چار چیزوں کے متعلق سوال کیا جائے گا حالانکہ صحیح احادیث جو معنوی اعتبار سے درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں ان میں مذکور ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت سے ستر ہزار اشخاص کو بغیر حساب جنت میں داخل

ہونے کا حکم ہوگا لہٰذا ان میں تطبیق کیسے ممکن ہے تو علمائے کرام نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اس مذکورہ بالا حدیث میں عبد کا لفظ نکرہ ہے اور سیاق نفی میں ہے اور وہ عموم پر دلالت کرتا ہے اور اصول فقہ کا یہ قاعدہ ہے کہ مَا مِنْ عَامٍ اِلَّا وَقَدْ خُصَّ عَنْهُ الْبَعْضُ یعنی جو بھی حکم عام ہوتا ہے۔ اس سے بعض کو کسی حکمت کی وجہ سے خاص کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح اس حدیث شریف میں بھی وہ ستر ہزار اس عام حکم میں داخل نہیں ہوں گے۔ اور یہ سوال ان ستر ہزار کے علاوہ سے ہوگا۔ (درۃ الناصحین)

اس مذکورہ بالا سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس سے قیامت کے دن اس کے اعمال کا محاسبہ ہوگا۔ یہاں صرف بندہ مومن کا ذکر ہے۔ کفار کا ذکر نہیں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کفار سے محاسبہ نہیں ہوگا۔ حالانکہ ایسی بات نہیں۔ بلکہ کفار کو بغیر محاسبہ کے سیدھا جہنم میں پھینک دیا جائے گا اور وہ ابدی عذاب کے مستحق ہوں گے۔ بندہ مومن کے اعمال کی خوب تنقید ہوگی۔ اس کے چھوٹے چھوٹے اعمال کے متعلق بھی سوالات کیے جائیں گے۔ اس لئے ان خطرات سے اور محاسبہ سے صرف وہی لوگ نجات پا سکیں گے جو اس دنیا میں اپنے اعمال اور اپنے نفوس کا محاسبہ کرتے رہتے ہیں اور جو اپنے ہر ہر سانس، ہر ہر لحہ اور اپنی تمام حرکات و سکنات کا خاص خیال رکھتے ہیں کہ وہ انہیں کس طرح صرف کریں۔ کیونکہ ان کے متعلق بھی ان سے ضرور باز پرس ہوگی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جو شخص اس دنیا میں اپنے اعمال کا محاسبہ کرتا رہتا ہے۔ اور جس عمل میں کوتاہی، غفلت یا لغزش پاتا ہے۔ اس کی اصلاح کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے لئے قیامت کے دن محاسبہ کے مشکل مرحلہ سے گزرنا آسان ہوگا۔ کیونکہ اسے یہ بتا دیا گیا ہے کہ اس سے کس قسم کے سوالات کئے جائیں گے۔ اس لئے وہ اس دنیا میں ان سوالات کا جواب تیار کر لے گا۔ لہٰذا اسے آخرت میں بہترین ٹھکانہ اور اچھی لوٹنے کی جگہ حاصل ہوگی اور جو شخص اس دنیا میں اپنا محاسبہ نہیں کرتا۔ قیامت کے دن وہ سراسر خسارے اور گھاٹے میں ہوگا اور اسے شرمندہ اور ذلیل و رسوا ہونا پڑے گا اس لئے چاہئے کہ بندہ

مومن اس حقیقت سے غافل نہ ہو اور اپنی زندگی کے ہر ہر لمحہ اور حرکات وسکنات کا جائزہ لیتا رہے کہ کہیں اس سے کوئی فروگذاشت تو نہیں ہو گئی۔ اگر اس نے یہ عمل جاری رکھا تو جنت الفردوس اس کا ٹھکانہ ہو گا اور اللہ تعالیٰ اسے اپنی مہربانی اور کرم نوازی کے ساتھ انبیاء، اصدقاء اور شہداء کے قرب میں جگہ عطا فرمائے گا۔

حضرت کعب الاحبار سے روایت ہے کہ مجھے اپنے وزن کے برابر اللہ تعالیٰ کے راستہ میں سونا صدقہ کرنے سے یہ زیادہ پسند ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے ڈر کی وجہ سے اشکبار ہو جاؤں اور میری آنکھوں سے موتیوں کی طرح آنسو ٹپکتے رہیں۔ کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے خوف سے آبدیدہ ہوتا ہے اور اس کی آنکھیں آنسو بہاتی رہتی ہیں اسے دوزخ کی آگ مس تک نہیں کرے گی۔ (مجالس رومی)

دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے اعمال کا محاسبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے دلوں میں اپنا ایسا خوف پیدا فرمائے جس سے ہماری آنکھیں اشکبار ہوتی رہیں۔

(آمین ثم آمین)

وما علینا الا البلٰغ المبین

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلٰینَا مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَ اَوْلِیَاءِ اُمَّتِہٖ من الصلوٰت اطیبھا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ ازکٰھا و من التحیات اَسْنَاھَا وَ مِنَ الْبَرَکَاتِ اَجْمَلِھَا - کُلَمَّا ذَکَرَکَ الذاکِرُوْن و کُلَمَّا غَفَلَ عَنْ ذِکْرِکَ و ذکرہٖ الغافلون - فاطرَ السمٰوٰتِ والارض انت وَ لِیّ فی الدنیا والاٰخرۃ - تَوَفَّنِی مُسْلِمًا وَالْحقنی بالصالحین - اٰمین بحق طٰہٰ و یٰسین

وما توفیقی الا باللّٰہ علیہ توکلت و الیہ انیب

باسٹھواں وعظ

اقوام عالم کے عروج وزوال کی حقیقت

نوٹ: یہ خطاب جو نیچے لکھا جا رہا ہے۔ یہ حضور ضیاء الامت علیہ الرحمۃ الف الف مرۃ نے ۹ جون ۱۹۶۷ء کو مسجد امیر السالکین میں بروز جمعہ فرمایا تھا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ انہی دنوں اہل مصر نے اسرائیلیوں کے سامنے جنگ میں گھٹنے ٹیک دیئے تھے اور جنگ بندی کا اعلان کر دیا تھا۔ آپ اس دن مسلمانوں کی زبوں حالی، ان کے انتشار، اسلام سے دوری اور کمزوری کی وجہ سے از حد افسردہ تھے اور آپ نے اس کا اظہار بڑے ہی دردانگیز انداز میں فرمایا اور جس طرح اب بھی مسلمانوں کی وہی کیفیت ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا بعینہٖ یہ خطاب اس کا بھی آئینہ دار ہوگا لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ اس وقت پاکستان کی زمام اقتدار جس شخصیت کے ہاتھ میں تھی اس کے دل میں مسلمانوں کی سربلندی کا جذبہ، اسلامی اقدار کو فروغ دینا اور ان کا من حیث القوم اس دنیا پر اپنے نقوش قائم رکھنے کا ولولہ اور جذبہ تھا۔ لیکن اس موجودہ دور میں جس شخص کے ہاتھ میں پاکستان کی باگ ڈور ہے۔ وہ بالکل ہی اس کے برعکس ہے۔ دلی دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مسلمانوں میں کوئی ایسی ہستی پیدا فرما دے جس کا تذکرہ اس نباض عصر نے اپنے خطاب میں فرمایا ہے۔ اور میں نے مناسب سمجھا ہے کہ آپ کے اس خطاب کو من وعن ضیاء الواعظین میں درج کر دیا جائے ہو سکتا ہے کہ اس مخلص عالم اسلام کے اتحاد کے خیر خواہ اور ان کی زبوں حالی پر از حد رنجیدہ خاطر کے پرخلوص الفاظ کسی کے دل میں اثر انداز ہو جائیں اور اس کے اندر سلطان صلاح الدین کا جذبہ اور غیرت پیدا ہو جائے اور کوئی یوسف بن تاشفین کے روپ میں ظاہر ہو کر اہل اسلام کے دکھوں کا مداوا ثابت ہو۔ اور انہیں عظمت رفتہ کا تاج پہنایا جائے۔

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّي وَ نُسَلِّمُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰى رَحْمَةٍ لِّلْعٰلَمِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ

وَاَتْبَاعِهٖ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنَ

اما بعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَ اِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ﴿۱۱﴾ صدق اللّٰہ مولینا العظیم (سورۃ الرعد)

''بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا کسی قوم کی (اچھی یا بری) حالت کو جب تک وہ لوگ اپنے آپ تبدیلی پیدا نہیں کرتے اور جب ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کسی قوم کو تکلیف پہنچانے کا تو کوئی ٹال نہیں سکتا اسے اور نہ ہی ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کوئی مدد کرنے والا ہوتا ہے''۔ (جمال القرآن)

یہ آیت طیبہ سورۃ رعد کی ہے۔ اور اس کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دونوں قول مروی ہیں۔ لیکن علامہ محمود آلوسی نے یہ کہہ کر اختلاف ختم کر دیا ہے کہ یہ سورت مکی ہے لیکن اس میں کئی آیتیں ایسی بھی ہیں جو مدنی ہیں۔

وَالَّذِیْ یَجْمَعُ بِهٖ بَیْنَ الْاِخْتِلَافِ اَنَّهَا مَکِّیَّةٌ اِلَّا اٰیَاتٌ مِنْهَا (روح المعانی)

حضور سیدی و مرشدی ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ جب سٹیج پر تشریف لائے تو اپنی گفتگو کا آغاز اس طرح فرمایا:

حضرات! آپ دیکھتے ہیں کہ کائنات کا نظام ایسے قوانین وضوابط کی بنیاد پر چل رہا ہے جس میں کسی کی خاطر کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ آپ نے غور کیا ہوگا کہ سورج کے طلوع کا وقت بھی مقرر ہے اور غروب کا وقت بھی۔ اب اگر کوئی یہ چاہے کہ سورج مقررہ وقت سے پہلے پانچ منٹ غروب ہو یا بعد میں طلوع کرے تو کیا یہ ہوسکتا ہے؟ ایسا نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح دسمبر، جنوری اور فروری کے مہینے قدرت نے سردی کے مہینے بنا دیئے ہیں۔ جون، جولائی اور اگست کو قدرت نے گرمی کے مہینے مقرر کر دیئے ہیں۔ اگر پاکستان والے یا ساری

دنیا والے یہ کہیں کہ جون، جولائی اور اگست میں برف گرنے لگے اور ٹھنڈی ہوائیں چلیں تو کیا یہ ممکن ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ ناممکن ہے تو اس طرح میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ یہ نظام عالم جن قاعدوں کے مطابق چل رہا ہے اس کو پیدا کرنے والے نے اس کے لئے ایسے مضبوط قوانین مقرر کر دیئے ہیں کہ کسی کو پسند ہوں یا ناپسند وہ تبدیل نہیں کر سکتے اسی طرح کائنات کے نشیب وفراز اور صبح وشام کے طلوع وغروب پر نظر ڈالئے تمام میں استواری اور جلوہ نمائی ہے۔ اسی طرح قوموں کی ترقی اور زوال اور ان کا عزت اور ذلت کی مسند پر متمکن ہونا بھی ایک نظام کے تحت ہے۔ بغیر کسی وجہ کے کسی کے لئے عزت کی مسند نہیں بچھادی جاتی۔ بلکہ جس طرح اس ظاہری نظام کے لئے اصول ہیں۔ اسی طرح قوموں کے عروج وزوال، افراد کی عزت اور ان کی ذلت بھی ایک قاعدہ کے مطابق ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی ایک سنت ہے جو متبدل نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ اصول اٹل ہیں ان میں کسی قسم کی تبدیلی اور بگاڑ نہیں ہو سکتا۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بڑے ہی واضح انداز میں بیان فرمادیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔ یعنی جو قوم جس حالت میں ہے اللہ تعالیٰ اس کو تبدیل نہیں کرتا خواہ اس کی عزت کا آفتاب اور اقبال کا سورج سپیدۂ صبح کی طرح طلوع ہو رہا ہو وہ قوم ذلت وپستی کی اتھاہ گہرائی میں پھنسی ہوئی ہو، وہ جس حالت میں ہو، اس کو کسی قسم کا اختیار نہیں دیا جاتا۔ جب تک وہ قوم خود اپنی حالت کو نہ بدلے۔ اور جس جگہ پر وہ متمکن ہے۔ اس میں اس وقت تک تبدیلی نہیں کی جاتی جب تک وہ خود اپنے اندر انقلاب بپا نہیں کرتی۔ آپ ذرا اس آیت طیبہ کے پیارے پیارے الفاظ میں غور فرمائیں تو یہ حقیقت کھل کر آپ کے سامنے آجائے گی کہ اس کے اندر اس وقت تک تبدیلی نہیں ہوتی جب تک وہ خود اپنے اندر انقلاب پیدا نہیں کرتی۔ اور کوئی قوم بھی اپنے باہر انقلاب پیدا نہیں کر سکتی جب تک پہلے اپنے باطن میں انقلاب پیدا نہ کرے یہ ایک ایسا اٹل قانون اور مضبوط اصول ہے کہ جس میں تحریف وتغیر رونما نہیں ہو سکتا جب باطن اور روح کی کائنات

میں انقلاب پیدا ہو جاتا ہے تب باہر کی حالت تبدیل ہوتی ہے۔ لیکن اگر باطن اسی سابقہ کیفیت میں رہے تو باہر میں بالکل کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اور ایسا شخص جو اپنے اندر انقلاب پیدا کر لیتا ہے تو اگر وہ عزت واحترام کے مقام پر فائز ہو تو اس وقت بھی اپنے رب کا مقام پہچانتا ہے اور وہ یہ اعتراف کرتا ہے کہ میری یہ عزت وسطوت، یہ رت وجلال حقیقت میں میرا نہیں، بلکہ میرے رب کا عطا کیا ہوا ہے۔ اور جب تک وہ اپنے مالک و خالق اور محسن کی نوازشات اور عظمتوں کا اعتراف کرتا رہتا ہے۔ تو اس کی عزت واکرام کے سورج کو گرہن نہیں لگ سکتا۔ اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی اور بگاڑ نہیں ہو سکتا۔

شاہجہان جو ہندوستان کے مسلمانوں کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا۔ جو نام کے تو بادشاہ تھے لیکن حقیقت میں وہ اولیاء اللہ اور اللہ تعالیٰ کے مقبول ترین بندے تھے۔ جب اس نے دہلی کی جامع مسجد کی تعمیر کا ارادہ کیا اور اس کی بنیادیں کھودی گئیں تو شاہجہان نے لوگوں کے جم غفیر میں یہ اعلان کیا کہ اس کی پہلی اینٹ وہ رکھ سکتا ہے جس نے جب سے ہوش سنبھالا ہے اور جب سے وہ بالغ ہوا ہے۔ اس کی نماز تہجد قضا نہ ہوئی ہو۔ اس جم غفیر میں بڑے بڑے متقی پرہیزگار اور علماء تھے اور لاکھوں کا مجمع تھا تو کوئی بھی آگے نہ بڑھا اور نہ ہی پہلی اینٹ رکھنے کا اعزاز حاصل کرنے کے لئے مجمع سے باہر نکلا۔ یہ مجمع معمولی قسم کا نہ تھا۔ بلکہ لوگوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا۔ جس میں بڑے زاہد، متقی، عبادت گزار، بڑے بڑے لمبے جبوں اور دستاروں والے بھی موجود تھے۔ لیکن کسی کو بھی آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ شاہجہان کی طرف سے بار بار اعلان کیا جا رہا تھا۔ چنانچہ جب مجمع پر سکوت چھا گیا تو وہ نیک بخت بادشاہ سر جھکائے۔ آنکھیں نیچے کئے ہوئے آگے بڑھا اور کہا کہ یہ میرے رب کا مجھ پر بڑا احسان ہے اسی کی قسم جب سے بالغ ہوا ہوں نماز تہجد قضا نہیں ہوئی۔ تو اس طرح شاہجہان نے دہلی کی شاہی مسجد کی پہلی اینٹ رکھی اور اس طرح یہ مسجد تعمیر ہوئی تو ان بادشاہوں کے پہلوؤں میں ولی اور فقیر کا سا دل ہوتا تھا۔ ان کی روح کی طہارت اور پاکیزگی بڑے بڑے ولیوں کے لئے رشک ہوا کرتی تھی۔ جب شاہی مسجد تعمیر

ہو چکی اور اس کے بعد قلعہ کی تعمیر کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم میرے تخت اور میرے بیٹھنے کی جگہ کو اس طرح بناؤ کہ میرے سر کے تاج کی قلغی اور نمازیوں کی جوتیوں کے رکھنے کی سطح برابر ہو۔ یہ ہے وہ عاجزی وانکساری کا عملی نمونہ جس پر وہ کاربند تھے۔

تو میں عرض کر رہا تھا۔ کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو عزت کے مقام پر سرفراز فرماتا ہے اور مالک الملک جب کسی کے لئے اپنی رحمتوں اور نوازشات کے دروازے کھول دیتا ہے تو اس وقت وہ آدمی اپنے رب کی نافرمانی کا تصور تک نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کی نعمتوں کی ناشکری پر کمربستہ ہوتا ہے۔ بلکہ وہ اس وقت بھی یہی کہتا ہے کہ اے رب! یہ سب تیری عطا ہے اور یہ تیری بخشش ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس کو عزت کے اس مقام پر فائز کر دیتا ہوں کہ دنیا کی کوئی طاقت بھی اس کو اس مقام سے ہٹا نہیں سکتی۔ اور اگر اس وقت کوئی غرور وتکبر کرے اور خودی کے نشہ سے مخمور ہونے کی وجہ سے وہ بے انصافیاں کرنے لگ جائے اور اپنے محلات کی رانیوں میں مشغول ہو جائے اور عیش وعشرت کا دلدادہ بن جائے تو رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ تخت اور نوازشات تو تجھ پر اس لئے کی گئی تھیں کہ تو خدا اور اس کے رسول کا پیروکار تھا۔ اور مظلوموں کی دادرسی کیا کرتا تھا۔ لیکن ہم نے اب تیری نافرمانیوں کی وجہ سے تیری عزت کے سورج کو گہنا دیا ہے۔ جا چلا جا اب تو اس قابل نہیں کہ تجھے ان سرفرازیوں سے نوازا جائے۔ اسی طرح اگر کوئی پستی میں گرا ہوا ہے تو اس میں بھی کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی۔ جب تک کہ وہ خود بلندی کے مقام پر فائز ہونے کی کوشش نہیں کرتا یہ وہ قانون فطرت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے۔

تو جس طرح چاند پہلے باریک ہوتا ہے پھر بڑھتے بڑھتے پورا تمام بن جاتا ہے پھر گھٹنے لگ جاتا ہے یہاں تک کہ باریک کمان کی طرح ہو جاتا ہے اور جس طرح یہ تمام اصول قائم کر دیئے گئے ہیں اسی طرح مولائے کریم نے عزت وذلت کے ایسے اصول مقرر کر رکھے ہیں جن میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

آج کا دن بڑا محزون دن ہے اور اس قدر دردناک ہے جس کو بیان کرنے کو آج میرا

دل قبول نہیں کر رہا کیونکہ آج عالم اسلام پر وہ آفت ٹوٹ پڑی ہے اور ایسا ذلت کا ٹیکہ لگایا گیا ہے جس کی ہلاکت اور اثر کو زائل کرنے کے لئے پتہ نہیں کتنا عرصہ اور کتنی کوششیں درکار ہوں گی۔ آپ جانتے ہیں کہ جس بات کی طرف میں اشارہ کر رہا ہوں کہ اسرائیل اور عربوں کے درمیان جو جنگ شروع ہوئی تھی اس میں عربوں نے جنگ بندی منظور کر کے اپنی شکست تسلیم کر لی ہے۔ ایک طرف پچیس لاکھ یہودی آبادی ہے۔ جن کا اگر نقشہ تلاش کیا جائے تو دوربین لگا کر ہی دیکھا جا سکتا ہے۔ اتنا مختصر سا وہ ملک ہے۔ اس کے بالمقابل عربوں کی دس کروڑ آبادی ہے۔ لاکھوں مربع میل زمین پر ان کا قبضہ ہے۔ تیل کے ذخائر ان کے پاس موجود ہیں لیکن اس کے باوجود دس کروڑ پچیس لاکھ کا مقابلہ نہ کر سکے۔ یہ ایک عبرت انگیز واقعہ نہیں تو اور کیا ہے۔ میں یہ اس لئے نہیں کہہ رہا کہ اس پر آہ بھریں یا تاسف کر دیں بلکہ اس میں عبرت و موعظت کا درس ہے۔ آج میرا دل بہت شکستہ ہے۔ میں بڑا مجبور ہو کر آج تمہارے سامنے آیا ہوں لیکن جو ٹوٹے پھوٹے الفاظ میری زبان سے نکل سکتے ہیں وہ میں تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں۔

دیکھنا یہ ہے کہ اس شکست کی وجہ کیا ہے؟ میرے خیال میں اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ عرب اپنی عربیت اور نسل پر بہت زیادہ فخر کرنے لگے ہیں۔ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے کی بجائے وہ آج فرعون کی اولاد ہونے پر ناز کرتے ہیں۔ حالانکہ عربوں کی بہادری کے قصہ میں ان کی عربیت کا کچھ دخل نہیں تھا اور نہ ہی ان کی نسل اس کا سبب تھی۔ بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے اسلام کا آفتاب عرب پر چمکایا اور ان حقیر ذروں کو رنگ دیا یہ تو صدقہ تھا۔ کالی کملی والے کا کہ جس کی تعلیم نے ان اجڈوں اور گنواروں میں تہذیب و ثقافت، نظافت و پاکیزگی اور علم و عرفان کی یہ طلب پیدا کی۔ یہ تو سب کچھ برکت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آفتاب اسلام کی کہ جس نے ان کو کہیں کا کہیں پہنچا دیا۔

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے زمانہ میں حج کی غرض سے مکہ مکرمہ

تشریف لے گئے اور حج سے فراغت کے بعد جب وہ واپس پلٹے تو مکہ کے قریب ہی جہاں سے چراگاہوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے وہاں سے باہر نکلے تو آپ ایک ون کے درخت کے پاس جب پہنچے تو اپنی اونٹنی کی مہار روکی اور وہیں کھڑے ہو گئے۔ اور آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ جو صحابہ کرام ہمرکاب تھے وہ حیران ہوئے۔ اور ٹھٹک کر رہ گئے۔ انہوں نے عرض کی اے امیر المومنین! کون سی ایسی بات ہوئی ہے کہ آپ بے تحاشا رونے لگ گئے ہیں کون سا ایسا واقعہ رونما ہوا کہ جس کی وجہ سے آپ اپنے آنسو بہا دوں اور ساون کے بادل کی طرح برسا رہے ہیں۔ تو آپ کو معلوم ہے اس وقت آپ نے انہیں کیا ارشاد فرمایا۔ آپ نے فرمایا: کوئی ایسا واقعہ تو وقوع پذیر نہیں ہوا۔ لیکن مجھے اپنے بچپن کا ایک واقعہ یاد آ گیا ہے اس کو یاد کر کے رو رہا ہوں۔ تو صحابہ کرام نے عرض کی کہ آپ بیان فرمائیے وہ کون سا ایسا واقعہ ہے جس نے آپ کو بے چین کر دیا ہے۔ کہ آپ بے ساختہ رونے لگ گئے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ میرے باپ خطاب نے بچپن میں مجھے اونٹ چرانے کے لئے بھیجا تھا اور مجھے اونٹ سنبھالنے کا سلیقہ تک نہ تھا۔ کوئی اونٹ ادھر دوڑ رہا ہوتا اور کوئی ادھر بھاگ رہا ہوتا۔ اور میں کھیل میں لگا رہتا۔ ایک دن میرا باپ میری خبر گیری کے لئے آیا اور میں کھیل رہا تھا میرے اونٹ ادھر ادھر بکھر کر چلے گئے تھے۔ جب اس نے یہ حالت دیکھی تو وہ میرے پاس آئے تو انہوں نے اپنا جوتا نکال لیا اور میرے سر پر برسانا شروع کر دیا اور اتنے برسائے کہ میں ان کا شمار بھی نہ کر سکا۔ تو میں سوچ رہا ہوں کہ میں تو وہی عمر ہوں لیکن یہ کشور کشائی کا فن تو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتوں کا صدقہ ہے۔ یہ تو اسلام کی برکت ہے جس نے عربوں میں انصاف، دانش مندی، وسیع النظری، حکومت کا سلیقہ اور ایسے اوصاف جمیلہ پیدا کر دیئے ہیں جو شاذ و نادر ہی کسی شخص میں جمع ہوتے ہیں۔ یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وقت کہی جب سارے جزیرہ عرب، شام، حجاز، مصر اور مشرق و مغرب میں اسلام کا پرچم لہرا رہا تھا۔ اور آپ کی فوجیں بڑی بڑی طاقتور حکومتوں مثلاً ایران اور روم کو تاراج کر رہی تھیں یہاں دونوں کی بات ہے کہ حضرت عمر مکہ کے نزدیک

ایک درخت کے پاس سے گزرے اور رو پڑے پوچھنے پر بتایا میں تو وہی ہوں جسے اونٹ چرانے کا ڈھنگ بھی نہیں آتا تھا۔ یہ تو کالی کملی والے کا صدقہ تھا کہ جب عرب کے ناچیز ذروں پر آفتاب محمدی صلی اللہ علیہ وسلم طلوع ہوا تو انہیں مہتاب کے لئے رشک صد طور بنا دیا۔ لیکن آج چونکہ اسلام کی نسبت ہی باقی نہیں رہی اور فخر اس پر ہونے لگا ہے کہ ہم مصری ہیں۔ ہم شامی ہیں اور ہم فرعون کی اولاد سے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی نصرت کو روک لیا۔ ہمارے صدر محمد ایوب خان نے بار ہا اسلامی ممالک کو دعوت بھی دی کہ آؤ ہم بھی اسلام کے نام پر متحد ہو کر اسلامی بلاک بنائیں۔ اس قوم کی بنیاد کو مستحکم کریں لیکن انہوں نے تسلیم نہ کیا۔ اسلام کا معجزہ دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اسلام کے ساتھ رشتہ استوار کرنے میں ہی عزت ہے۔ اور اس کے ساتھ تعلق جوڑنے میں جو ترقی ہے۔ وہ کسی اور تعلق اور کسی اور نسبت میں نہیں۔ پاکستان و بھارت کی جنگ نے ان مدہوشوں اور کم نگاہوں کو آگاہ کر دیا کہ جو کوئی سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو کامیاب و کامران فرماتا ہے۔ چالیس کروڑ ہندو تھے جنہوں نے رات کی تاریکی میں بے خبری کے عالم میں دس کروڑ پاکستان کے مسلمانوں پر حملہ کر دیا پاکستان کے صدر محمد ایوب نے اللہ اور اس کے رسول کا نام لے کر اعلان جنگ کر دیا اور کہا کہ اللہ اور اس کے رسول کا نام لے کر میدان جہاد میں نکلو اور دشمن کی نخوت کو خاک میں ملا دو ادھر عرب ہیں کہ عربیت پر نازاں ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ ہم فرعون کی اولاد ہیں۔ ہم اسلام کے نام سے اپنا نام نہیں رکھنا چاہتے۔ چنانچہ ۲۵ لاکھ اسرائیلیوں نے انہیں شکست فاش دی اور اللہ تعالیٰ نے ان کم نگاہوں کو بتا دیا کہ مسلمان خواہ کمزور ہوں تو پھر بھی وہ اپنے طاقتور اور باطل دشمن پر غلبہ حاصل کر لیتے ہیں۔ لیکن اب ہماری اساس اتنی کمزور ہو چکی ہے کہ عرب دس کروڑ ہو کر بھی پچیس لاکھ کا مقابلہ نہ کر سکے اور صرف عرب میں ہی نہیں بلکہ یہ مرض اب آپ کے ملک پاکستان میں بھی پیدا ہو رہا ہے۔ یہ درس عبرت ہے۔ اگر کوئی سلیم الطبع انسان اس میں غور کرے کہ عربوں کو ان کی قومی عربیت سہارا نہ دے سکی کیونکہ انہوں نے اسی کا نام لے کر جنگ شروع کی تھی۔ لیکن

پاکستان کے مسلمان نعرہ تکبیر اور نعرہ رسالت بلند کرتے ہوئے اٹھے تھے۔ دشمنوں کے ساتھ برسر پیکار ہو کر ان کے پرخچے اڑا دیئے اور ان کے ٹینکوں اور توپوں کو خاموش کر دیا۔ اور ان کی قوت کو خاک میں ملا دیا کیونکہ اسلام کے مقابلہ میں کوئی قوم ٹھہر نہیں سکتی کیونکہ یہ وہ چشمہ حیات ہے جس کے مقابلے میں کوئی چشمہ صافی نہیں اور جو اسلام کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں اگر کفر کی ساری دنیا اٹھ کر کھڑی ہو جائے تو مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ کہ تم ہی غالب ہو، تم ہی سر بلند ہو اور تمہاری ہی عظمت کا ڈنکا بجتا رہے گا۔ بشرطیکہ تم دولت ایمان سے مالا مال ہو اور اسلام کے اصولوں پر کاربند رہو۔ ہمارے لئے یہ لمحات بڑے ہی عبرت انگیز ہیں کہ عربوں کو اس ذلت و رسوائی اور ذلت و خفت کا کیوں سامنا کرنا پڑا اس کی وجہ صرف اور صرف ان کا اسلام سے دور ہونا ہے۔ سچے مومن اگر ظاہری اعتبار سے کمزور بھی ہوں تو پھر بھی اللہ تعالیٰ دشمنوں کے دلوں میں ان کا رعب ڈال دیتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو اس وقت تک نہیں بدلتا۔ جب تک وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلے۔

اگر تم بھی موجودہ حالات سے خوش نہیں ہو تو تمہاری یہ شایان شان نہیں کہ تم پریشان یا سراسیمہ ہوتے رہو، آپ کو حواس باختہ ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ تمہیں اپنے دل میں عشق مصطفیٰ کی شمع فروزاں کرنا ہوگی اور اسلام کے نور کو اجاگر کرنا ہوگا۔ اگر تم اسلام کی خلاف ورزی نہیں کرو گے اور اپنی غلطیوں کی اصلاح کرنا شروع کر دو گے تو تم بھی بام عروج تک پہنچ سکتے ہو گھبرانے اور ویسے ہی سر پٹاتے رہنے میں کوئی فائدہ نہیں۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو خیال جس کو آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

یہ اللہ تعالیٰ کا ایسا اصول ہے جسے کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جس لشکر میں میرا ایک بھی صحابی ہوگا اس کو

شکست نہیں ہوگی۔ اور مسلمانوں کے جس لشکر کی تعداد بارہ ہزار ہوگی اور ان کے دلوں میں ایمان کی جڑیں پختہ ہوں گی تو وہ اس لئے شکست خوردہ نہیں ہوگا کہ اس کی تعداد کم ہے۔ ہاں اگر وہ بے یقینی کا شکار ہو اور خدا تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نافرمان ہو اس کو اگر شکست ہو جائے تو یہ الگ بات ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد گرامی پر تاریخ گواہ ہے اور اہل دنیا نے ہزار ہا مرتبہ مسلمانوں کو آزمایا ہے اور ان کا اندازہ لگایا ہے کہ وہ قلیل تعداد میں بھی سرخرو ہوئے اور فتح ونصرت نے ان کے قدم چومے۔

آپ ذرا ماضی کے جھروکوں میں جھانک کر دیکھیں کہ محمود غزنویؒ دس ہزار کا لشکر لے کر سومنات کے قلعہ پر حملہ کرنے کے لئے آتا ہے جب کہ وہاں کے راجے، مہاراجے اور راجواڑے سب سومنات کی حفاظت کے لئے اکٹھے ہو جاتے ہیں لیکن مسلمانوں میں ایمان کی قوت تھی۔ تو ان دس ہزار مسلمانوں نے تمام ہندوؤں کی حمیت کو ملیا میٹ کر دیا اور سومنات فتح ہو گیا تو جب اس کے مندر کا دروازہ کھولا گیا اور محمود غزنویؒ ان کے سب سے بڑے بت کو توڑنے لگا تو وہاں کے راجوں نے آکر محمود غزنویؒ کے سامنے اشرفیوں کے ڈھیر لگا دیئے اور کہا اے محمود! یہ سب کچھ لے لو اور اس بت کو اپنی حالت پر چھوڑ دو اور اسے نہ توڑو تو محمود غزنویؒ نے ایسا جواب دیا جو سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں یہ گوارا نہیں کرتا کہ آئندہ آنے والی نسل مجھے محمود بت فروش کے نام سے پکارے بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ دنیا مجھے محمود بت شکن کے نام سے یاد کرے۔ اور دنیا یہ نہ کہے کہ محمود نے چند کوڑیاں لے کر بت کو فروخت کر دیا تھا۔ چنانچہ ایک لوہے کی گرز ہاتھ میں پکڑی اور اس بت پر پے در پے وار کئے اور اس کو ریزہ ریزہ کر دیا تو اس کے پیٹ سے اتنے ہیرے اور جواہرات نکلے جن کا اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔

تو حضرات گرامی قدر! اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس عبرت ناک واقعہ سے یہ سبق دیا ہے کہ زندگی انفرادی ہو یا اجتماعی قومی ہو یا دینی اس کے تمام شعبوں میں قانون فطرت کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کے احکام کی سچے دل سے پیروی نہ کی جائے یہ عزت

وعظمت کا مقام حاصل نہیں ہو سکتا۔ تو اگر آج تک مصر والے فرعون کے نام پر فخر کرتے رہے ہیں تو اب بھی وہ اس بات پر غور کریں کہ فرعون تو ان کی مدد کو نہ آسکا اور انہیں ذلت و رسوائی سے نہ بچا سکا۔ اگر مشکل وقت میں کوئی چیز کام آتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہوتا ہے اور سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا مشکل کشائی کرتی ہے کہ جب بھی دعا کے لئے ہاتھ اٹھتے ہیں تو فتح ونصرت قدموں میں آجاتی ہے۔ کبھی تم نے اندازہ لگایا کہ ایک طرف سلطان صلاح الدین ایوبی ہے دوسری طرف پورا یورپ جنگی ساز وسامان کے ساتھ لیس مقابلہ میں ہے جن میں جرمن، انگلینڈ، فرانس، برطانیہ وغیرہ تمام ممالک شامل ہیں لیکن ایک صلاح الدین ایوبی نے انہیں وہ دندان شکن شکست دی کہ وہ آج تک سنبھل نہ سکے اور مائیں صلاح الدین کا نام لے کر بچوں کو ڈرایا کرتی تھیں۔ تو اس رعب اور دبدبہ کا سبب یہ تھا کہ ان کے بازوؤں میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قوت تھی اور دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تھی اور ان کے دماغ میں اسلام کا رشتہ جواں تھا۔ لیکن اب یہاں اتنی کثیر ملتیں ہیں جنہوں نے شکست کھائی۔ اس کا سبب یہ شمار کرنا کہ امریکہ نے یاروں نے انہیں دھوکہ دیا ہے یہ غلط ہے۔ کیونکہ ان سے تو مسلمانوں کی مدد کی امید ہی نہیں کی جا سکتی مقولہ ہے الکفر ملة واحدة۔ اور ان کا تو مشن ہی یہی ہے کہ مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا جائے وہ تو اپنے اس اصول کے پابند ہیں۔ Devide and rule بلکہ ہم [illegible] کرنا چاہئے کہ ہم نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ رشتہ ہی نہیں رکھا [illegible] اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے ہماری آنکھوں سے غفلت کی پٹی کھول دے اور ہمیں اسلام کے ساتھ تعلق جوڑنے کی توفیق عطا فرما دے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تمام توانائیوں اور سرفرازیوں کا سبب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی کا پٹہ اپنے گلے میں ڈالنا ہے۔

اب اس بات میں غور کرنے کا وقت ہے کہ پاکستان والوں نے جس طرح خدا اور رسول کے نام سے جنگ لڑی اور [illegible] حاصل کی اب اس کو بھولنا نہیں چاہئے اور یہ طریقہ کار چھوڑ دینا چاہئے کہ جب مصیبت آئی تو اس وقت خدا کو یاد کرنا شروع کر دیا اور جب وہ دور

ہوگئی تو پھر وہی نافرمانیاں، وہی ڈانس، وہی سرمستیاں اور جام وسبو کی گردش ہوتی رہے۔ کیونکہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں اور جو قوم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سہارا پکڑتی ہے۔ وہی دشمن کے منصوبوں کو خاک میں ملا سکتی ہے۔ اور جو قوم فرعونیت اور وطنیت پر فخر کرتی ہے نہ اس کے حوصلے کام دیتے ہیں اور نہ ہی وطنیت اس کی مدد کرتی ہے۔ جیسا کہ مصر والوں نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو یہ کتنا واضح درس ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں بھی اور ہمیں بھی اپنی غلطیوں سے توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

میں اس موقعہ پر صدر پاکستان محمد ایوب خان کا شکریہ ادا کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ انہوں نے تمام مصلحتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے عرب بھائیوں کو بار بار اپنی مدد کی پیشکش کی اور اپنے اسلامی جذبہ اخوت اور ولولہ کو ظاہر کیا۔ ایک بار نہیں بلکہ انہوں نے کئی بار کہا کہ اے مصریو! اے عربیو! جو مدد تم ہم سے مانگو گے ہم دینے کے لئے تیار ہیں نہ وہ امریکہ سے ڈرا اور نہ ہی روس کی پرواہ کی کہ وہ سپر پاوریں ہمیں اسلحہ نہیں دیں گی، ہمارے اوپر پابندیاں لگا دیں گی بلکہ اس کا ایک ہی اعلان تھا کہ پاکستان کا بچہ بچہ اپنے سروں پر کفن باندھے عربوں کے شانہ بشانہ اسرائیل کے خلاف لڑنے کے لئے تیار ہے۔ میں صدر پاکستان کی اس جرأت مندانہ پیشکش پر بڑا مسرور ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کو اسلام کا نام بلند کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور جو اس میں خامیاں اور کمزوریاں ہیں۔ انہیں دور فرمائے۔ صدر ایوب کے یہ اعلانات صرف ریڈیو پر ہی نہیں کہے گئے بلکہ اس نے ٹیلیفون پر بھی بارہا اپنے مسلمان بھائیوں کو یہ پیشکش کی۔ اسلامی مودت کا یہی تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ صدر پاکستان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور عربوں کے لئے بھی یہ عبرت ہے کہ مسلمانوں کی قوت کا راز محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہونے میں ہے اور اگر آج بھی ٹھوکر کھا کر وہ سنبھل جائیں تو اب بھی اللہ تعالیٰ کی نصرت ان کی پشت پناہی کرے گی۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے ہی پیارے انداز میں مسلمانوں کو حوصلہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر مسلمانوں کے اندر وہی جذبہ، وہی اسلام کی محبت اور حضور نبی مکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق ہو اور وہ میدان بدر کی فضا پیدا کریں تو اللہ تعالیٰ کی نصرت فرشتوں کی صورت میں اب بھی آسمان سے اتر سکتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

....

نہ ستیزہ گاہ جہاں نئی نہ حریف پنجہ فگن نئے
وہی فطرت اسد اللہی وہی مرحب و وہی عنتری

دلی دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مسلمانوں کے اندر اسلام کی محبت، اللہ تعالیٰ کا خوف اور مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا فرمائے۔ تاکہ وہ عظمت رفتہ حاصل کرسکیں۔

وما علینا الا البلغ المبین

اللھم صل وسلم و بارک علی سیدنا و مولٰنا محمدٍ و علی الِہٖ و اصحابہ اجمعین

وما توفیقی اِلّا باللہ علیہ توکلتُ و الیہ اُنیب

تریسٹھواں وعظ

استقامت فی الدین

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم و علی الہٖ و ازواجہٖ و اصحابہٖ و اتباعہٖ اجمعین

اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ۝ (حم السجدہ)

"بے شک وہ (سعادت مند) جنہوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے پھر وہ اس قول پر پختگی سے قائم رہے۔ اترتے ہیں ان پر فرشتے (اور انہیں کہتے ہیں) کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو تمہیں بشارت ہو جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہم تمہارے دوست ہیں دنیاوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اور تمہارے لئے اس میں ہر وہ شے ہے جو تمہارا جی چاہے اور تمہارے لئے اس میں ہر وہ چیز ہے جو تم مانگو گے۔ یہ میزبانی ہے بہت بخشنے والے ہمیشہ رحم فرمانے والے کی طرف سے"۔ (جمال القرآن)

یہ آیات طیبات سورۃ حم السجدہ کی ہیں۔ یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور اس کے زمانہ نزول کا تعین علمائے تفسیر نے یوں کیا ہے کہ یہ سورت حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مشرف باسلام ہونے کے بعد اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے درمیانی وقفہ میں نازل ہوئی۔

ان آیات کا شان نزول

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیات طیبات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئیں۔ کیونکہ مشرکین مکہ کہا کرتے تھے کہ ہمارا پروردگار تو اللہ ہے اور فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ (نعوذ باللہ من ذلک) اور یہود کہا کرتے تھے کہ ہمارا پروردگار تو اللہ ہے اور عزیر اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں (نعوذ باللہ من ذلک)۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی نہیں ہیں۔ ان کے یہ غلط خیالات سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہمارا پروردگار اللہ وحدہٗ لاشریک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندہ اور اس کے رسول ہیں۔ تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیات طیبات نازل فرما کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان غلاموں کو بشارت دے دی جنہوں نے دین اسلام کی خاطر طرح طرح کی اذیتیں برداشت کیں، مصائب و آلام سے دوچار ہوئے لیکن انہوں نے دین اسلام سے سرمو انحراف نہ کیا۔

استقامت کا معنی اور اس پر ثابت قدم رہنے والوں کے حالات و واقعات بیان کرنے سے پہلے ان آیات کا پس منظر ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

اس سے ماقبل آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل زیغ و باطل کی دنیوی زندگی، اس میں ان کی طفلانہ حرکتوں اور آخرت میں جس عذاب الیم میں انہیں مبتلا کیا جائے گا اور وہ کس طرح ایک دوسرے سے الجھیں گے۔ اس کا ذکر فرمایا۔ ان تمام کے ایمان آفرین تذکرہ کے بعد اب اللہ تعالیٰ کے ان بندوں کا ذکر ہو رہا ہے جو ثابت قدمی اور استقامت میں پہاڑ کی طرح مضبوط رہے اور دنیا اور آخرت میں جو عزتیں اور سرفرازیاں ان کو بخشی جانے والی ہیں ان کا دلنشین بیان کیا جا رہا ہے۔ تاکہ دل خود بخود ان کے نقش پا کو خضر راہ بنانے کے لئے مجبور ہو جائیں۔

شان بندگی اور شان بندہ نوازی

المختصر ان آیات طیبات میں دو حقیقتیں آشکارا کی گئی ہیں۔

۱-شان بندگی کیا ہے؟　　　　۲-شان بندہ نوازی کسے کہتے ہیں؟

شان بندگی تو یہ ہے کہ انسان زبان سے اقرار کرے کہ میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے اور پھر آخر دم تک اپنے قول وفعل سے، اپنے احساسات اور جذبات سے، اپنی خلوتوں اور جلوتوں میں اس کی تصدیق کرتا رہے، زبان سے یہ کہہ دینا کہ میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے۔ آسان ہے لیکن عمر بھر ثابت قدمی سے اس پر ڈٹے رہنا بڑی ہمت اور مردانگی کا کام ہے۔ اسی لئے حضرت سفیان بن عبداللہ الثقفی نے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں عرض کی کہ اے اللہ کے رسول۔ قُلْ لِیْ فِی الْاِسْلَامِ قَوْلًا - لَا اَسْئَلُ عَنْهُ اَحَدًا بَعْدَکَ۔ اے اللہ تعالیٰ کے رسول اسلام کے بارے میں مجھے ایسی بات بتایئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مجھے کسی سے پوچھنے کی حاجت نہ رہے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ ثُمَّ اسْتَقِمْ کہ تو کہے میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اور پھر عمر بھر اس پر ثابت قدم رہے۔

تو آیت کا معنی یہ ہوگا کہ وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی واحدانیت کا اقرار کیا اور اس سے اس کے مدمقابلوں، بیوی اور اولاد کی نفی کردی پھر وہ مرتے دم تک خلوص نیت سے اس کے احکام کی اطاعت کرتے رہے اور خالص اس کی رضا کے لئے فرائض کو عملی جامہ پہناتے رہے تو انہیں اس آیت میں مذکور بشارتوں سے نوازا جائے گا۔

اگرچہ اہل حق کا یہی ہمیشہ سے دستور رہا ہے لیکن حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں نے استقامت کے ایسے ایسے عملی نمونے پیش فرمائے ہیں جنہیں پڑھ کر ایمان تازہ ہو جاتا ہے اور یہ خیال ابھرتا ہے کہ ان کی مثال پیش کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے اگر اللہ تعالیٰ آپ کو فرصت عطا فرمائے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان غلاموں کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کریں اور ان کی استقامت کو بنظر غائر دیکھیں جنہوں نے آغاز نبوت میں اسلام قبول کیا اور اس کی پاداش میں ان پر جو ظلم وتعدی کے پہاڑ توڑے گئے۔ اور انہوں نے راہ حق سے سرمو انحراف نہ کیا بلکہ پہاڑ کی طرح مستقیم رہے۔ حضرت بلال، حضرت

حباب بن الارت، حضرت یاسر اور ان کی بیوی حضرت سمیہ، حضرت ام عنیس اور حضرت النہد یہ رضی اللہ عنہم کے المناک واقعات پڑھ کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس کا دل پسیج جاتا ہے اور ایمانی قوت میں اضافہ ہو جاتا ہے اور انسان یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ وہ کتنی عظیم ہستیاں تھیں جنہوں نے اس بے پناہ ظلم وستم کو برداشت کیا۔ راہ راست سے نہ ہٹے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی غلامی کو اپنے گلے کا طوق بنائے رکھا اور زبان پر احد احد کے نعرے جاری رہے۔

آیئے! چند ایک واقعات سماعت فرمایئے۔

راہ حق پر چلنے والوں کی جوانمردی

حضرت سیدی و مرشدی حضور ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ نے ضیاء النبی شریف جلد دوم میں غلامان مصطفیٰ پر ظلم وستم کی داستانیں بیان فرمائی ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں۔

اسلام کی ان شاندار کامیابیوں نے کفر و باطل کے ایوانوں میں ایک کہرام مچا دیا اور انہوں نے حق و صداقت کے اس ابھرتے ہوئے آفتاب کی کرنوں کا راستہ روکنے کے لئے پردے تاننے کی مہم کا آغاز کر دیا وہ یہ سمجھتے تھے کہ اس طرح وہ باطل کے اندھیروں کو حق کی ان روپہلی اور تابندہ کرنوں کی یلغار سے بچا سکیں گے جو بالکل ناممکن تھا۔ ان کے جور وستم کی مہم کا آغاز ایک چھوٹے سے واقعہ سے ہوا جس کو علامہ ابن کثیر کے حوالے سے ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے۔

علامہ ابن کثیر رقمطراز ہیں۔

جب مسلمان مردوں کی تعداد اڑتیس ہو گئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت پناہ میں عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب ہمیں کھل کر میدان میں نکل آنا چاہئے اور تبلیغ اسلام کا فریضہ پوری قوت سے انجام دینا چاہئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوبکر ابھی ہماری تعداد بہت کم ہے۔ حضرت صدیق کا اصرار جاری رہا یہاں

تک کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دارارقم کے حجرہ سے نکل کر حرم شریف کے صحن میں اپنے غلاموں کی معیت میں تشریف لے آئے اور تمام مسلمان مسجد کے کونوں میں بکھر گئے اور اپنے اپنے قبیلہ میں جا کر نشستیں سنبھال لیں۔ جب سب لوگ بیٹھ گئے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے دنیائے اسلام کا سب سے پہلا خطیب صدیق اکبر لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دینے کے لئے کھڑا ہو گیا۔ کافر صدیق اکبر کے اس خطبہ کو سن کر آگ بگولہ ہو گئے اور مشتعل ہو کر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور باقی مسلمانوں پر ہلہ بول دیا اور ان کو خوب مارا پیٹا ابو بکر پر تو ان کا غصہ بڑا شدید تھا۔ چنانچہ آپ کو دھکا دے کر زمین پر گرایا اور اوپر چڑھ گئے۔ پاؤں سے لتاڑتے اور ڈنڈوں سے زدوکوب کرتے رہے۔ اتنے میں بد بخت عتبہ بن ربیعہ آ گیا اس نے اپنے بھاری بھرکم جوتے اتارے اور ان سے آپ کے چہرے پر پے در پے ضربیں لگانے لگے اور آپ کے پیٹ پر چڑھ کر کودنے لگا۔ آپ کا چہرہ سوج کر پھول گیا۔ یہاں تک کہ ناک اس سوجن میں نظر ہی نہیں آتی تھی۔

آپ کے قبیلہ تیم کو معلوم ہوا تو انہوں نے مشرکین کو دھکے دے کر حضرت ابو بکر سے دور ہٹایا اور آپ کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر آپ کے گھر لے آئے آپ کی موت میں کسی کو شک نہ تھا۔ پھر بنو تیم مسجد حرام میں واپس آئے اور اعلان کر دیا کہ اگر ابو بکر مر گئے تو ہم عتبہ کو ضرور تہ تیغ کر دیں گے۔ یہ اعلان کرنے کے بعد پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے جہاں وہ مدہوش پڑے تھے۔ آپ کے والد ابو قحافہ اور آپ کے قبیلہ والے آپ کو بلاتے تھے لیکن آپ کوئی جواب نہیں دیتے تھے سارا دن غشی طاری رہی۔ جب سورج غروب ہونے لگا تو آپ کو ہوش آیا۔ اور پہلا جملہ جو آپ کی زبان سے نکلا وہ یہ تھا۔ مَا فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ مجھے بتاؤ میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ہادی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے؟

یہ سن کر ان لوگوں نے آپ کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا اور ملامت کرنے لگے۔ پھر وہ

لوگ وہاں سے واپس جانے کے لئے اٹھے اور آپ کی والدہ ام الخیر کو کہا کہ خیال رکھنا۔ انہیں ضرور کچھ کھلانا پلانا جب والدہ اکیلی آپ کے پاس رہ گئیں اور اصرار کرنا شروع کیا کہ آپ کچھ بولیں۔ آپ نے پھر وہی جملہ دہرایا مَا فعل رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (کہ اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے)۔ والدہ نے کہا بخدا! مجھے تیرے صاحب کے بارے میں کوئی خبر نہیں کہ ان کا کیا حال ہے۔ آپ نے کہا کہ اماں! ام جمیل بنت خطاب کے پاس جاؤ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان سے دریافت کرو وہ ایمان لا چکی تھیں لیکن ابھی تک عام لوگوں کو ان کے ایمان کا حال معلوم نہ تھا۔

آپ کی والدہ وہاں سے نکل کر ام جمیل کے پاس آئیں اسے کہا کہ ابوبکر تجھ سے محمد بن عبداللہ کے بارے میں پوچھتا ہے۔ اس نے جواب دیا نہ میں ابوبکر کو جانتی ہوں اور نہ محمد بن عبداللہ کو اگر تو پسند کرے تو میں تمہارے ساتھ تمہارے بیٹے کے پاس چلی جاتی ہوں۔ ام الخیر نے کہا بہت بہتر۔ چنانچہ ام جمیل ان کے ساتھ ان کے گھر آئی۔ دیکھا کہ ابوبکر مدہوش پڑے ہیں اور نزع کی حالت میں ام جمیل آپ کے قریب گئی اور رونا چیخنا شروع کر دیا اور کہا بخدا جس قوم نے تیرے ساتھ یہ بہیمانہ سلوک کیا ہے بے شک وہ فاسق و فاجر اور کافر ہے اور اللہ تعالیٰ ضرور ان سے انتقام لے گا لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سے بھی وہی سوال کیا "مَا فعل رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" کہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے۔ ام جمیل نے کہا کہ یہ آپ کی ماں سن رہی ہے۔ آپ نے جواب دیا اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ مطمئن ہونے کے بعد ام جمیل نے کہا سالم صحیح۔ کہ حضور صحیح و سلامت ہیں۔ آپ نے پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں۔ اس خاتون نے بتایا کہ حضور دار بنی ارقم میں ہیں۔ اپنے آقا کی خیریت کی خبر سن کر آپ کے ہوش (ٹھکانے لگ گئے) اور کہا بخدا میں اس وقت تک نہ کچھ کھاؤں گا اور نہ پیوں گا جب تک اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کا شرف حاصل نہ کرلوں۔ گویا آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خیریت کے بارے میں اطمینان حاصل کرنا

چاہتے تھے ان دونوں خواتین نے کچھ دیر انتظار کیا یہاں تک کہ لوگوں کی آمدورفت ختم ہوگئی سناٹا چھا گیا وہ آپ کو لے کر گھر سے نکلیں حضرت ابوبکر صدیق ان پر ٹیک لگائے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچے۔

فَاَكَبَّ عليه رسولُ الله صلى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَبَّلَهُ وَاَكَبَّ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُوْنَ وَرَقَّ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِقَّةً شَدِيْدَةً

"حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابوبکر پر جھک گئے اور ان کو بوسے دینے لگے اور مسلمان بھی ان پر جھک گئے اور آپ کی حالت زار کو دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل رحیم پر بڑی رقت اور گداز طاری ہوا۔"

صدیق اکبر نے عرض کی یا رسول اللہ۔ میرے ماں باپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان جائیں مجھے کوئی تکلیف نہیں۔ سوائے ان جوتیوں کی ضربوں کے جو عتبہ نے میرے چہرے پر ماری ہیں۔

هٰذَا اُمِّيْ بَرَّةٌ بِوَلَدِهَا وَ اَنْتَ مُبَارَكٌ فَادْعُهَا اِلَى اللّٰهِ وَادْعُ اللّٰهَ لَهَا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَسْتَنْقِذَهَا بِكَ مِنَ النَّارِ

"یہ میری ماں برہ اپنے بیٹے کے ساتھ حاضر ہے۔ حضور سراپا برکت ہیں۔ اسے اللہ کی طرف بلایئے اور اس کے لئے اللہ سے دعا فرمائیں مجھے امید ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اللہ تعالیٰ اسے آگ سے نجات دے گا۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں اس کی ہدایت کے لئے التجا کی پھر اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ چنانچہ وہ مشرف باسلام ہوگئیں پھر مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک مہینہ تک دار بنی ارقم میں قیام فرما رہے اور خفیہ طریقہ سے لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے رہے۔ (سیرۃ نبویہ۔ ابن کثیر جلد اول)

یہ کیفیت صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کی نہ تھی۔ بلکہ ہر وہ شخص جس

کے دل میں حق اتر جاتا ہے اور وہ اس کی رگ و پے میں سرایت کر جاتا ہے تو وہ اس کو کتنا جری اور کتنا بلند ہمت بنا دیتا ہے اور اس کو کس کمال درجے پر فائز کر دیتا ہے۔ اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ آیئے ایک دو اور واقعات سماعت فرمالیں۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ جو حبشی تھے۔ شکل وصورت بھی من پسند نہ تھی اور وہ امیہ بن خلف کے غلام تھے لیکن انہیں عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عاشقوں کا امام بنا دیا تھا۔ آپ ان ازلی سعادت مندوں میں سے تھے جن کا شمار السابقون الاولون میں ہوتا ہے۔ انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔ امیہ کی اسلام دشمنی یہ کب برداشت کر سکتی تھی کہ اس کا زر خرید غلام اس کی مرضی کے بغیر اس کے بے شمار خداؤں کے خلاف علم بغاوت بلند کرے اور ایک خداوند حقیقی کی بندگی کا دم بھرنے لگے۔ اسے جب معلوم ہوا کہ اس کا حبشی غلام مسلمان ہو گیا ہے تو غصہ سے اس کا خون کھولنے لگا اس نے عزم کرلیا کہ وہ اس جرم کی بلال کو اتنی سخت سزا دے گا کہ اس کا برداشت کرنا ممکن نہ ہوگا۔ وہ مجبوراً اس نئے دین سے اپنا رشتہ توڑ لے گا وہ آپ کے گلے میں رسی ڈال کر آوارہ لڑکوں کے ہاتھوں میں پکڑا دیتا وہ ان کا تمسخر اڑاتے، مذاق کرتے، مکہ کی گھاٹیوں میں انہیں لے جا کر گھومتے اور گلیوں میں انہیں گھسیٹتے لیکن میخانہ وحدت کا یہ مستانہ کیف ومستی میں کھویا رہتا اور اَحَدٌ اَحَدٌ کے نعرے لگا کر کفر وشرک کے حواریوں کا منہ چڑاتا رہتا۔

وہ بے شعور بچے رسی کو اس زور سے کھینچتے کہ ان کی گردن پر گہری خراشیں پڑ جاتیں اور خون بہنے لگتا۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اسلام قبول کرنے سے پہلے حج کرنے کے لئے مکہ آیا۔ میں نے بلال کو دیکھا کہ اس کے گلے میں ایک لمبی رسی تھی جسے بچوں نے پکڑا ہوا تھا اور وہ اسے کھینچ رہے تھے اور بلال کہہ رہے تھے:

اَحَدٌ اَحَدٌ اَنَا اَكْفُرُ بِاللات والعزی والهُبل والنائلة۔

''وہ یکتا ہے یکتا ہے، میں لات، عزی، ہبل اور نائلہ کی خدائی کا انکار کرتا ہوں''۔

امیہ کا دوسرا انداز تعذیب یہ تھا کہ پہلے وہ آپ کو بھوکا اور پیاسا رکھتا پھر دوپہر کے

وقت جب دھوپ خوب چمک رہی ہوتی اور ریتلی زمین تانبے کی طرح تپ رہی ہوتی تو وہ آپ کو اس پر لٹادیتا پھر بھاری بھرکم پتھر آپ کی چھاتی پر رکھ دیتا اور کہتا۔ یا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین چھوڑ دو اور لات وعزیٰ کی عبادت کرو اور یا تم اسی طرح تڑپتے رہو گے۔ یہاں تک کہ تمہارا دم نکل جائے گا آپ نیم مدہوشی کے عالم میں یہی جواب دیتے۔

اَحَدٌ اَحَدٌ اَنَا لَا اُشْرِکُ بِاللّٰہِ شَیْئاً اَنَا کَافِرٌ باللات والعزی۔ وہ یکتا ہے یکتا ہے۔ میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا میں لات اور عزیٰ کا انکار کرتا ہوں۔

حضرت عمرو بن عاص کہتے ہیں۔

مَرَرْتُ ببلالٍ و هُوَ يُعَذَّبُ فِي رَمَضَاء وَلَوْ اَنَّ بِضُعَةَ لَحْمٍ وُضِعَتْ عَلَيْهِ لَنَضِجَتْ۔

"ایک روز میں بلال کے پاس سے گزرا جبکہ اس کو گرم کنکریوں پر لٹا کر عذاب دیا جارہا تھا وہ کنکریاں اتنی شدید گرم تھیں کہ اگر گوشت کا ٹکڑا بھی ان پر رکھا جائے تو ان کی حرارت سے پک جائے"۔

اس کے باوجود وہ کہہ رہے تھے اَنَا کَافِرٌ باللات والعزّی کہ میں لات وعزیٰ کو نہیں مانتا میں ان کی خدائی کا انکار کرتا ہوں۔

امیہ یہ سن کر اور غضبناک ہو جاتا اور انہیں مزید ستانے لگتا ان کے گلے کو زور سے دباتا یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہو جاتے۔

حضرت بلال جب شدت عذاب میں اُحَدٌ اَحَدٌ کہ نعرے لگاتے تو کافر ان کو تلقین کرتے کہ اس اذیت سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے کہ تم یہ کفریہ جملے کہو آپ فرماتے میری زبان ان کو بولنے سے قاصر ہے۔ میں معذور ہوں۔ (ضیاء النبی جلد دوم)

بلکہ بزبان شاعر وہ یوں کہتے

جان دی ، دی ہوئی اس کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

کسی دوسرے شاعر نے یوں کہا ہے۔

یہ عشق نہیں آساں بس اتنا ہی سمجھ لیجئے

اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

حضرت یاسر اور حضرت سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بڑی ہی بے دردی سے شہید کیا گیا لیکن ان کے ہر ہر عضو سے احد احد کے نعرے اٹھ رہے تھے۔

مرزا جانان جاں فرماتے ہیں۔

چہ خوش رسمے بنا کر دند بخاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

''کہ ان خوش بخت لوگوں نے کتنی خوبصورت رسم کی بنیاد رکھی ہے کہ خاک وخون میں لت پت ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پاک فطرت عاشقوں پر رحمت نازل فرمائے''۔

آسیہ بنت مزاحم فرعون کی بیوی کی عبرتناک داستان

حضرت آسیہ بنت مزاحم جو فرعون کی بیوی تھی۔ انہوں نے بہتے دریا سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا صندوق نکالا تھا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کا اہتمام کیا تھا۔ بعد میں آپ کے معجزات کو دیکھ کر مسلمان ہو گئی تھیں اور ہمیشہ فرعون کے مقابلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرفداری کیا کرتی تھیں آخر فرعون کو پتہ چل گیا کہ آسیہ اسے خدا نہیں تسلیم کرتی اور موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکی ہے اور موسیٰ کے خدا کو ہی اپنا خدا مانتی ہے۔ چنانچہ اس ظالم فرعون نے آپ کے دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں میں میخیں ٹھونک دیں اور چلچلاتی دھوپ میں ڈال دیا۔ لیکن آپ کی استقامت اور پامردی کا یہ عالم تھا کہ اس وقت بھی مسکراتی رہیں۔ فرعون نے جب انہیں مسکراتے دیکھا تو کہنے لگا یہ تو پاگل اور دیوانی ہو گئی ہے۔ اس حالت میں یہ مومنہ صادقہ اپنے رب کی جناب میں دامن طلب پھیلا دیتی ہے اور عرض کرتی ہے۔ الٰہی! میرے لئے اپنے حریم قرب میں ایک محل تعمیر فرما دے فرعون

کے منحوس وجود، اس کی بداعمالیوں اور ستم رانیوں کی نحوست سے مجھے بچالے اور یہ ظالم قوم جو اپنے مالک حقیقی کو چھوڑ کر اس فانی انسان کو اپنا خدا ماننے لگی ہے۔ ان کے شر سے بھی مجھے محفوظ رکھ۔ احادیث میں آیا ہے کہ جب حضرت آسیہ کے ہاتھوں اور پاؤں میں میخیں گاڑھ دی گئیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جنت کے محل کو منکشف کر دیا جس سے ان کی ساری تکلیفیں دور ہو گئیں۔ اور اپنے رب کے اس لطف و کرم کو دیکھ کر وہ مسکرانے لگیں۔ دعا میں عِنْدَکَ کا کلمہ آپ کی خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔ اہل محبت جنت کے طلبگار نہیں ہوتے مہکتے ہوئے پھولوں، لذیذ پھلوں، مست خرام ندیوں اور آرام و آسائش کی تمنا ان کے دلوں میں کوئی جگہ نہیں پاتی وہ تو صرف اپنے محبوب حقیقی کے دیدار کے متمنی ہوا کرتے ہیں۔ وہ جنت جو انہیں کوچہ دلدار سے دور کر دے ان کے لئے کوئی کشش نہیں رکھتی۔ وہ تو اپنے محبوب کے سایہ دیوار پر فردوس بریں کی ہزاروں نکہتوں کو قربان کر دیتے ہیں۔ کیا ہی کسی شاعر نے خوب کہا ہے۔

کروں تیرے نام پہ جاں فدا نہ یہ جاں فقط دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

حضرت آسیہ نے عِنْدَکَ کا لفظ اپنی دعا میں استعمال کیا کہ اپنے پاس، اپنے قریب، بالکل قریب، شوق کی بے تابیاں اور جذب کی بھی سرمستیاں عشق کی سرخروئی کا عنوان ہیں اور ان سے صرف وہی آشنا ہوتے ہیں جن کو محبت کے بادہ گلفام کا کوئی جام پلایا جاتا ہے۔

حسن می گفت کہ شامے نہ پذیرد سحرم
عشق می گفت تب و تاب دوام دارم

عِنْدَکَ کا معنی کیا گیا ہے فی اعلی درجات المقربین، بعض نے عِنْدَکَ کا معنی یہ لکھا ہے۔ محض اپنے فضل سے، بغیر کسی استحقاق کے مجھ پر یہ کرم فرما۔ دعا میں بیتاً فی الجنۃ سے عِنْدَکَ کو مقدم کیا گیا ہے۔ صرف اہل محبت ہی اس سے لطف اندوز ہو سکتے

ہیں۔(ضیاء القرآن)

استقامت کا معنی

کسی عمل پر ڈٹ جانا اور اس پر پختگی سے قائم رہنا۔ یہ ایک مشکل ترین امر ہے جب تک اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال نہ ہو تو انسان کسی بات پر مضبوط نہیں رہ سکتا۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کسی عمل کی وصیت فرمائیں۔ تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: قُلْ رَبِّیَ اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقِمْ کہ تو یہ کہے کہ میرا رب اللہ ہے پھر اس قول پر پختگی سے قائم ہو جا۔ تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں یہ تو کہتا ہوں کہ میرا رب اللہ ہے اور اس پر استقامت اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں۔ میں اس پر توکل کرتا ہوں اور اسی کی بارگاہ میں جھکتا ہوں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوالحسن! تجھے علم مبارک ہو۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد گرامی بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ استقامت کتنی عظیم ہے۔ آپ نے فرمایا شَیَّبَتْنِیْ ھُوْدٌ وَاَخَوَاتُھَا لِاَنَّہٗ نَزَلَ فِیْھَا فَاسْتَقِمْ کَمَا اُمِرْتَ۔ یعنی مجھے سورۃ ھود اور اس جیسی دوسری سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے کیونکہ ان میں یہ آیت طیبہ نازل ہوئی کہ جس کام کے کرنے کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ اس پر استقامت اختیار کریں کیونکہ یہ آیت طیبہ ان تمام اوامر و نواہی کو شامل ہے۔ جن کا کسی کو مکلف بنایا جاتا ہے اس لئے علمائے کرام، مفسرین عظام اور صوفیائے کرام نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق استقامت کی مختلف تفاسیر بیان فرمائی ہیں جن کو اقوال زریں کے عنوان کے تحت لکھا جاتا ہے۔

اقوال زریں

استقامۃ کے متعلق خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہ کے قول:۔

حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ استقامت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا ''اَنْ لَّا تُشْرِکَ بِاللّٰہِ شَیْئًا۔ کہ تیرا اللہ تعالیٰ کا کسی چیز کو شریک نہ بنانا۔'' علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قول اس طرح نقل فرمایا ہے کہ

آپ نے برسرِعنوان آیت طیبہ پڑھی پھر لوگوں سے پوچھا اس کا کیا مطلب ہے؟ لوگوں نے کہا لَمْ یُذْنِبُوْا ''کہ استقامت کا معنی یہ ہے کہ پھر ان سے گناہ صادر نہ ہوں۔'' قَالَ قَدْ حَمَلْتُمُ الْاَمْرَ عَلٰی اَشَدِہٖ۔ فرمایا تم نے تو یہ کام بڑا مشکل بنا دیا ہے۔'' عرض کی گئی آپ ہی فرمائیے قَالَ لَمْ یَرْجِعُوْا اِلٰی عِبَادَۃِ الْاَوْثَان ''یعنی اللہ تعالیٰ کو اپنا رب ماننے کے بعد اس پر استقامت کا یہ مطلب ہے کہ پھر بتوں کی پوجا نہ کرنا شروع کر دیں۔''
حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول کا ماٗخذ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد گرامی معلوم ہوتا ہے جو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ پھر کہا قَدْ قَالَ النَّاسُ ثُمَّ کَفَرَ اَکْثَرُھُمْ فَمَنْ مَاتَ عَلَیْھَا فَھُوَ مِمَّنْ اِسْتَقَامَ۔ (ترمذی شریف)

یعنی لوگ کہنے کو تو کہہ دیتے ہیں کہ رَبُّنَا اللّٰہُ لیکن پھر اکثر اس کا انکار کر دیتے ہیں جو آدمی آخر دم تک اس بات پر ثابت قدم رہا اس کا شمار اس زمرہ میں ہو گا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے استقامت کی تفسیر یوں منقول ہے۔ قَالَ اَلْاِسْتِقَامَۃُ اَنْ تَسْتَقِیْمَ عَلَی الْاَمْرِ وَالنَّھْیِ وَلَا تَرُوْغُ رَوْغَانَ الثَّعَالِبِ۔ کہ استقامت کا مطلب یہ ہے کہ تو اوامر و نواہی پر ثابت قدم رہے اور لومڑیوں کی طرح حیلہ سازیاں کر کے راہ فرار اختیار نہ کرے۔

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا۔ اَلْاِسْتِقَامَۃُ اَلْاِخْلَاصُ۔ کہ استقامت کا مطلب یہ ہے کہ عمل کرنے میں اخلاص کا مظاہر کرنا۔ ریا اور نمائش کا وہاں کسی قسم کا دخل نہ ہونا ہے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اس کا معنی یہ مرقوم ہے۔ اَلْاِسْتِقَامَۃُ اَدَاءُ الْفَرَائِضِ کہ فرائض کی ادائیگی استقامت ہے۔ (معالم التنزیل)

اہل حق میں سے بعض نے استقامت کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

نمبر ۱:- استقامت باللسان یعنی کلمہ شہادت پر مداومت اختیار کرنا۔

نمبر ۲:- استقامت بالجنان یعنی نیت اور ارادہ سے خلوص پر قائم رہنا۔

نمبر ۳:- استقامت بالنفس یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادات اور اس کی اطاعات پر مداومت اختیار کرنا۔

اور بعض نے یہ فرمایا ہے کہ استقامت چار چیزوں میں ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اوامر کی اطاعت کرنا اور اس کی نواہی سے اجتناب کرنا۔ اس کی نعمتوں پر شکر ادا کرنا اور اس کی آزمائشوں پر صبر کرنا۔

اور ان چاروں کی تکمیل اس طرح ہوتی ہے کہ اوامر کی اطاعت میں اخلاص ہو۔ اور نواہی سے تقویٰ توبہ کے ساتھ مکمل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کا اتمام اپنے عجز کے اعتراف سے ہوتا ہے اور صبر کا اتمام دنیا کی لذات کے انقطاع سے ہوتا ہے۔ (امام نسفی)

ابولیث فقیہ کا قول یہ ہے کہ استقامت دس اعمال سے پہچانی جاتی ہے جن کو آدمی اپنے نفس پر فرض کر لیتا ہے۔

۱- غیبت سے زبان کی حفاظت کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے اور فرمایا لَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضاً کہ ایک دوسرے کی غیبت نہ کیا کرو۔

۲- کسی کے متعلق سوءِ ظن سے اپنے آپ کو بچانا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ۔ (دور رہا کرو بدگمانیوں سے بلاشبہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں) اس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی فرمایا کہ بدگمانی سے اپنے آپ کو بچاؤ کیونکہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے)

۳- مذاق کرنے سے اجتناب کرنا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے فرمایا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ (نہ تمسخر اڑایا کرے مردوں کی ایک جماعت دوسری جماعت کا شاید وہ ان مذاق اڑانے والوں سے بہتر ہوں)

۴- جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرما دیا ہے ان سے چشم پوشی کرنا، جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (اے محبوب! آپ مؤمن مردوں کو فرمائیں کہ وہ (حرام کردہ اشیاء) سے اپنی نگاہیں جھکا لیں)۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد

گرامی ہے۔ اَلنَّظْرُ سَہْمٌ مَّسْمُوْمٌ مِنْ سِہَامِ الشَّیْطٰنِ "کہ نظر شیطان کے زہر آلود تیروں میں سے ایک تیر ہے جن کے ساتھ وہ مومنوں کے ایمان کا شکار کرتا ہے۔

۵- صدق اللسان (سچ بولنا) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا (جب بات کرو تو درست کہو) یعنی سچ بولنا استقامۃ علی الدین کی علامت ہے۔

۶- حلال مال میں سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ (کہ جو تم کماتے ہو اس میں سے پاک اور حلال رزق اللہ کے راستے میں خرچ کرو) معلوم ہوا کہ حلال مال خرچ کرنا اور حلال کھانا بھی استقامت علی الدین کی نشانی ہے۔

۷- فضول خرچی نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے و لا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا کہ فضول خرچی مت کرو۔

۸- تکبر اور غرور سے بچنا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ (یہ آخرت کا گھر ہے ہم اس کو ان لوگوں کے لئے خاص کریں گے جو زمین میں بلندی اور فساد کا ارادہ نہ کریں اور متقین کے لئے ہی عاقبت ہے یعنی تکبر اور غرور نہ کرنا اور زمین میں فساد برپا کرنے سے بچنا استقامت ہے۔

۹- پانچ وقتی نمازوں کی حفاظت کرنا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ (کہ تم پابندی کرو سب نمازوں کی اور (خصوصاً) درمیانی نماز کی اور کھڑے رہا کرو اللہ کے لئے عاجزی کرتے ہوئے۔

۱۰- اہلسنت والجماعت کے مذہب پر کاربند رہنا کیونکہ ان کا راستہ درمیانی راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ (اور بے شک یہ ہے میرا راستہ سیدھا سو اس کی پیروی کرو اور نہ پیروی کرو اور راستوں کی (ورنہ) وہ جدا کر دیں گے تمہیں اللہ کے راستے سے۔

(تنبیہ الغافلین)

امام غزالی کا قول

امام غزالی فرماتے ہیں کہ دنیا میں صراط مستقیم پر مستقیم رہنا اسی طرح مشکل ہے جس طرح پل صراط سے گزرنا مشکل ہوگا۔ یہ دونوں یعنی صراط مستقیم پر استقامت اور پل صراط سے گزرنا۔ یہ بال سے باریک ہیں اور تلوار سے تیز ہیں۔ اس لئے صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ استقامت ہزار کرامتوں سے افضل ہے کیونکہ اس میں اوامر کی اطاعت اور نواہی سے تقویٰ شامل ہیں۔ (فتح الملہم)

شان بندہ نوازی

اس سے اوپر جو کچھ مذکور ہوا۔ اس کا تعلق شان بندگی کے ساتھ ہے اب اس کے ذکر کے بعد شان بندہ نوازی کا بیان شروع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

کہ جو لوگ شان بندگی کا اس طرح اظہار کرتے ہیں جس طرح اوپر بیان کیا گیا ہے تو ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان کو طرح طرح سے تسلی دیتے ہیں کہ قبر و حشر سے بھی خوفزدہ ہونے کی تمہیں ضرورت نہیں اور اپنی اولاد اور عزیز و اقارب جو تم پیچھے چھوڑ جاؤ گے ان کے بارے میں بھی تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کا حافظ و ناصر ہے۔ اور سنو! ہم تمہیں یہ خوشخبری دیتے ہیں کہ جنت کے دروازے تمہارے لئے کھول دیئے گئے ہیں اور وہاں کی سرمدی بہاریں تمہارے لئے چشم براہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے بندوں پر فرشتوں کا نزول کس وقت ہوتا ہے اور کیا وہ فرشتوں کی باتوں کو اپنے ان ظاہری کانوں سے سنتے ہیں۔ بعض علماء کا یہ قول ہے کہ فرشتوں کا نزول موت کے وقت ہوتا ہے لیکن اہل تحقیق کا یہ قول ہے کہ یہ سلسلہ عمر بھر جاری رہتا ہے، جب بھی بندۂ مومن اپنے ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اور اپنے فرائض سے عہدہ برآہ ہونے کے لئے راہ عمل پر گامزن ہوتا ہے تو قدم قدم پر تیز کانٹے اس کے پاؤں کی تواضع کرتے ہیں۔ ہر موڑ پر حشر بداماں مصیبتیں ان کی منتظر ہوتی ہیں۔ اور رنج و آلام کے بادل ہر طرف سے گھر کر آجاتے ہیں۔ اس وقت ملائکہ اس کی دلجوئی کے لئے نازل ہوتے ہیں۔ بعض

مقبول بندے فرشتوں کی یہ باتیں اپنے کانوں سے سنتے ہیں اور جو ان کی باتیں نہیں سن سکتے ان کے دلوں میں طمانیت و تسکین کی ایک ایسی کیفیت نمودار ہو جاتی ہے کہ ان کے اکھڑے ہوئے قدم جم جاتے ہیں۔ باطل کے مقابلہ میں ان کی قوت مدافعت تند و تیز ہو جاتی ہے اور نئے ولولوں سے سرشار ہو کر وہ منزل مقصود کی طرف بڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔ کوئی چیز ان کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتی۔ مرتے وقت لحد میں اور روز حشر ان تمام مقامات پر انہیں ملائکہ کی رفاقت حاصل ہو گی۔

علامہ محمود آلوسی رقمطراز ہیں کہ فرشتے ان پر اترتے ہیں اور دینی اور دنیاوی مشکلات جو انہیں پیش آتی ہیں۔ ان کی یوں امداد کرتے ہیں کہ ان کے سینے منشرح ہو جاتے ہیں اور بذریعہ الہام ان کے خوف و حزن کو دور کر دیتے ہیں جس طرح کافروں کو ان کے برے ساتھی برے کاموں پر اکساتے ہیں اس کے بعد علامہ مذکور فرماتے ہیں کہ کلام کے اطلاق اور عموم کے پیش نظر یہی قول اظہر ہے اور ہم تمہیں پہلے بتا چکے ہیں کہ بہت لوگوں کا یہ قول ہے کہ فرشتے اکثر اوقات متقیوں پر نازل ہوتے ہیں اور یہ لوگ ان سے کسب فیض کرتے ہیں۔ (روح المعانی)

حضور ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی لکھا ہے یعنی نیک کاموں کی ادائیگی میں ہم تمہارے مددگار ہیں بذریعہ الہام حق بات تمہارے دلوں میں ڈال دیتے ہیں اور ان امور کی طرف تمہاری رہنمائی کرتے ہیں جن میں تمہارا بھلا اور کامیابی ہے اور آخرت میں ہم دوستی کے حق یوں ادا کریں گے کہ شفاعت سے تمہاری امداد کریں گے اور جب قبر سے اٹھو گے تو تمہارا شاندار استقبال کریں گے اور تمہیں وہ کچھ دیا جائے گا جو تم چاہو گے اور تمہیں وہی ملے گا جو تم مانگو گے۔ یہ سب عنایات خسروانہ، یہ انعامات بے پایاں تمہارے اعمال کا معاوضہ نہیں ہو گا بلکہ رب غفور و رحیم کی طرف سے میزبانی ہو گی بندہ مہمان اور خداوند عرش میزبان۔ سبحان اللہ کیا شان ہے کیسا اعزاز ہے اور کتنا کرم ہے۔ (منقول از ضیاء القرآن)

روایت میں آیا ہے کہ جب قیامت کا دن ہو گا تمام مخلوق اپنی قبروں سے اٹھ کھڑی ہو

گی تو اس وقت فرشتے مومنین کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور ان کے سروں سے قبر کا گرد وغبار جھاڑیں گے ان کے تمام اجسام سے گرد وغبار جھڑ جائے گا لیکن ان کی پیشانیاں اور ان کی سجود کی جگہوں پر نشانات موجود رہیں گے۔ فرشتے ان مقامات کو بھی صاف کرنے کی کوشش کریں گے لیکن وہاں سے مٹی کے نشانات زائل نہیں ہوں گے یہاں تک کہ انہیں آواز دی جائے گی اے ملائکہ یہ قبروں کی مٹی نہیں بلکہ یہ تو ان کے محرابوں کی مٹی ہے اسے ان پر باقی رہنے دو یہاں تک کہ یہ پل صراط سے گزر کر جنت میں داخل ہو جائیں۔ تاکہ اہل جنت انہیں دیکھیں تو وہ پہچان لیں کہ یہ میرے وہ خاص بندے ہیں جو دین پر مستقیم رہے۔
(زہرۃ الریاض)

وہ لوگ جو استقامت کی صفت سے متصف ہوتے ہیں انہیں موت کے وقت بشارت دی جاتی ہے اور یہ بشارت پانچ قسم کے اشخاص کو نصیب ہوتی ہے۔ (۱) عام مومنین، (۲) خاص مومن، (۳) اپنے گناہوں سے توبہ کرنے والے، (۴) زاہد اور متقی، (۵) علماء۔

۱-عام مومنین

انہیں موت کے وقت یہ بشارت دی جاتی ہے کہ دائمی عذاب کا خوف نہ کرو اور تمہیں انبیاء کرام اور صالحین کی شفاعت نصیب ہوگی اور نیک اعمال کے ثواب کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ کرو۔ اور آخر کار تمہیں جنت کی ابدی نعمتوں سے نوازا جائے گا۔

۲-مخلصین

مخلصین کو موت کے وقت یہ بشارت دی جاتی ہے کہ تم اپنے اعمال کے ضائع ہونے کا خوف نہ کرو کیونکہ تمہارے اعمال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہیں۔ اور ان کے ثواب کے فوت ہونے کا اندیشہ بھی نہ کرو بلکہ تمہیں دوگنا چوگنا ثواب عطا کیا جائے گا۔

۳-توبہ کرنے والے

جو لوگ اپنے گناہوں پر ندامت کے آنسو بہاتے ہیں خلوص نیت سے توبہ کرتے ہیں

تو انہیں مرتے وقت یہ بشارت دی جاتی ہے کہ تم اپنے گناہوں کی وجہ سے عذاب کا خوف نہ کرو۔ کیونکہ تمہارے گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں اور توبہ کے بعد تم نے جو نیک اعمال کئے ہیں۔ ان کے ثواب کے ضائع ہونے کا اندیشہ بھی نہ کرو۔ بلکہ تمہیں یہ بشارت ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دیا ہے۔

۴-زاہد اور متقی

انہیں یہ بشارت دی جائے گی کہ تم حشر اور حساب کا خوف نہ کرو اور نہ ہی اپنے اعمال کے دگنے چوگنے ثواب میں نقصان کا اندیشہ کرو۔ تمہیں مبارک ہو کہ تمہیں بغیر حساب و عذاب جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

۵-علماء

وہ علماء جو لوگوں کو نیکی کی تعلیم دیتے رہے۔ فی سبیل اللہ لوگوں کو علم پڑھاتے رہے۔ انہیں مرتے وقت یہ بشارت دی جائے گی کہ قیامت کی ہولناکیوں کا اندیشہ نہ کرو کیونکہ جو تم کار خیر کرتے رہے ہو۔ تمہیں اس کی جزا نصیب ہو گی اور تمہیں جنت کی ابدی نعمتوں کی بشارت ہو اور وہ آدمی مبارک کے قابل ہے جس کی عمر کے اختتام پر یہ بشارتیں سنائی جائیں گی لیکن ان بشارتوں کے مستحق وہ ہوں گے جو مومن اور نیک اعمال کرنے والے ہوں گے اور ان کے پاس فرشتے حاضر ہوں گے تو وہ خوش بخت لوگ انہیں کہیں گے تم کون لوگ ہو ہم نے تمہارے جیسے خوبصورت چہرے نہیں دیکھے اور نہ ہی کبھی تمہاری خوشبو جیسی کبھی عمدہ خوشبو سونگھی ہے۔ تو فرشتے انہیں جواب دیں گے کہ ہم تمہارے وہ دوست فرشتے ہیں جو تمہارے محافظ تھے اور دنیا میں تمہارے اعمال لکھتے رہے آج بھی تمہارے ساتھ ہیں۔

کس قدر خوش بخت ہیں وہ لوگ جنہیں عالم نزع میں یہ بشارتیں سنائی جائیں گی اور پھر بقول علامہ اقبال مرحوم ان کے چہروں پر تبسم کیوں نہیں ہو گا۔

نشان مرد مومن با تو بگویم
چوں مرگ آید تبسم برلب اوست

روایت کیا گیا ہے کہ جب شیخ ابوعلی روذباری رحمۃ اللہ علیہ کا دنیا سے رخصت ہونے کا وقت قریب آ گیا تو انہوں نے اپنی دونوں آنکھیں کھول دیں اور فرمانے لگے۔ وہ دیکھو آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں اور جنت اپنی پوری آرائشوں کے ساتھ مزین کر کے سامنے کر دی گئی ہے اور غیب سے یہ آواز آ رہی ہے کہ اے ابوعلی! ہم نے تمہیں انتہائی بلند مرتبے پر فائز فرما دیا ہے۔ اگرچہ تو نے وہ ہم سے مانگا نہیں اور ہم نے تمہیں اکابرین کا درجہ عطا فرما دیا ہے اگرچہ تو نے کبھی اس کی خواہش نہیں کی یہ ہے استقامت کی صفت سے متصف ہونے والوں کی بندہ نوازی۔

عجیب حکایت

بیان کیا گیا ہے کہ جب سہل ابن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ نے وصال فرمایا تو لوگ اس کے جنازہ پر ٹوٹ پڑے اس شہر میں ایک بوڑھا یہودی تھا جس کی عمر تقریباً ستر سال تھی۔ اس نے شور سنا وہ اسے دیکھنے کے لئے باہر آیا جب اس نے حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ کے جنازے کو دیکھا تو کہنے لگا اے لوگو! کیا تم وہ کچھ دیکھ رہے ہو جو میں دیکھ رہا ہوں۔ تو لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تو کیا دیکھ رہا ہے اس نے کہا میں آسمانوں سے نازل ہوتی ہوئی ایک قوم دیکھ رہا ہوں۔ اور وہ اس جنازہ کی پیروی کر رہے ہیں یہ کہا اسی وقت دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا اور اس کے بعد اپنے اسلام کو اچھے انداز سے نبھایا۔ (روض الریاحین)

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے:

اللھم اجعلنا منھم بجاہِ عبدک المکرم و قائدھم المحتشم و مرشد ھم المعظم – اللھم صل علیہ و علی الہٖ و صحبہٖ و بارک وسلِم (آمین ثم آمین)

وما علینا اِلا البلغ المبین

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب

چونسٹھواں وعظ

شان اولیاء کا بیان

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ وَ عَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۴﴾ (سورہ یونس)

"سنو بے شک اولیاء اللہ کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور عمر بھر پرہیزگاری کرتے رہے۔ انہی کے لئے بشارت ہے دنیاوی زندگی میں اور آخرت میں نہیں بدلتی اللہ تعالیٰ کی باتیں یہی بڑی کامیابی ہے"۔

(جمال القرآن)

یہ آیات سورۃ یونس کی ہیں۔ جو مکہ مکرمہ میں اس وقت نازل ہوئی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا طرح طرح کے دلائل و بینات سے ان کے اعتراضات کا رد فرمایا۔ لیکن وہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے اور ان کے معاندانہ رویہ میں مزید تندی اور سختی پیدا ہو گئی اس لئے ان قوموں کا ذکر فرمایا گیا جنہوں نے اپنے انبیاء کرام کی دعوت کو ماننے سے جب انکار کر دیا اور ان کی ہدایت کی توقع نہ رہی تو ان پر عذاب الٰہی آیا اور اس نے انہیں ختم کر کے رکھ دیا اور ان لوگوں کی بشارت اور انعامات کا ذکر فرمایا جنہوں نے انبیاء کرام کی دعوت کو قبول کیا اور ایمان کے زیور سے اپنے دل کو آراستہ اور مزین کیا اور جنہوں نے تقویٰ کا راستہ اختیار کیا۔ تو ان کے متعلق فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کے دوست اور ولی ہیں انہیں نہ کوئی خوف ہے اور نہ کوئی غم ہو گا ان کے لئے دنیا اور آخرت میں خوشخبریاں ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی

بشارتیں ہیں جن میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

تقویٰ کیا ہے؟ اور اولیاء اللہ کون ہیں؟

تقویٰ

اس کا لغوی معنی یہ ہے جَعْلُ النَّفْسِ فِیْ وِقَایَةٍ مِمَّا یَخَافُ نفس کو ہر اس چیز سے بچانا اور محفوظ کرنا ہے جس سے ضرر کا اندیشہ ہو اور عرف شرع میں تقویٰ کہتے ہیں ہر گناہ سے اپنے آپ کو بچانا اور ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ انسان اپنے آپ کو ہر اس فعل کے کرنے یا نہ کرنے سے بچائے جو آخرت میں اس کے لئے نقصان، عذاب اور تکلیف کا باعث بننے والا ہے۔ اس کے مختلف درجات ہیں۔ ہر شخص نے اپنے درجہ کے مطابق اس کی تعبیر فرمائی ہے۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تقویٰ کے تین درجات ہیں۔

۱۔عوام کا تقویٰ

عوام کا تقویٰ یہ ہے کہ وہ کلمہ طیبہ کا زبان سے اقرار کریں اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی تصدیق کرلیں اس طرح اپنے آپ کو دائمی عذاب سے بچالیں اور اس سے صرف اسی وقت وہ بچ سکتے ہیں جب کہ ان کا دامن مرتے دم تک شرک کی آلودگیوں سے پاک اور صاف رہے۔ اس آیت طیبہ میں اللہ تعالیٰ نے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کلمہ توحید کو لازم کردیا ہے۔

۲۔خواص کا تقویٰ

کہ وہ اپنے آپ کو ہر اس فعل کے کرنے سے بچائیں جس کے کرنے یا نہ کرنے سے وہ گنہگار ہوتے ہوں۔ خواہ وہ صغیرہ گناہ ہی کیوں نہ ہوں۔ قرآن کریم کی اس آیت طیبہ میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَیْرٌ کہ اگر بستیوں والے ایمان لاتے، تقویٰ اختیار کرتے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں بہتر ثواب ملتا۔

۳-اخص الخواص کا تقویٰ

کہ انسان ہر اس چیز سے اپنا دامن بچائے جو اس کو اپنے رب کی یاد سے غافل کرتی ہے۔ اور وہ ہمہ تن اس کی ذات کی طرف متوجہ ہو جائے جس کو اس نے اپنا معبود اور خالق یقین کر لیا ہے اس ارشاد ربانی میں یہی مطلوب ہے۔ يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ کہ اے ایمان والو تم اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ یہی اخص الخواص کا تقویٰ ہے اور وہ ہر اس چیز کو حرام تصور کرتے ہیں جو انہیں خدا کی یاد سے غافل کرنے کا باعث بنتی ہے اور اسے صدقہ کر دیتے ہیں۔

اس کی مثال پیش خدمت ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک صحابی تھے ان کا کھجوروں کا بڑا ہی خوبصورت، گھنا اور پھلدار باغ تھا۔ وہ اس کے اندر نماز ادا کرنے لگے اچانک اس باغ کے اندر ایک فاختہ اڑی لیکن وہ باہر نکلنے کا راستہ نہ پا سکی پھر اپنی اسی جگہ پر آ کر بیٹھ گئی تو اس صحابی کے دل میں ایک لمحہ کے لئے یہ خیال پیدا ہوا کہ میرا باغ کتنا گھنا اور کتنا پھلدار ہے کہ اس سے باہر نکلنے کا فاختہ بھی راستہ نہیں پا سکی جب نماز سے فارغ ہوئے۔ ضمیر نے ملامت کی کہ اس باغ نے ایک لمحہ کے لئے غافل کر دیا ہے اپنے باغ سے باہر آئے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی وامی) کی بارگاہ میں حاضر ہوئے کہ اے اللہ کے محبوب میں اپنا فلاں باغ فی سبیل اللہ آپ کی خدمت میں بطور صدقہ پیش کرتا ہوں آپ اسے جہاں چاہیں اور جس طرح چاہیں اسے خرچ کریں اور اس میں تصرف کریں یہ ہے اخص الخواص کا تقویٰ اولیائے کرام کے اس قسم کے واقعات سے تاریخ کے صفحات لبریز ہیں۔

حضور ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک تقویٰ کی سب سے موثر اور آسان تعبیر یہ ہے۔ اَلتَّقْوٰى ان لَّا يَرَاكَ اللّٰهُ حَيْثُ نَهَاكَ وَلَا يَفْقُدُكَ حَيْثُ اَمَرَكَ یعنی تیرا رب تجھے وہاں نہ دیکھے جہاں جانے سے اس نے تجھے روکا ہے۔ اور اس مقام سے تجھے غیر حاضر نہ پائے جہاں حاضر ہونے کا اس نے تجھے حکم دیا ہے۔

جب انسان تقویٰ کے اس درجہ پر فائز ہوتا ہے تو اسے اللہ کا دوست اور ولی ہونے کا شرف حاصل ہو جاتا ہے۔

اولیاء اللہ کون ہیں؟

اولیاء ولی کی جمع ہے اور ولی کا معنی ہم وہی لکھیں گے جو علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔ جس کی وضاحت مفسر قرآن حضور ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر ضیاء القرآن شریف میں کی ہے۔

آپ لکھتے ہیں یوں تو تمام مفسرین نے اپنے اپنے ذوق اور استعداد کے مطابق اس آیت کی تفسیر کی ہے لیکن حق یہ ہے کہ عارف باللہ علامہ مولانا ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان میں جتنی دلکشی، شیرینی اور جامعیت ہے اس کا جواب نہیں۔ اس لئے میں انہی کی خوشہ چینی کرتے ہوئے چند حقائق ھدیہ ناظرین کرتا ہوں آپ ولی کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

قاموس میں ہے اَلْوَلْیُ اَلْقُرْبُ وَالدُّنُوُّ یعنی وَلْیٌ کا معنی قرب اور نزدیکی ہے وَلِیٌّ اس سے اسم ہے۔ اس کا معنی ہے قریب، محب، صدیق اور مددگار۔ پھر فرماتے ہیں قرب کی دو قسمیں ہیں ایک وہ قرب جو ہر انسان بلکہ کائنات کے ذرہ ذرہ کو اپنے خالق سے ہے اور اگر یہ قرب نہ ہو تو کوئی چیز موجود نہ ہو سکے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (ہم شہ رگ سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں)۔ اس میں اس قرب کی طرف اشارہ ہے دوسرا قرب وہ ہے جو صرف خاص بندوں کو میسر ہے۔ اسے قرب محبت کہتے ہیں قرب کی ان دو قسموں میں نام کے اشتراک کے سوا کوئی وجہ مشترک نہیں۔ قرب محبت کے بے شمار درجے ہیں۔ ایک سے ایک بلند ایک سے ایک اعلیٰ۔ ایمان شرط اول ہے۔ دولت ایمان سے مشرف ہونے کے بعد اہل عزم وہمت ترقی کے مختلف درجات طے کرتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ اس مقام بلند پر پہنچ جاتے ہیں جس کی وضاحت حضور رحمت عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمائی۔

لَا يَزَالُ الْعَبْدُ يَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اَحْبَبْتُهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ

(رواہ البخاری عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ)

"اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ بندہ نفلی عبادات سے میرے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں ہی اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور میں ہی اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے"۔

(رواہ البخاری)

قربِ محبت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرتبہ

اس قربِ محبت کا سب سے بلند اور ارفع مقام وہ ہے جہاں محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم فائز ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طائر ہمت جہاں محوِ پرواز ہے ان رفعتوں کو کوئی نہیں جان سکتا سوائے اس ذات بے ہمتا کے جس نے اپنے محبوب بندے کو یہ ہمتیں اور حوصلے ارزانی فرمائے۔ وَاَعْلٰی دَرَجَاتِهٖ نَصِیْبُ الْاَنْبِیَاءِ وَ نَصِیْبُ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَلَهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَرَقِّیَاتٌ لَا تَتَنَاهٰی اِلٰی اَبَدِ الْاٰبِدِیْنَ۔

صوفیاء کرام کی اصطلاح میں ولی اس کو کہتے ہیں جس کا دل ذکر الٰہی میں مستغرق رہے۔ شب و روز وہ تسبیح و تہلیل میں مصروف رہے۔ اس کا دل محبت الٰہی سے لبریز ہو اور کسی غیر کی وہاں گنجائش تک نہ ہو وہ اگر کسی سے محبت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لئے، اگر کسی سے نفرت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لئے یہی وہ مقام ہے جسے فنا فی اللہ کا مقام کہتے ہیں اَلْوَلِیُّ فِیْ اِصْطِلَاحِ الصُّوْفِیَّةِ مَنْ كَانَ قَلْبُهٗ مُسْتَغْرِقًا فِیْ ذِكْرِ اللّٰهِ یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَلَا یَفْتُرُوْنَ مُمْتَلِیًا بِحُبِّ اللّٰهِ تَعَالٰی لَا یَسَعُ فِیْهِ غَیْرُهٗ وَلَوْ كَانَ اٰبَاءَهُمْ اَوْ اَبْنَاءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ فَلَا یُحِبُّ اَحَدًا اِلَّا لِلّٰهِ وَلَا یُبْغِضُ اِلَّا لِلّٰهِ الخ (مظہری)

مرتبہ ولایت پر فائز ہونے کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ مرتبہ ولایت کے حصول کی یہی صورت ہے کہ بالواسطہ یا بلاواسطہ آئینہ دل پر آفتاب رسالت کے انوار کا انعکاس ہونے لگے اور پرتو جمال محمدی علی صاحبہا اجمل الصلوٰۃ واطیب التسلیمات قلب و روح کو منور کردے اور یہ نعمت انہیں کو بخشی جاتی ہے جو بارگاہ رسالت میں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نائبین یا اولیائے امت کی صحبت میں بکثرت حاضر رہیں۔

مسنون طریقہ سے کثرت ذکر اس نسبت کو قوی کرتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ شَيْءٍ صَقَالَةٌ وَصَقَالَةُ الْقَلْبِ ذِكْرُ اللّٰهِ (رواہ البیہقی) ہر چیز کے زنگ کو دور کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی چیز ہوتی ہے اور دل کا زنگ ذکر اللہ سے دور ہوتا ہے۔

انہیں نفوس قدسیہ کی صحبت و ہم نشینی کے متعلق احادیث طیبہ میں بار بار ترغیب و شوق دلایا گیا ہے۔ چنانچہ آئمہ حدیث حضرات مالک، احمد، طبرانی وغیرہم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَجَبَتْ مَحَبَّتِىْ لِلْمُتَحَابِّيْنَ فِىَّ وَ فِىْ الْمُتَجَالِسِيْنَ فِىَّ وَالْمُتَزَاوِرِيْنَ فِىَّ وَالْمُتَبَاذِلِيْنَ فِىَّ یعنی میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان لوگوں سے میں ضرور محبت کرتا ہوں جو آپس میں میری وجہ سے پیار و محبت کرتے ہیں۔ میری رضا جوئی کے لئے ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں اور میری خوشنودی کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے بارگاہ رسالت میں عرض کی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ تَقُوْلُ فِىْ رَجُلٍ اَحَبَّ قَوْمًا وَلَمْ يَلْحَقْ بِهِمْ قَالَ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (متفق علیہ) اے اللہ کے پیارے رسول! اس شخص کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا ارشاد فرماتے ہیں جو ایک قوم سے محبت کرتا ہے لیکن عمل و تقویٰ میں ان کے برابر نہیں۔ فرمایا ہر شخص کی سنگت اس کے ساتھ ہوگی جس کے ساتھ وہ محبت کرتا ہے۔ (ضیاء القرآن)

اس مقام پر اس کی وضاحت کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ قرب محبت اور عرفان الٰہی دو طریقوں سے حاصل ہوتا ہے۔

نمبر ۱:- اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے اور اس کی عبادت کرنے سے۔

نمبر ۲:- اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کسی مقبول بندے کی نگاہ لطف و کرم سے۔

چونکہ انسان کا دل آئینہ کی طرح ہوتا ہے اور جب کوئی انسان گناہ کرتا ہے تو اس پر ایک سیاہ نشان بن جاتا ہے اور اس طرح مسلسل گناہوں سے سارا دل سیاہ اور تاریک ہو جاتا ہے اور اس کی سیاہی، ظلمت اور تاریکی ذکر الٰہی سے صاف ہو جاتی ہے اور جب دل کا آئینہ صاف شفاف اور اجلا ہو جاتا ہے تو اس میں تقدیر الٰہی منعکس ہو جاتی ہے اور پھر اس انسان کے نزدیک قرب و بعد کا کوئی مسئلہ نہیں رہتا اور اسے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ کون اللہ کی تقدیر میں سعید ہے اور کون شقی ہے اور جب وہ اللہ تعالیٰ کے بندے عاجزی وانکساری اور خلوص نیت سے دعا کرتے ہیں تو کئی بدبختوں کی بدبختی اور شقیوں کی شقاوت نیک بختی اور سعادت مندی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر مظہری میں يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَ يُثْبِتُ الخ کی تفسیر کرتے ہوئے ایک واقعہ لکھا ہے اس کا خلاصہ عرض خدمت ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے نگاہ کشف سے دیکھا کہ آپ نے دونوں صاحبزادوں حضرت محمد سعید اور حضرت محمد معصوم کے استاذ ملا طاہر لاہوری کی پیشانی پر شقی (بدبخت) لکھا ہوا ہے آپ نے اس کا تذکرہ اپنے دونوں بچوں سے کیا۔ ان دونوں نے گزارش کی کہ آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے استاذ کی شقاوت کو سعادت سے بدل دے حضرت مجدد نے فرمایا کہ میں نے لوح محفوظ میں دیکھا کہ یہ قضائے مبرم ہے۔ اس کو بدلا نہیں جا سکتا۔ بچوں نے پھر بھی دعا کے لئے اصرار کیا آپ کو یاد آیا کہ حضرت غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس اللہ اسرارہ نے فرمایا کہ اِنَّ الْقَضَاءَ الْمُبْرَمَ اَيْضًا يُرَدُّ بِدَعْوَتِيْ کہ قضائے مبرم بھی میری دعا سے بدل جاتی ہے۔ تو میں نے بارگاہ

الٰہی میں دعا کی۔ اَللّٰھُمَّ رَحْمَتُکَ وَاسِعَۃٌ وَفَضْلُکَ غَیْرُ مُقْتَصِرٍ عَلٰی اَحَدٍ اَرْجُوْکَ وَاَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَمِیْمِ اَنْ تُجِیْبَ دَعْوَتِیْ فِیْ مَحْوِ کِتَابِ الشَّقَاءِ مِنْ نَاصِیَۃِ مُلَّا طَاہِرٍ وَاِثْبَاتِ السَّعَادَۃِ مَقَامَہٗ کَمَا اَجَبْتَ دَعْوَۃَ سَیِّدِ السندِ رضی اللّٰہ عنہ کہ اے اللہ! تیری رحمت بڑی وسیع ہے۔ تیرا فضل کسی ایک پر بند نہیں میں امیدوار ہوں اور سوال کرتا ہوں کہ اپنے فضل عمیم سے میری اس التجاء کو قبول فرما۔ ملا طاہر کی پیشانی سے شقی کا لفظ مٹا کر سعید کا لفظ ثبت فرما۔ جس طرح تو نے حضرت غوث الاعظم کی دعا قبول فرمائی تھی۔ حضرت مجدد فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ان کی پیشانی سے شقی کا لفظ مٹا دیا گیا اور سعید کا لفظ لکھ دیا گیا۔

حضرت علامہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ قضائے مبرم سے یہاں وہ قضا مراد ہے جو لوح محفوظ میں کسی امر سے معلق نہ تھی بلکہ شکل مبرم تھی لیکن علم الٰہی میں وہ قضائے معلق تھی۔

رحمۃ اللہ علہ و علی امثالہ و افاض منبرکاتھم و فیوضھیم

(منقول از ضیاء القرآن)

نگاہ ولی میں یہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

اولیاء اللہ کی دو قسمیں

۱۔ طالب اور مرید ۲۔ مطلوب اور مراد

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ ہیں جو طالب اور مرید ہیں دوسرے وہ ہیں جو مطلوب اور مراد ہیں ایک وہ ہیں جو محب ہیں اور ایک وہ ہیں جنہیں محبوبیت کی خلعت فاخرہ سے سرفراز کیا گیا ہے۔ سابقہ احادیث میں جن اولیاء کا ذکر ہوا۔ وہ طالب اور مرید ہیں اور جو مطلوب اور مراد ہیں جو مقصود اور محبوب ہیں ان کے احوال کا بیان اس حدیث میں ہے۔ جو امام مسلم نے اپنی صحیح میں اور دیگر علمائے حدیث نے اپنی اپنی کتب احادیث میں روایت کی ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ اِذَا اَحَبَّ عَبْدًا دَعَا جِبْرَئِیْلَ فَقَالَ اِنِّیْ اُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبَّهُ قَالَ فَیُحِبُّهُ جِبْرَئِیْلُ ثُمَّ یُنَادِیْ فِی السَّمَاءِ فَیَقُوْلُ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبُّوْهُ فَیُحِبُّهُ اَهْلُ السَّمَاءِ ثُمَّ یُوْضَعُ لَهُ الْقُبُوْلُ فِی الْاَرْضِ وَاِذَا اَبْغَضَ عَبْدًا دَعَا جِبْرَئِیْلَ فَیَقُوْلُ اِنِّیْ اُبْغِضُ فُلَانًا فَاَبْغِضْهُ قَالَ فَیُبْغِضُهُ جِبْرَئِیْلُ ثُمَّ یُنَادِیْ فِیْ اَهْلِ السَّمَاءِ اَنَّ اللّٰہَ یُبْغِضُ فُلَانًا فَاَبْغِضُوْهُ قَالَ فَیُبْغِضُوْنَهُ ثُمَّ یُوْضَعُ لَهُ الْبَغْضَاءُ فِی الْاَرْضِ۔

"یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو بلاتا ہے اور فرماتا ہے۔ اے جبریل! میں اپنے فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر۔ پس جبریل بھی اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ پھر وہ آسمان میں منادی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فلاں بندے سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو پھر سب اہل آسمان اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر زمین میں اس کی مقبولیت کا چرچا ہو جاتا ہے (اور لوگ اس کے گرویدہ ہو جاتے ہیں) اس طرح جس کو اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے تو جبریل کو بھی اسے ناپسند کرنے کا حکم ملتا ہے پھر جبریل آسمان میں اس کے ناپسند اور مبغوض ہونے کی منادی کرتے ہیں آسمان والے اس سے بغض کرنے لگتے ہیں پھر زمین میں اس کے متعلق نفرت و بغض کا جذبہ بڑھنے لگتا ہے"۔

اولیاء اللہ کی پہچان کی علامات

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان علامات و خصوصیات کا ذکر بھی فرمایا ہے جن سے ان مخزن خیرات و برکات ہستیوں کو پہچانا جا سکتا ہے۔ چنانچہ علامہ موصوف نے چند احادیث ذکر کی ہیں جو ہدیہ ناظرین ہیں۔

۱- حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے پوچھا گیا مَنْ اَوْلِیَاءُ اللّٰہ کہ اولیاء اللہ کون ہیں۔ فرمایا اَلَّذِیْنَ اِذَا رُأُوْا ذُکِرَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ وہ لوگ جن کے دیدار سے خدا یاد آ جائے۔

۲- حضرت اسماء بنت یزید نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو یوں گوہر افشانی کرتے ہوئے سنا (اے حاضرین) کیا میں تمہیں ان لوگوں پر آگاہ نہ کروں جو تم سب سے بہتر ہیں سب نے عرض کی بَلٰی یارسول اللہ! اے اللہ کے رسول ضرور بتایئے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِذَا رُئُوْا ذُکِرَ اللّٰہُ جب ان کی زیارت کی جائے تو اللہ یاد آجائے۔ کیونکہ ان کے دل وہ آئینہ ہیں جس میں تجلیات الٰہیہ کا عکس پڑ رہا ہے اور جب کوئی چیز ایسے آئینہ کے مقابلہ میں رکھی جاتی ہے جس پر سورج کی کرنیں پڑ رہی ہوں تو وہ چیز بھی روشن ہو جاتی ہے۔ بلکہ اگر آئینہ کا عکس روئی پر ڈالا جائے تو وہ جلنے لگتی ہے۔ حالانکہ سورج کی کرنیں اگر بلاواسطہ پڑیں تو وہ نہیں جلتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سورج سے دور ہے اور آئینہ سے قریب۔

نیز اولیاء کرام میں دو قسم کی قوتیں ہوتی ہیں اثر قبول کرنے کی اور اثر کرنے کی۔ پہلی قوت کی وجہ سے وہ بارگاہ الٰہی سے فیض و تجلی کو قبول کرتے ہیں اور دوسری قوت سے وہ ان ارواح و قلوب کو فیض پہنچاتے ہیں۔ جن کا ان سے روحانی لگاؤ اور قلبی مناسبت ہوتی ہے اس لئے اگر کوئی شخص انکار اور تعصب سے پاک ہو کر ان کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے تو وہ ان کے فیوض و برکات سے ضرور بہرہ مند ہوتا ہے۔

یعنی جن کا ایمان اللہ تعالیٰ کی توحید، حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت قرآن کی حقانیت پر اتنا مستحکم ہوتا ہے کہ کوئی ابلیسی وسوسہ اندازی اور کوئی مصیبت اسے متزلزل نہیں کر سکتی اور ان کا ظاہر و باطن تقویٰ کے نور سے جگمگا رہا ہوتا ہے۔ ان تمام اعمال اور اخلاق سے ان کا دامن یکسر مبرا ہوتا ہے جو ان کے خالق کو ناپسند ہیں۔ شرک جلی، شرک خفی، حسد، کینہ، غرور و تکبر اور ہوا و ہوس۔ غرضیکہ تمام اخلاق ذمیمہ سے وہ پاک ہوتے ہیں۔ یہی تقویٰ کا وہ بلند مقام ہے جہاں جب انسان پہنچتا ہے تو اسے خلعت ولایت سے مشرف کیا جاتا ہے اور اس پیکر عجز و نیاز کو وہ سربلندی عطا کی جاتی ہے جسے دنیا رشک بھری نظروں سے

دیکھتی ہے حضرت سیدنا فاروق اعظم سے مروی ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰہِ لَاُنَاسٌ مَا ھُمْ بِاَنْبِیَاءٍ وَلَا شُھَدَآءٍ یَغْبِطُھُمُ الْاَنْبِیَاءُ وَالشُّھَدَاءُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ بِمَکَانِھِمْ مِنَ اللّٰہِ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَخْبِرْنَا مَنْ ھُمْ وَمَا اَعْمَالُھُمْ فَلَعَلَّنَا نُحِبُّھُمْ قَالَ ھُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوْا فِی اللّٰہِ عَلٰی غَیْرِ اَرْحَامٍ بَیْنَھُمْ وَلَا اَمْوَالٍ یَتَعَاطُوْنَ بِھَا فَوَاللّٰہِ اِنَّ وُجُوْھَھُمْ لَنُوْرٌ وَاِنَّھُمْ عَلٰی مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ لَا یَخَافُوْنَ اِذَا خَافَ النَّاسُ وَلَا یَحْزَنُوْنَ اِذَا حَزِنَ النَّاسُ ثُمَّ قَرَاَ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ

(قرطبی)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ کے بندوں میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو نہ نبی ہیں اور نہ شہید۔ لیکن قیامت کے دن قرب الٰہی کی وجہ سے انبیاء اور شہداء ان پر رشک کریں گے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہمیں بتائیے وہ کون ہیں، ان کے اعمال کیا ہیں تا کہ ہم ان سے محبت کریں۔ فرمایا وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے لئے آپس میں محبت کرتے ہیں۔ نہ ان میں کوئی رشتہ ہے اور نہ مالی منفعت۔ بخدا ان کے چہرے سراپا نور ہوں گے اور نور کے منبروں پر انہیں بٹھایا جائے گا۔ دوسرے لوگ خوفزدہ ہوں گے اور انہیں کوئی خوف نہ ہوگا۔ لوگ حزن و ملال میں مبتلا ہوں گے لیکن انہیں کوئی حزن و ملال نہ ہوگا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔

عارف روم نے کیا خوب فرمایا ہے۔

مگسل از پیغمبر ایام خویش
تکیہ کم کن بر فن و برگام خویش

اپنا تعلق رسول کریم سے مت توڑو اپنے علم وفن اور اپنے زور بازو پر زیادہ بھروسہ نہ

کرو۔

گرچہ شیری چوں روی راہ بے دلیل
ہمچوں روباہ در ضلالی و ذلیل

تو شیر ہی کیوں نہ ہو اگر تو اس راہ پر رہنما کے بغیر چلے گا تو لومڑی کی طرح گمراہ اور ذلیل ہو جائے گا۔

میرالا کہ با پرہائے شیخ
تا بہ بینی عون و لشکر ہائے شیخ

اپنے پیر و مرشد کے پروں کے بغیر اڑنے کی کوشش نہ کرو تب تجھے اپنے مرشد کی مدد اور لشکر کا پتہ چلے گا۔

جنت وکامیابی کی بشارت دینے والا کون؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں یہ مژدہ حضور اپنی زبان حق ترجمان سے دیا کرتے تھے کہ فلاں فلاں کو جنت کی بشارت ہے۔ جس طرح متعدد صحابہ کرام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحۃً جنتی ہونے کی خوشخبری دی چنانچہ فرمایا: اَبُوْبَکْرٍ فِی الْجَنَّۃِ وَ عُمَرُ فِی الْجَنَّۃِ وَ عُثْمَانُ فِی الْجَنَّۃِ وَ عَلِیٌّ فِی الْجَنَّۃِ وَالزُّبَیْرُ فِی الْجَنَّۃِ وَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ فِی الْجَنَّۃِ وَ سَعْدُ بْنُ اَبِیْ وَقَّاصٍ فِی الْجَنَّۃِ وَ سَعِیْدُ بْنُ زَیْدٍ فِی الْجَنَّۃِ وَ اَبُوْ عُبَیْدَہ بْنُ الْجَرَّاحِ فِی الْجَنَّۃِ (ترمذی) یعنی ان دس حضرات کے نام لے کر فرمایا کہ یہ جنتی ہیں۔ حضرت صدیق اکبر کو خصوصی طور پر یہ مژدہ سنایا اَمَا اَنَّکَ یَا اَبَابَکْرٍ اَوَّلُ مَنْ یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مِنْ اُمَّتِیْ (ابوداؤد) اے ابوبکر! تم میری امت میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہو گے یا حضرات حسنین کریمین کے متعلق فرمایا سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ۔ یہ دونوں جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔ بے شمار صحیح احادیث ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کثیر التعداد صحابہ کے نام لے لے کر خوشخبریاں دیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ خوشخبری بھی عالم بیداری میں بذریعہ کشف اور حالت خواب

میں بذریعہ رویاء صالحہ دی جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى لَهُمُ الْبُشْرٰى قَالَ هِيَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ يَرَاهَا الْمَرْءُ اَوْ تُرٰى لَهٗ۔ "میں نے اس آیت کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سچا خواب ہے جو کوئی شخص خود دیکھتا ہے یا اس کے متعلق کسی اور کو دکھایا جاتا ہے یا فرشتے آتے ہیں اور بالمشافہ ان کو ان بشارتوں سے شاد کام کرتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾۔

اب غور طلب امر یہ ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ادنیٰ غلاموں کو ان کے نیک انجام اور مراتب عالیہ پر فائز ہونے کی خوشخبریوں سے خورسند کیا جاتا ہے اور انہیں اپنے مستقبل کے بارے میں مطمئن کر کے ہر خوف وحزن سے پاک کر دیا جاتا ہے تو یہ کہنا کتنی بڑی جسارت بلکہ گستاخی ہے کہ حضور پر نور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ اپنے انجام کی خبر نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نور ایمان سے محروم نہ کر دے ورنہ حضرت انسان بایں جبہ و دستار برسر منبر لوگوں کے سامنے اس قسم کی ہرزہ سرائی کرتے ہوئے دکھائی دیتا ہے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ فرما کر یہ واضح کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول ولیوں کے ساتھ جن انعامات کے وعدے کئے ہیں اور جن بے پایاں عنایات اور نوازشات کی بشارتیں دی ہیں وہ قطعی ہیں۔ ان میں رد و بدل نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ ضرور اپنے مقبول بندوں کو ان نوازشات سے سرفراز فرمائے گا۔

مزید ارشاد فرمایا: ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ یہی بڑی عظیم کامیابی ہے۔ اس خوش نصیب کے طالع ارجمند کا کیا کہنا جس کا سفینہ حیات جب ساحل موت پر لنگر انداز ہو تو خداوند ذوالجلال کے فرشتے مرحبا صد مرحبا کہتے ہوئے اس کا استقبال کریں اور رضائے الٰہی کا تاج زرنگار اس کے سر نیاز پر رکھ دیں۔ مادی لذتوں میں مگن رہنے والوں اور فانی کامیابیوں کو اپنی زندگی کا منتہاء مقصود سمجھنے والوں کو کیا خبر کہ اس کامیابی میں کیا سرور ہے اور

یہ کامیابی کتنی بڑی کامیابی ہے۔ (منقول از ضیاء القرآن)

آخر میں یہ لکھ دینا فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ بندے اور اس کے مولیٰ کے درمیان جو غیر متناہی بعد اور دوری ہے وہ بندے کی کاوش سے کب طے ہوسکتی ہے۔ انسان کی برق رفتاری سب تھک ہار کر رہ جاتی ہے۔ ہاں جب وہ کرم فرماتا ہے اور اس کی توفیق آگے بڑھ کر دستگیری کرتی ہے تو سب مسافتیں سمٹ کر رہ جاتی ہیں اور چشم زدن میں انسان شاہد حقیقی کے جلوؤں سے لطف اندوز ہونے لگتا ہے۔ حضرت علامہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ صوفیاء کرام کا ارشاد ہے کہ قلب کا اصلی مقام عرش پر ہے اگر انسان اپنی عبادت وریاضت سے وہاں پہنچنا چاہے تو اسے پچاس ہزار سال سے زیادہ عرصہ درکار ہے (اور کون ایسا ہے جس کو اتنی عمر ملی ہو) لیکن مرشد کامل کی توجہ اور جذب سے نگاہ قدرت سالک کو چن لیتی ہے اور وہ قلیل عرصہ میں وہاں تک رسائی حاصل کر لیتا ہے لٰکِنْ ذٰلِکَ الْعُرُوْجُ اِنَّمَا یَحْصُلُ بِجَذْبِ الشَّیْخِ عَلٰی سَبِیْلِ الْاِجْتِبَاءِ قَالَ الْعَارِف الرومی قُدِّسَ سِرُّہٗ۔

سیر زاہد ہر شبے یک روزہ رہ
سیر عارف ہر دمے تا تخت شاہ

یعنی حریم ذات کی بلندیوں تک رسائی اور عروج اپنے شیخ کی توجہ اور جذب سے نصیب ہوتا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ نگاہ رحمت اسے چن لیتی ہے اور اسے واصل بحق کر دیتی ہے عارف رومی فرماتے ہیں کہ زاہد تو ایک رات میں ایک دن کی مسافت ہی طے کرتا ہے لیکن عارف کی سیر ہر آن بادشاہ حقیقی کے تخت تک ہوتی ہے۔

اس مذکورہ بالا کی وہ واقعہ بھی تائید کرتا ہے جو حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کشف المحجوب میں ذکر کیا ہے آپ لکھتے ہیں یہ بات مشہور ہے کہ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں مریدوں نے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے کہا اے شیخ! ہمیں کوئی ایسی نصیحت فرمایئے جس سے ہمارے دلوں کو راحت اور سکون نصیب ہو۔ آپ نے ان کی درخواست قبول نہ فرمائی۔ اور فرمایا کہ جب تک میرے شیخ حضرت سری رحمۃ اللہ

علیہ موجود ہیں میں کوئی نصیحت نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ آپ ایک رات سو رہے تھے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے جنید لوگوں کو نصیحت کی باتیں کہا کرو۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی کلام کو ایک عالم کی نجات کا سبب بنا دیا ہے جب آپ بیدار ہوئے تو دل میں خیال پیدا ہوا کہ میرا درجہ شاید میرے شیخ سری رحمۃ اللہ علیہ کے درجہ سے بڑھ گیا اسی لئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وعظ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک آدمی بھیجا کہ جب جنید رحمۃ اللہ علیہ نماز ادا کر لے تو اسے کہو کہ مریدوں کے کہنے سے تم نے انہیں کوئی نصیحت نہ کی اور مشائخ بغداد کی سفارش بھی تو نے رد کر دی اور میں نے پیغام بھیجا۔ تب بھی تم نے وعظ ونصیحت کا سلسلہ جاری نہ کیا۔ اب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ان کے حکم کی تعمیل ضرور کرنا چاہیے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اپنے شیخ کے اس ارشاد کے بعد میرے دل میں جو اپنے درجے کی بلندی کا خیال پیدا ہوا تھا۔ وہ نکل گیا اور مجھے معلوم ہو گیا کہ حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ میرے تمام احوال ظاہر و باطن سے آگاہ ہیں اور انہی کے صدقے مجھے یہ اعزاز حاصل ہوا ہے اور آپ کا درجہ میرے درجہ سے بہت بلند ہے۔ کیونکہ آپ میرے اسرار پر آگاہ ہیں۔ اور میں آپ کے احوال سے بالکل بے خبر ہوں۔ چنانچہ میں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے خیال سے استغفار کیا اور پھر آپ سے پوچھا کہ آپ کو کس طرح معلوم ہوا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے خواب میں اپنی ملاقات کا شرف بخشا اور مجھے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے کہ وہ حضرت جنید (رحمۃ اللہ علیہ) سے ارشاد فرمائیں کہ وہ لوگوں کو نصیحت کریں تا کہ بغداد والوں کی مراد پوری ہو۔ اس حکایت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مرشد جس حالت میں بھی ہو اپنے مریدوں کے حالات سے آگاہ ہوتا ہے۔ (کشف المحجوب صفحہ نمبر ۲۰۴)

اگر مرشد اپنے مرید سے ناراض ہو جائے اور اس سے روگردانی کر لے تو وہ اسے ولایت سے محروم کر سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں بھی حضرت جنید (رحمۃ اللہ علیہ) کا ایک واقعہ

منقول ہے۔

آپ کا ایک مرید تھا اس کے دل میں آپ کے متعلق غلط خیال پیدا ہوا اور اس نے سمجھا کہ شاید وہ ایک درجہ اوپر پہنچ چکا ہے۔ اس لئے اس نے آپ کی خدمت میں حاضر ہونا ترک کر دیا۔ اور صرف اسی پر ہی اکتفاء نہ کیا بلکہ وہ ایک روز آپ کی آزمائش کرنے کیلئے آپ کے پاس آیا۔ کیونکہ آپ اس کے احوال سے واقف تھے اس لئے فوراً اس کے آنے کا مقصد سمجھ گئے۔ چنانچہ اس نے آپ سے کوئی سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سوال کا جواب تو الفاظ میں چاہتا ہے یا معنی میں؟ تو اس نے کہا کہ میں دونوں میں جواب چاہتا ہوں۔ تو آپ نے فرمایا اگر تو اس سوال کا جواب لفظوں میں چاہتا ہے تو اگر تو نے خود تجربہ کیا ہوتا۔ تو میرے آزمانے کی تجھے حاجت نہ ہوتی۔ اور تو یہاں آزمائش کے لئے نہ آتا۔ اور اگر تو جواب معنوی چاہتا ہے تو یہ ہے کہ میں نے تجھے ولایت سے معزول کر دیا ہے۔ چنانچہ اسی وقت اس مرید کا منہ سیاہ ہو گیا اور وہ چیخنے لگا۔ اور کہنے لگا کہ یقیناً اطمینان و راحت میرے دل سے چلے گئے ہیں اور توبہ اور استغفار میں مشغول ہو گیا اور اس فضول خیالی کو دل سے نکال دیا اور بسیار عاجزی اور انکساری کرنے لگا۔ تب حضرت جنید (رحمۃ اللہ علیہ) نے اس سے کہا کیا تجھے یہ معلوم نہ تھا کہ اولیاء اللہ بھیدوں اور مخفی کیفیات کو بھی جانتے ہیں اور تیرے اندر اتنی سکت نہیں کہ تو ان کی چوٹ برداشت کر سکے پھر آپ کو اس پر رحم آیا اور اسے معاف کر کے اسے دم کیا اور وہ اچھا ہو گیا اور اس کے بعد مشائخ کے معاملات میں تصرف کرنے سے توبہ کی۔ (کشف المحجوب صفحہ نمبر ۲۰۵)

میں دل کی اتھاہ گہرائیوں سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اولیاء کرام کی شان و عظمت سمجھنے کی توفیق مرحمت فرمائے آمین۔

اللهم صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلهم
و علی اله و اصحابه اجمعین - وما علینا الا البلاغ المبین
وما توفیقی الا بالله علیه توکلت و الیه انیب

پینسٹھواں وعظ

صبر کی اہمیت اور ماتم کی شرعی حیثیت

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ وَ نُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ (سورۂ بقرہ)

"(اے محبوب) خوشخبری سنائیے ان صبر کرنے والوں کو جو کہ جب پہنچتی ہے انہیں کوئی مصیبت تو کہتے ہیں کہ بے شک ہم صرف اللہ ہی کے لئے ہیں اور یقیناً ہم اس کی طرف لوٹنے والے ہیں یہی وہ (خوش نصیب) ہیں جن پر ان کے رب کی طرح طرح کی نوازشیں اور رحمت ہے اور یہی لوگ سیدھی راہ پر ثابت قدم ہیں۔"

(جمال القرآن)

ان مذکورہ بالا آیات طیبات میں اللہ تعالیٰ نے خوش بخت لوگوں کو اپنی نوازشات اور رحمتیں عطا کرنے کی بشارت سنانے کا اپنے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا ہے۔ کیونکہ جب تک انسان اس دنیا میں ہے رنج وغم اور مصیبت والم سے اسے کم وبیش دوچار ہونا ہی پڑتا ہے۔ قرآن کریم نے اپنے ماننے والوں کو اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونے دیا کہ اسلام کے دامن میں پناہ لینے سے وہ ہر طرح کی تکلیفوں اور مصیبتوں سے بچ گئے ہیں۔ البتہ قرآن شریف نے مسلمانوں کو صبر کی ایک ڈھال دے دی ہے جس سے وہ مصائب و حوادث کے بے رحم حملوں سے اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں۔ انہیں ایک ایسا عقیدہ دے دیا ہے جو ان کے سکون وقرار کو نازک ترین لمحوں میں بھی سلامت رکھ سکتا ہے ہر شخص جانتا ہے کہ جس

کے ہاتھ سے صبر کا دامن چھوٹ گیا۔ اس میں مقابلہ کی ہمت ختم ہو جاتی ہے اور مصیبتیں اسے خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جاتی ہیں لیکن اگر اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے مصائب کے سامنے ڈٹا رہے تو یہ کالے بادل خود بخود چھٹ جاتے ہیں۔ نیز جس کا یہ عقیدہ ہو کہ میں بھی اور میرا سب کچھ میرا اپنا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے وہ کسی کے مرنے یا کھیتی باڑی اور کاروبار میں نقصان واقع ہونے سے اتنا دلگیر ہی کیوں ہوگا کہ اس کا حوصلہ ٹوٹ جائے بلکہ وہ نئی جدوجہد کے لئے اپنے آپ کو تازہ دم پائے گا۔ اس لئے قرآن نے رنجیدہ واقعات کی طویل فہرست ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ وہ گر بھی بتا دیا جس پر عمل کر کے وہ ان نازک مرحلوں میں کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ اور وہ ہر مصیبت پر صبر کرنا اپنا شیوہ بنا لیتا ہے اور صبر جمیل کا مظاہرہ کرتا ہے۔ (ضیاء القرآن)

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اَلصَّبْرُ الْجَمِيْلُ هُوَ الَّذِىْ لَا شِكْوٰى فِيْهِ اِلَى النَّاسِ کہ صبر جمیل یہ ہے کہ تو کسی تکلیف کا شکوہ لوگوں کے سامنے نہ کرے اور صاحب عزیمت حضرات کا یہی شیوہ ہے کہ وہ کبھی بھی حرف شکایت زبان پر نہیں لاتے۔ (دلائل الخیرات ص ۲۹۳)

اور وہ لوگ جو مصائب و آلام اور پریشانیوں میں صبر کا دامن تھام لیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان باہمت اور عالی حوصلہ لوگوں کو یہ پیغام دیتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ کہ بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اس آیت طیبہ میں مع کا لفظ ذکر کیا گیا ہے اس سے خصوصی معیت مراد ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کی معیت۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سنگت سے وہ خاص سنگت مراد ہے جس کی ماہیت بیان نہیں ہو سکتی۔ صرف عارف ہی اس کو سمجھ سکتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

اور اللہ تعالیٰ انہیں یہ خوشخبری دیتا ہے کہ ان پر ان کے پروردگار کی طرح طرح کی برکتیں اور رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور انہیں سیدھی راہ پر ثابت قدمی سے چلنے کی توفیق مرحمت کی جاتی ہے۔ اور جو ان کا نقصان ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ان کو اس کا نعم البدل عطا فرماتا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ جو کسی بندے کو مصیبت پہنچتی ہے اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو بندہ مومن کے لئے اذیت اور تکلیف کا باعث بنتی ہے۔ اگر کسی کا کوئی عزیز یا بیٹا فوت ہو جاتا ہے وہ اس کی وفات پر جزع وفزع نہیں کرتا بلکہ یہ پڑھتا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ مِنْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْ لِیْ خَیْرًا مِنْھَا (ترجمہ) الحمدللہ ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اے اللہ تو مجھے اس مصیبت کا اجر عطا فرما اور مجھے اس کا نعم البدل عطا فرما۔ تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے میرے فرشتو! کہ تم نے میرے بندے کے بیٹے یا عزیز کی روح قبض کر لی ہے اور اس کے دل کا سکون چھین لیا ہے۔ تو اس میرے بندے نے اس وقت کیا کہا۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اس نے یہ پڑھا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا الیہ راجعون الخ تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِبْنُوْ لِعَبْدِیْ بَیْتاً فِیْ الْجَنَّۃِ وَ سَمُّوْہُ بَیْتَ الْحَمْدِ کہ تم میرے اس بندے کے لئے جنت میں گھر بناؤ اور اسے بیت الحمد کا نام دو۔ اور میں اسے اس کا نعم البدل بھی عطا فرماؤں گا۔

ائمہ کے نزدیک صبر کا مقام

صبر کی اہمیت بیان کرتے ہوئے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔
قَالَ اَلصَّبْرُ مِنَ الْاِیْمَانِ بِمَنْزِلَۃِ الرَّاْسِ مِنَ الْجَسَدِ فَاِذَا ذَھَبَ الرَّاْسُ ذَھَبَ الْجَسَدُ کَذٰلِکَ اِذَا ذَھَبَ الصَّبْرُ ذَھَبَ الْاِیْمَانُ (اصول کافی صفحہ ۴۱) کہ صبر کا ایمان سے اسی طرح کا تعلق ہے جس طرح جسم کے ساتھ سر کا تعلق ہے جب جسم سے سر جدا ہو جائے تو جسم بھی ختم ہو جاتا ہے اسی طرح جب صبر ختم ہو جائے تو ایمان ختم ہو جاتا ہے۔

اس مقام پر حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ارشاد گرامی کا ذکر کرنا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا بلکہ ایمان میں پختگی کا باعث ہوگا۔

واقعہ یہ ہوا کہ جب غزوہ احد میں بہت سارے مسلمان اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام شہید ہو گئے جن میں مصعب بن عمیر اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہم جیسے جوانمرد بھی تھے۔

تو جب حضور میدان احد سے اپنے صحابہ کرام کے ساتھ واپس مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مغموم پایا اور آپ کے چہرے کو افسردہ دیکھا تو آپ نے پوچھا کہ اے علی! کیا وجہ ہے کہ تو افسردہ ہے۔ تو آپ نے عرض کی کہ اے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! میں کیوں افسردہ نہ ہوں جبکہ میرے بہت سے ساتھی جام شہادت نوش فرما کر فردوس بریں میں پہنچ چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور نوازشات سے لطف اندوز ہورہے ہیں لیکن میں شہادت سے محروم رہا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے علی رضی اللہ عنہ! عنقریب وہ وقت آئے گا جب آپ کی مانگ سے لے کر آپ کی داڑھی مبارک کو خون سے رنگین کیا جائے گا۔ تو اس وقت صبر کرنا ہوگا سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم یہ تو یہ جانفزا سن کر گویا ہوئے کہ اے اللہ تعالیٰ کے محبوب میں تو اس وقت شکر کروں گا کیونکہ صبر مصیبت پہ ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی نعمت پر شکر ادا کیا جاتا ہے اور شہادت اللہ کی عظیم نعمت ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں گا۔

اس واقعہ سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں۔ نمبر (۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں صبر کی اہمیت کتنی عظیم تھی۔ نمبر (۲) جام شہادت نوش کرنا اس کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلام نعمت عظمیٰ یقین کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان پاک نفوس کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مستقبل میں ہونے والے واقعات سے بھی باخبر ہیں۔

بخاری شریف میں مذکور ہے کہ غزوہ بدر کے موقعہ پر ایک انصاری عورت کا اکلوتا بیٹا شہید ہوگیا وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں اور عرض کی۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھے یہ ارشاد فرمائیں کہ میرا اکلوتا بیٹا جو شہید ہو گیا ہے وہ جنت میں ہے یا دوزخ میں اگر وہ جنت میں ہے تو میں اس پر صبر کروں اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت عظیمہ کا شکر ادا کروں اور اگر وہ جنت میں نہیں تو پھر میں اس پر خوب دل کھول کر روؤں اور اس کا ماتم کروں۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا عَلَيْكِ الصَّبْرُ وَالشُّكْرُ کیونکہ تیرا

بیٹا جنت کے اس مقام پر ہے جس کو فردوس اعلیٰ کہتے ہیں تو گویا آپ زمین پر ہوتے ہوئے عالم برزخ کو دیکھ رہے ہیں۔

اور مصیبت کے وقت صبر نہ کرنا اعمال کے ضائع ہونے کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ حضرت ابوعبداللہ جعفر الصادق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَرْبُ الْمُسْلِمِ يَدَهٗ عَلٰى فَخِذِهٖ عِنْدَالْمُصِيْبَةِ اِحْبَاطٌ لِاَجْرِهٖ۔

"کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مصیبت کے وقت مسلمان کا اپنی ران پر (بے صبری کرتے ہوئے) ہاتھ مارنا اس کے نیک اعمال کا اجر ضائع کر دیتا ہے۔

(فروع کافی ص ۱۲۲، ج ۱)

ماتم زمانہ جاہلیت کی رسم

ماقبل صفحات پر جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے صبر کی اہمیت اور اس کا اجر وثواب واضح ہو جاتا ہے، اب یہ دیکھنا ہے کہ ماتم کرنا اور مصیبت کے وقت بے صبری کا مظاہرہ کرنا کیسا ہے۔ اس سلسلہ میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک ارشاد گرامی ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ماتم کرنا اور نسب میں تہمت لگانا یہ زمانہ جاہلیت کی خصلتوں میں سے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِثْنَانِ فِي النَّاسِ هُمَا بِهِمْ كُفْرٌ اَلطَّعْنُ فِي النَّسَبِ وَالنِّيَاحَةُ عَلَى الْمَيِّتِ۔ کہ لوگوں میں دو خصلتیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے وہ کفر میں مبتلا ہیں کسی کے نسب پر تہمت لگانا اور میت پر نوحہ کرنا۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ نسب پر تہمت لگانا اور ماتم کرنا حرام ہے اور اگر ان کو جائز اور حلال سمجھ کر کیا جائے تو یہ کفر ہے اور علماء نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ یہ دونوں خصلتیں زمانہ جاہلیت کی ہیں اور ان کی حرمت اس حدیث پاک سے بھی ثابت ہوتی ہے اور وہ آیات طیبات جن میں اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے کا حکم دیا ہے وہ بھی اس کی حرمت کی

واضح دلیل ہیں کیونکہ بے صبری کرنا یہ صبر کی ضد ہے اور بے صبری قطعی حرام ہے۔ اور حرام قطعی کا انکار کفر ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا۔ اے ایمان والو! صبر کرو اور صبر میں دشمن سے سبقت لے جاؤ۔ دوسرے مقام پر فرمایا یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ۔ اے ایمان والو! (مصیبت کے وقت) صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔

مزید وضاحت

عربوں میں یہ عام رواج تھا کہ جب ان کا کوئی آدمی فوت ہو جاتا یا اسے قتل کر دیا جاتا تو وہ اس پر کئی کئی دن سوگ مناتے۔ اس کا ماتم کرتے رہتے اور لوگوں سے بھی ماتم کرواتے، اس کے مرثیے پڑھتے، مفاخر بیان کرتے اور ایسے ایسے پر سوز انداز میں اشعار کہتے جنہیں پڑھ کر وہ خود بھی روتے اور سننے والوں کو بھی رلاتے۔ کیونکہ جو ان مرثیوں اور اشعار کو سنتا تو وہ اپنے آپ پر ضبط نہ کر سکتا اور وہ بھی آہ وزاری کرنے اور بین کرنے میں ان کے ساتھ مشغول ہو جاتا۔ کتب تاریخ سے ایسے دو واقعات ذکر کرنے پر اکتفا کرتا ہوں، جن سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی۔

زمانہ جاہلیت میں ایک عورت تھی جس کا نام خنساء تھا۔ وہ مشہور شاعرہ تھی اس کا کلام فصاحت و بلاغت کا معیار تھا۔ اس کے بھائی کو قتل کر دیا گیا۔ جو اس کی نظر میں بڑا ہی بہادر اور دلیر تھا۔ اس نے اپنے بھائی کے فراق میں ایسا قصیدہ منظوم کیا جسے پڑھ کر وہ خود بھی روتی اور سننے والوں کو بھی رلاتی تھی۔ اور اس کا وہ قصیدہ عربی لغت میں فصاحت و بلاغت کا معیار تصور کیا جاتا ہے۔ اپنے بھائی کے رنج والم کی وجہ سے رو رو کر اس نے اپنی قوت بصارت بھی ختم کر لی تھی۔ اور وہ نابینا ہو گئی تھی لیکن جب اسلام کی نورانی کرنوں نے اس کے دل کو نور ایمان سے روشن کر دیا اور وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئی۔ اس کے دل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عشق ایسا سمایا کہ اس کے دل کی کائنات بدل گئی۔ اور وہ تعلیمات اسلامیہ کی شیدائی بن گئی اور اسلام کے جھنڈے کو بلند کرنے کے لئے اپنے تینوں بیٹے جو

س کی زندگی کا بظاہر آخری سہارا تھے۔ جنگ قادسیہ میں مسلمانوں کے لشکر میں شامل کر دیئے وہ اپنے تینوں بیٹوں کو لے کر مسلمانوں کے امیر لشکر کے پاس حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ میں اسلام کی سربلندی کے لئے اپنے ان تینوں جگر گوشوں کو پیش کرتی ہوں انہیں قبول فرمایئے پھر اس نے اپنے تینوں بیٹوں کو اپنے پاس بلایا انہیں تھپکی دی اور یہ وصیت کی کہ اے میرے بیٹو! میں تمہیں دین اسلام کی سربلندی، اللہ اور اس کے رسول کی رضامندی اور حصول شہادت کے لئے میدان کارزار میں پیش کر رہی ہوں اور میں تم سے یہ وعدہ لیتی ہوں کہ تم مجاہدوں کی طرح جہاد کرو گے بزدلی کا مظاہرہ نہیں کرو گے۔ اور دشمن کی تمام ضربات کا نشانہ اپنی چھاتیوں کو بناؤ گے اور اگر تم میں سے کسی کی کمر میں زخم لگے ہوئے میں نے پالئے تو میں اس سے راضی نہیں ہوں گی اور قیامت کے دن اس سے باز پرس کروں گی۔ اس جنگ میں ایرانیوں نے بھی اپنی پوری فوجی قوت جھونک دی تھی اور مجاہدین اسلام نے بھی سردھڑ کی بازی لگانے کا عزم کر رکھا تھا گھمسان کا رن پڑا تین دن تک مسلسل جنگ ہوتی رہی دونوں جانب سے کشتوں کے پشتے لگ گئے اور مجاہدین اسلام کے شہداء میں وہ تینوں بھائی بھی شہید پائے گئے۔ جب جنگ ختم ہوئی اور مسلمان فتح یاب ہوئے اور حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کو اس کی اطلاع دی گئی تو وہ اپنے عصا کے آسرے چلتی ہوئی اپنے بیٹوں کی خبر گیری کرنے کے لئے میدان کارزار کی طرف چل پڑی راستہ میں اسے بتایا گیا کہ اے بوڑھی مومنہ! تیرے تینوں بیٹے شہادت کا جام نوش کر چکے ہیں تو اس نے یہ خبر بڑے حوصلے سے سنی نہ آہ وفغاں کیا۔ نہ واویلا کیا اور نہ ہی اپنے بیٹوں کی وفات پر کوئی مرثیہ کہا۔ بلکہ اس نے کہا مجھے اپنے بیٹوں کی نعشوں پر لے چلو میں انہیں دیکھنا چاہتی ہوں۔ لہٰذا اسے پکڑ کر اس کے بیٹوں کے پاس لے جایا گیا۔ اس نے کہا کہ میرے بیٹوں کی نعشوں کو الٹا کرو تاکہ میں ان کی پشتوں پر ہاتھ مار کر دیکھوں کہ کیا کوئی ضرب کسی کی پشت پر تو نہیں لگی ہوئی۔ لہٰذا انہوں نے اس کی فرمائش پر لاشیں الٹ دیں اور اس نے اپنے تینوں بیٹوں کی پشتوں پر جب ہاتھ پھیرا تو وہاں کسی ضرب کا نشان نہ پایا تو اس وقت اس نے بجائے اس کے کہ وہ

بین کرتی واویلا اور ماتم کرتی اس نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ شَرَّفَنِیْ بِشَھَادَۃِ ھٰؤُلَاءِ (کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے ان بیٹوں کی شہادت سے شرف بخشا ہے) یہ ہے اسلامی انقلاب جس نے اس ایک عورت کو اتنا جری، بہادر اور شجاع بنا دیا کہ جو پہلے غم واندوہ میں مبتلا کرنے والے مرثیے پڑھتی تھی۔ اب وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہی ہے اور شہادت کو اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت تصور کر رہی ہے۔

امرؤالقیس کا نام کون نہیں جانتا۔ وہ ایک مشہور ومعروف شاعر تھا۔ زمانہ جاہلیت کی کئی خوبیوں سے آراستہ تھا۔ جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے زمانہ جاہلیت کے رسم ورواج کے مطابق اپنی بیٹیوں کو وصیت کی کہ تم میرے مرنے کے بعد میری قبر پر خیمہ نصب کر کے ایک سال تک میرے مرثیے کہنا خوب سوگ منانا رونا اور ماتم کرنا۔ اور ایک سال کے بعد اسے ترک کر دینا پھر میں تمہیں معذور سمجھوں گا صرف یہی نہیں بلکہ عرب میں ایسی مخصوص عورتیں تھیں جو مرثیہ خوانی اور نوحہ کرنے میں مشہور تھیں وہ انہیں بلاتے بھاری رقوم پیش کرتے اور ان سے اپنے مرنے والوں پر مرثیہ خوانی کرواتے۔ اور یہ سلسلہ مسلسل کئی دنوں تک جاری رہتا۔ (بیضاوی شریف)

ان واقعات سے معلوم ہوا کہ یہ رسم بد زمانہ جاہلیت اور کفر میں عام تھی اور اسلام نے اسے حرام قرار دیا۔

اسی سلسلہ میں ایک اور واقعہ ملاحظہ فرمایئے جو اس مذکورہ بالا کی تائید کرتا ہے۔ حضرت عمرو ابن عاص جنہیں مصر فتح کرنے کا شرف حاصل ہوا جب ان کا اس دنیا سے رخصت ہونے کا وقت قریب آیا تو وہ بڑے بے چین ہو گئے۔ چارپائی پر کبھی ادھر پہلو بدلتے اور کبھی ادھر پہلو بدلتے اور زار وقطار روتے آپ کے صاحبزادگان نے پوچھا۔ کہ ابا جان! آپ اتنے کیوں پریشان ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے صدقے تمہارے گناہ معاف فرما دے گا۔ تو انہوں نے کہا کہ میری زندگی تین حصوں پر مشتمل ہے۔ میری زندگی کا پہلا مرحلہ سراپا کفر تھا۔ اگر اس میں میری موت آجاتی تو میں سیدھا جہنم رسید ہو جاتا

اور میری زندگی کا دوسرا مرحلہ وہ تھا جس میں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دیا اور آپ کی صحبت کا شرف نصیب ہوا اگر اس مرحلہ میں میں مر جاتا تو میں یقیناً سیدھا جنت میں چلا جاتا۔ لیکن میری زندگی کا وہ مرحلہ جو آپ کے بعد گزرا ہے۔ اس کے متعلق مجھے معلوم نہیں کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا اس لئے میں پریشان ہوں۔ لیکن میں تمہیں وصیت کرتا ہوں۔ جب میں مر جاؤں تو اس کے مطابق عمل کرنا۔

وَ قَالَ لِابْنِہٖ وَ ھُوَ فِیْ سِیَاقِ الْمَوْتِ اِذْ اَنَا مُتُّ فَلَا تَصْحَبْنِیْ نَائِحَۃٌ وَلَا نَارٌ وَاِذَا دَفَنْتُمُوْنِیْ فَشُنُّوْا عَلَیَّ التُّرَابَ شَنًّا ثُمَّ اَقِیْمُوْا حَوْلَ قَبْرِیْ قَدْرَ مَا یُنْحَرُ جُزُوْرًا وَیُقْسَمُ لَحْمُھَا ۔ حَتّٰی اَسْتَاْنِسَ بِکُمْ وَاَعْلَمَ مَاذَا اُرَاجِعُ بِرُسُلِ رَبِّیْ۔

(مسلم شریف رواہ مشکوۃ)

"کہ جب میں مر جاؤں تو میرے پیچھے نہ تو کوئی نوحہ اور بین کرنے والی لانا اور نہ ہی آگ۔ اور جب تم مجھے دفن کر دو اور میری قبر پر خوب مٹی ڈال دو تو میری قبر کے اردگرد اتنی دیر کھڑے ہو کر (کچھ پڑھتے رہنا) جتنی دیر قربانی کا جانور ذبح کیا جاتا ہے اور اس کا گوشت بنا کر تقسیم کیا جاتا ہے تا کہ میں تمہارے ساتھ مانوس رہوں اور میں جان لوں کہ میں اپنے رب کے قاصدوں (منکر نکیر) کو کیا جواب دیتا ہوں"۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ عربوں کے ہاں یہ عام رواج تھا کہ میت کے پیچھے مرثیے پڑھنے والیاں اور نوحہ کرنے والیاں نوحہ اور مرثیہ خوانی کرتی تھیں اور وہ میت کے ہمراہ آگ بھی لے جاتے تھے۔ کیونکہ اسلام نے ان دونوں قبیح رسموں کو حرام قرار دیا تھا۔ اسی لئے حضرت عمرو ابن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنی اولاد کو اس سے منع فرما دیا۔

صرف حرام ہی قرار نہیں دیا بلکہ ایسا کرنے والوں کو شدید وعید بھی سنائی ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے۔

مَنْ لَطَمَ الْخُدُوْدَ وَضَرَبَ الصُّدُوْرَ وَ شَقَّ الْجُیُوْبَ وَدَعَا

بِدَعْوی الْجَاھِلِیَّۃِ فَلَیْسَ مِنَّا۔ (بخاری شریف)

""کہ جس شخص نے مصیبت کے وقت اپنے رخساروں کو پیٹا اور سینہ کوبی کی اور گریبان چاک کئے اور زمانہ جاہلیت کی طرح غلط دعوے کئے یعنی بین اور واویلا کیا تو وہ ہم میں سے نہیں۔ یعنی وہ ہمارے طریقے پر نہیں"۔

اسی طرح موتہ کے مقام پر جب رومیوں کے ساتھ جنگ ہوئی جس میں رومیوں کے لشکر کی تعداد تقریباً ڈیڑھ لاکھ کے قریب تھی اور مسلمان مجاہدین کی تعداد بعض روایات کے مطابق تین ہزار یا اس سے کم و بیش تھی۔ اور اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جن تین جرنیلوں کے یکے بعد دیگرے نام منتخب فرمائے تھے وہ یہ تھے۔

نمبر ۱:- حضرت زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ۔

نمبر ۲:- حضرت جعفر طیار ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔

نمبر ۳:- حضرت عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ۔

ان تینوں حضرات نے یکے بعد دیگرے بہادری کے جوہر دکھاتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا۔ ادھر مدینہ طیبہ میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی شہادت اور دیگر جنگی حالات کی خبر دی اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی تعزیت کے لئے ان کے خاندان والوں کے ہاں تشریف لے گئے۔ اور آپ سے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی رفیقہ حیات اسماء بنت عمیس نے عرض کی کہ کیا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے ہیں تو آپ نے فرمایا ہاں انہیں آج شہادت کا شرف حاصل ہو گیا ہے۔ یہ سن کر ان کی بے ساختہ چیخ نکل گئی۔ یہ چیخ سن کر بہت سی عورتیں جمع ہو گئیں۔ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت یہ ارشاد فرمایا۔

یَا اَسْمَاءُ لَا تَقُوْلِیْ ھُجْرًا وَّلَا تَضْرِبِیْ خَدًّا کہ اے اسماء کوئی بیہودہ بات زبان پر نہ لانا اور اپنے رخساروں پر طمانچے نہ مارنا۔ پھر آپ نے یہ دعا فرمائی۔

اَللّٰھُمَّ قَدْ قَدِمَ جَعْفَرٌ اِلٰی اَحْسَنِ الثَّوَابِ وَاخْلُفْہُ فِیْ ذُرِّیَّتِہٖ

بِاَحْسَنِ مَا خَلَفْتَہ اَحَدًا مِنْ عِبَادِکَ فِی ذُرِّیَّتِہٖ

(السیر النبویہ لابن زینی دحلان جلد ۲ ص ۳۴۱)

"اے اللہ! جعفر کو بہترین ثواب عطا فرما اور اے اللہ! تو جعفر کی اولاد کے لئے اس کا بہترین قائم مقام بن جس طرح تو اپنے بندوں میں سے اپنے کسی بندے کا ان کی اولاد کے لئے قائم مقام ہوا ہے"۔

اس واقعہ سے یہ معلوم ہوا کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بھائی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ کو ماتم کرنے سے منع فرما دیا۔ ورنہ جس بے دردی کے ساتھ آپ کو شہید کیا گیا تھا اس پر آپ خود بھی ماتم فرماتے اور ان کے گھر والوں کو بھی ماتم کرنے کی اجازت دیتے۔ صرف آپ نے اپنے آنسو بہانے تک ہی اس کو محدود رکھا اور اپنے غم کو ہلکا کیا۔ آنسو بہانہ نا جائز اور حرام نہیں البتہ زبان سے واویلا کرنا، ہاتھ سے منہ پر طمانچے مارنا اور سینہ کوبی کرنا حرام اور نا جائز ہے۔

اہل السنہ والجماعت کی کتابوں سے اس قسم کے بے شمار دلائل نقل کئے جا سکتے ہیں جو ماتم کی حرمت پر دلالت کرتے ہیں لیکن اختصار کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جو حضرات ماتم کو صرف جائز ہی تصور نہیں کرتے بلکہ اس کے فضائل بیان کرتے ہوئے افراط کی حد تک پہنچ جاتے ہیں اور شرعی احکام کو بھی پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ نہ نماز پڑھتے ہیں اور نہ ہی انہیں جمعہ کی نماز ادا کرنے کی توفیق ہوتی ہے۔ ان کی کتابوں میں اس کے متعلق کیا لکھا گیا ہے؟ صبر پر بحث کے ضمن میں ان کی ایک معتبر کتاب اصول کافی کے دو حوالہ جات پیش کئے گئے ہیں۔ اب مزید انہی کی کتابوں کے حوالہ جات پڑھئے اور یہ خود فیصلہ فرمائیے کہ ان کے امام اور علماء کیا ذکر کرتے ہیں اور ان کے پیروکاروں کا عمل کیا ہے؟

حوالہ نمبر ۱:۔ فروع کافی اور جلاء العیون کے مصنفین نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آخری وقت میں حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو کی گئی وصیت کو اس طرح نقل کرتے ہیں۔

أَوْصَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِفَاطِمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا عِنْدَ الْوَفَاتِ وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ إِذَا أَنَا مِتُّ فَلَا تَخْمِشِيْ عَلَيَّ وَجْهًا وَلَا تُرْخِيْ شَعْرًا وَلَا تُنَادِيْ بِالْوَيْلِ وَلَا تُقِيْمِيْ عَلَيَّ نَائِحَةً

(جلاء العیون اردو ترجمہ ص ۴۳، ۷۴ جلد نمبر ا، فروع کافی ص ۲۲۸، جلد ۲)

"کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس دنیا سے رخصت ہونے کے وقت حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو وصیت فرمائی اور فرمایا (اے میری لخت جگر) جب میں فوت ہو جاؤں تو میری وجہ سے اپنا چہرہ نہ نوچنا، اپنے بال نہ کھولنا اور ہائے میں اجڑ گئی نہ پکارنا اور میرے اوپر کسی نوحہ کرنے والی کو کھڑا نہ ہونے دینا"۔

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے اپنے والد محترم کی وصیت کے مطابق خوب) کیا نہ خود ماتمی محافل منعقد کیں اور نہ ہی کسی کو یہ موقع میسر کیا کہ وہ آپ پر مرثیے پڑھے حہ کرے۔

ہ نمبر ۲:- حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا ایک فرمان جس کو نہج البلاغہ کے مصنف روایت کیا ہے وہ اس طرح ہے۔

وَ مِنْ كَلَامِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَهٗ وَ هُوَ يَلِيْ غُسْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ تَجْهِيْزَهٗ بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ لَقَدِ انْقَطَعَ بِمَوْتِكَ مَا لَمْ يَنْقَطِعْ بِمَوْتِ غَيْرِكَ مِنَ النُّبُوَّةِ وَالْإِنْبَاءِ بِالْغَيْبِ وَأَخْبَارِ السَّمَاءِ خُصِّصْتَ حَتّٰى صِرْتَ مُسَلِّيًا عَمَّنْ سِوَاكَ وَ عُمِّمْتَ حَتّٰى صَارَ النَّاسُ فِيْكَ سَوَاءً لَوْلَا أَنَّكَ أَمَرْتَ بِالصَّبْرِ وَ نَهَيْتَ عَنِ الْجَزَعِ لَأَنْفَدْنَا عَلَيْكَ مَاءَ الشُّئُوْنِ۔ (نہج البلاغہ ص ۳۴۳، ۸۱۹۳ مطبوعہ تہران)

"کہ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے جو آپ نے اس وقت فرمایا جب کہ

آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تجہیز و تکفین اور غسل سے فارغ ہوئے کہا (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ کی موت سے وہ چیزیں منقطع ہو گئی ہیں جو آپ کے غیر کی موت سے منقطع نہیں ہوئیں۔ نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبریں دینا اور آسمان کی طرف سے خبریں دینا بھی منقطع ہو گیا۔ آپ کو فضائل و کمالات سے خاص کیا گیا۔ حتیٰ کہ آپ کے غیروں سے انہیں چھین لیا گیا ہے۔ آپ کو کرامت کا تاج پہنایا گیا یہاں تک کہ آپ کے سامنے تمام لوگ برابر ہو گئے۔ اگر آپ نے صبر کرنے کا حکم نہ دیا ہوتا اور جزع و فزع کرنے سے منع نہ کیا ہوتا تو ہم رو رو کر آنکھوں کا پانی ختم کر دیتے"۔

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے اس قول سے یہ بات واضح ہو گئی کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ماتم کرنے، بے صبری کا مظاہرہ کرنے اور جزع فزع کرنے سے منع فرما دیا تھا اور ایسی جانکاہ مصیبت پر صبر کرنے کا حکم دیا تھا اور نہ غم کی وجہ سے آواز نکالے بغیر آنسو بہانا جائز ہے۔

ماتم کو جائز قرار دینے والوں کی متعدد تفاسیر میں لَا یَعْصِیْنَکَ کے جملہ کی تفسیر میں بالتفصیل ماتم نہ کرنے کی وضاحت کی گئی ہے۔

سورۃ ممتحنہ کی آیت نمبر ۱۲ میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مومن عورتوں کی بیعت کرنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے جبکہ وہ درج ذیل شرائط پر پورا اترنے کی بیعت کریں۔ ارشاد فرمایا:

يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

"اے نبی (مکرم) جب حاضر ہوں آپ کی خدمت میں مومن عورتیں تا کہ آپ

سے اس بات پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہیں لگائیں گی جھوٹا الزام جو انہوں نے گھڑ لیا ہو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان اور نہ آپ کی نافرمانی کریں گی نیک کام میں تو (اے میرے محبوب) انہیں بیعت فرمالیا کرو اور اللہ سے ان کے لئے مغفرت مانگا کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے"۔

(جمال القرآن)

اس آیت طیبہ میں لا یعصینک کی تفسیر کرتے ہوئے شیعہ مصنفین نے درج ذیل مکالمہ نقل کیا ہے جو ام الحکیم بنت حارث بن عبدالمطلب اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ہوا۔ انہوں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

مَا هٰذَا الْمَعْرُوْفُ الَّذِیْ اَمَرَنَا اللّٰهُ اَنْ لَا نَعْصِیَکَ فِیْهِ فَقَالَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ لَا تَخْمِشْنَ وَجْهًا وَلَا تَلْطُمْنَ خَدًّا وَلَا تَنْتِفْنَ شَعْرًا وَلَا تُمَزِّقْنَ جَیْبًا وَلَا تُسَوِّدْنَ ثَوْبًا وَلَا تَدْعُوْنَ بِالْوَیْلِ وَالثُّبُوْرِ وَلَا تُقِمْنَ عِنْدَ قَبْرٍ فَبَایَعَهُنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

"یارسول اللہ اس معروف سے کیا مراد ہے جس کا ہمیں اللہ نے حکم دیا ہے کہ ہم اس میں آپ کی نافرمانی نہ کریں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (وہ یہ ہے کہ) تم مصیبت کے وقت چہرہ نہیں نوچو گی، رخساروں پر طمانچے نہیں مارو گی اور اپنے بال نہیں نوچو گی اور اپنے گریبان چاک نہیں کرو گی اور نہ ہی اپنے کپڑے سیاہ کرو گی اور نہ ہی ہلاکت اور بربادی کے ساتھ بین کرو گی اور نہ ہی قبر پر کھڑے ہو کر روؤ گی تو ان شرائط پر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی"۔

(فروع کافی ص ۲۲۸ ج ۲، تفسیر قمی ص ۳۳۵، تفسیر مجمع البیان ص ۲۷۶ ج ۹، کتاب العلل والشرائع ص ۱۱۰ ج ۲)

اس وضاحت کے بعد ماتم کے ناجائز ہونے میں مزید کسی دلیل کی اگرچہ ضرورت نہیں لیکن تسلی کے لئے ان کی معتبر ترین کتابوں کے چند اور حوالہ جات بھی ملاحظہ فرمالیں۔

حوالہ نمبر ۴:- جلاء العیون کے مصنف حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی وہ وصیت جو آپ نے اس دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے فرمائی تھی۔ اس کے متعلق لکھتے ہیں۔

بداں اے فاطمہ کہ برائے پیغمبر گریباں نمی باید درید و رونمی باید خراشید و اویلا نمی باید گفت ولیکن بگو آنچہ پدر تو در وفات ابراہیم فرزند خود گفت کہ چشمان مے گیریند و دل بدر دے دے می آید و نمی گویم چیزے کہ موجب غضب پروردگار شد۔

(جلاء العیون ص ۵۸ ج ۱، اور اسی کتاب کا اردو ترجمہ ص ۶۶ ج ۱)

"کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے فاطمہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر افسوس کرتے ہوئے اپنا گریباں چاک مت کرنا اور اپنے چہرے کو مت پیٹنا اور واویلا نہ کرنا اور فرمایا لیکن تو اس مصیبت کے وقت وہی کچھ زبان سے کہہ جو تیرے باپ نے اپنے فرزند حضرت ابراہیم کی وفات کے موقعہ پر کہا تھا کہ ہماری آنکھیں رو رہی ہیں۔ ہمارا دل غمزدہ ہے لیکن میں ایسا بے صبری کا کوئی لفظ اپنی زبان سے نہیں کہوں گا جو پروردگار کے غضب کا سبب بنے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس دنیا سے رخصت ہونے والے پر نوحہ کرنے بین کرنے اور کسی قسم کی بے صبری کا مظاہرہ کرنے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اور جس کام سے اللہ ناراض ہو وہ حرام ہوتا ہے۔ اس لئے ماتم وغیرہ حرام ہوگا۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصیبت کے وقت باآواز بلند رونے، نوحہ کرنے اور اس کے سننے سے منع فرمایا ہے۔ عربی عبارت اس طرح ہے۔ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الرَّنَّةِ عِنْدَ الْمُصِيْبَةِ وَنَهٰى عَنِ النِّيَاحَةِ وَالْاِسْتِمَاعِ اِلَيْهَا۔

(من لا یحضرہ الفقیہ ص ۵۶۳ ج ۲، کتاب الامالی ص ۲۵۴)

نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو وصیت فرمائی کہ وہ عورتوں کو حماموں، شادیوں اور نوحہ وغیرہ کی جگہوں کی طرف جانے سے روک دیں۔

اَوْصَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ وَصِيَّةٍ لَهُ يَا عَلِيُّ مَنْ اَطَاعَ اِمْرَءَ تَهٗ اَكَبَّهُ اللّٰهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فِي النَّارِ فَقَالَ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَام وَمَا تِلْكَ الْاِطَاعَةُ قَالَ اِذْنٌ لَهَا فِي الذِّهَابِ اِلَى الْحَمَّامَاتِ وَالْعَرْسَاتِ وَالنَّائِحَاتِ وَلُبْسِ الرِّقَاقِ

(من لا یحضرہ الفقیہ ص ۴۴۸ ج ۲)

"نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی اور اس وصیت میں یہ فرمایا اے علی جس شخص نے اپنی عورت کی اطاعت کی اللہ تعالیٰ اسے منہ کے بل گھسیٹ کر آگ میں اوندھا گرا دے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا وہ اطاعت کیا ہے تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا وہ یہ ہے کہ انہیں حماموں کی طرف جانے اور شادی بیاہ کے موقعہ پر گانے بجانے اور مرنے والوں پر نوحہ کرنے والیوں میں شامل ہونے اور باریک لباس پہننے کی اجازت دینا ہے۔ اس سے بھی ماتم کی حرمت ثابت ہوئی"۔

سیدنا علی کی شہادت اور حضرت امام حسن کا امام حسین کو اطلاع دینا

وہ خط جو سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو اس وقت لکھا جب وہ مدائن میں تھے اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے شہادت پائی تھی۔ اس کی عبارت اس طرح ہے۔

لَمَّا اُصِيْبَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ صلوات اللّٰه عَلَيْهِ - نَعَى الْحَسَنُ اِلَى الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهُوَ بِالْمَدَائِنِ فَلَمَّا قَرَأَ الْحُسَيْنُ الْكِتَابَ قَالَ يَا لَهَا مِنْ مُصِيْبَةٍ مَا اَعْظَمَهَا مَعَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اُصِيْبَ مِنْكُمْ مِنْ مُصِيْبَةٍ

فَلْيَذْكُرْ مَصَابَهٗ بِیْ فَاِنَّهٗ لَنْ يُصَابَ بِمُصِيْبَةٍ اَعْظَمُ مِنْهَا وَ صَدَقَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (فروع کافی ص۱۱۹ ج۱)

''جب امیر المومنین حضرت علی صلوٰۃ اللہ علیہ کوشہید کیا گیا تو امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو آپ کی شہادت کی اطلاع دینے کے لئے خط لکھا کیونکہ وہ مدائن میں تھے۔ (شہادت کا واقعہ کوفہ میں وقوع پذیر ہوا) تو جب امام حسین رضی اللہ عنہ نے وہ خط پڑھا تو کہا کہ یہ کتنی عظیم مصیبت ہے (لیکن اس کے باوجود میں کوئی بے صبری کا لفظ زبان سے نہیں کہوں گا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم میں سے جس کو بھی کوئی مصیبت ہو تو وہ میری وفات کی مصیبت کو یاد کرے کیونکہ کسی کو بھی اس سے عظیم مصیبت ہرگز نہیں پہنچائی جائے گی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا''۔

شہادت کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنے بیٹوں کو وصیت کرنا

جب سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو رات کی تاریکی میں تہجد کی نماز ادا کرنے کے لئے جاتے ہوئے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہوئے عبدالرحمٰن ابن ملجم لعنتی نے زہر آلود تلوار کا وار کیا اور آپ زخمی ہو گئے اور آپ نے معلوم کر لیا کہ اب شہادت کا وقت قریب ہے تو آپ نے اپنے بیٹوں کو بلایا اور وصیت فرمائی کہ اے میرے بیٹو! میری وفات اور مصیبت پر اسی طرح صبر کرنا جس طرح فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا نے اپنے والد گرامی کی وفات پر صبر کیا تھا اور کسی قسم کا واویلا اور جزع وفزع نہیں کیا تھا۔ (مدارج النبوۃ)

میدان کربلا میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی حضرت زینب کو وصیت

دسویں محرم کی رات تھی۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے خاندان کی بیبیوں کے خیموں میں تشریف لے گئے اور انہیں عبادت کرنے کی تلقین فرمائی اور ساتھ ہی حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنی ہمشیرہ کو خصوصاً یہ وصیت کی۔ کہ اے زینب میں تمہیں خدا کا واسطہ

دیتا ہوں اور اس حق کا جو بھائی ہونے کے ناطے سے میرا تیرے اوپر ہے اور میں قسم دے کر کہتا ہوں کہ میری مصیبت اور مفارقت پر صبر کرنا۔ پس جب مجھے شہید کر دیا جائے تو ہرگز منہ نہ پیٹنا، اپنے بال نہ نوچنا، گریبان چاک نہ کرنا۔ تم فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی لخت جگر ہو۔ جیسا انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت صبر کیا تھا تم بھی اسی طرح میری مصیبت پر صبر کرنا۔ (انارۃ البصائر ص ۲۹۷)

مذکورہ بالا حوالہ جات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ مصیبت کے وقت اور کسی عزیز کی وفات پر بین کرنا، بے صبری کا مظاہرہ کرنا، سینہ کوبی کرنا، گریبان چاک کرنا، منہ پر طمانچے مارنا، سیاہ کپڑے پہننا، سر میں خاک ڈالنا تمام زمانہ جاہلیت کی رسومات ہیں جن کو شریعت اسلامیہ نے ناجائز اور حرام قرار دیا اہل بیت حضرات نے اس نہی کے مطابق خوب عمل کیا ہے۔

ماتم کی حرمت اور اس کے ناجائز ہونے کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے۔ یہ ان حضرات کی معتبر ترین کتابوں سے نقل کیا گیا ہے جو ماتم کو صرف جائز ہی قرار نہیں دیتے بلکہ اس کو بہت بڑی فضیلت، نیکی اور بخشش کا سبب شمار کرتے ہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت کی اس قبیح رسم کو نہ تو قرآن کریم اور نہ ہی سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جائز قرار دیا ہے بلکہ مصیبت اور کسی کے فوت ہونے پر صبر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی بخششوں اور اس کی نوازشات کی بشارت سنائی ہے اس کا آغاز کیسے ہوا؟

ماتم کی ابتداء کس نے کی

اسلام نے جہاں زمانہ جہالت کی اور قبیح رسموں کا خاتمہ کیا وہاں اس بری رسم کو بھی ممنوع قرار دے دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک وعید فرمائی کہ جو شخص مصیبت اور کسی کے فوت ہونے پر بے صبری کا مظاہرہ کرے منہ پر طمانچے مارے، گریبان چاک کرے، واویلا کرے اور میت کی خود ساختہ خوبیاں بیان کرکے روئے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

اور ایک دوسرے ارشاد میں جس کو صحیح مسلم شریف میں ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں جہالت کے چار کام ہیں (جو ناجائز ہیں) لوگ انہیں نہیں چھوڑیں گے (۱) حسب و نسب پر فخر کرنا (۲) نسب میں طعن کرنا (۳) بارش کے برسنے کی نسبت ستاروں کی طرف کرنا اور (۴) میت پر نوحہ کرنا۔ اور فرمایا کہ نوحہ کرنے والی نے اگر مرنے سے پہلے توبہ نہ کی تو قیامت کے دن (قبر سے) اس طرح کھڑی کی جائے گی کہ اس پر قمیض قطران یعنی گندھک اور خارش کی قمیض ہو گی۔ لیکن حقیقت میں یہ چاروں ممنوع ہیں۔ (صحیح مسلم شریف ص ۳۰۳ جلد ۱)

اسی طرح حضرت عمرۃ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب غزوۃ موتہ میں حضرت زید بن حارثہ جعفر بن ابی طالب اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شہادت کی خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ پر تشریف فرما ہوئے آپ کے چہرے پر از حد حزن و ملال کے آثار تھے آپ فرماتی ہیں کہ میں دروازے کی دراڑ سے دیکھ رہی تھی تو ایک آدمی آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اس نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جعفر کے گھر والیاں رو رہی ہیں تو آپ نے اسے حکم دیا کہ جاؤ اور انہیں اس سے منع کرو وہ گیا پھر واپس پلٹا اور کہنے لگا کہ وہ باز نہیں آتیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دوبارہ جانے کا حکم دیا اور انہیں منع کرنے کا کہا اس نے حکم کی تعمیل کی لیکن پھر واپس پلٹا تو کہنے لگا خدا کی قسم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ تو ہم پر غالب آ گئیں ہیں بات نہیں مانتیں عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا میرا یقین ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جاؤ اور ان کے مونہوں میں مٹی ڈال کر خاموش کر دو۔ الخ (صحیح مسلم شریف ص ۳۰۳ ج ۱ ط قدیمی کتب خانہ)

ان مذکورہ بالا روایات سے یہ معلوم ہوا کہ ماتم کی قبیح رسم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے روک دیا تھا پھر اس قبیح فعل کا آغاز کیسے ہوا؟

جہاں تک میں نے مطالعہ کیا ہے اور اس کا تاریخی پس منظر معلوم کرنے کی کوشش کی

ہے تو اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس کا آغاز کوفیوں نے کیا۔

وہ اس طرح کہ جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ انہوں نے اس وقت بے وفائی کی جب انہوں نے خطوط لکھ کر آپ کو کوفہ آنے کی دعوت دی یزید اور عبید اللہ بن زیاد کے مظالم کے خلاف بھرپور تعاون کی یقین دہانی کرائی لیکن دنیا کے لالچ اور ابن زیاد کے ڈر کی وجہ سے اپنے وعدے پورے نہ کئے اور آپ کے خاندان کو شہید کرنے اور تکالیف پہنچانے میں برابر کے شریک ہو گئے۔ اور ظلم و تعدی کی انتہا کر دی لیکن جو ان کی خواہش تھی وہ پوری نہ ہوئی نہ انہیں انعام و اکرام سے نوازا گیا اور نہ ہی انہیں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا گیا تو انہوں نے محسوس کیا کہ ہم نے دنیا کے حصول کے لئے اپنے دین کو برباد کیا اور اب اہل بیت کی محبت کا اظہار کر کے کچھ اس کا ازالہ کیا جائے اس لئے جب امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باقی ماندہ کنبہ کے افراد کو قیدی بنا کر کوفہ لایا گیا تو کوفیوں نے وہاں ماتم کرنا شروع کر دیا اور اس طرح اہل بیت کے ساتھ بے وفائی کا جو داغ ان کے ماتھوں پر کلنک کا ٹیکہ ثابت ہوا تھا اسے دھونے کی کوشش کی لیکن جب حضرت سیدنا علی بن حسین المعروف زین العابدین رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھا تو اپنے ہودج سے اپنا سر باہر نکالا اور ان سے پوچھا کہ تم کیوں رو رہے ہو اور کس کا ماتم کر رہے ہو تو انہوں نے جواب دیا ہم تو آپ کی مصیبت پر اور آپ کے خاندان سے محبت کی وجہ سے یہ ماتم کر رہے ہیں تو آپ نے بہت ہی نحیف آواز میں فرمایا اے اہل کوفہ تم مجھے یہ تو بتاؤ کہ اگر تمہیں ہماری مصیبت پر اتنا دکھ ہے اور تم اس وجہ سے رو رہے ہو اور واویلا کر رہے ہو تو مجھے بتاؤ وہ کون تھے جنہوں نے ہمارے اوپر یہ ظلم کیا اور ہمیں قتل کیا۔

جیسے اخبار ماتم کے مصنف نے تحریر فرمایا ہے۔

فَجَعَلَ اَهْلُ الْكُوْفَةِ يَنُوْحُوْنَ وَ يَبْكُوْنَ حَتّٰى اَطْلَعَ عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ رَأْسَهٗ وَ قَالَ بِصَوْتٍ ضَئِيْلٍ اَتَبْكُوْنَ مِنْ اَجْلِنَا فَمَنْ ذَا الَّذِيْ قَتَلَنَا۔ (اخبار ماتم صفحہ ۸۰۲)

اسی طرح حضرت سیدہ ام کلثوم بنت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کوفیوں کی یہ بے ہودگی دیکھ کر ڈانٹ کر فرمایا:

اِنَّ اُمَّ کُلْثُوم اَطْلَعَتْ رَأْسَهَا مِنَ الْمَحْمَلِ وَقَالَتْ لَهُمْ يَا اَهْلَ الْكُوْفَةِ يَقْتُلُنَا رِجَالُكُمْ وَتَبْكِيْ نِسَاءُ كُمْ فَالحَاكِمُ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْفَصْلِ لِلْقَضَايَا۔ (اخبار ماتم ص ۸۱۸)

کہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنا سر مبارک کجاوا سے باہر نکالا اور فرمایا اے کوفہ والوں سن لو تمہارے مرد ہمیں قتل کرتے ہیں اور تمہاری عورتیں ہم پر روتیں ہیں یَا لَلْعَجَبْ (کتنی تعجب کی بات ہے) ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان مقدمات کے فیصلے کرنے کے لئے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حاکم ہوگا۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ خاندان نبوت کی پاک نہاد خواتین نے کس نفرت کی نگاہ سے ان کے اس قبیح فعل کو دیکھا حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو امام حسین کی ہمشیرہ ہیں جو اس کرب و بلا کے وقت آپ کے ہمراہ تھیں اور جنہوں نے اپنے دونونہال صاجزادے محمد رضی اللہ عنہ اور عون رضی اللہ عنہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں بطور نذرانہ پیش کر دیئے تھے۔ انہوں نے کوفہ میں ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا اور نوحہ اور ماتم کرنے والوں کو ایسی بدعادی جو قیامت تک جاری رہے گی۔ آپ نے فرمایا:

يَا اَهْلَ الْكُوْفَةِ اَتَبْكُوْنَ وَ وَتَنُوْحُوْنَ اِىْ وَاللّٰهِ فَابْكُوْا كَثِيْرًا وَاضْحَكُوْا قَلِيْلًا۔ (اخبار ماتم ص ۸۰۵)

"اے کوفہ والو کیا تم ہم پر روتے ہو اور تم ہمارا ماتم کرتے ہو خدا کی قسم تم بہت زیادہ روتے رہو گے اور بہت کم ہنسو گے۔ یہ آپ کی اسی بددعا کا نتیجہ ہے کہ کوفیوں کے پیروکار قیامت تک ماتم کرتے رہیں گے"۔

یزید کے گھر ماتم

اسی طرح اہل شام نے بھی اپنے ماتھا سے ظلم و تعدی کا نشان مٹانے کے لئے ایسا ہی

عمل کیا کہ جب حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان کے افراد کو یزید کے دربار میں پیش کرنے کے لئے لایا گیا تو ان کی آمد پر یزید نے اپنے گھر والوں اور لونڈیوں کو حکم دیا کہ جب ہاشمی خاندان کی معزز بیبیاں ان کے پاس پہنچیں تو وہ بہت ہی زیادہ ہمدردی کا مظاہرہ کریں اور سوگ منائیں خوب ماتم کریں اور تین دن تک یہ سلسلہ جاری رکھیں۔ انہوں نے اس حکم کی تعمیل کی اور یہ عمل شروع کر دیا لیکن خاندان نبوت کی معزز خواتین نے ان کے ساتھ قطعاً شرکت نہ کی اور نہ ہی ان کے قبیح فعل کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا بلکہ اس سے الگ تھلگ رہیں۔

(اخبار ماتم ص ۹۶۸، تاریخ طبری ص ۳۰۶، جلاء العیون ص ۲۴۵ ج ۲)

نوٹ:- یزید کا یہ عمل ہاشمی خاندان کے ساتھ محبت، ہمدردی اور غم خواری کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اسے یہ خوف تھا کہ اہل شام کو جب یہ معلوم ہوگا کہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کا خاندان ہے اور ان پر بے جا ظلم و ستم کیا گیا ہے تو ان کے دلوں میں اس کے خلاف نفرت پیدا ہو جائے گی اور اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اس لئے اس نے اہل شام کو مطمئن کرنے کے لئے یہ سارا عمل کیا۔ علیہ ما علیہ۔ اس تمام تفصیل سے معلوم ہوا کہ ماتم کوفیوں اور شامیوں نے اپنی خفت مٹانے کے لئے شروع کیا تھا اس لئے میں اہل بیت کی محبت کے دعویداروں میں سے اہل عقل و فہم حضرات کو اپیل کرتا ہوں کہ وہ سوچیں کہ کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ماتم کا حکم دیا ہے؟ کیا آپ کے وصال پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے محافل ماتم منعقد کی ہیں؟ اور کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج مطہرات میں سے کسی نے ماتم کیا؟ یا آہ و فغاں کی؟

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انتقال ہو گیا تو ان کی چیخ نکل گئی اور انہوں نے اپنی رانوں پر ہاتھ مارا۔ اس کے متعلق گزارش یہ ہے کہ کیا اس قسم کے واقعات سے مروجہ ماتم کی صورت کا کوئی جواز ثابت ہوتا ہے جبکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر جب غم واندوہ کا پہاڑ ٹوٹا اور ان کے سر کا

تاج ان سے رخصت ہوا تو بے خبری کے عالم میں نادانستہ طور پر ان سے یہ حرکت صادر ہوئی لیکن بعد میں آپ اس پر بھی از حد نادم اور شرمندہ تھیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رو رو کر التجائیں کرتی تھیں کہ یا اللہ! یہ جو نادانستہ طور پر مجھ سے فعل صادر ہوا ہے۔ اسے معاف فرمانا اور اس پر میرا مواخذہ نہ کرنا۔ اس لئے ماتم کی مروجہ صورت کے لئے اسے وجہ جواز بنانا قطعاً جائز نہیں۔

کیا سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے شہادت سے پہلے اپنے صاحبزادگان کو صبر کرنے کی تلقین نہیں فرمائی تھی؟ اور آپ نے ماتم کرنے سے منع نہیں کیا تھا۔ کیا حسنین کریمین نے اور بنو ہاشم کی دوسری خواتین نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، فاطمۃ الزہرا اور حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی وفات پر ماتم کیا؟ کیا بارہ اماموں میں سے کسی امام نے مجالس عزا منعقد کیں؟ کیا یہ سچ نہیں کہ حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ بجائے ماتم کرنے کے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہا کرتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَعِيۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ کی عملی تفسیر تھے۔ کہ آپ ہر روز فرائض کے علاوہ ایک ہزار رکعت نفل ادا کرتے تھے۔

تو جب ان مذکورہ بالا حضرات میں سے کسی نے بھی یہ قبیح عمل نہیں کیا بلکہ صبر و تحمل کا وہ نمونہ پیش کیا جس کی مثال اہل دنیا پیش کرنے سے قاصر ہیں اور اپنے اور بیگانے ان کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ لہٰذا محبت کا دعویٰ کرنے والوں کے لئے یہ لمحہ فکریہ ہے کہ کہیں ماتم کر کے وہ ان حضرات کی مخالفت کے سبب جہنم کا راستہ تو تلاش نہیں کر رہے؟

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ہمیں صحیح سوچنے اور سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ قرآن وحدیث اور ائمہ اہل بیت کے نقوش پا پر چلنے کی ہمت و توفیق عطا فرمائے۔ اور صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑنے کا حوصلہ عطا فرمائے (آمین ثم آمین)

و قد لعن ابن زیاد علی فعله ذلک و شتمه فیما یظهر و یبدو ، ولکن لم یعزله علی ذلک ولا عاقبه ولا أرسل یعیب علیه ذلک و الله اعلم

فكل مسلم ينبغى له إن يحزنه قتله رضى الله عنه، فانه من سادات المسلمين، و علماء الصحابة و ابن بنت رسول الله (ص) التى هى افضل بناته، و قد كان عابداً و شجاعاً و سخياً، و لكن لا يحسن ما يفعله الشيعة من اظهار الجزع والحزن الذى لعل اكثره تصنع و رياء، و قد كان ابوه افضل منه فقتل، و هم لا يتخذون مقتله ماتما كيوم مقتل الحسين، فان اباه قتل يوم الجمعة و هو خارج الى صلاة الفجر فى السابع عشر من رمضان سنة اربعين، و كذلک عثمان كان افضل من على عند اهل السنة و الجماعة، و قد قتل و هو محصور فى داره فى ايام التشريق من شهر ذى الحجة سنة ست و ثلاثين، و قد ذبح من الوريد الى الوريد، ولم يتخذ الناس يوم قتله ماتما، و كذلک عمر بن الخطاب و هو افضل من عثمان و على، قتل و هو قائم يصلى في المحراب صلاة الفجر و يقرا القرآن، و لم يتخذ الناس يوم قتله ماتما، و كذلک الصديق كان افضل منه و لم يتخذ الناس يوم وفاته ماتما، و رسول الله (ص) سيد ولد آدم فى الدنيا والآخرة، و قد قبضه الله اليه كمامات الانبياء قبله ، ولم يتخذ احدٌ يوم موتهم ماتما يفعلون فيه ما يفعله هؤلاء الجهلة من الرافضة يوم مصرع الحسين ، ولا ذكر احد انه ظهر يوم موتهم و قبلهم شئ مما ادعاه هؤلاء يوم مقتل الحسين من الأمور المتقدمة، مثل كسوف الشمس والحمرة التى تطلع في السماء وغير ذلک

و احسن ما يقال عند ذكر هذه المصائب و امثالها ما رواه على بن الحسين عن جده رسول الله (ص) انه قال : (ما من مسلم يصاب مصيبة فيتذكرها و ان تقادم عهدها فيحدث لها استرجاعا الا اعطاه الله من الاجر مثل يوم اصيب منها) رواه الامام احمد و ابن ماجه

هذا هو مع عندی والصواب عندالله

ترجمہ:۔ البدایہ والنہایہ کے مصنف تحریر کرتے ہیں کہ یزید نے بظاہر ابن زیاد کو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل پر لعنت و ملامت کی لیکن نہ تو اسے اس کے عہدے سے معزول کیا اور نہ ہی اس سے قصاص لیا اور نہ ہی اپنی طرف سے کوئی ایسا آدمی بھیجا جو اسے اس فعل شنیع کا ارتکاب پر لعن طعن کرے جو اس نے لعن طعن کا اظہار کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اہل شام حقیقت سے حال سے آگاہ ہو جائیں اور یزید کی ظالمانہ حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں ورنہ وہ اشعار جو اس کی طرف منسوب ہیں ان سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حضرت امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر اور آپ کے کنبہ کی تباہی پر ازحد خوش تھا۔

اس کے وہ اشعار علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف لطیف تفسیر روح المعانی سورۃ محمد کی تفسیر میں لکھے ہیں وہ یہ ہیں۔

وَ لَمَّا بَدَتْ تِلْکَ الْحُمُوْلُ وَاَشْرَفَتْ

تِلْکَ الرءُ وْسَ عَلٰی شَفَا جِيْرُونِ

نَعِبَ الْغُرَابُ فَقَلْتُ قُلْ اَوْلَا تَقُلْ

فَقَدْ اِقْتَضَيْتُ مِنَ الرسُوْلِ دُيُوْنِیْ

"وہ کوے کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے جب وہ قافلہ جو اونٹوں پر سوار تھا ظاہر ہوا تو (اس نے کہا) کہ میں نے ان سروں کو جیسرون کے کنارہ پر جھانک کر دیکھا اور کوا بولا) تو میں نے اسے کہا کہ اے کوے تو بول یا نہ بول میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اپنے سارے قرضے چکا لئے ہیں ان قرضوں سے مراد میدان بدر میں جو کافر واصل جہنم کئے گئے تھے ان کا انتقام ہے"۔

(البدایہ والنھایہ کے مصنف نے یہ ذکر کیا ہے کہ) ہر مسلمان کے لئے مناسب یہ ہے کہ حضرت امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن مصائب وآلام سے دوچار ہوئے ان پر غم

زدہ ہوں (غمزدہ ہونے سے مراد ماتم کی مجوزہ صورت نہیں بلکہ دل میں غم اور آنکھوں سے آنسو بہانہ مراد ہے کیونکہ آپ تمام مسلمانوں کے سردار اور علماء صحابہ اکرام میں سے تھے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لخت جگر تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بنات میں سے افضل ترین تھیں آپ رضی اللہ عنہ بڑے ہی عابد، بہادر اور سخی تھے لیکن اس غم کا اظہار اس طرح جزع وفزع اور ماتم کی صورت میں نہیں کرنا چاہئے جیسے شیعہ کرتے ہیں کیونکہ شیعوں کا ایسا کرنا محض تصنع، بناوٹ اور ریاکاری ہے جبکہ آپ کے والد گرامی حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی شہادت کے موقعہ پر نہ کسی نے واویلا کیا اور نہ ہی ماتم کی مجالس منعقد کیں حالانکہ ان کا درجہ بہت ہی عظیم تھا حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی شہادت سترہ رمضان المبارک ۴۰ھ جمعہ کی رات اس وقت واقع ہوئی جبکہ آپ کوفہ کی مسجد کی طرف صبح کی نماز ادا کرنے کے لئے تشریف لے جارہے تھے (عبدالرحمن بن ملجم) ملعون نے اچانک مسجد کے دروازے کے پیچھے سے رات کی تاریکی میں آپ پر زہر آلود تلوار کا وار کیا جس سے آپ جانبر نہ ہو سکے اور شہادت کا جام نوش کر لیا) اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کہ باتفاق اہل سنت وجماعت ان سے افضل ہیں انہیں بھی باغیوں نے گھر کا محاصرہ کرکے ایام تشریق میں ماہ ذی الحجہ ۳۶ھ کو بڑی ہی بے دردی سے شہید کر دیا لیکن ان پر بھی نہ تو کسی نے ماتم کیا اور نہ ہی ان کے اہل وعیال نے محافل ماتم منعقد کیں۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جو حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما دونوں سے افضل تھے انہیں بھی مسجد نبوی کے محراب میں صبح کی نماز ادا کرتے ہوئے اور قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے شہید کیا گیا اور ان کی وفات حسرت آیات پر بھی کسی قسم کا ماتم وغیرہ نہیں کیا گیا اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو افضل الناس بعد الانبیاء ہیں ان کی وفات پر بھی کسی قسم کا ماتم نہیں کیا گیا اور سب سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو صرف سید الانبیاء ہی نہیں بلکہ دنیا وآخرت میں سید ولد آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ہیں آپ کا وصال اسی طرح ہوا جس طرح سابقہ انبیاء و اکرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات نے اللہ تعالیٰ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے

جان جان آفریں کے حوالے کر دی لیکن نہ تو سابقہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے وصال پر اور نہ ہی سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دنیا سے رخصت ہونے پر اہل بیت اور آپ کے اقرباء میں سے کسی نے بھی ماتم نہیں کیا اور نہ ہی آپ کی وفات کے بعد کوئی اس قسم کی محافل منعقد ہوئیں حالانکہ آپ کی وفات کا سانحہ صرف اہل بیت کے لئے ہی نہیں بلکہ تمام صحابہ اکرام کے لئے بھی حزن وملال کا باعث تھا۔

لہٰذا ان میں سے کسی نے بھی جاہل رافضیوں کی طرح حزن وملال کا اظہار نہ کیا۔ سابقہ جلیل القدر انبیاء اکرام علیہم التسلیمات کے وصال پر اس قسم کے امور ظہور پذیر نہیں ہوئے جس طرح یہ لوگ اپنے زعم باطل کے مطابق حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے موقعہ پر ظاہر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ آپ کی شہادت پر سورج گہنا گیا آسمان پر سرخی چھا گئی اور خون برسنا شروع ہو گیا وغیرہ وغیرہ یہ سب غلط ہے۔

صاحب البدایہ والنھایہ ذکر کرتے ہیں کہ جب انسان پر مصائب وآلام کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں تو وہ صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے اور وہ اسی قسم کا طرز عمل ظاہر کریں جیسے حضرت سیدنا علی بن حسین رضی اللہ عنہما المعروف بزین العابدین نے اپنے جد امجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جس مسلمان کو کوئی ناگہانی مصیبت پہنچے اور وہ ان پر طویل زمانہ گزرنے کے بعد بھی انہیں یاد کرے اور صبر کرتے ہوئے یہ پڑھے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا الیہ راجِعُون۔ تو وہ اسے وہی اجر وثواب عطا فرمائے گا جو مصیبت کے وقت صبر کرنے والوں کو عطا فرمایا تھا۔

(مسند امام احمد، ابن ماجہ)

نوٹ: مذکورہ بالا سے یہ بات واضح ہو گئی کہ مروجہ شکل میں ماتم کرنا، جزع وفزع اور واویلا کرنا نہ سابقہ انبیاء اکرام کی وفات پر کسی نے کیا اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدہ میں سے کسی کی وفات پر کیا گیا۔ بلکہ اس کا آغاز تو اہل کوفہ اور یزید

نے اپنے خفت مٹانے کے لئے اور لعنت و ملامت کا داغ دھونے کے لئے کیا تو جو لوگ اب اس طریقہ پر عمل پیرا ہیں تو وہ کوفیوں اور یزیدیوں کی اتباع کے مرتکب ہیں۔ (العیاذ باللہ)

تنبیہ: اخبار ماتم کے حوالہ جات اور انارۃ البصائر کا حوالہ مولانا قاضی مظہر صاحب چکوالی کی تصنیف "آفتاب ہدایت" سے نقل کئے گئے ہیں وہاں سے ملاحظہ فرمالیں۔

آخر میں اس بات کی وضاحت کرنا ضروری ہے کہ رونا، پیٹنا، واویلا کرنا اور بے صبری کا مظاہرہ کرنا یہ سب ناجائز ہیں لیکن مصیبت کے وقت اور کسی کے فوت ہونے پر آنسو بہا کر اپنا غم ہلکا کرنا یہ جائز ہے کیونکہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صاحبزادے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وفات پائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے ساختہ آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا اے ابراہیم ہماری آنکھیں آپ پر آنسو بہاتی ہیں اور ہمارے دل غمزدہ ہیں لیکن ہم اپنی زبان سے کوئی ایسی بات نہیں نکالیں گے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غضب کا باعث بنے جب صحابہ اکرام نے آپ کو آنسو بہاتے دیکھا تو ایک صحابی نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ شفقت اور رحمت ہے اور آنسو بہانا ناجائز نہیں۔ (نوری عفی عنہ)

هذا هو مع عندی و الصواب عندالله

ربنا اغفرلنا و لا خواننا الذین سبقونا بالایمان و لا تجعل فی قلوبنا غلًا للذین امنوا ربنا انک رؤوف رحیم ؕ

مولای صل و سلم دائماً ابدا ‏ ‏ ‏ ‏ على حبیبک خیر الخلق کلهم

وما توفیقی الا بالله علیه توکلت و الیه انیب۔

نوٹ: اخبار ماتم کے حوالہ جات اور انارۃ البصائر کا حوالہ مولانا قاضی مظہر صاحب چکوالی کی تصنیف "آفتاب ہدایت" سے نقل کئے گئے ہیں وہاں سے ملاحظہ فرمالیں۔ (نوری عفی عنہ)

آخر میں اس بات کی وضاحت کرنا ضروری ہے کہ رونا، پیٹنا، واویلا کرنا، بے صبری کا مظاہرہ کرنا یہ سب ناجائز ہیں لیکن مصیبت کے وقت اور کسی کے فوت ہونے پر آنسو بہا کر

اپنا غم ہلکا کرنا یہ جائز ہے۔ کیونکہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صاحبزادے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وفات پائی تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور فرمایا اے ابراہیم ہماری آنکھیں آپ پر آنسو بہاتی ہیں اور ہمارے دل غمزدہ ہیں لیکن ہم اپنی زبان سے کوئی ایسی بات نہیں نکالیں گے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غضب کا باعث بنے۔ جب صحابہ کرام نے آپ کو آنسو بہاتے دیکھا تو ایک صحابی نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیا؟ تو آپ نے فرمایا یہ شفقت اور رحمت ہے اور آنسو بہانا ناجائز نہیں۔

چھیاسٹھواں واعظ

نماز تہجد اور اس کے فضائل

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ وَ عَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَ مِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ (بنی اسرائیل)

"اور رات کے بعض حصہ میں (اٹھو) اور نماز تہجد ادا کرو۔ (تلاوت قرآن کے ساتھ یہ نماز) زائد ہے آپ کے لئے۔ یقیناً فائز فرمائے گا آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر۔"

یہ آیت طیبہ سورۃ بنی اسرائیل کی ہے جو مکہ مکرمہ میں اس وقت نازل ہوئی جبکہ اہل مکہ کا تشدد، تعصب اور کج بحثی زوروں پر تھی۔ اور عام مضامین کے لحاظ سے یہ سورۃ پاک ان سورتوں سے گہری مناسبت رکھتی ہے جو مکی زندگی کے آخری دور میں نازل ہوئیں اور اس سورۃ پاک کی پہلی آیت ہی بتا رہی ہے کہ اس کا نزول سفر معراج کے بعد ہوا۔ اور معراج ہجرت سے ایک سال پہلے نبوت کے دسویں سال ہوئی، اس لئے اس کے نزول کا وقت متعین کرنا مشکل نہیں۔

جو آیت طیبہ آپ کے سامنے تلاوت کرنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نماز تہجد ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور اس سے ماقبل آیت میں پنجگانہ نماز کے اوقات بیان ہوئے جو ہر کس و ناکس پر فرض تھیں۔ اب اس مخصوص نماز کی ادائیگی کا ذکر ہو رہا ہے جو حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم پر بطور فرض یا زائد عبادت لازم ہے۔ یہ نماز تہجد ہے۔ اور تہجد، ہجود سے مشتق ہے جو اضداد سے ہے۔ یعنی سونے اور بیدار ہونے دونوں

معنوں میں مستعمل ہے۔ لغت کے امام الازہری نے اس لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے۔ تہجد بمعنی تَرْکُ هُجُوْدِ یعنی نیند کو ترک کرنا۔ جیسے تَحَرَّجَ اور تَاَثَّمَ بمعنی حَرَج اور اِثم کو ترک کرنا ہے، تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ جب لوگ سو رہے ہوں ہر طرف سناٹا چھایا ہو۔ آغوش شب میں ہر چیز محو خواب ہو۔ اے حبیب! اس وقت اٹھیئے اور خلوت گاہ ناز میں شرف باریابی حاصل کر کے جبین نیاز کو لذت سجدہ سے آشنا کیجئے۔ تیری یہ بے خوابیاں، یہ قلق اور بے کلی، یہ اشک کا سیل رواں، یہ شان بندگی کا ظہور سب کو شرف قبول بخشا جائے گا اور آپ کو مقام محمود پر فائز کیا جائے گا، جس کی جلالت شان کو دیکھ کر دنیا بھر کی زبانیں تیری ثنا گستری اور حمد و ستائش میں مصروف ہو جائیں گی، عسی کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اس وقت اس کا معنی یقین ہوتا ہے عَسٰی و لَعَلَّ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی واجبتان (البرہان)

مقام محمود کیا ہے؟

جس پر فائز کرنے کا اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب سے وعدہ فرمایا ہے۔ اس کی وضاحت خود نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ هُوَ الْمَقَامُ الَّذِیْ اُشْفِعُ فِیْهِ لِاُمَّتِیْ۔ یہ وہ مقام ہے جہاں میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا۔ کتنا بلند مرتبہ ہے۔ حضور رحمۃ للعالمین کا اور کیا شان ہے۔ اس کی امت کی۔ جن کے آقا اور نبی کو وہ مقام نصیب ہوگا جو کسی اور کو حاصل نہیں ہوگا جہاں تمام انبیاء کرام رشک بھری نگاہوں سے آپ کو دیکھ رہے ہوں گے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سحر خیزی کی تلقین فرمائی ہے۔ کہ آپ رات کا نصف حصہ یا اس سے کم و بیش مصروف عبادت رہا کریں۔ کیونکہ رات کی خاموشیوں میں تلاوت قرآن اور ذکر الٰہی سے روح کی توانائیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس وقت کی عبادت سے اسرار الٰہیہ پر مطلع ہونے کی استعداد پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے پر جو فرائض عائد کیے گئے ہیں۔ ان سے عمدگی کے ساتھ عہدہ براء ہونے کی قوت و ہمت پیدا ہوتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے۔ اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ

فَأَحْسَنَ تَادِيْبِيْ۔ میرے رب نے مجھے ادب سکھایا اور ادب سکھانے میں کمال کر دیا۔
تادیب وتربیت خداوندی کا یہ بھی ایک حصہ ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو
بھی سحری کے وقت جاگنے کی ترغیب دلایا کرتے تھے۔ صحابہ کرام بڑے ذوق وشوق سے
سحری کے وقت بیدار ہوتے اور مصروف عبادت رہا کرتے۔ انہیں ارشادات نبوی کے طفیل
اولیائے امت اور صالحین سحری کے وقت جاگ کر اپنے رب کے ذکر اور اس کی یاد میں
مصروف رہتے۔ علامہ اقبال نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

(منقول از ضیاء القرآن)

اس کے متعلق حضور ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح وضاحت فرمائی ہے کہ
رات کو خواب راحت سے بیدار ہونا، نرم اور گرم بستر سے اٹھ کر وضو کرنا، نماز پڑھنا، ذکر
کرنا، نفس کے لئے بہت گراں ہے۔ اس لئے جو شخص شب بیداری اور سحر خیزی کو اپنی
عادت بنالیتا ہے۔ وہ گویا سرکش نفس کی سرکوبی کر رہا ہے۔ اور اس کے غرور ونخوت کو پاؤں
تلے روند رہا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے چند روز تو نفس اس کو ناگوار سمجھتا ہے۔ اس
سے بچ نکلنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر اس کو اٹھا کر مصلّی پر کھڑا کر دیا جائے تو وہ اونگھنے لگتا ہے۔
کم ہمت سالک یہ خیال کر کے کہ اس نماز سے کیا فائدہ جس میں خشوع وخضوع نہ ہو۔ نفس
کے اس فریب کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا ہے۔ لیکن ارباب عزیمت نفس کی ان چالوں میں
نہیں آتے وہ اس کی ان حرکتوں کے باوجود سحری کو اٹھنے کی کوشش جاری رکھتے ہیں۔ چند
روز بعد جب ان کا سرکش نفس سدھائے ہوئے گھوڑے کی طرح ان کے اشارے پر عمل
کرنے لگتا ہے۔ تو ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہتی اس لئے فرمایا۔ کہ نفس کے غرور کو کچلنے
کے لئے۔ اس کی سرکشی کو ختم کرنے کے لئے یہ نسخہ بڑا کارگر ہے۔ اسے شب بیداری سے
خوب لتاڑو۔ چند دن میں یہ رام ہو جائے گا اور اس کی خرمستیاں باقی نہیں رہیں گی۔ علامہ

بوصیری نے کیا خوب کہا ہے۔

اَلنَّفْسُ كَالطِّفْلِ اِنْ تُهْمِلْهُ شَبَّ عَلٰى
حُبِّ الرِّضَاعِ وَاِنْ تَفْطِمْهُ يَنْفَطِمِ

"نفس بچے کی مانند ہے اگر تم اس کا دودھ نہ چھڑاؤ تو وہ جوان ہونے تک ماں کا دودھ پیتا رہے گا۔ اور اگر تم اس کا دودھ چھڑا دو تو چند روز شور مچانے کے بعد وہ خود ہی ماں کا دودھ چھوڑ دے گا"۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں کو نماز تہجد کی ترغیب دی ہے جس کی وضاحت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف دلنشین ارشادات سے فرمائی ہے اور اپنے ماننے والوں کو سحری کے وقت اٹھ کر سر بسجود ہونے کی تلقین فرمائی ہے۔ چند ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آپ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ عَنْ اَبِیْ هُریرة رضی الله عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ رَبُّنَا كُلَّ لَيْلَةٍ اِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا ۔ حَتّٰى يَبْقٰى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرِ يَقُوْلُ مَنْ يَدْعُوْنِیْ فَاَسْتَجِيْبُهٗ مَنْ يَسْاَلُنِیْ فَاُعْطِيَهٗ وَمَنْ يَسْتَغْفِرُنِیْ فَاَغْفِرُلَهٗ۔ (متفق علیه)

"حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جب رات کا تیسرا حصہ رہ جاتا ہے تو ہمارا پروردگار پہلے آسمان پر (اپنی شان کے شایان) نزول اجلال فرماتا ہے۔ اور فرماتا ہے کون ہے جو مجھ سے دعا مانگ رہا ہے؟ تاکہ میں اس کی دعا قبول کروں۔ کون ہے؟ جو مجھ سے سوال کر رہا ہے تاکہ میں اس کو دوں کون ہے جو بخشش چاہتا ہے تاکہ میں اس کو بخش دوں"۔

۲۔ عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ فَاِنَّهٗ دَاْبُ الصَّالِحِيْنَ قَبْلَكُمْ وَ هُوَ قُرْبَةٌ لَّكُمْ اِلٰى رَبِّكُمْ وَ مُكَفِّرٌ لِلسَّيِّاٰتِ۔ (ترمذی شریف)

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تمہارا رات کو جاگنا ضروری ہے۔ پہلے زمانہ کے نیک لوگوں کا یہ دستور رہا ہے۔ رات کو جاگنا اللہ کے قرب کا ذریعہ ہے اور گناہوں کو ملیامیٹ کرنے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ کا خوش ہونا

۳۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں کہ تین ایسے خوش بخت انسان ہیں جن کے عمل کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ بہت زیادہ خوش ہوتا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ يَضْحَكُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ — الرَّجُلُ اِذَا قَامَ بِاللَّيْلِ يُصَلِّيْ وَالْقَوْمُ اِذَا صَفُّوا فِي الصَّلٰوةِ وَاِذَا صَفُّوا فِي قِتَالِ الْعَدُوِّ۔ (رواہ البغوی)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمی وہ ہیں جن کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ خوش ہے۔ پہلا وہ شخص جو رات کے وقت اٹھ کر نماز تہجد پڑھتا ہے۔ دوسرے وہ لوگ جو نماز کے لئے صفیں باندھتے ہیں۔ تیسرے وہ لوگ جو میدان جنگ میں اپنی صفوں کو درست کرتے ہیں"۔

۴۔ مزید برآں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ

قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللّٰهُ رَجُلًا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلّٰى ثُمَّ اَيْقَظَ اِمْرَاَتَهُ فَصَلَّتْ فَاِنْ اَبَتْ نَضَحَ فِيْ وَجْهِهَا الْمَاءَ وَ رَحِمَ اللّٰهُ اِمْرَاَةً قَامَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَاَيْقَظَتْ زَوْجَهَا فَاِنْ اَبٰى نَضَحَتْ فِيْ وَجْهِهِ الْمَاءَ۔ (رواہ ابوداؤد باسناد صحیح)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحم فرماتا ہے۔ جو رات کے وقت تہجد کے لئے اٹھتا ہے۔ اور نماز تہجد پڑھتا ہے۔ پھر وہ اپنی بیوی کو اٹھاتا ہے۔ تو وہ بھی نماز تہجد پڑھتی ہے اور اگر وہ اٹھنے سے انکار کر دے تو وہ (اسے

اٹھانے کے لئے) اس کے منہ پر پانی چھڑکتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس عورت پر بھی رحم فرماتا ہے۔ جو رات کے وقت نماز تہجد کے لئے اٹھتی ہے۔ اور نماز پڑھتی ہے۔ اور اپنے خاوند کو جگاتی ہے۔ اگر وہ جاگنے سے انکار کر دے تو وہ اس کے منہ پر پانی چھڑکتی ہے"۔

وَقَالَ مَنِ استیقَظَ مِنَ اللَّیلِ وَاَیقَظَ اِمرَاَتَہٗ فَصَلَّیَا رَکعَتَینِ کُتِبَا مِنَ ذَاکِرِینَ اللّٰہَ کَثِیرًا وَالذَّاکِرَاتِ۔ (ابوداؤد)

" آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جو رات کے وقت بیدار ہوا اور اس نے اپنی بیوی کو جگایا۔ ان دونوں نے دو رکعت نماز تہجد ادا کی۔ وہ دونوں اللہ تعالیٰ کا بہت ذکر کرنے والوں اور ذکر کرنے والیوں میں لکھ دیئے جاتے ہیں"۔

شیطان کی کارستانی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات کے وقت جب انسان سو جاتا ہے تو شیطان اس کو غافل کرنے کے لئے ایک عمل کرتا ہے۔ جس کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ وہ سونے والے کے سر کے پاس آکر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور وہ تم میں سے کسی ایک کی گدی پر تین گرہیں لگاتا ہے اور ہر گرہ میں وہ کہتا ہے۔

عَلَیکَ لَیلٌ طَوِیلٌ فَارقُد فَاِذَا استَیقَظَ وَ ذَکَرَ اللّٰہَ تَعَالٰی انحَلَّت عُقدَۃٌ فَاِن تَوَضَّاَ انحَلَّت عُقدَۃٌ فَاِن صَلّٰی انحَلَّت عُقدَۃٌ فَاَصبَحَ نَشِیطًا طَیِّبَ النَّفسِ وَاِلَّا اَصبَحَ خَبِیثَ النَّفسِ کَسلَانَ

" کہ ابھی لمبی رات ہے سو جاؤ اگر وہ آدمی بیدار ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے اور اگر وہ وضو کرے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے اور اگر وہ نماز پڑھے تو تیسری گرہ کھل جاتی ہے۔ تو وہ اس حال میں صبح کرتا ہے کہ چست

ہوتا ہے اور اس کا نفس پاکیزہ ترین ہوتا ہے ورنہ وہ اس حال میں صبح کرتا ہے کہ اس کا نفس خبیث ہوتا ہے اور وہ سست ہوتا ہے"۔

یعنی سحری کے وقت اٹھنے، ذکر کرنے اور وضو کی برکت سے اس میں چستی پیدا ہو جاتی ہے اور اس کا نفس پاکیزہ تر ہو جاتا ہے۔ اس مذکورہ بالا کی وہ روایت بھی تائید کرتی ہے۔ جس کو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک آدمی کا ذکر کیا گیا اور عرض کی گئی۔ کہ وہ صبح تک سویا رہتا ہے اور نماز کے لئے نہیں اٹھتا تو آپ نے فرمایا یہ وہ شخص ہے جس کے کان میں یا اس کے دونوں کانوں میں شیطان نے پیشاب کر دیا ہے۔ (متفق علیہ)

تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ آدمی اتنا سست اور غافل ہوتا ہے۔ جس کا انسان اندازہ نہیں لگا سکتا۔

عبداللہ بن سلام کا قبولِ اسلام

تہجد کی نماز کی اہمیت عبداللہ ابن سلام کے اس قول سے بھی واضح ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ ایک مقام پر تشریف فرما ہوئے۔ آپ کے پاس بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں بھی حاضر خدمت ہوا کہ میں دیکھوں وہ اوصاف جن سے آخری نبی متصف ہوگا۔ وہ آپ میں پائے جاتے ہیں یا نہیں۔ کیونکہ میں نے توراۃ میں وہ اوصاف پڑھے ہوئے تھے۔ تو آپ فرماتے ہیں کہ جونہی میری نظر آپ کے چہرہ انور پر پڑی تو میں نے محسوس کیا کہ اتنا نورانی اور خوبصورت چہرہ کسی جھوٹے کا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے دیکھتے ہی میرے دل میں آپ کی عظمت پیدا ہو گئی اور جب آپ نے کلام فرمایا تو آپ نے کہا۔

اَيُّهَا النَّاسُ اَفْشُوْا السَّلَامَ وَاَطْعِمُوْا الطَّعَامَ وَصَلُّوْا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوْا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ۔ (ترمذی شریف)

"کہ اے لوگو! سلامتی پھیلاؤ، لوگوں کو کھانا کھلاؤ اور رات کے وقت اٹھ کر نماز ادا

کرو۔ جب کہ لوگ نیند کے مزے لوٹ رہے ہوں تو تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے"۔

تو آپ فرماتے ہیں کہ یہ سنتے ہی میں نے اسلام قبول کرنے کا پختہ عزم کر لیا اور بعد میں دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔

قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ رَكْعَتَانِ يَرْكَعُهُمَا الْعَبْدُ فِىْ جَوْفِ اللَّيْلِ خَيْرٌ لَهٗ مِنَ الدُّنْيَا وَ مَا فِيْهَا وَلَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمَّتِىْ لَفَرَضْتُهُمَا عَلَيْهِمْ۔

"کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نصف رات کے وقت اگر کوئی آدمی دو رکعت نماز ادا کرے تو وہ اس کے لئے دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اس سے زیادہ بہتر ہے اور اگر میں اس کو اپنی امت پر مشکل نہ سمجھتا تو میں یہ دونوں رکعتیں ان پر فرض کر دیتا"۔ (رواۃ دیلمی فی مسند الفردوس)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ معمول تھا کہ آپ نصف رات کے وقت اٹھتے اور اللہ تعالٰی کی عبادت کرنے کے لئے کھڑے ہو جاتے یہاں تک کہ آپ کے قدمین شریفین سوج جاتے۔

مغیرہ ابن شعبہ روایت کرتے ہیں۔

قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اِنْفَطَرَتْ قَدَمَاهُ فَقِيْلَ لَهٗ اَمَا قَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ فَقَالَ اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا۔

"مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت اٹھ کر اتنا طویل قیام فرماتے کہ آپ کے قدمین شریفین پر سوجن ہو جاتی۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ کیا اللہ تعالٰی نے آپ پر لگائے گئے اگلے پچھلے الزام دور نہیں فرما دیئے تو آپ فرماتے (تو اللہ تعالٰی کی اس نعمت عظمٰی پر) میں اس کا شکر گزار

بندہ نہ بنوں یعنی جو اللہ تعالیٰ نے میرے اوپر یہ نوازشات فرمائی ہیں۔ میں ان کا شکریہ ادا کرنے کے لئے اس کی بارگاہ میں کھڑا ہو کر اس کا ذکر کرتا ہوں"۔

نماز تہجد ادا کرنے کا ثواب

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں ایک روایت ذکر کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ روایت کیا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک شخص تھا۔ اس کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جب لوگ اپنے بستروں میں آرام فرما ہو جاتے اور آنکھیں سکون پذیر ہو جاتیں تو وہ اٹھ کر کھڑے ہو جاتے۔ نماز ادا کرتے اور قرآن کریم کی تلاوت کرتے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتے اے میرے رب! مجھے دوزخ کی آگ سے پناہ عطا فرما۔ اس کا یہ عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ جب وہ یہ عمل کر رہا ہو تو مجھے اطلاع دینا چنانچہ جب وہ یہ عمل کرنے لگا تو آپ اس کے پاس تشریف لے گئے اور آپ نے اس کی یہ دعا سنی اور جب اس نے صبح کی تو آپ نے فرمایا۔ اے فلاں! تو نے اللہ تعالیٰ سے جنت عطا کرنے کا سوال کیوں نہیں کیا۔ تو اس نے عرض کی کہ میرا یہ مرتبہ نہیں اور نہ ہی میرا عمل اس قابل ہے کہ وہ مجھے اس مقام پر پہنچائے۔ تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور عرض کی۔ اے اللہ تعالیٰ کے محبوب آپ اس شخص کو آگاہ فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے دوزخ سے بھی بچا لیا ہے اور اسے جنت میں داخل فرما دیا ہے۔

حضرت الازہر بن مغیث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ رات کو قیام کرنے والوں میں سے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے خواب میں ایک عورت دیکھی جو دنیا کی عورتوں کے مشابہ نہ تھی۔ میں نے اس سے پوچھا تو کون ہے؟ تو اس نے کہا میں جنت کی حور ہوں۔ تو میں نے اس سے کہا۔ کہ تو میرے ساتھ شادی کر لے تو اس نے جواب دیا۔ تو یہ مطالبہ میرے سردار سے کر اور میرے مہر کا بندوبست کر۔ تو میں نے اس سے پوچھا کہ تیرا مہر کیا ہے تو اس نے کہا۔ کہ میرا مہر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لمبی رات جاگتے رہنا ہے۔

نمازتہجد ادا کرنے کا طریقہ

میرے حضور ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تہجد کی نماز پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب رات کا تیسرا حصہ باقی رہ جائے تو انسان اپنی نیند سے اٹھ کھڑا ہو اور اچھی طرح سے وضو کرے۔ پھر وہ اپنی جائے نماز پر کھڑا ہو جائے۔ قبلہ کی طرف منہ کر لے اور یہ پڑھے اَللّٰهُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ کَثِیْرًا وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ بُکْرَةً وَّاَصِیْلًا اس کے بعد دو رکعت تحیۃ الوضو کی نیت سے ادا کرے۔ اور پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد یہ آیت طیبہ تلاوت کرے۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَاۗءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا اور دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا پڑھے اور اس کے بعد بارہ رکعت نماز تہجد چھ سلاموں کے ساتھ ادا کرے یعنی ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرے۔ اور تہجد کی پہلی رکعت میں آیت الکرسی خلدون تک پڑھے۔ اور دوسری رکعت میں سورۃ بقرہ کے آخری رکوع کی یہ آیات تلاوت کرے۔ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ سے آغاز کرے اور فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ تک پڑھے۔ اس کے بعد تیسری رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد ایک بار سورۃ اخلاص اور چوتھی رکعت میں دو دفعہ سورۃ اخلاص تلاوت کرے۔ پھر اس طرح ہر رکعت میں ایک ایک دفعہ سورۃ اخلاص کا اضافہ کرتا جائے۔ یہاں تک کہ آخری رکعت میں دس دفعہ سورۃ اخلاص تلاوت کرے اور اس کے بعد سلام پھیر کر یہ دعا پڑھے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَ فِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا وَ فِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا وَ عَنْ یَمِیْنِیْ نُوْرًا وَ عَنْ یَسَارِیْ نُوْرًا وَ فَوْقِیْ نُوْرًا وَ تَحْتِیْ نُوْرًا وَ اَمَامِیْ نُوْرًا وَ خَلْفِیْ نُوْرًا وَاجْعَلْ لِیْ نُوْرًا وَ بَشَرِیْ نُوْرًا وَاجْعَلْ فِیْ نَفْسِیْ نُوْرًا وَ عَظِّمْ لِیْ نُوْرًا اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِیْ نُوْرًا بِجَاهِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ۔

اس کے بعد جائے نماز پر دو زانو بیٹھ کر اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ

لَبَّیْہِ پانچ سو دفعہ یا ہزار دفعہ پڑھے اور اس کے بعد وہ ذکر اور دعا کرے جو نبی کریم علیہ صلوٰۃ والسلام بلا ناغہ تہجد کی نماز ادا کرنے کے بعد کیا کرتے تھے اور وہ یہ ہے۔

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَیِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ مَنْ فِیْھِنَّ
وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ مَلِکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ مَنْ فِیْھِنَّ
وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ الْحَقُّ وَ وَعْدُکَ الْحَقُّ لِقَاءُکَ حَقٌّ وَ
قَوْلُکَ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالنَّبِیُّوْنَ حَقٌّ وَ مُحَمَّدٌ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ
حَقٌّ اَللّٰھُمَّ لَکَ اَسْلَمْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَ عَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ
وَاِلَیْکَ اَنَبْتُ وَبِکَ خَاصَمْتُ وَاِلَیْکَ حَاکَمْتُ اَنْتَ رَبَّنَا
وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ فَاغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَ مَا
اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَ مَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ
وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَلَا اِلٰهَ غَیْرُکَ۔

"اے اللہ! ساری تعریفیں تیرے لئے ہیں تو ہی آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے کو قائم رکھنے والا ہے۔ ساری تعریفیں تیرے لئے ہیں تو ہی آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے، کا بادشاہ ہے۔ ساری تعریفیں تیرے لئے ہیں۔ تو حق ہے۔ تیرا وعدہ حق ہے۔ تیری لقاء حق ہے۔ تیرا فرمان حق ہے۔ آگ حق ہے سارے نبی حق ہیں اور (تیرا محبوب) محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) حق ہے۔ قیامت حق ہے۔ اے اللہ! میں نے اپنا سر تیرے آگے خم کر دیا ہے۔ میں تجھ پر ایمان لے آیا ہوں۔ تجھ پر ہی میرا بھروسہ ہے۔ میں تیری طرف ہی دل سے مائل ہوں۔ میں تیری مدد سے ہی دشمن کا مقابلہ کرتا ہوں اور تجھے ہی اپنا حکم تسلیم کرتا ہوں۔ تو ہی سب کا رب ہے اور تیری طرف ہی ہم نے لوٹنا ہے۔

(اے اللہ!) میرے گزشتہ گناہ بھی بخش دے اور آئندہ گناہ بھی معاف کر دے۔ جو میں نے چھپ کر کئے ہیں۔ اور جو میں نے اعلانیہ کئے ہیں۔ اور میری وہ خطائیں

بھی بخش دے جنہیں تو مجھ سے بہتر جانتا ہے۔ تو ہی سب سے پہلے ہے۔ تو ہی سب سے بعد بھی ہے۔ تیرے سوا کوئی خدا نہیں تیرے سوا کوئی معبود نہیں"۔

وہ لوگ جنہیں سحری کے وقت اٹھ کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عجز و نیاز کرنے کی سعادت نصیب ہوتی ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے نوازتا ہے اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے باغات اور ٹھنڈے پانی کے چشمے تیار کر رکھے ہیں جو انہیں عطا فرمائے جائیں گے۔ جو لوگ اس بابرکت وقت میں دامن پھیلاتے ہیں۔ ان پر کیسی کیسی نوازشات کی جاتی ہیں ان کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں یہ توفیق نصیب ہوئی ہو۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں۔

ہر گنج سعادت کہ خدا داد بحافظ
از یمن دعائے شب و ورد سحری بود

اس سلسلہ میں ایک اور دعا بھی ملاحظہ فرمائیں۔ جو حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بستر راحت پر لیٹے ہوئے اکثر مانگا کرتے تھے۔ قرض کی ادائیگی، بھوک اور افلاس سے نجات کے لئے یہ دعا اکسیر کا حکم رکھتی ہے آپ بھی اس دعا کو یاد کر لیں۔ رات کو اگر سوئے ہوئے آنکھ کھل جائے تو یہ دعا مانگ لیا کریں۔ دعا یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ رَبَّنَا وَ رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ - فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰى وَ مُنَزِّلَ التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْفُرْقَانِ - اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْءٍ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَا صِيَتِهٖ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْاَوَّلُ وَ لَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْاٰخِرُ وَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَيْءٌ - اِقْضِ عَنَّا الدَّيْنَ وَاَغْنِنَا عَنِ الْفَقْرِ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ۝

"اے اللہ! اے آسمانوں اور زمین کے رب! اے عرش عظیم کے رب! اے

ہمارے رب! اے ہر چیز کے رب! اے دانے اور گٹھلی کو چیرنے والے! اے تورات، انجیل اور فرقان کو اتارنے والے! میں تجھ سے ہر اس چیز کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جس کی پیشانی کو تو پکڑے ہوئے ہے۔ اے اللہ تو اول ہے پس تجھ سے پہلے کوئی چیز نہیں۔ تو آخر ہے پس تیرے بعد کوئی چیز نہیں۔ تو ظاہر (غالب) ہے تجھ سے برتر اور کوئی نہیں۔ تو باطن ہے۔ تجھ سے مخفی اور کوئی نہیں۔ ہمارا قرض ادا فرمادے اور ہمیں فقر و افلاس سے غنی کر دے۔ اے تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے! میں تجھ سے ہی مدد طلب کرتا ہوں"۔

اقوال زریں

۱۔ حضرت ابو الجویریہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت امام ابو حنیفہ نعمان ابن ثابت رضی اللہ عنہ کی خدمت میں چھ مہینے رہا وہ کبھی بھی رات کے وقت اپنا پہلو زمین پر نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ وہ کھڑے ہو کر نوافل پڑھتے رہتے تھے۔ روایت کیا جاتا ہے کہ آپ ایک ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کر دیا کرتے تھے۔ اور آپ کا یہ معمول تھا کہ نصف رات اللہ کی عبادت و ریاضت میں گزار دیتے تھے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ وہ ایک قوم کے پاس سے گزرے تو انہوں نے کہا کہ یہ وہ ہستی ہے جو ساری رات جاگ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔ تو اس کے بعد حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ساری رات اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوئے جاگ کر گزار دیتے اور یہ فرماتے کہ مجھے اس بات سے شرم آتی ہے کہ لوگ میرے متعلق وہ بات کہیں، جس کو میں عملی جامہ نہ پہناتا ہوں۔ اس لئے آپ اس کے بعد ساری رات اللہ تعالیٰ کے ذکر و فکر میں گزار دیتے تھے۔ (احیاء العلوم ص ۳۱۶ ج ۱)

۲۔ حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ جو بہت بڑے صوفی تھے۔ وہ پوری رات یہ آیت طیبہ تلاوت کرتے رہتے یہاں تک کہ صبح ہو جاتی۔ أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ۔ الخ حضرت مغیرہ ابن حبیب حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ میں آپ کو دیکھا رہتا کہ آپ عشاء کی نماز کے

بعد وضو فرماتے پھر اپنے مصلّٰی پر کھڑے ہو جاتے اور اپنی داڑھی کو مضبوطی سے پکڑ لیتے اور آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیل رواں جاری ہو جاتا۔ اور عرض کرتے کہ اے مولیٰ کریم میں نے ان لوگوں کو جان لیا ہے جو جنت کے ساکن ہیں اور انہیں بھی جو جہنم میں رہائش پذیر ہیں۔ مالک بن دینار کی ان دونوں میں سے کیا حیثیت ہے اور اس کا گھر دونوں گھروں میں سے کون سا گھر ہے۔ اور آپ یہی عرض کرتے رہتے یہاں تک کہ صبح ہو جاتی اور مالک بن دینار نے فرمایا کہ میں نے ایک رات اپنا وظیفہ کرتے گزار دی اور اس کے بعد میں سو گیا تو میں نے خواب میں ایک خوبصورت لونڈی دیکھی جس کے ہاتھ میں ایک رقعہ تھا۔ اس نے وہ رقعہ مجھے دکھاتے ہوئے کہا کہ کیا آپ اسے اچھی طرح پڑھ سکتے ہیں۔ میں نے ہاں میں جواب دیا۔ تو اس نے وہ رقعہ مجھے پکڑا دیا۔ جس میں یہ لکھا ہوا تھا۔

تَنَبَّهْ مِنْ مَنَامِکَ اِنَّ خَیْرًا
مِنَ النَّوْمِ التَّهَجُّدُ بِالْقُرْاٰنِ

کہ اے مالک! نیند سے بیدار ہو جا۔ اس نیند سے زیادہ بہتر جاگ کر قرآن کریم کی تلاوت کرنا ہے۔

۳۔ حضرت ربیع فرماتے ہیں کہ میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں کئی راتیں گزاریں۔ تو میں نے انہیں دیکھا کہ وہ رات کے وقت بہت تھوڑا آرام کیا کرتے تھے۔

۴۔ حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ مشہور ہے کہ انہوں نے ایک رات سیر ہو کر کھانا کھایا اور اس کے بعد فرمایا کہ جب گدھے کو زیادہ چارہ کھلایا جائے تو اس سے زیادہ مشقت لی جاتی ہے۔ اس لئے میں نے بھی آج اپنے نفس کو خوب کھلایا ہے۔ لہٰذا آج اس سے خوب مشقت لوں گا اور آپ پوری رات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہے۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ کے بندے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اس طرح مصروف ہوتے ہیں کہ انہیں کی کوئی لذت بھی اپنی طرف مائل نہیں کر سکتی اور انہیں اپنے رب کی نعمتوں کا اتنا شوق

اور امید ہوتی ہے کہ وہ کسی اور چیز کی طرف دیکھنا گوارا بھی نہیں کرتے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ صالحین میں سے ایک شخص تھا جو کافی عرصہ تک کفار کے ساتھ جہاد میں مصروف رہا جب جہاد سے فارغ ہو کر گھر پہنچا تو اس کی بیوی نے اس کے لئے ایک خوبصورت بستر بچھا دیا اور اس پر بیٹھ کر اپنے خاوند کا انتظار کرنے لگی۔ لیکن اس کی خواہش کے خلاف اس کا خاوند مسجد میں تشریف لے گیا اور صبح تک نماز میں مشغول رہا۔ تو اس کی بیوی نے شکایت کرتے ہوئے کہا کہ ہم عرصہ دراز تک تیری واپسی کا انتظار کرتے رہے تو جب تو واپس آیا تو صبح تک نماز میں مصروف رہا تو اس اللہ کے بندے نے جواب دیا کہ خدا کی قسم! میں ساری رات جنت کی حوروں میں سے ایک حور کے متعلق غور و فکر کرتا رہا اس لئے میں اپنے گھر اور اپنی بیوی کو بھول گیا اور میں نے اس کے حصول کے شوق میں اپنی پوری رات کھڑے ہو کر گزار دی۔ (احیاء العلوم ص ۳۱۶ ج ۱)

مذکورہ بالا تفصیلات سے یہ معلوم ہوا کہ نصف رات کے بعد اٹھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اور اس کے ذکر میں مصروف ہونا، یہ عظیم درجات کے حصول کا سبب ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت لوٹنے کا باعث ہے۔ کیونکہ نرم و گرم بستر سے اٹھ کر وضو کرنا، نماز پڑھنا، ذکر و اذکار میں مشغول ہونا، نفس کے لئے بہت گراں ہوتا ہے۔ اور یہ سب کچھ وہی کر سکتا ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت ہوتی ہے۔ حضور ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص سحری کے وقت اٹھ کر زیادہ عبادت و ریاضت نہ کر سکے تو وہ کم از کم اتنا ضرور کرے کہ اس وقت اٹھے اور وضو کر کے دو رکعت نفل ہی ادا کر لے تا کہ اس کا نام سحری کے وقت اٹھ کر نفل ادا کرنے والوں میں درج ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ہمیں سحری کے وقت اٹھ کر اپنی بے شمار نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین ثم آمین)

رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اِنِّیْ

تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ اللّٰهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي
ظُلْمًا كَثِيرًا لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ فَاغْفِرْ لِي مِنْ عِنْدِكَ مَغْفِرَةً
وَارْحَمْنِي إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ط رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا
رَبَّيَانِي صَغِيرًا وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلَانَا
فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ

اللهم صل و سلم و بارک علی المزمل المدثر حبیبک الاکرم
سیدنا و مولانا محمد المبعوث رَحْمَةً لِلْعٰلَمِينَ و علی الہ و اصحابہ
و من احبہ و تبعہ الی یوم الدین

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب

سرسٹھواں وعظ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اختیار

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ (اعراف)

”آپ کہیے! نہیں مالک ہوں میں اپنے آپ کے لئے نفع کا اور نہ ضرر کا مگر جو چاہے اللہ تعالیٰ (میں اس کا مالک ہوں)“۔

یہ آیت طیبہ سورۃ الاعراف کی ہے جو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور اس میں مشرکین کے عقائد باطلہ کی تردید اور ان کے اوہام باطلہ کا بطلان اور ان کی غلط کاریوں کا ازالہ اور ان کی کج فہمیوں کی اصلاح پر سارا زور صرف کیا گیا ہے۔ اور اس آیت طیبہ میں بھی حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات مقدسہ سے الوہیت کی نفی کی ہے۔ اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی قسم کے نفع اور نقصان کے مالک نہیں۔ حضرات! ایک وہ زمانہ تھا جب مسلمان اپنے محبوب ومطلوب کے حسن وجمال پر اتنے شیدا تھے کہ آپ کے نام نامی اسم گرامی کو سن کر اس پر پروانہ وار نثار ہوتے تھے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کمالات بیان کرتے ہوئے وہ تھکتے نہ تھے۔ حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی ثنا گستری کو فلاح دارین کا وسیلہ سمجھتے تھے۔ انہوں نے ہزاروں صفحات کی کتابیں سرور عالم سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں لکھیں لیکن ان کی طبیعت سیر نہ ہوتی تھی۔ کیا مجال کہ شان رسالت میں کوئی گستاخانہ کلمہ زبان سے نکلے اور زبان کٹ نہ جائے لیکن ایک آج کے نام نہاد مسلمان ہیں کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف سے ضد ہے۔ آپ کے اوصاف وکمالات اور محامد وثنا بیان کرو تو برافروختہ ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنا علمی کمال اس میں

سمجھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعوذ باللہ بے علمی ثابت کی جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنے سے لوگوں کو روکتے ہیں تا کہ عوام میں ان کی پذیرائی ہو اور ان کی شہرت کا چرچا ہو۔ اور ان کی توحید اس وقت تک مکمل ہی ہیں ہوتی جب تک وہ حضور کے کمالات کو گھٹا کر جی نہ بھر لیں۔ اور پھر ان کا دعویٰ یہ ہے کہ ہم ہی سچے مسلمان ہیں اور جو ہم کہہ رہے ہیں وہی حق ہے۔

شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب
اس برے مذہب پر لعنت کیجئے

اس تعصب اور ہٹ دھرمی نے انہیں ایسا اندھا کر دیا ہے کہ انہیں کمالات مصطفوی نظر ہی نہیں آتے۔ ان کی عقلیں ایسی اوندھی ہوگئی ہیں کہ اگر وہ قرآن پڑھتے ہیں، حدیث شریف کا مطالعہ کرتے اور دیگر کتب علمائے سلف کی ورق گردانی کرتے ہیں تو فقط اس بدنیتی سے کہ اس سے بے عیب ہستی کا کوئی عیب نظر آ جائے۔ ایک بات مشہور ہے کہ ایک مولوی صاحب تھے رات بھر ایک کتاب کا مطالعہ کرتے رہے صبح ہوئی تو نہایت خوشی سے کہنے لگے۔ الحمدللہ پوچھنے پر بتایا کہ مجھے ایک حدیث ملی ہے جس میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فلاں چیز کا علم نہ تھا۔ تف ہے ایسے علم پر جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لاعلمی ثابت کی جائے اور اس پر ستم یہ ہے کہ لوگوں کو بہکانے کے لئے قرآن کریم کی تحریف کرنے اور احادیث کے معانی غلط بیان کرنے سے بھی نہیں چونکتے۔ شاید انہیں معلوم نہیں کہ محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کمالات علمی و عملی، صوری و معنوی ظاہری و باطنی خود ذات کبریا نے عطا فرمائے ہیں۔ ان کو گھٹانے سے نہ وہ گھٹتے ہیں اور نہ ہی ان کے کم کہنے سے کم ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کہ ہم نے آپ کے لئے آپ کے ذکر کو بلند کر دیا۔ یہ ذکر کی بلندی ان کے رب نے انہیں عطا فرمائی ہے۔ ان عقل کے اندھوں کے انکار کرنے سے اس میں فرق نہیں آسکتا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حکومت اور شہنشاہی اور اللہ تعالیٰ کی کائنات میں تصرف اور اختیارات خداداد ہیں۔ ان نیم ملاؤں کی بغاوت سے وہ

چھینے نہیں جاسکتے کوئی انہیں یہ سمجھا دے کہ اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور غلامان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ذکر مصطفیٰ سے رکنے والے نہیں۔

حشر تک ڈالیں گے ہم پیدائش مولا کی دھوم
مثل فارس نجد کے قلعے گراتے جائیں گے
خاک ہو جائیں عدو جل کر مگر ہم رضا
دم میں جب تک دم ہے ذکر ان کا سناتے جائیں گے

ان کی یہ ہٹ دھرمی اور لاعلمی دیکھ کر بہت ہی افسوس ہوتا ہے کہ وہ جان بوجھ کر قرآن کریم کی آیات سے غلط استدلال کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر برسر عنوان آیت کو ہی لے لیجئے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ وہ بڑے طمطراق اور جوش سے اس آیت سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ اپنے نفع ونقصان کا بھی اختیار نہیں۔ تو وہ دوسروں کو کیا نفع پہنچا سکتے ہیں۔ لیکن عقل کے اندھوں سے یہ کہہ دو کہ خدا کا خوف کرو۔ ساری آیت پڑھ کر دیکھو کیا تمہیں اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰهُ دکھائی نہیں دیتا۔ اس کے معانی سے کیوں تمہارے عقل بے بہرہ ہیں اگر تمہارے دلوں پر مہر ضلالت ثبت نہیں ہو چکی۔ تمہاری آنکھوں پر غفلت کا پردہ نہیں پڑ چکا۔ اور اگر تمہارے سینوں میں ذرا بھی نور ایمان ہے۔ تو آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب نے انہیں کیا کیا عطا فرمایا ہے۔ کیا حکومت واختیارات دیئے ہیں۔ کیا کیا قوتیں اور شانیں بخشی ہیں۔ تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ اس کے محبوب کی شان کیا ہے۔ لیکن اس کے متعلق کچھ عرض کرنے سے پہلے اس آیت پاک کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کریں اور یہ دیکھیں کہ کون راہ راست سے بھٹک گیا ہے۔

جس طرح آغاز میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اس آیت کریمہ میں حضور رحمت عالمیاں صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات مقدسہ سے الوہیت کی نفی فرما رہے ہیں کہ میں خدا نہیں کیونکہ خدا وہ ہے جس کی قدرت کامل اور اختیار مستقل ہے وہ جو چاہے کرسکتا ہے۔ نہ کوئی کسی کام سے اسے روک سکتا ہے اور نہ ہی اسے کسی کام پر مجبور کرسکتا ہے۔ اور مجھ میں یہ اختیار کامل اور

قدرت مستقلاً نہیں پائی جاتی۔ میرے پاس جو کچھ ہے میرے رب کا عطیہ ہے اور میرا سارا اختیار اس کا عنایت فرمودہ ہے۔ لَا اَمْلِکُ کے کلمات سے اپنے اختیار کامل کی نفی فرمائی اور اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہُ سے اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا۔ کہ کوئی ناداں یہ نہ سمجھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نفع وضرر کا کچھ اختیار ہی نہیں فرمایا مجھے اختیار ہے اور یہ اختیار اتنا ہی ہے جتنا میرے رب کریم نے مجھے عطا فرمایا ہے کتنا عطا فرمایا ہے تو انسانی عقل کا کوئی پیمانہ اور کوئی اندازہ اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ کوئی بناوٹی حد قائم نہیں کی جاسکتی۔ اس ایک آیت میں ہی غور فرمایئے وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى (اے حبیب! تیرا رب تجھے اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا) کیا لطف ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ساری توانائیوں اور قوتوں سے برأت کرتے ہوئے ہر بات اپنے خالق و مالک کی مرضی اور مشیت کے سپرد کر دی اور اس بندہ نواز نے اپنی مشیت کو اپنے بندے کی رضا اور خوشنودی پر منحصر کر دیا۔ بتا دیا۔ تجھے دینے والا میں ہوں۔ خود تمہیں دوں گا اور اتنا دوں گا جتنا تو چاہے گا۔ اب اس عالی ظرف آقا کی وسعت ظرف کو ملاحظہ فرمایئے جب وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى کا مژدہ پہنچا تو عرض کی اے کریم! میں تو اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا۔ جب تک میری امت کا آخری فرد بھی جنت میں نہ پہنچ جائے۔ انصاف کرو۔ کیا آتش جہنم سے بچا لینا دفع ضرر باذن اللہ نہیں۔ کیا جنت میں پہنچا دینا نفع رسانی باذن اللہ نہیں؟ ہے اور یقیناً ہے۔

اب آیئے احادیث طیبہ کو دیکھئے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کوئی اختیار دیا گیا ہے یا نہیں۔ بے شمار ایسے واقعات ہیں جنہیں دیکھ کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مختار کل بنا کر بھیجا ہے۔ ایک مشہور و معروف واقعہ ہے جس کو سورۃ مجادلہ کی اس آیت کے تحت جس میں ظہار کے کفارہ کا ذکر ہے۔ نقل کیا گیا ہے۔ وہ سماعت فرمایئے۔

واقعہ یہ ہوا کہ ایک روز حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کے بھائی اوس بن صامت رضی اللہ عنہ اپنی بیوی حضرت خولہ بنت ثعلبہ پر کسی وجہ سے ناراض ہو گئے۔ بڑھاپے کی وجہ سے ان

کا مزاج بڑا چڑچڑا ہو گیا تھا۔ غصہ سے کہہ دیا۔ اَنْتِ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّیْ زبان سے تو یہ کہہ بیٹھے لیکن لگے پچھتانے۔ خولہ کو پاس بلانے کی کوشش کی۔ اس نیک بندی نے جواب دیا۔ اس خدا کی قسم جس کے قبضے میں خولہ کی جان ہے۔ جب تک اللہ اور اس کا رسول ہمارے بارے میں فیصلہ نہ فرمائیں تم میرے نزدیک نہیں آ سکتے۔ خولہ اٹھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ اے اللہ کے پیارے رسول! اوس نے جب میرے ساتھ شادی کی تھی۔ اس وقت میں جوان تھی۔ صاحب مال تھی۔ میرے گھر والے بھی موجود تھے۔ اب میرا شباب رخصت ہو چکا ہے۔ میں بوڑھی ہو گئی میرے گھر والے بھی نہ رہے۔ مال بھی خرچ ہو گیا۔ اب اوس نے مجھے یہ الفاظ کہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہمارے لئے کوئی گنجائش ہے کہ ہم ایک ساتھ رہ سکیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرے بارے میں ابھی تک مجھے کوئی حکم نہیں ملا۔ اس نے عرض کیا۔

یارسول اللہ! اس نے طلاق کا لفظ تو نہیں کہا۔ وہ بار بار یہ کہتی رہی اور حضور یہی جواب دیتے رہے۔ ساتھ ہی وہ اللہ کی جناب میں بھی فریاد کرتی رہی کہ "الٰہی! میں اپنی تنہائی اور اپنے خاوند سے جدائی کا شکوہ تجھ سے کرتی ہوں۔ ایک روایت میں ان کے یہ الفاظ درج ہیں۔ اپنے فاقہ اور خستہ حالی کا شکوہ میں اللہ تعالیٰ سے کرتی ہوں۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ اگر میں انہیں ان کے باپ کے سپرد کرتی ہوں تو وہ ضائع ہو جائیں گے۔ اور ان کو اپنے پاس رکھتی ہوں تو وہ بھوکوں مریں گے۔" بار بار وہ آسمان کی طرف نگاہ اٹھاتیں اور فریاد کرتیں بحث و تکرار کا سلسلہ ابھی جاری تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی غمزدہ اور پریشان حال بندی کی فریاد سن لی اور جبریل امین یہ آیت لے کر حاضر ہوئے۔ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُکَ الخ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ یَا خَوْلَةُ اَبْشِرِیْ اے خولہ مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تیرے بارے میں حکم نازل فرمایا ہے جاؤ اپنے خاوند کو بلا لاؤ۔ جب اوس رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ غلام آزاد کرو۔ عرض کیا میرے پاس تو کوئی غلام نہیں فرمایا پھر دو ماہ متواتر روزے رکھو عرض کیا یا رسول اللہ اگر میں

دن میں تین مرتبہ نہ کھاؤں تو میری بینائی جواب دینے لگتی ہے۔ میں اتنی مدت کیسے روزے رکھ سکتا ہوں۔ ارشاد ہوا پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔ عرض کرنے لگے آقا میں بہت غریب اور نادار ہوں حضور میری مدد فرمائیں تو میں کھانا کھلا سکتا ہوں۔ اس غریب پرور آقا نے انہیں پندرہ صاع کھجوریں اپنے پاس سے عطا فرمائیں۔ انہوں نے وہ ساٹھ مسکینوں کو کھلائیں اس طرح حضرت خولہ اپنے گھر میں آباد ہوگئیں۔ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ الخ کی آیت انہیں کے بارے میں نازل ہوئی۔ (ضیاء القرآن شریف)

ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ اس نے عرض کی کہ یارسول اللہ مدینہ طیبہ میں مجھ سے اور میرے بچوں سے زیادہ کوئی مسکین نہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ یہ لے جاؤ اور اپنے بچوں کو جا کر کھلا دو اور یہ حکم صرف تیرے ساتھ خاص ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جائز اور ناجائز کا بھی اختیار عطا فرما دیا تھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَاُوْتِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَ بَيْنَمَا اَنَا نَائِمٌ اِذْ جِئْ بِمَفَاتِيْحِ خَزَائِنِ الْاَرْضِ وُضِعَتْ فِيْ يَدَيَّ وَ خُتِمَ بِيَ النَّبِيُّوْنَ۔

امام مسلم اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ رعب سے میری مدد کی گئی ہے۔ مجھے جوامع الکلم عطا فرمائے گئے ہیں اور اس وقت جبکہ میں سویا ہوا تھا۔ زمین کے خزانوں کی کنجیاں لائی گئیں اور میرے ہاتھ میں رکھ دی گئیں۔ اور میری ذات پر اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کی بعثت کا سلسلہ ختم کر دیا۔

یہ حدیث پاک پڑھنے کے بعد آپ خود فیصلہ فرمالیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کا مالک و مختار بنایا ہے یا نہیں۔ اور جو مالک و مختار ہوتا ہے کیا وہ کسی کو نفع یا

نقصان پہنچا سکتا ہے یا نہیں۔ یقیناً وہ نفع اور نقصان کا مالک ہوتا ہے۔

ایک دوسری روایت میں اس سے بھی تفصیلی اختیارات بیان کئے گئے ہیں۔

عَنْ عُقْبَةَ ابْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ قَالَهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اِنِّىْ فَرَطٌ لَّكُمْ وَاَنَا شَهِيْدٌ عَلَيْكُمْ وَاِنِّىْ وَاللّٰهِ لَاَنْظُرُ اِلٰى حَوْضِىْ اَلْاٰنَ وَاِنِّىْ قَدْ اُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ وَاِنِّىْ وَاللّٰهِ مَا اَخَافُ عَلَيْكُمْ اَنْ تُشْرِكُوْا بَعْدِىْ وَلٰكِنِّىْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنَافَسُوْا۔ (الشفاء ج۱ ۳۲۱ ج۱)

"حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے میرے امتیو! میں تمہارا پیش رو ہوں اور میں تم پر گواہی دینے والا ہوں اور میں بخدا یہاں بیٹھے ہوئے اپنے حوض کوثر کو دیکھ رہا ہوں۔ اور بلاشبہ زمین کے خزانوں کی کنجیاں مجھے عطا فرمادی گئی ہیں۔ اور مجھے خدا کی قسم! اس بات کا ذرا اندیشہ نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرنے لگو گے۔ البتہ مجھے یہ خوف ہے کہ تم دنیا کی دولت کو اور سامان عشرت کو جمع کرنے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگو گے"۔

اس حدیث پاک سے متعدد امور واضح کر دیئے گئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہارا پیش رو ہوں۔ عربی میں فَرَطٌ (پیش رو) اس کو کہتے ہیں جو قافلے سے پہلے اگلی منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ وہاں جا کر ان کے لئے طعام و قیام کا انتظام کرتا ہے۔ ان کے جانوروں کے لئے چارے کا بندوبست کرتا ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں اپنے آپ کو فرط کے لفظ سے ذکر فرما رہے ہیں کہ اپنے غلاموں کے لئے آرام کا بندوبست کریں گے کیا یہ نفع نہیں ہے؟ یقیناً ہے۔

پھر فرمایا کہ میں تمہارے ایمان اور اعمال صالحہ پر بارگاہ رب العزت میں گواہی دوں گا اور یہاں اپنی چشم مازاغ کی قوت بینائی کا ذکر بھی فرمادیا کہ مسجد نبوی میں منبر پر بیٹھے ہوئے

کروڑوں میل دور حوض کوثر کو ملاحظہ فرما رہے ہیں یہ بھی وضاحت فرما دی کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے خزانوں کی ساری کنجیاں مجھے عطا فرما دی ہیں۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے علم خداداد سے اس بات کا علم تھا کہ ایک وقت وہ آئے گا کہ لوگ میرے غلاموں پر شرک کی تہمت لگائیں گے۔ اس لئے اپنے غلاموں کی صفائی پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے اس بات کا قطعاً کوئی اندیشہ نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرنے لگو گے۔ البتہ مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ تم دولت و ثروت کو زیادہ سے زیادہ سمیٹنے میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرو گے۔

(ضیاء النبی شریف ص ۲۱۸ ج ۵)

ابن کثیر، ابن اثیر اور ابن خلدون کی روایات کے مطابق خیبر کے آخری قلعے جن پر مسلمانوں نے حملہ کیا وہ وطیح اور سلالم کے قلعے تھے۔ انہیں میں سے ایک قلعہ میں مرحب نامی ایک پہلوان تھا۔ جس کی قوت، بہادری اور فنی مہارت کی دھوم سارے جزیرۂ عرب میں مچی ہوئی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نامور صحابہ نے جب یہودیوں کے ان آخری مورچوں پر حملہ کیا تو انہوں نے بھی جان کی بازی لگا دی۔ کئی دن تک لڑائی کا سلسلہ جاری رہا۔ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر کو لشکر کے ساتھ بھیجا۔ دن بھر گھمسان کی جنگ ہوتی رہی لیکن قلعہ فتح نہ ہوا۔ شام کو یہ لشکر اپنی قیام گاہ پر واپس گیا۔ دوسرے روز حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی قیادت میں لشکر نے اس قلعہ پر حملہ کیا۔ شدید لڑائی ہوئی لیکن کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ حضور سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔ اَمَا وَاللّٰهِ لَاُعْطِيَنَّهَا غَدًا رَجُلًا يُحِبُّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ يَاْخُذُهَا عَنْوَةً (ترجمہ) کل میں یہ جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور جس سے اللہ اور اس کا رسول محبت کرتے ہیں وہ اس قلعہ کو زبردستی یہودیوں سے چھین لے گا۔ صبح ہوئی۔ حضور نے سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو طلب فرمایا۔ عرض کی گئی۔ ان کی آنکھیں دکھتی ہیں۔ فرمایا انہیں لے آؤ۔ سلمہ کہتے ہیں میں آپ کو ہاتھ سے پکڑ کر بارگاہ رسالت میں لے آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ اے علی! کیا ہوا؟

عرض کی آنکھیں دکھنے لگی ہیں سخت درد ہے۔ کچھ نظر نہیں آتا۔ فرمایا میرے نزدیک آؤ، میں قریب گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔ اپنا لعاب دہن اپنی مبارک ہتھیلیوں پر ملا اور میری آنکھوں پر لگا دیا۔ پھر کیا تھا۔ درد غائب، آشوب چشم کافور ایسے معلوم ہوا جیسے مجھے کوئی تکلیف ہوئی ہی نہیں۔

تنبیہ

اس واقعہ سے دو باتوں کی وضاحت کرنا ضروری ہے۔

نمبر ا:- حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں صبح یہ جھنڈا اس آدمی کے ہاتھ میں دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول اس کے ساتھ محبت کرتے ہیں اور وہ ہستی سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی ہے۔ کیونکہ آپ نے دوسرے دن خیمہ سے بلا کر جھنڈا انہیں ہی عطا فرمایا تھا۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو باقی صحابہ کرام کے ساتھ محبت نہ تھی یا صحابہ کرام کو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محبت نہ تھی کیوں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بہت سی ایسی احادیث طیبہ ہیں جن میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوسرے صحابہ کرام کے ساتھ بھی محبت کا اظہار فرمایا ہے۔ حضرت انس بن مالک سے روایت ہے ایک شخص بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کی اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کب برپا ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا مَا اَعْدَدْتَ لَهَا تو نے قیامت کے لئے کیا تیار کر رکھا ہے؟ اس نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے نہ زیادہ روزے رکھے ہیں نہ زیادہ نمازیں پڑھی ہیں نہ زیادہ صدقات دیے ہیں اُحِبُّ اللّٰہ وَ رَسُوْلَهٗ الخ۔ تو آپ نے فرمایا اللہ اور رسول تیرے ساتھ بھی محبت کرتے ہیں۔

نمبر ۲:- حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی آنکھوں پر اپنا لعاب دہن ملنا اور ان کا فوراً تندرست ہو جانا یہ اس بات کی واضح دلیل ہے جب کہ آپ کے لعاب دہن میں یہ تاثیر ہے کہ آشوب چشم جیسا مرض فوراً کافور ہو جاتا ہے تو آپ کیونکر

اپنے غلاموں کے لئے نفع رساں نہیں ہو سکتے۔

اس سلسلہ میں کچھ واقعات اور سماعت فرمایئے تا کہ یہ خلش ذہن سے دور ہو جائے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی کو نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ غزوہ بدر میں کفار سے جہاد کرنے میں مستغرق تھے کہ ان کی تلوار ٹوٹ گئی۔ دوڑے دوڑے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ اے اللہ کے پیارے محبوب میری تلوار ٹوٹ گئی ہے اب میں کس کے ساتھ لڑوں سرکار کے پاس ایک لکڑی پڑی تھی۔ وہی اٹھا کر دے دی۔ فرمایا قَاتِلْ بِھٰذَا یَا عُکَاشَۃُ اے عکاشہ! اس سے دشمن سے جنگ لڑو۔

جب عکاشہ نے اسے پکڑ کر لہرایا تو وہ ٹہنی تلوار بن گئی جو کافی لمبی تھی۔ جس کا لوہا سخت تھا۔ اس کی رنگت سفید تھی۔ عکاشہ اس کے ساتھ کفار سے لڑتے رہے اور انہیں موت کے گھاٹ اتارتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حق کو فتح مبین عطا فرما دی۔ یہ تلوار "العون" کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس کے بعد تمام غزوات میں وہ اسی تلوار سے جنگ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ فتنہ انکار نبوت کے استیصال کے لئے جنگوں کا جو سلسلہ شروع ہوا۔ اس میں بھی یہ پیش پیش رہتے۔ یہاں تک کہ ایک جھوٹے مدعی نبوت طلیحہ اسدی نے انہیں شہید کر دیا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ یہ عکاشہ وہی ہیں کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مژدہ سنایا کہ میری امت کے ستر ہزار آدمیوں کو بغیر حساب کے جنت میں داخل کیا جائے گا۔ تو انہوں نے عرض کی تھی یا رسول اللہ! دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان خوش نصیبوں میں کر دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ مِنْھُمْ "اے اللہ تو اسے ان میں سے کر دے" یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول ہوگی۔ (سیرت ابن کثیر ص ۴۴۶ ج ۲)

حضرت قتادہ کی آنکھ

حضرت عاصم بن عمر بن قتادہ اپنے باپ عمر سے اور وہ اپنے باپ قتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ غزوہ بدر میں ان کی آنکھ کو تیر لگا جس سے سارا ڈھیلا ان کے رخسار پر بہنے

لگا۔ لوگوں نے ارادہ کیا کہ اس کو کاٹ کر الگ کر دیں انہوں نے اس کے بارے میں سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ فرمایا ہرگز نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قتادہ کو اپنے پاس بلایا اپنے دست مبارک سے اس بہتے ہوئے ڈھیلے کو واپس آنکھ میں لوٹا دیا اور اس پر اپنا ہاتھ مبارک پھیر دیا۔ وَ كَانَ لَا يَدْرِیْ اَیُّ عَيْنَيْهِ اُصِيْبَتْ۔ انہیں یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ ان میں سے کون سی آنکھ پھوٹی تھی۔

ایک روز یہی عاصم حضرت قتادہ کے پوتے امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں حاضر تھے۔ انہیں عاصم نے یہ واقعہ سنایا اور پھر اس کے بعد یہ شعر پڑھا۔

اَنَا ابْنُ الَّذِیْ سَالَتْ عَلَى الْخَدِّ عَيْنُهٗ

وَرُدَّتْ بِكَفِّ الْمُصْطَفٰى اَيُّمَا رَدِّ

"میں اس مجاہد کا بیٹا ہوں جس کی آنکھ جب اس کے رخسار پر بہنے لگی تھی اور مصطفیٰ کریم کی ہتھیلی نے اس کو واپس لوٹا دیا تھا اور یہ لوٹانا کتنا ہی بہترین تھا"۔

اسی قسم کے سیرت کی کتابوں میں بے شمار واقعات ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں جن سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کمالات ظاہری و باطنی ظاہر ہوتے ہیں۔ ان میں کچھ اور واقعات سماعت فرمالیں۔

حضرت عبداللہ بن عتیق کی پنڈلی

قبیلہ خزرج کے چند نوجوان جن میں عبداللہ بن عتیق بھی موجود تھے نے یہ تدبیر سوچی کہ سلام بن ابی الحقیق یہودی اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی کرتا رہتا ہے۔ اور اہل اسلام کے خلاف زہر فشانی میں مصروف رہتا ہے۔ اگر اس کو کیفر کردار تک پہنچا دیا جائے تو ایک بڑے فتنہ انگیز کی شرانگیزی سے اسلام محفوظ ہو جائے گا۔ سلام کی رہائش خیبر میں تھی اور اس کا اپنا مضبوط قلعہ تھا جس میں وہ سکونت پذیر تھا۔ خزرجیوں نے یہ منصوبہ طے کر کے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسے پیش کیا اور اذن طلب کیا۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کی اجازت دے دی اور یہ چند نوجوان اپنے منصوبہ کو

عملی جامہ پہنانے کے لئے خیبر کی طرف روانہ ہو گئے تو جب یہ دستہ قلعہ کے پاس پہنچا تو سورج غروب ہونے لگا۔ اور لوگ اپنے مویشی ہانک کر گھروں کو لوٹنے لگے۔ اس دستہ کے امیر حضرت عبداللہ نے اپنے ساتھیوں کو کہا کہ تم یہاں بیٹھو میں جاتا ہوں اور قلعہ کے دربان کے ساتھ حیلہ کر کے اندر داخل ہونے کی کوشش کرتا ہوں۔ جب وہ دروازے کے قریب پہنچا تو اس نے چادر سے اپنے آپ کو ڈھانپ لیا اور اس طرح بیٹھ گیا جس طرح وہ پیشاب کر رہا ہو۔ جب لوگ قلعہ میں داخل ہو گئے تو بواب نے کہا۔ اے بندہ خدا! اگر تم نے اندر داخل ہونا ہے تو جلدی کرو۔ میں دروازہ بند کرنے لگا ہوں۔ حضرت عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ میں جلدی سے قلعہ میں داخل ہو گیا اور ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گیا اور جب سارے لوگ اندر داخل ہو گئے اور اس نے اندر سے دروازہ بند کر لیا اور چابیوں کے گچھے کو کھونٹی کے ساتھ لٹکا دیا تو میں اٹھا اس گچھے کو اٹھا لیا اور قفل کھول دیا۔

ابورافع کا یہ معمول تھا کہ رات کو اس کی مجلس ہوتی تھی۔ لوگ اس میں قصے کہانیاں سنایا کرتے تھے۔ اور موجودہ حالات پر بحث و تمحیص کرتے تھے۔ جب وہ مجلس برخاست ہوئی اور لوگ گھروں کو چلے گئے تو میں اوپر چڑھا جب میں کسی کمرے میں داخل ہوتا تو اندر سے قفل لگا دیتا تا کہ ان لوگوں کو اگر پتہ چل بھی جائے تو اس سے پیشتر کہ وہ مجھے آ کر پکڑ لیں میں سلام کا کام تمام کر دوں۔

جب میں اس کمرے تک پہنچا جس میں وہ رہائش پذیر تھا۔ میں نے دیکھا کہ چراغ بجھا ہوا ہے۔ ہر طرف اندھیرا ہے۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں لیٹا ہے۔ میں نے بلند آواز سے کہا۔ یا ابا رافع! اس نے جواب دیا کون ہے؟ میں سیدھا اس آواز کی طرف گیا اور اس پر تلوار کا وار کیا۔ لیکن وہ وار کارگر ثابت نہ ہوا۔ اس نے چلانا شروع کر دیا۔ اتنے میں کمرے سے باہر نکل آیا اور چند قدموں کے فاصلہ پر رک گیا۔ پھر دوبارہ میں اس کے مددگار کی حیثیت سے کمرے میں داخل ہوا۔ میں نے اپنی آواز بدل لی اور کہا۔ اے ابورافع یہ کیا آواز تھی۔ اس نے کہا تیری ماں مرے کوئی آدمی کمرے میں داخل ہوا ہے۔ اس نے مجھ پر تلوار کا

وار کیا ہے۔ میں پھر اس پر جھپٹا اور اس پر تلوار کا وار کیا۔ اور تلوار کی دھار اس کے پیٹ پر رکھی اور اس پر اپنا سارا زور ڈال دیا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اب اس کا کام تمام ہو گیا ہے پھر میں وہاں سے دوڑا۔ دروازوں کو کھولتا ہوا باہر نکلتا آیا۔ آخری سیڑھی کا مجھے خیال نہ رہا۔ میں نے پاؤں رکھا تو وہ فرش پر جا پڑا جس سے میری پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی میں نے اس کو اپنی پگڑی سے کس کر باندھ لیا۔ باہر نکل کر دروازے کے پاس بیٹھ گیا۔ میں نے کہا اس وقت تک یہاں سے نہیں جاؤں گا جب تک اس کی موت کی تصدیق نہ ہو جائے جب سحری کے وقت مرغ نے اذان دی۔ تو قلعہ کی فصیل پر کھڑے ہو کر کسی شخص نے اس کی موت کا اعلان کیا تو میں اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا۔ میں نے انہیں کہا۔ بھاگو بھاگو۔ اللہ تعالیٰ نے ابو رافع کو ہلاک کر دیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ سارا ماجرا بیان کیا۔ حضور نے فرمایا۔ اپنا پاؤں آگے کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک اس ٹوٹی ہوئی ہڈی پر پھیرا تو وہ اس طرح درست ہو گئی گویا اسے کبھی کوئی تکلیف ہوئی ہی نہ تھی۔

(ضیاء النبی ج ۴)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک صحابی تھے۔ جن کا نام ربیعہ ابن کعب اسلمی تھا۔ وہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وضوء کرایا کرتے تھے۔ ایک دن وہ وضو کے پانی کا برتن لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ کو وضو کرایا۔ تو آپ نے فرمایا۔ سَلْ یا ربیعہ سَلْ ربیعہ کہتے ہیں میں نے عرض کی۔ اَسْئَلُکَ مُرَا فَقَتَکَ فِی الْجَنَّۃِ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھے یہ سنگت نصیب ہو گی۔ لیکن تو اللہ کی جناب میں کثرت سے سجدے کر کے میری مدد کیا کر۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "واز اطلاق سوال کہ فرمود سل و تخصیص نکرد بمطلوب خاص معلوم می شود کہ کارے ہمہ بدست ہمت و کرامت اوست ہر چہ خواہد ہر کہ را خواہد باذن پروردگار خود وید" کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سَلْ کا لفظ بغیر کسی قید کے مطلق ارشاد فرمایا ہے۔ اس میں کسی مخصوص مطلوب کو خاص نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام معاملات آپ کی ہمت و کرامت کے ہاتھ

میں ہیں۔ جو چاہیں، جس کو چاہیں اللہ تعالیٰ کے اذن سے عطا فرمائیں۔

علامہ بوصیری فرماتے ہیں۔

فَإِنَّ مِنْ جُوْدِکَ الدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا

وَ مِنْ عُلُوْمِکَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

"کہ دنیا اور آخرت آپ کی سخاوت کا نتیجہ ہے اور لوح وقلم کا علم آپ کے علوم کی بے شمار سطروں میں سے ایک سطر ہے"۔

کیا ہی کسی نے خوب کہا ہے۔

اگر خیریت دنیا و عقبیٰ آرزو داری

بدرگاہش بیا و ہرچہ می خواہی تمنا کن

کہ اگر آپ دنیا اور آخرت کی خیرات کی آرزو رکھتے ہیں تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہو جا اور جو تو چاہتا ہے اس کی تمنا کر۔

اللہ تعالیٰ آپ کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

دلی دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت عطا فرمائے اور آپ کے اوصاف وکمالات بیان کرنے کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبُّنَا وَ رَبُّ حَبِيْبِنَا الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ اَطْيَبُ التَّحِيَةِ وَاَجْمَلَ الثَّنَاءِ وَ فِقْنَا اَنْ نَقْتَفِىَ اٰثَارَهُ النَّيِّرَةَ السَّنِيَّةَ — وَ نُؤَدِّىْ مَا اَوْجَبْتَ عَلَيْنَا لِرَفْعِ كَلِمَتِكَ وَ رَفْعِ ذِكْرِ نَبِيِّكَ اَحْسَنَ الْاَدَاءِ — اَنْتَ الْمُوَفِّقُ وَ بِيَدِكَ اَزِمَّةُ التَّوْفِيْقِ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ

وَ مَا تَوْفِيْقِىْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ

اڑسٹھواں وعظ

اظہار عبودیت

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّىْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَ اَزْوَاجِهٖ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَعَلٰى مَنْ اتَّبَعَهٗ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا

"(اے پیکر رعنائی وزیبائی!) آپ فرمایئے۔ میں بشر ہی ہوں تمہاری طرح، وحی کی جاتی ہے میری طرف کہ تمہارا خدا صرف اللہ وحدہٗ ہے۔ پس جو شخص امید رکھتا ہے اپنے رب سے ملنے کی تو اسے چاہئے کہ وہ نیک عمل کرے اور نہ شریک کرے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو۔" (ترجمہ از جمال القرآن)

یہ آیت طیبہ سورۃ کہف کی آخری آیت ہے۔ اس پر تمام علماء متفق ہیں کہ یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اور اس کے نازل ہونے کے سال میں بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے آٹھویں اور دسویں سال کی درمیانی مدت میں نازل ہوئی۔

اس آیت سے ماقبل آیت طیبہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی عظمت وجلال کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ ارشاد ہے "اگر سمندر سیاہی بن جائیں اور اس سے اللہ تعالیٰ کی توحید، اس کی آیات عظمت وجلال کو قلمبند کیا جائے تو سمندر خشک ہو جائیں لیکن اس کی صفات کا بیان پھر بھی تشنۂ تکمیل رہے اسی طرح مابعد آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی عاجزی اور تواضع کے اعلان کا حکم ہے۔

بر سر عنوان آیت طیبہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ اعلان کرا لیا کہ

میں بشر ہوں خدا نہیں، خدا وہی ہے جو وحدہٗ لاشریک ہے۔ جس کا میں بھی بندہ ہوں اور ساری کائنات بھی اس کی مخلوق اوراس کے سامنے سرافگندہ ہے۔ اس آیت سے اس صداقت کوثابت کیا کہ جب یہ مرقع حسن وکمال بایں ہمہ زیبائی ودلربائی خدا نہیں تو اور کون ہے۔ جو خدائی کا دعویٰ کرسکے۔ جب زبان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یہ اعلان کررہی ہو کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تو کائنات کی ہر چیز کوطوعاًوکرھاً کہنا پڑے گا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ بعض کم نظرلوگ اس آیت سے شان حبیب کبریا کی تنقیص کرتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اوردل بینا کووہ عظمتیں جونام پاک محمد (تعریف کیا ہوا) صلی اللہ علیہ وسلم میں پنہاں ہیں پوری آب وتاب سے دکھائی دے رہی ہیں۔

دل بینا بھی کر خدا سے طلب   آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

(منقول ازضیاء القرآن)

حقیقت تو یہ ہے کہ اگرخداوندکریم ہدایت کادروازہ بندفرمادے تو قرآن کریم جوعین ہدایت ہے۔ وہ بھی گمراہی کاباعث بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا کہ اللہ تعالیٰ اس سے بہتیروں کوگمراہ کرتا ہے اور اس سے بہتیروں کو ہدایت دیتا ہے۔ اس مذکورہ بالا آیت سے یہ مرادلینا کہ نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرح بشر ہیں، حد درجہ کی حماقت اور جہالت ہے۔ کیونکہ یہ معنی آیات کثیرہ اور احادیث عدیدہ کے خلاف ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صوم وصال رکھنا شروع کردیئے تو آپ کی دیکھادیکھی صحابہ کرام نے بھی حضور کی سنت پر عمل پیرا ہونے کی غرض سے اسی طرح روزے رکھنے شروع کردیئے تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں فرمایا۔ اَيُّكُمْ مِثْلِيْ اَبِيْتُ عِنْدَ رَبِّيْ يُطْعِمُنِيْ وَ يَسْقِيْنِيْ کہ تم میں سے کون میرے جیسا ہے میں تو اپنے رب کے پاس رات گزارتا ہوں وہ مجھے کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے۔ (مسلم شریف)

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا لٰكِنِّيْ لَسْتُ كَاَحَدٍ مِّنْكُمْ کہ میں تم میں سے کسی

جیسا نہیں ہوں۔ اسی قسم کی بے شمار احادیث ہیں۔ جو اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کوئی چیز بھی ہمارے جیسی نہیں کیونکہ آپ کا لعاب دہن کھاری کنویں کو میٹھا کر دیتا ہے۔ ٹوٹی ہوئی پنڈلی کو جوڑ دیتا ہے۔ آشوب چشم کے مریض کو شفا عطا کر دیتا ہے۔ اور آپ کا پسینہ اتنا خوشبودار ہے کہ دنیا کی کوئی خوشبو اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور آپ کا بول جو پی لیتا ہے اسے زندگی بھر پیٹ میں درد نہیں ہوتا آپ کا خون مبارک جو چوس لیتا ہے۔ اس پر دوزخ کی آگ حرام ہو جاتی ہے۔ میں کہاں تک بیان کروں اور کس کس کمال کا ذکر کروں آپ کے کمالات کی تو حد ہی کوئی نہیں، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ

زندگیاں ختم ہوئیں اور قلم ٹوٹ گئے
تیرے اوصاف کا ایک باب بھی پورا نہ ہوا

اس مقام پر غالب بھی یہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔

غالب ثنائے خواجہ بیزداں گذاشتیم
کاں ذات پاک وان مرتبہ محمد است

حضرات! اب آیئے بر سر عنوان آیت طیبہ کے متعلق جو کچھ ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ نے ضیاء القرآن شریف میں لکھا ہے اسے سمجھنے کی کوشش کریں تا کہ حقیقت حال سے آگاہی ہو جائے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اگر تعصب کی پٹی آنکھوں سے اتار کر اور دل کے دریچے کو وا کر کے اسے دیکھا اور پڑھا جائے تو یقیناً ہدایت کا نور حاصل ہو گا اور حقیقت حال سے آگاہی ہو جائے گی۔ آپ لکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات بے ہمتا کا ادراک انسان کے بس کا روگ نہیں نہ اس کے ظاہری حواس میں یہ تاب ہے اور نہ اس کے باطنی حواس میں یہ قوت ہے کہ اس کی حقیقت کو پہچان سکے۔ عقل انسانی اپنی ترک تازیوں اور بلند پروازیوں کے باوجود اس کی عظمتوں کے سامنے سرنگوں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا بجز اس کے اور کوئی طریقہ نہیں کہ ان آیات

بینات میں غور وفکر کیا جائے۔ جہاں اس کی قدرت، عظمت، حکمت و کبریائی کے جلوے چمک رہے ہیں۔ ان آیات میں جہاں پانی کا قطرہ، ریت کا ذرہ، درخت کا پتہ، زمین کی رنگین وسعتیں، آسمانوں کی ہوش ربا رفعتیں، مہر و ماہ کی خیرہ کن ضیاء پاشیاں ہیں وہاں نبی کی ذات بھی ایک ایسا آئینہ ہے جہاں دیدۂ بینا کو قدرت الٰہی کے ایسے جلوے نظر آتے ہیں جو اور کہیں دکھائی نہیں دیتے۔ خصوصاً وہ ذات اقدس واطہر جو تجلیات احسانیہ اور انوار رحمانیہ کی ایسی تجلی گاہ ہے کہ عرش عظیم کو بھی اس سے کوئی نسبت نہیں، جس کسی نے نیاز آگیں اور محبت بھری آنکھوں سے حسن مصطفوی کو جتنا جانا، جس قدر پہچانا اور جس قدر چاہا، اتنا ہی اسے عرفان خداوندی نصیب ہوا۔

لیکن ہر انسان کا مزاج یکساں نہیں ہوتا۔ بعض لوگ اتنے اکھڑ اور بد دماغ ہوتے ہیں کہ وہ حسن و جمال کے ان پیکروں کے لئے اپنے دل میں قطعاً کوئی کشش محسوس نہیں کرتے بلکہ ان سے نفرت کرتے ہیں اور ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ان کے برعکس بعض طبیعتیں اتنی غلط اندیش اور ان کی عقلیں اتنی اوندھی ہوتی ہیں۔ جہاں کہیں کمال کی ذرا سی جھلک دیکھی اسے اپنا معبود اور خدا بنا لیا۔ اور اس کے سامنے سربسجود ہو گئے۔ یہودیوں نے حضرت عزیر کو فقط اس لئے خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا کہ انہیں تورات نوک برزبان تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چند معجزات دکھائے تو لوگوں نے انہیں کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ اس غلط فہمی کا سدباب کرنے کے لئے ہر نبی نے جہاں اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دی اور اس کی صداقت ثابت کرنے کے لئے اپنے خداداد کمال کا اظہار فرمایا وہاں کھلے اور واضح انداز میں یہ تصریح بھی کر دی کہ وہ بایں ہمہ کمال و خوبی خدا نہیں بلکہ خدا کے بندے ہیں۔ خالق نہیں بلکہ مخلوق ہیں۔ معبود نہیں بلکہ عابد ہیں۔ جب جزوی کمالات سے ایسی غلط فہمیاں پیدا ہوں جن کی گرفت میں آج بھی بے شمار لوگ پھڑک رہے ہیں تو وہ ذات اقدس جو جمال و کمال کا مظہر اتم بنائی گئی اس کے متعلق طرح طرح کی غلط فہمیوں کا پیدا ہونا بعید از قیاس نہ تھا۔ اس لئے ضروری ہوا کہ اس غلط فہمی کے سارے امکانات ختم کر

دیئے جائیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو تمام کمالات سے علی وجہ الاتم متصف کرنے کے باوجود اس آیت میں یہ اعلان کرنے کا حکم دیا قُلْ إِنَّمَآ أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰٓ إِلَيَّ أَنَّمَآ إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ۔

علمائے سلف نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس آیت طیبہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ حکم اس لیئے دیا گیا کہ آپ اپنی تواضع اور انکساری کا اعلان فرمائیں تاکہ اس فتنہ کو روز اول سے ہی ختم کر دیا جائے کہ کہیں کوئی بد اندیش آپ کو خدا یا خدا کا بیٹا نہ کہہ دے۔

علامہ ثناء اللہ پانی پتی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ عَلَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَزَّوَجَلَّ رَسُوْلَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّوَاضُعَ لِئَلَّا يُزْهِيَ عَلٰى خَلْقِهٖ ...... قُلْتُ فِيْهِ سَدٌّ لِبَابِ الْفِتْنَةِ افْتَتَنَ بِهَا النَّصَارٰى حِيْنَ رَأَوْ عِيْسٰى يُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَ يُحْيِي الْمَوْتٰى وَ قَدْ اَعْطَى اللّٰهُ تَعَالٰى نَبِيَّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمُعْجِزَاتِ اَضْعَافَ مَا اَعْطٰى عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاَمَرَهٗ بِاِقْرَارِ الْعُبُوْدِيَّةِ وَ تَوْحِيْدِ الْبَارِيْ لَا شَرِيْكَ لَهٗ۔

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تواضع کا طریقہ سکھایا تاکہ اس کی مخلوق پر اپنی بڑائی کا اظہار نہ کریں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کے متعلق یہ وضاحت کی ہے کہ یہ حکم اس لئے دیا گیا کہ اس فتنہ کا دروازہ ہی بند کر دیا جائے جس میں نصاریٰ مبتلا ہوئے کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام خدا کے بیٹے ہیں (نعوذ باللہ من ذلک) جب انہوں نے دیکھا کہ عیسیٰ علیہ السلام مادر زاد اندھے اور (لاعلاج) کوڑھی کو تندرست کر دیتے ہیں۔ اور مردے کو

اللہ کے حکم سے زندہ کر دیتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ان معجزات سے کہیں زیادہ عظیم الشان معجزات عطا فرمائے ہیں۔ جو اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائے تھے۔ اس لئے اس نے آپ کو حکم دیا کہ وہ اپنی عبودیت اور باری تعالیٰ جس کا کوئی شریک نہیں اس کی توحید کا اقرار کریں"۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ﷺ کی نورانیت کا ثبوت

صاحب کمال کا اظہار تواضع بھی اس کا کمال ہوتا ہے۔ لیکن بعض کج فہم اور حقیقت ناشناس لوگ اس آیت کو کمالات نبوت کے انکار کی دلیل بناتے ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نورانیت کا انکار کرتے ہیں اور بہت ہی بھونڈے اور گستاخانہ انداز میں آپ کو صرف اپنے جیسا بشر کہنے کی جسارت کرتے ہیں۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دلائل کی روشنی میں نبی مکرم رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رفیع اور نورانیت کے متعلق کچھ عرض کیا جائے۔

ہمارا اہلسنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اصلیت اور حقیقت نور ہے اور آپ کو لباس بشریت میں مبعوث کیا گیا ہے۔ تا کہ افادہ اور استفادہ کا عمل جاری ہو سکے۔ اگر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی اصلی حیثیت یعنی نورانی شکل میں مبعوث ہوتے تو لوگ آپ سے استفادہ نہ کر سکتے اسی لئے ارشاد فرمایا۔ اگر میں کسی فرشتہ کو نبی بنا کر بھیجتا تو وہ بھی انسانی شکل میں ہوتا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم چونکہ سراپا رحمت و کرم ہی بنا کر مبعوث کئے گئے ہیں اور آپ سے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ فیض پہنچانا مقصود ہے۔ اس لئے فرمایا: وَاخْفِضْ جَنَاحَکَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ (اے میرے محبوب!) اور نیچے کیجئے اپنے پروں کو مومنین کے لئے۔" اس آیت طیبہ سے ماقبل میں کافروں سے اعراض کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور آیت کے اس حصہ میں مومنوں کی طرف خصوصی توجہ فرمانے کا ارشاد ہو رہا ہے۔ کہ اے میرے محبوب آپ اہل ایمان کے لئے اپنی پرواز کو نیچے کیجئے۔ وہ پرواز جس کے لئے عرش کی

بلندیاں بھی سمٹ آتی ہیں اور لامکاں کی رفعتیں بھی سرنگوں ہو جاتی ہیں اس پرواز کو نیچے کیجئے تا کہ آپ کے غلام آپ سے زیادہ سے زیادہ فیض یاب ہو سکیں۔ آیت کے اس حصے میں جو مٹھاس اور معنویت ہے اسے اہل دل ہی سمجھ سکتے ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے۔ لَمْ یَعْرِفْنِیْ حَقِیْقَتِیْ غَیْرُ رَبِّیْ یَا اَبَابَکْرٍ کہ اے ابوبکر! میری حقیقت سے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی آگاہ نہیں۔ چونکہ یہ مسئلہ بڑا نازک ہے۔ مجھ جیسے کم علم کو یہ زیبا نہیں کہ میں اس میں اپنی خیال آرائی کو دخل دوں۔ بہتر یہی ہے کہ ان نفوس قدسیہ کی تحقیقات ہدیہ ناظرین کرنے پر ہی اکتفا کروں جن کا علم و تقویٰ اہل شریعت اور اہل طریقت دونوں کے نزدیک مسلم ہے۔

سب سے پہلے قرآن کریم کی آیات پیش خدمت ہیں۔ اور ان کی تفسیر ان علمائے ربانیین کے اقوال سے پیش کروں گا جو بین الفریقین مستند ہیں اور جن کے علم و عرفان اور اخلاص میں شک کی گنجائش نہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ۝ یَّھْدِیْ بِہِ اللّٰہُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَہٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ بِاِذْنِہٖ وَ یَھْدِیْھِمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ (المائدہ)

"بے شک تشریف لایا ہے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور ایک کتاب ظاہر کرنے والی۔ دکھاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے انہیں جو پیروی کرتے ہیں اس کی خوشنودی کی، سلامتی کی راہیں اور نکالتا ہے انہیں تاریکیوں سے اجالے کی طرف اپنی توفیق سے اور دکھاتا ہے انہیں راہ راست"۔ (جمال القرآن)

اب دیکھنا یہ ہے کہ نور سے کیا مراد ہے؟ کیا نور اور کتاب مبین سے ایک ہی ذات یعنی کتاب مراد ہے جس طرح بعض لوگوں نے اس کی تفسیر بھی بیان کی ہے یا نور سے مراد حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور کتاب مبین سے مراد قرآن کریم ہے۔

درج ذیل مفسرین کرام نور سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات مراد لیتے ہیں اور

کتاب مبین سے قرآن کریم۔

نمبر ۱:- امام المفسرین حبر الامۃ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم (تفسیر ابن عباس)

نمبر ۲:- امام المفسرین ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ یعنی بالنُّوْرِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَّذِىْ اَنَا رَاللّٰهُ بِهِ الْحَقَّ وَاَظْهَرَ بِهِ الْاِسْلَامَ وَ مَحَقَ بِهِ الشِّرْكَ فَهُوَ نُوْرٌ لِمَنْ اِسْتَنَارَ بِهِ (تفسیر ابن جریر) یعنی نور سے مراد یہاں ذات پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حق کو روشن کر دیا اسلام کو ظاہر فرمایا۔ شرک کو نیست و نابود کیا۔ حضور نور ہیں مگر اس کے لئے جو اس نور سے دل کی آنکھوں کو روشن کرنا چاہے۔ اللہ تعالیٰ اس نور مجسم کی تابانیوں اور درخشانیوں سے ہمارے آئینہ دل کو منور فرمائے اور اپنے محبوب کی غلامی اور محبت کی سعادت سے بہرہ مند فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

نمبر ۳:- علامہ فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ اِنَّ الْمُرَادَ بِالنُّوْرِ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ بِالْكِتَابِ الْقُرْاٰنُ. (تفسیر کبیر) یعنی نور سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب سے مراد قرآن ہے۔

نمبر ۴:- امام جلال الدین الحافظ السیوطی اس کی تفسیر میں رقمطراز ہیں۔ هُوَ نُوْرُ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم کہ نور سے مراد نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہے۔

نمبر ۵:- علامہ محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس نور سے مراد نُوْرٌ عَظِيْمٌ وَ هُوَ نُوْرُ الْاَنْوَارِ وَالنَّبِيُّ الْمُخْتَارُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَهَبَ اِلَيْهِ قَتَادَةُ وَالزَّجَاجُ (تفسیر روح المعانی) یعنی اس سے مراد عظیم نور ہے جو نور الانوار ہے۔ اور نبی مختار صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ قتادہ اور زجاج نے اس سے یہی مراد لیا ہے۔

نمبر ۶- علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ المراد بالاول ھو محمد صلی اللہ علیہ وسلم و بالثانی القران (روح البیان) پہلے سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور دوسرے سے مراد قرآن ہے۔

اسی طرح معالم التنزیل میں بھی اس سے مراد محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی لیا گیا ہے۔ (حاشیہ خازن)

اوپر چند تفاسیر کے حوالہ جات درج کیے ہیں ورنہ اور بھی بہت سی معتبر تفاسیر میں نور سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی لیے گئے ہیں مثلاً تفسیر خازن، تفسیر بیضاوی، تفسیر مدارک، تفسیر سراج المنیر اور تفسیر ابو السعود وغیرہ۔

ان تفاسیر کے علاوہ علماء دیوبند سے متعدد علماء نے بھی نور سے مراد حضور نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم لیا ہے۔ (۱) مثلاً تفسیر ثنائی مصنف مولوی ثناء اللہ امرتسری صاحب، (۲) تفسیر محمدی مصنف مولوی حافظ محمد صاحب منزل دوم صفحہ ۲۳، (۳) تہذیب القرآن مصنف مولوی وحید الزمان ص ۱۴۹، (۴) شرح اسماء الحسنیٰ مصنف مولوی قاضی سلیمان منصور پوری صاحب ص ۱۵۱، (۵) تفسیر عثمانی حاشیہ قرآنی صفحہ ۱۹۳ مصنف شیخ الاسلام مولوی شبیر احمد عثمانی صاحب وغیرہ۔

(منقول از فیوض الرحمٰن اردو ترجمہ روح البیان تصنیف محمد فیض احمد اویسی صاحب)

اسی طرح حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی صاحب بھی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں یعنی قَدْ جَآءَكُم مِّنَ اللّٰهِ نُورٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِينٌ یقیناً تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور کتاب مبین آئے۔

یہ ایک مختصر سی آیت ہے۔ اس میں حق سبحانہٗ نے اپنی دونوں نعمتوں میں سے ایک تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مسعود اور دوسری نعمت قرآن مجید کا نزول ہے۔ ایک کو لفظ نور سے ذکر فرمایا ہے اور دوسرے کو کتاب کے عنوان سے ذکر فرمایا ہے اور یہ توجیہ اس آیت کی تفسیر کی بنا پر ہے۔ یعنی جبکہ نور سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مسعود مراد لیا جائے۔ (اشرف المواعظ ص ۱۲۸)

اعتراض

بعض مفسرین نے یہ ذکر کیا ہے کہ نور اور کتاب کے درمیان واؤ تفسیر یہ ہے اور ان

دونوں سے مراد کتاب مبین یعنی قرآن ہے۔اس کا قرینہ یہ ہے کہ اس کے بعد یَهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ میں ہ ضمیر واحد ذکر کی گئی ہے۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں سے ایک ہی چیز مراد ہے۔

جواب

حضرت علامہ فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اس کے متعلق اپنی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ اس واؤ کو تفسیر یہ کہنا اور دونوں سے ایک ہی چیز مراد لینا ضعیف ہے۔ لِاَنَّ الْعَطْفَ یُوْجِبُ الْمُغَایَرَةَ بَیْنَ الْمَعْطُوْفِ وَالْمَعْطُوْفِ عَلَیْهِ۔یعنی یہ واؤ عاطفہ ہے اور واؤ عاطفہ کا حقیقی معنی معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان مغایرت ثابت کرنا ہوتا ہے۔یعنی معطوف علیہ اور معطوف ایک دوسرے کے غیر ہیں۔اس کے علاوہ واؤ جس معنی میں بھی استعمال ہوگی وہ اس کا مجازی معنی ہوگا۔اور جب کسی لفظ کا حقیقی معنی مراد لینا جائز ہو اور اس میں کوئی قرینہ مانع نہ ہو تو اس لفظ کو حقیقی معنی میں ہی استعمال کیا جاتا ہے۔اس لئے یہاں واؤ اپنے حقیقی معنی میں ہی استعمال ہوگی۔جس طرح توضیح کے صفحہ ۱۲۹ پر مذکور ہے۔ اِذَا یُسْتَعْمَلُ اللَّفْظُ یَجِبُ اَنْ یُحْمَلَ عَلَی الْمَعْنٰی الْحَقِیْقِیْ فَاِذَا لَمْ یُمْکِنْ فَعَلَی الْمَجَازِیْ۔یعنی جب کوئی لفظ استعمال ہو تو واجب ہے کہ اسے حقیقی معنی پر ہی محمول کیا جائے جب یہ ناممکن ہو تو مجازی معنی پر محمول ہوگا۔

نور الانوار میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔

اور ضمیر واحد کا تثنیہ کی طرف لوٹانا یہ عربی محاورہ میں عام ہے۔جس طرح اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ یعنی اللہ اور اس کا رسول اس کے زیادہ حق دار ہیں کہ وہ انہیں راضی کریں۔اس میں ہ ضمیر کا مرجع اللہ اور رسول دونوں ہیں۔

نورانیت مصطفیٰ ﷺ کے ثبوت میں احادیث

جس طرح آیت طیبہ کی تفسیر میں بہت سے مفسرین نے نور سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات لی ہے۔اسی طرح آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ارشادات گرامیہ

میں بھی اس کی وضاحت کی ہے۔

نمبر ا:- حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور فخر موجودات علیہ افضل الصلوٰت واطیب التحیات سے پوچھا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ اَخْبِرْنِیْ عَنْ اَوَّلِ شَیْءٍ خَلَقَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی قَبْلَ الْاَشْیَاءِ قَالَ یَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَدْ خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْیَاءِ نُوْرَ نَبِیِّکَ مِنْ نُّوْرِهٖ (رواہ عبدالرزاق بسندہ)

یعنی حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ مجھے یہ بتایئے کہ اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے کون سی چیز پیدا فرمائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے جابر! اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مخلوق ہے اور من نورہ میں من تشریفیہ اور تعظیم کے لئے ہے جیسے وَ نَفَخْتُ مِنْ رُّوْحِیْ میں مِنْ تشریف کے لئے ہے۔ یہ حدیث طیبہ ان صحیح احادیث میں سے ہے۔ جن کی تصحیح اور توثیق مولانا تھانوی صاحب نے نشر الطیب میں کی ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات عالم امکان میں سب سے مقدم ہے۔ آدم و ابو البشر علیہ السلام بلکہ عرش و کرسی سے بھی بہت پہلے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر صفات کی طرح نبوت و شریعت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفتیں ہیں۔ اہل معرفت کی اصطلاح میں اسی نور کو حقیقت محمدیہ کہا جاتا ہے۔

اور حقیقت محمدیہ حقیقۃ الحقائق ہے۔ وَ بِهٰذَا الْاِعْتِبَارِ سُمِّیَ الْمُصْطَفٰی بِنُوْرِ الْاَنْوَارِ وَ بِاَبِ الْاَرْوَاحِ (زرقانی) یعنی اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نور الانوار اور تمام ارواح کا باپ کہا جاتا ہے۔

نمبر ۲:- ابن قطان نے اپنی کتاب الاحکام میں حضرت امام علی زین العابدین سے انہوں نے اپنے پدر بزرگوار حضرت امام حسین سے۔ انہوں نے ان کے جد امجد حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی نقل کیا ہے۔

قَالَ کُنْتُ نُوْرًا بَیْنَ یَدَیْ رَبِّیْ قَبْلَ خَلْقِ آدَمَ بِاَرْبَعَةَ عَشَرَ

اَلْفَ عَامٍ۔

"میں نور تھا اور آدم علیہ السلام کی آفرینش سے چودہ ہزار سال پہلے اپنے رب کریم کے حریم ناز میں باریاب تھا"۔ (الاحکام)

اس حدیث کے آخری تین راوی آئمہ اہل بیت سے ہیں ان کا علم وفہم اور تقویٰ کسی توثیق کا محتاج نہیں البتہ ابن قطان کے متعلق علمائے جرح وتعدیل کی رائے بیان کرنا ضروری ہے تاکہ حدیث شریف کی صحت کے متعلق کسی کو شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے۔

علامہ زرقانی ان کے متعلق لکھتے ہیں۔

اَلْحَافِظُ النَّاقِدُ اَبُوالْحَسَنِ عَلِیُّ ابْنُ مُحَمَّدِ اِبْنِ عَبدِالْمَلِکِ الْحِمْیَرِی کَانَ مِنْ اَبْصَرِ النَّاسِ بِصَنَاعَةِ الْحَدِیْثِ وَاَحْفَظِهِمْ لِاَسْمَاءِ رِجَالِهٖ وَاَشَدِّهِمْ عِنَایَةً فِی الرِّوَایَةِ مَعْرُوْفًا بِالْحِفْظِ وَالْاِتْقَانِ۔ (زرقانی علی المواہب اللدنیہ ص ۴۸ ج ۱)

"یہ حافظ اور نقاد حدیث تھے۔ ان کا نام ابوالحسن علی ابن محمد ہے (اور ابن قطان ان کی کنیت ہے) فن حدیث میں ان کی بصیرت اپنے ہم عصر لوگوں سے زیادہ تھی۔ وہ اسماء الرجال کے حافظ تھے۔ روایت میں وہ انتہا درجے کی احتیاط برتا کرتے وہ اپنے حفظ اور اتقان کے باعث مشہور ومعروف تھے"۔

اب آئیے ایک اور انداز میں دلائل کی روشنی میں آپ کی نورانیت ثابت کرتے ہیں۔

ایک روز صحابہ کرام نے عرض کی یارسول اللہ مَتٰی وَجَبَتْ لَکَ النُّبُوَّةُ۔

حضور آپ کو خلعت نبوت سے کب سرفراز فرمایا گیا؟ حضور نے جواب میں ارشاد فرمایا وَاٰدَمُ بین الروح والجسد اور دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کُنْتُ نبیاً وَ اٰدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ اَوْ مُنْجَدِلٌ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ کہ مجھے اس وقت شرف نبوت سے مشرف کیا گیا جب کہ آدم علیہ السلام کی نہ ابھی روح بنی تھی اور نہ جسم یا آدم علیہ السلام ابھی مٹی اور پانی میں تھے۔ (رَوَاهُ التِرْمَذِی وَ صَحَّحَهٗ وَ قَالَ اَنَّهٗ حَسَنٌ غَرِیْبٌ)

نبوت صفت ہے اور موصوف کا صفت سے پہلے پایا جانا ضروری ہے اب خود ہی فیصلہ فرمایئے جو موصوف اپنی صفت نبوت سے متصف ہو کر آدم علیہ السلام سے پہلے موجود تھا اس کی حقیقت کیا تھی؟ یعنی تخلیق بشریت سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات موجود تھی اسی کو نور محمدی کہا جاتا ہے۔

ابن تیمیہ وغیرہ نے یہ کہا ہے کہ كُنْتُ نَبِيًّا وَ اٰدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ اور كُنْتُ نَبِيًّا وَلَا اٰدَمَ وَلَا مَاءَ وَلَا طِيْنَ لَا اَصْلَ لَهُمَا کہ ان دو حدیثوں کی کوئی اصل نہیں۔ علامہ خفاجی، ابن تیمیہ کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان حدیثوں کو موضوع یا بے اصل کہنا درست نہیں کیونکہ امام ترمذی کی روایت کردہ حدیث بلاشبہ صحیح ہے اور یہ دونوں روایتیں اس کی ہم معنی ہیں۔ اس لئے ان کو موضوع کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ جبکہ روایت بالمعنی محدثین کے نزدیک جائز ہے۔ اس حدیث کا یہ مطلب بھی نہیں کہ میں تخلیق آدم سے پہلے علم الٰہی میں نبی تھا۔ کیونکہ اس میں پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کوئی خصوصیت نہ ہو گی بلکہ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح سے پہلے اپنے حبیب کی روح کو پیدا فرمایا اور اسی وقت خلعت نبوت سے سرفراز کیا۔ اور ملاء اعلیٰ کو اس حقیقت سے آگاہ کر دیا۔ بَلْ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ رُوْحَهٗ قَبْلَ سَائِرِ الْاَرْوَاحِ وَ خَلَعَ عَلَيْهَا خِلْعَةَ التَّشْرِيْفِ بِالنُّبُوَّةِ اِعْلَامًا لِلْمَلَاءِ الْاَعْلٰى بِهٖ۔ چنانچہ ایک دوسری روایت میں ہے۔ فَيُسَبِّحُ ذٰلِكَ النُّوْرُ وَ تُسَبِّحُ الْمَلَائِكَةُ بِتَسْبِيْحِهٖ کہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے اور سارے فرشتے حضور کی تسبیح سن کر اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے۔ کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

گر نہ خورشید جمال یار گشتے راہ نموں
از شب تاریک غفلت کس بردے راہ بروں

"اگر محبوب کے حسن کا جلوہ راہ نہ دکھلائے تو غفلت کی تاریک رات سے کوئی بھی راستہ حاصل نہیں کر سکتا"۔ (ماخوذ از ضیاء القرآن)

حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی اس حقیقت کو مختلف الفاظ سے بیان کیا گیا ہے لیکن ان

تمام کا مآل ایک ہے۔

حدیث قدسی میں اس کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ خَلَقْتُ رُوْحَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نُوْرِ وَجْهِىْ کہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا کہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو اپنے چہرے کے نور کی تجلی سے پیدا فرمایا۔ اور دوسری حدیث شریف میں ہے۔ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِىْ کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا۔

نمبر ۳:- اس حدیث شریف میں یہ الفاظ ہیں کہ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمُ وَ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْعَقْلُ وَ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ رُوْحِىْ ان تمام سے مراد نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات ہے لیکن آپ کو مختلف اشیاء کے ساتھ تشبیہ دے کر ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت غوث اعظم عبدالقادر جیلانی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف لطیف "سِرُّ الْاَسْرَارِ فِيْمَا يَحْتَاجُ اِلَيْهِ الْاَبْرَارُ" میں لکھتے ہیں کہ ان تمام سے مراد ایک ہی چیز ہے۔ وَ هُوَ الْحَقِيْقَةُ الْمُحَمَّدِيَّةُ لٰكِنْ سُمِّىَ نُوْرًا لِكَوْنِهٖ صَافِيًا عَنِ الظُّلُمَاتِ الْجَلَالِيَّةِ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَ كِتَابٌ مُبِيْنٌ وَ عَقْلًا لِكَوْنِهٖ مُدْرِكًا لِلْكُلِّيَّاتِ كُلِّهَا وَ قَلَمًا لِكَوْنِهٖ سَبَبًا لِنَقْلِ الْعِلْمِ كَمَا اَنَّ الْقَلَمَ سَبَبٌ لَهٗ فِىْ عَالَمِ الْحُرُوْفِ فَالرُّوْحُ الْمُحَمَّدِيَّةُ خُلَاصَةُ الْاَكْوَانِ وَ اَوَّلُ الْكَائِنَاتِ۔

اور وہ حقیقت محمدیہ ہے لیکن اسے نور اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ ظلمات جلالیہ سے صاف ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی اس آیت میں ذکر فرمایا ہے۔ قد جاء کم من اللہ الخ اور عقل اس لئے کہا گیا ہے کہ آپ تمام کلیات و (جزئیات) کا ادراک کرنے والے ہیں۔ اور قلم کہنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ علم الٰہی کو لوگوں تک پہنچانے کا سبب ہیں۔ جس طرح قلم حروف کو نقل کرنے کا سبب ہے۔ پس روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم اکوان کا خلاصہ ہے اور تمام کائنات سے اول ہے۔ اسی لئے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ عرض کرتے ہیں۔

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰس وہی طٰہٰ

ان مذکورہ بالا تمام تفصیلات سے یہ معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تخلیق کائنات سے پہلے پیدا کیے گئے ہیں۔ مدارج النبوۃ اور خصائص کبریٰ میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ہمکلامی کا شرف بخشا تو انہوں نے عرض کی اے مولا کریم! جو مقام و مرتبہ تو نے مجھے عطا فرمایا ہے کیا یہ کسی اور کو بھی عطا کیا گیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے موسیٰ! ہم نے تیرے دل کو متواضع اور منکسر پایا تو تجھے یہ شرف عطا فرمایا لیکن اے موسیٰ خُذْ مَا اٰتَیْتُکَ وَ کُنْ مِنَ الشّٰاکِرِیْنَ وَ مُتْ عَلَی التَّوْحِیْدِ وَ مَحَبَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِلٰهِیْ ضَرُوْرِیٌّ بِتَوْحِیْدِکَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی لَوْ لَا مُحَمَّدٌ وَ اُمَّتُهٗ لَمَا خَلَقْتُ الْجَنَّةَ وَلَا النَّارَ وَلَا الشَّمْسَ وَلَا الْقَمَرَ وَلَا اللَّیْلَ وَلَا النَّهَارَ وَلَا مَلَکًا مُقَرَّبًا وَلَا نَبِیًّا مُرْسَلًا وَلَا اِیَّاکَ کہ اے موسیٰ! جو کچھ میں نے تمھیں عطا کیا ہے اسے مضبوطی سے پکڑو اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جاؤ اور تیری موت توحید اور محبت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر آئے تو عرض کی کیا تیری توحید کے ساتھ یہ ضروری ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کا پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو نہ یہ آسمان ہوتا نہ زمین ہوتی، نہ عرش ہوتا نہ فرش ہوتا۔ نہ اس عالم رنگ و بو میں یہ چہل پہل ہوتی نہ ہواؤں کی سرسراہٹ اور نہ درختوں کی پھڑپھڑاہٹ ہوتی۔ نہ چاند ہوتا نہ سورج ہوتا۔ نہ یہ ستارے ہوتے اور نہ سیارے ہوتے۔ نہ انسان ہوتا نہ اس کی شوخیاں ہوتیں۔ نہ حیوان ہوتے نہ ان کا ڈکارنا ہوتا نہ یہ سمندر ہوتے اور نہ ان کی لہریں، نہ دریا ہوتے نہ ان کی محوخرام موجیں ہوتیں نہ بادل ہوتے نہ ان کا گرجنا اور برسنا ہوتا۔ اور نہ ہی ہوا ہوتی اور نہ اس کا مشام جان کو معطر کرنا ہوتا۔ غرضیکہ سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے کچھ بھی نہ ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرما کر اس کائنات کی تخلیق کا آغاز فرمایا اور باقی تمام موجودات کو آپ کے نور سے

پیدا فرمایا۔

اس بحث کے اختتام پر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات کا ایک اقتباس نقل کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ ہوسکتا ہے شاید جلوہ حسن محمدی کی جھلک دیکھ کر کوئی چشم اشکبار مسکرا دے کسی کے دل بے قرار کو قرار آجائے۔ آپ لکھتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ پیدائش محمدی صلی اللہ علیہ وسلم تمام افراد انسانی کی پیدائش کی طرح نہیں بلکہ افراد عالم میں سے کسی فرد کی پیدائش کے ساتھ نسبت نہیں رکھتی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باوجود عنصری پیدائش کے حق تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ خُلِقْتُ مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ۔ کشف صریح سے معلوم ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اس امکان سے پیدا ہوئی ہے۔ جو صفات اضافیہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے نہ کہ اس امکان سے جو تمام ممکنات عالم میں ثابت ہے ممکنات عالم کے صحیفہ کو خواہ کتنا ہی باریک نظر سے مطالعہ کیا جائے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مشہود نہیں ہوتا، بلکہ ان کی خلقت و امکان کا منشاء عالم ممکنات میں ہے ہی نہیں کیونکہ اس عالم سے برتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا سایہ نہ تھا۔ نیز عالم شہادت میں ہر ایک شخص کا سایہ اس کے وجود کی نسبت زیادہ لطیف ہوتا ہے اور جب جہان میں ان سے لطیف کوئی نہیں تو پھر ان کا سایہ کیسے متصور ہوسکتا ہے۔

(دفتر سوم مکتوب نمبر ۱۰۰ ص ۲۶۶)، (منقول از ضیاء القرآن)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حقیقت واصلیت نور ہے۔ اور آپ کو لباس بشریت میں مبعوث کیا گیا ہے۔ اور نورانیت و بشریت آپس میں ضدیں نہیں کہ ان کا جمع ہونا ناممکن ہو۔ حضرت جبریل امین کی نورانیت پر تمام کا اتفاق ہے لیکن وہ بھی لباس بشریت میں ملبوس ہوکر زمین پر تشریف لاتا رہا۔ کئی بار وہ دحیہ کلبی کی شکل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور صحابہ کرام نے انہیں اپنی نظروں سے دیکھا اور اس بات پر قرآن کریم گواہ ہے کہ وہ حضرت مریم علیہا السلام کے پاس ایک کامل بشر کی صورت میں ظاہر ہوئے۔ اللہ

تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا۔ (سورۃ مریم)

اس لئے یہ کہنا کہ نور اور بشر جمع نہیں ہو سکتے درست نہیں۔

حضور ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے ہی انوکھے انداز میں ضیاء القرآن شریف میں اس کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صفت بشریت سے متصف ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشریت کا مطلقاً انکار غلط سرتاپا غلط ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ حضور کو بشر کہنا درست ہے یا نہیں۔ جملہ اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ حضور پرنور کی تعظیم و تکریم فرض عین ہے اور ادنیٰ سی بے ادبی سے ایمان سلب ہو جاتا ہے۔ اور اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ کہ آپ کی تعظیم کرو اور آپ کا احترام کرو۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ بشر کہنے میں تعظیم ہے یا تنقیص۔ ادب و احترام ہے یا سوء ادبی۔ پہلی صورت میں بشر کہنا جائز ہوگا اور دوسری میں ناجائز۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم و توقیر جنت اور شہادت کا وارث بناتی ہے۔ اور آپ کی بے ادبی اور سوء ادب غضب الٰہی کو بھڑکا دیتا ہے۔ حضور ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ وہ پیش خدمت ہے۔

علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر روح البیان میں لکھا ہے کہ ایک فاضل اجل سے مروی ہے کہ وہ ایک مجلس میں تھے تو ایک محجوب اور محروم ازلی نے کہا۔ ہوائے نفس سے کسی کو چھٹکارا نہیں خواہ وہ بھی ہو۔ (وہ سے اشارۃً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف کیا) کیونکہ انہوں نے بھی کہا ہے کہ حُبِّبَ اِلَيَّ مِنْ دُنْيَاكُمْ ثَلَاثٌ الطِّيْبُ وَالنِّسَاءُ وَ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ یعنی تمہاری دنیا سے تین چیزیں میرے لئے مرغوب کی گئی ہیں۔ خوشبو، نساء اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ میں نے اس گستاخ کو کہا تمہیں خدا سے شرم نہیں آتی۔ حدیث شریف میں اَحْبَبْتُ (یعنی میں پسند کرتا ہوں) کا لفظ نہیں بلکہ

حُبِّبَ (میرے لئے مرغوب بنادی گئی ہیں) کا لفظ ہے۔ ہوائے نفس تو تب ہوتی کہ اَحْبَبْتُ کا لفظ ہوتا۔ فرماتے ہیں کہ اس گستاخ کا منہ تو میں نے بند کر دیا لیکن میں اس کی بدزبانی پر بڑا غمگین ہوا۔ کہ اپنے آپ کو امتی کہلانے والا شخص بھی ایسی بات اپنی زبان پر لا سکتا ہے۔ رات کو خواب میں حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارت کا شرف بخشا اور فرمایا لَا تَغْتَمْ فَقَدْ كَفَيْنَاكَ اَمرَهٗ، غمزدہ نہ ہو، ہم نے اس کا کام تمام کر دیا ہے۔ صبح ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ قتل کر دیا گیا ہے۔ (روح البیان)

علامہ مرحوم اگر آج ہوتے اور ان امتیوں کا حال دیکھتے جو اپنے آپ کو بشریت میں حضور کا ہم پلہ ثابت کرنے کے لئے کس سوقیانہ انداز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی کا ذکر کرتے ہیں تو ان کا کلیجہ پھٹ جاتا۔

شب پرہ می طلبد بدر تمامت نقصان
او نداند کہ ابد نور تو ظاہر باشد
ہر کہ از روح جدل برتو سخن میراند
بمثل شد اگر بو علی کافر باشد

"چمگادڑ یہ چاہتی ہے کہ آپ کے بدر کامل کے نور کو کم کر دے۔ وہ بے وقوف یہ نہیں جانتی کہ آپ کا نور ابد تک درخشاں رہے گا۔ جو بدبخت آپ کی ذات پر زبان طعن دراز کرے وہ عقل و فہم میں بوعلی سینا کی مانند بھی ہو تو وہ دولت ایمان سے محروم ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ سرور کائنات علیہ التسلیمات والتحیات کی ذات پاک تو بڑی اعلیٰ و ارفع ہے۔ اگر کوئی شخص اولیاء و مشائخ پر بھی بے جا اعتراض کرتا ہے تو وہ نعمت و برکت سے محروم کر دیا جاتا ہے اور علم و عرفان کا دروازہ اس کے لئے بند ہو جاتا ہے"۔ (ضیاء القرآن شریف)

اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا:

شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب
اس برے مذہب پر لعنت کیجئے

مہر سپہر علم و عرفان حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے اس عقدہ کا جو حل پیش کیا ہے اس کے مطالعہ کے بعد کوئی اشتباہ نہیں رہتا۔ آپ کے ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ لفظ بشر مفہوماً اور مصداقاً متضمن بکمال ہے۔ کیونکہ آدم علیہ السلام کو بشر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا۔ ارشاد باری ہے۔ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ اے ابلیس! جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا اس کو سجدہ کرنے سے تجھے کس نے روکا کیونکہ اس پیکر خاکی کو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ لگنے کی عزت نصیب ہوئی۔ اس لئے اسے بشر کہا گیا ہے۔ اس خاک کے پتلے کی اس سے بڑھ کر عزت افزائی کیا ہو سکتی ہے۔ نیز یہی بشر جو آپ کے الفاظ میں کمال استجلاء کے لئے مظہر بنایا گیا ہے اور ملائکہ بوجہ نقص مظہریت کمال سے محروم ٹھہرے۔ یہ دونوں چیزیں اگر ذہن نشین ہوں تو بشر کہنا عین تعظیم و تکریم ہے۔ مگر چونکہ اس کمال تک ہر کس و ناکس سوائے اہل تحقیق و اہل عرفان رسائی نہیں رکھتا۔ لہٰذا اطلاق لفظ بشر میں خواص بلکہ اخص الخواص کا حکم عوام سے علیحدہ ہے۔ خواص کے لئے جائز عوام کے لئے بغیر زیادت لفظ دال بر تعظیم ناجائز ہے۔

(فتاویٰ مہریہ ص ۱۰ مطبوعہ ۱۹۶۲)

یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صرف بشر کہنا گستاخی ہے اور افضل البشر، احسن البشر اور اکرم البشر وغیرہ الفاظ کہنا درست ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ یہ مماثلت کس چیز میں ہے جس کو آیت طیبہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کیونکہ مراتب و درجات وہبی ہوں یا کسبی، کمالات علمی ہوں یا

عملی، عادات وخصائل، روح پرنور بلکہ جسم عنصری تک میں کسی کو مماثلت تو کجا ادنیٰ مناسبت بھی نہیں پھر یہ مماثلت جس کا ذکر اس آیت میں ہے کون سی ہے اور کہاں پائی جاتی ہے۔ یقیناً صرف ایک بات میں مماثلت ہے وہ یہ ہے کہ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وہ بھی ایک خدائے وحدہٗ لاشریک کا بندہ ہے جس کے تم بندے ہو۔ اس کا بھی وہی خالق و مالک ہے جو تمہارا خالق و مالک ہے۔ (ضیاء القرآن شریف)

میں اپنے اس وعظ کا اختتام غالب کے اس شعر پر کرتا ہوں۔

ثنائے خواجہ بیزداں گز اشتیم
کاں ذات پاک دان مرتبہ محمد است

اور حافظ شیرازی عرض کرتے ہیں۔

يَا صَاحِبَ الْجَمَالِ وَ يَا سَيِّدَ الْبَشَرِ
مِنْ وَجْهِکَ الْمُنِيْرِ لَقَدْ نُوِّرَ الْقَمَرُ
لَا يُمْكِنُ الثَّنَاءُ كَمَا كَانَ حَقُّهٗ
بَعْدْ از خدا بزرگ توئی قصه مختصر

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ بے کس پناہ میں التجا ہے کہ وہ ہمیں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت عطا فرمائے۔ (آمین)

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ اَنْ اُشْرِکَ بِکَ شَيْئاً وَّاَنَا اَعْلَمُ بِهٖ وَاسْتَغْفِرُکَ لِمَا لَا اَعْلَمُ بِهٖ اللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلٰى سَيدنا محمد و على الِ سيدنا محمد و بارک وسلم و اخر دعوانا اَن الحمد لله رب العالمين

وما توفيقى الا بالله عليه توكلت و اليه انيب

انہتر واں وعظ

بدگمانی اور غیبت کی مذمت کا بیان

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا١ؕ اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ١ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ١ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ۝

"اے ایمان والو! دور رہا کرو بکثرت بدگمانیوں سے بلاشبہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں اور نہ جاسوسی کیا کرو اور ایک دوسرے کی غیبت بھی نہ کیا کرو۔ کیا پسند کرتا ہے تم میں سے کوئی شخص کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ پس تم اسے مکروہ سمجھتے ہو اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا اور ہمیشہ رحم کرنے والا ہے" (الحجرات)۔ (جمال القرآن)

یہ آیت طیبہ سورۃ حجرات کی ہے اور یہ ان سورتوں میں سے ہے جو مدنی زندگی میں نازل ہوئیں اس سورت میں بنی تمیم کے وفد کے شرف باریابی حاصل کرنے کا ذکر ہے جو مدینہ طیبہ میں اس وقت حاضر ہوا جب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام گھر تشریف لے جا چکے تھے تو انہوں نے آپ کے باہر آنے کا انتظار نہ کیا اور حجرے کے باہر کھڑے ہو کر آوازیں لگانے لگے۔ باہر آئیے باہر آئیے۔ انہیں تنبیہ کرنے کے لئے اس کی پہلی آیت نازل ہوئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورۃ پاک مدینہ طیبہ میں ہی نازل ہوئی ہے۔

آیت کا شان نزول

اس آیت پاک کے شان نزول کے متعلق ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک سفر میں تھے تو آپ نے حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ کو دو شخصوں کے حوالے کیا کہ وہ ان کے ساتھ رہے گا اور وہ اسے اپنے کھانے میں شریک کریں گے۔ اور وہ ان سے پہلے پڑاؤ میں پہنچ کر ان کے آرام اور کھانے کا انتظام کرے گا۔ ایک دن حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ ایک جگہ پر اترے اور آپ نے ان کے لئے کوئی سامان تیار نہ کیا۔ تو انہوں نے آپ سے کہا کہ جائیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر آپ سے بچا ہوا سالن مانگ کر لائیے۔ حضرت سلیمان تشریف لے گئے تو ان میں سے ایک نے اپنے دوسرے ساتھی سے کہا جبکہ حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ وہاں موجود نہ تھے کہ یہ تو ایسا ہے کہ اگر انہیں کسی جاری کنویں کی طرف بھیج دیا جائے جو کثیر پانی سے مشہور ہو تو اس کا پانی خشک ہو جائے جب حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور ان کا پیغام پہنچایا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ انہیں کہو کہ تم تو سالن کھا چکے ہو۔

حضرت سلیمان ان کے پاس واپس تشریف لے گئے اور جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اس سے انہیں آگاہ کیا۔ وہ دونوں نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ہم نے تو سالن نہیں کھایا۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں تمہارے مونہوں میں گوشت کی سرخی دیکھ رہا ہوں جس کا سبب یہ ہے کہ تم نے اپنے ساتھی کی غیبت کی ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل فرمائی۔

اسلام دین فطرت ہے اور یہ امن و آشتی کا درس دیتا ہے۔ ایسے اعمال کرنے کی تلقین کرتا ہے جن سے باہمی محبت و الفت پیدا ہوتی ہے اور ان تمام باتوں سے سختی سے روکتا ہے۔ جن کے باعث معاشرہ کا امن وسکون برباد ہوتا ہے اور محبت و پیار کے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں۔ خون خرابہ شروع ہو جاتا ہے۔ زبان سے دوسرے کا مذاق اڑانا جس سے اس کی عزت نفس مجروح ہوتی ہو۔ اور ایسی گفتگو کرنا جس سے اس کی تحقیر کا پہلو نکلتا ہو۔ نقلیں اتار کر کسی کا منہ چڑانا اس کے لباس و گفتار پر ہنسنا اس کے منہ پر اس کی عیب جوئی کرنا۔ سر کے اشارہ سے یا زیرلب آہستہ سے کسی پر نکتہ چینی کرنا، اس کی خامیوں اور کمزوریوں کو

اچھالنا۔ ایسے القاب سے اس کو پکارنا جن میں اس کی مذمت کرنا مقصود ہوتا ہے اور وہ انہیں ناپسند کرتا ہے کسی اندھے کو اندھا کہنا، کانے کو کانا کہنا وغیرہ سب ممنوع ہیں اور ایسی باتیں کرنے والے کو اسلام فاسق شمار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں کہ کوئی مسلمان ہو کر فاسق کہلائے اس لئے اللہ تعالیٰ نے بڑے ہی پیارے انداز میں انہیں تنبیہ فرمائی ہے کہ ایمان قبول کرنے کے بعد تم میرے ہو چکے ہو۔ اب تمہیں ایسی کوئی نازیبا حرکت نہیں کرنی چاہئے جس کی وجہ سے تمہیں بدکار اور فاسق کہا جائے۔ اگر تم اسلام قبول نہ کرتے، میرے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لاتے اور شتر بے مہار بنے من مانیاں کرتے رہتے تو تم سے کسی کو شکایت نہ رہتی۔ اب تم مشرف باسلام ہو چکے ہو اور لوگ بجا طور پر تم سے توقع رکھتے ہیں کہ تم خیر و اصلاح کا عملی نمونہ پیش کرتے رہو گے۔ نیکی اور پارسائی تمہارا شعار ہو گا۔ غلامان مصطفیٰ کہلا کر اگر تم فسق و فجور سے اپنا دامن نہیں بچاتے تو بڑی بے حیائی اور افسوس کی بات ہے۔ حضرت علامہ اقبال مرحوم نے کیا ہی خوب فرمایا ہے۔

گر نہ داری از محمد رنگ و بو

از زبان خود میالا نام او

یعنی اگر تمہاری سیرت و کردار اپنے محبوب کے رنگ و بو سے بہرہ ور نہیں تو تمہیں قطعاً یہ زیب نہیں دیتا کہ اپنی ناپاک زبان سے اس پاک کا نام لو۔

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس بات کو بھی سخت ناپسند کرتے تھے کہ

- کسی شخص کا نام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسم گرامی کی طرح احمد اور محمد ہو پھر وہ ناپسندیدہ کام کرے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اپنے زمانہ خلافت میں اطلاع ملی کہ ایک آدمی کا نام محمد ہے اور وہ اچھے کام نہیں کرتا۔ بلکہ غلط کاموں کا رسیا ہے تو آپ نے اسے حاضر کرنے کا حکم دیا جب وہ آیا تو آپ نے اسے ڈانٹ کر فرمایا کہ یا تو اپنا نام بدل ڈالو اور یا یہ نازیبا افعال ترک کر دو۔ کیونکہ میں یہ گوارا نہیں کرتا کہ کہا جائے کہ محمد نے یہ ناپسندیدہ عمل کیا

ہے۔ یہ ہے ادب واحترام اور محبت والفت جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

اب آیئے آیت طیبہ کی مزید وضاحت کریں۔ مسلم معاشرہ کو ہر قسم کی شکر رنجی سے محفوظ رکھنے کے لئے اس آیت میں ہدایات دی جارہی ہیں۔ اور فرمایا بکثرت ظن وگمان کرنے سے اجتناب کیا کرو۔ کیونکہ بعض ظن ایسے ہیں جو گناہ ہوتے ہیں۔ اگر تم ظن وگمان کے شیدائی بن جاؤ تو ہوسکتا ہے کہ تم ایسے گمان بھی کرنے لگو جو سراسر گناہ ہیں۔ ان کلمات کو دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ مطلقاً ظن سے نہیں روکا اور نہ ہر قسم کے ظن کو گناہ کہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کئی ظن جائز ہیں۔ اس لئے علمائے کرام نے ظن کی متعدد قسمیں ذکر کی ہیں۔

ظن کی اقسام

نمبر ۱ واجب، نمبر ۲ مستحب، نمبر ۳ مباح، نمبر ۴ ممنوع

واجب

اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن کرنا واجب ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وصال سے تین روز پہلے فرمایا۔ لَا يَمُوْتَنَّ اَحَدُكُمْ اِلَّا وَ هُوَ يُحْسِنُ الظَّنَّ بِاللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ کہ تم میں سے کوئی نہ مرے مگر اس حالت میں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھتا ہو۔ دوسرا ارشاد نبوی ہے۔ يَقُوْلُ اللّٰهُ اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ فَلْيَظُنَّ مَاشَاءَ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں اپنے بندے کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہوں جس کا وہ مجھ سے ظن رکھتا ہے۔ اب اس کی مرضی جیسا چاہے میرے ساتھ ظن رکھے۔

مستحب اور مباح

ظن مستحب کی مثال مومن کے ساتھ جس کا ظاہری حال اچھا ہو اس کے متعلق حسن ظن کرنا مستحب ہے۔ ایسا شخص جس کے احوال مشکوک ہوں۔ اس کے متعلق سوء ظن کرنا

مباح ہے۔ لیکن جب تک یقینی دلائل موجود نہ ہوں، اس وقت تک محض ظن کے مطابق اس کے خلاف کارروائی کرنا جائز نہیں۔ اس کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اِذَا ظَنَنْتُمْ فَلَا تَحَقَّقُوْا اگر کسی کے بارے میں شبہ پیدا ہو جائے تو اس کی تحقیق میں نہ لگ جاؤ۔ شریعت میں نصوص کے خلاف ظن وتخمین سے کام لینا ممنوع ہے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ اس آیت میں ظن سے مراد تہمت ہے۔ قَالَ عُلَمَاءُ نَا فَالظَّنُّ فِی الْاٰیَةِ هُوَ التُّهْمَةُ اور اس قول کی دلیل انہوں نے یہ پیش کی ہے کہ بعد میں فلا تَجَسَّسُوْا فرمایا ہے۔ کیونکہ جب کسی پر تہمت لگتی ہے تو طبیعت چاہتی ہے کہ اس کا سراغ لگایا جائے اور صحیح حالات پر آگاہی حاصل کی جائے۔ (قرطبی)

اور شریعت اسلامیہ میں کسی مسلمان کے عیبوں کا سراغ لگانا اور اس کے پوشیدہ حالات کو کریدنا ممنوع ہے اس طرح اس کی پردہ دری ہو گی حالانکہ ہمیں پردہ پوشی کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ کہ جو اس دنیا میں کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا قیامت کے دن اللہ اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ ابو برزہ الاسلمی فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یَا مَعْشَرَ مَنْ اٰمَنَ بِلِسَانِهٖ وَلَمْ یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ قَلْبَهٗ لَا تَغْتَابُوا الْمُسْلِمِیْنَ فَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ فَاِنَّ مَنِ اتَّبَعَ عَوْرَاتِهِمْ یَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ وَمَنْ یَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ یَفْضَحْهُ فِیْ بَیْتِهٖ

"یعنی اے وہ گروہ! جو زبان سے تو ایمان لایا ہے لیکن ایمان اس کے دل میں ابھی داخل نہیں ہوا۔ مسلمانوں کی غیبت مت کیا کرو۔ ان کی پوشیدہ باتوں کا سراغ مت لگایا کرو۔ جو مسلمانوں کی پوشیدہ باتوں کا پیچھا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی مخفی باتوں کا پیچھا کرتا ہے۔ اور جس کی مخفی باتوں کا پیچھا خدا کرے تو وہ اس کو اپنے گھر میں رسوا کر دیتا ہے"۔ (ضیاء القرآن)

حضور ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اسی طرح ارباب حکومت کو بھی بلاوجہ

لوگوں کے مخفی رازوں پر آگاہی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول کو یہ فرماتے ہوئے سنا اِنَّکَ اِنِ اتَّبَعتَ عَورَاتِ النَّاسِ اَفسَدتَهم او كِدتَ اَن تَفسُدَهم۔ یعنی اگر تم لوگوں کی پوشیدہ باتوں کے جاننے کے درپے ہو گئے۔ تو تم انہیں خراب کر کے چھوڑو گے اور لوگوں میں فساد بھڑکا گناہ ہے۔

اسلام کی نظر میں انسان کی پرائیویٹ زندگی کا احترام

اسلام کی نظر میں انسان کی پرائیویٹ زندگی کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ وہ اسے بازیچہ طفلاں نہیں بناتا۔ اس کا اندازہ آپ ایک مشہور تاریخی واقعہ سے بآسانی لگا سکتے ہیں۔ جو خرائطی نے ثور قندی کے واسطہ سے مکارم الاخلاق میں نقل کیا ہے۔ ایک رات حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ کی گلیوں میں گشت لگا رہے تھے۔ ایک گھر سے آپ کو ایک شخص کے گانے کی آواز آئی دیوار پھاند کر آپ اندر داخل ہو گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی ہے اس کے پاس ایک عورت بیٹھی ہے۔ قریب ہی شراب رکھی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ غصہ سے بے قابو ہو گئے۔ اور فرمایا: يَا عَدُوَّ اللّٰهِ اَظَنَنتَ اَنَّ اللّٰهَ يَستُرُكَ وَاَنتَ عَلٰى مَعصِيَةٍ اے اللہ کے دشمن! کیا تجھے یہ گمان تھا کہ تو ایسی نافرمانی بھی کریگا اور اللہ تیری پردہ پوشی بھی کرے گا۔ اس شخص نے کہا۔ اے امیر المومنین! عجلت سے کام نہ لیں اگر میں نے اللہ تعالیٰ کی ایک نافرمانی کی ہے تو آپ نے تین نافرمانیاں کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لَا تَجَسَّسُوا کسی کی جاسوسی نہ کیا کرو۔ آپ نے میری جاسوسی کی ہے۔ فرمان خداوندی ہے۔ وَاتُوا الْبُيُوتَ مِنْ اَبْوَابِهَا کہ گھروں میں دروازوں سے داخل ہوا کرو۔ آپ دیوار پھاند کر داخل ہوئے ہیں۔ ارشاد ہے۔ لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا کہ تم اپنے گھروں کے علاوہ دوسروں کے گھروں میں اہل خانہ کی اجازت کے بغیر داخل نہ ہوا کرو۔ اور آپ میری اجازت کے بغیر اندر آ گئے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر میں تم کو معاف کر دوں تو کیا تم آئندہ ان جرائم کا ارتکاب نہ کرو گے۔

اس نے کہا ہاں البتہ اگر کسی کی سرگرمیاں ملک و ملت کے خلاف ہوں وہ دشمن سے ساز باز کر رہے ہوں یا کسی کو قتل کرنے کے مشورے کر رہے ہوں تو ایسے لوگوں کے احوال کی جانچ پڑتال کرنا مباح ہے۔

غیبت کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا (اور ایک دوسرے کی غیبت بھی نہ کیا کرو)

غیبت کی تعریف خود زبان رسالت نے بیان فرمائی ہے۔ ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دریافت کیا کہ کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا۔ اَللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ذِكْرُكَ اَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ تیرا اپنے بھائی کا ایسا ذکر کرنا جسے وہ ناپسند کرے۔ عرض کی گئی۔ اگر وہ بات اس میں پائی جاتی ہو تو بھی اس کا ذکر غیبت ہوگی۔ آپ نے فرمایا اگر وہ بات اس میں پائی جاتی ہے اور تو اس کا ذکر کرے تو تو نے غیبت کی اور اگر ایسی بات کا ذکر کرے جو اس میں نہیں پائی جاتی تو تو نے اس پر بہتان باندھا اور بہتان بہت عظیم گناہ ہے۔

غیبت فتنہ اور فساد کی جڑ ہے۔ محبت کی قاطع ہے قتل و غارت کا پیش خیمہ ہے اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اَلْغِيْبَةُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا کہ غیبت بدکاری سے بھی زیادہ شدید گناہ ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح؟ تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ کوئی آدمی کسی غیر محرم عورت سے بدکاری کر کے منہ کالا کرتا ہے پھر وہ سچے دل سے ندامت کے آنسو بہاتے ہوئے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے اور غیبت کرنے والے کو اس وقت تک معاف نہیں کیا جائے گا جب تک وہ اس شخص سے جس کی غیبت کی ہے معاف نہیں کرا لیتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ غیبت کبیرہ گناہوں سے ہے۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک لمبے قد کی عورت نبی اکرم علیہ

الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ جب وہ واپس چلی گئی تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا هٰذِهٖ طَوِيْلَةُ الْقَامَةِ یہ تو بڑے لمبے قد والی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اِلْفِظِیْ الْغِیْبَۃَ کہ تو غیبت کو باہر پھینک دے تو انہوں نے گوشت کا ایک ٹکڑا اپنے منہ سے باہر پھینکا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی میں نے اس کے متعلق وہی بات کہی ہے جو اس میں ہے۔ تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تو نے اس کی وہ بات کہی ہے جو بہت زیادہ قبیح ہے۔ اور غیبت تو وہی ہے کہ تو اس کا وہ عیب ذکر کرے جو اس میں ہو۔ اور اگر وہ عیب اس میں نہیں تو وہ تہمت ہے۔ اور تہمت غیبت سے بھی شدید گناہ ہے۔ کیونکہ تہمت سے توبہ کرنے کے لئے تین باتیں کرنا ضروری ہوتی ہیں۔ نمبر (۱) کہ تہمت لگانے والا ان لوگوں کے پاس جائے جن کی موجودگی میں اس نے اس کے متعلق گفتگو کی ہے اور کہے کہ میں نے فلاں شخص کے متعلق تمہارے سامنے یہ یہ بات کہی ہے تو تم جان لو کہ میں نے اس کی طرف جھوٹی بات منسوب کی ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ جس پر اس نے تہمت لگائی ہے اس کے پاس جائے اور اس سے معافی طلب کرے اور تیسری بات یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرے۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ کسی کی غیبت کرنا حرام ہے خواہ تو اس کی ذات میں کوئی عیب ذکر کرے یا اس کے عقل، کپڑے، قول، نسب، اس کے کسی جانور یا کسی ایسی چیز کے متعلق اس کی عدم موجودگی میں گفتگو کرے جس کا اس کے ساتھ تعلق ہے یہاں تک کہ تیرا یہ کہنا کہ اس کی آستین کھلی ہے اس کا دامن یا قد لمبا ہے۔ تو یہ سب غیبت کے زمرہ میں داخل ہیں اور ان سے بچنا چاہئے۔

غیبت کی سزا

روایت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ وہ آدمی جو غیبت سے توبہ کر لیتا ہے۔ وہ سب سے آخر میں جنت میں داخل ہوگا اور وہ آدمی جو کسی کی غیبت پر اصرار کرتا ہے وہ سب سے پہلے جہنم میں داخل ہوگا۔ (زبدۃ الواعظین)

قرآن کریم نے لوگوں کو غیبت سے متنفر کرنے کے لئے ایک ایسی تشبیہ دی جس کو سن کر کوئی سلیم الطبع غیبت کی طرف راغب نہیں ہو سکتا۔ فرمایا کیا کوئی شخص انسانی گوشت کھانا پسند کرے گا اور انسان بھی وہ جو مردہ ہو اور مردہ بھی وہ جو اس کا بھائی ہو۔ اسی چیز کو ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک اور انداز سے بیان فرمایا جب ماعزؓ نے اعتراف زنا کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رجم کرنے کا حکم دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ دو آدمی آپس میں اس طرح کی گفتگو کر رہے تھے کہ اس شخص کو دیکھو کہ اس کا گناہ اللہ تعالیٰ نے ڈھانپ دیا ہے۔ پھر اس نے خود انکشاف کیا پھر اس کو اس طرح سنگسار کیا گیا جس طرح کتے کو کیا جاتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بات سنی اور خاموش رہے پھر کچھ وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم چلتے رہے یہاں تک کہ ایک مردار گدھے کے پاس سے گزرے فرمایا فلاں فلاں آدمی کہاں ہیں ان دونوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم حاضر ہیں۔ فرمایا اترو اور اس مردار گدھے کو کھاؤ۔ وہ کہنے لگے۔ اے نبی اللہ! اس مردار کو کون کھاتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فَمَا نِلْتُمْ مِنْ عِرْضِ اَخِيْكُمَا اَشَدُّ مِنَ الْاَكْلِ مِنْهُ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اِنَّهُ الْاٰنَ لَفِيْ اَنْهَارِ الْجَنَّةِ يَنْغَمِسُ فِيْهَا یعنی تم مردہ گدھا کھانے سے تو نفرت کرتے ہو لیکن اپنے بھائی کی عزت پر جو تم نے حملہ کیا ہے وہ مردار کھانے سے بھی بدتر ہے۔ پھر فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے وہ تو اس وقت جنت کی نہروں میں نہا رہا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ غیبت کبیرہ گناہوں سے ہے اگر کوئی شخص غیبت کر بیٹھے تو وہ توبہ کرے۔ اور اگر ہو سکے تو جس کی غیبت اس نے کی ہے اس سے بخشوا لے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ جس کی غیبت تم نے کی ہے اس کے لئے بکثرت مغفرت کی دعا مانگو۔

لیکن بعض صورتیں ایسی ہیں جہاں غیبت مباح ہو جاتی ہے وہ فاسق جو اعلانیہ فسق و فجور کا ارتکاب کرتا ہے اس کے عیب کا ذکر غیبت نہیں۔ حدیث شریف میں ہے۔ مَنْ اَلْقٰی

جِلْبَابَ الْحَيَاءِ فَلَاغِيْبَةَ لَهُ جو شخص حیاء کی چادر اتار کر پھینک دے اس کی کوئی غیبت نہیں۔ دوسرا ارشاد ہے۔ اُذْكُرُوا الْفَاجِرَ بِمَا فِيْهِ كَيْ يَحْذَرَهُ النَّاسُ فاجر کی خرابیاں بیان کیا کروتا کہ لوگ اس سے بچتے رہیں۔

ان ارشادات سے معلوم ہوا کہ اس شخص کی غیبت ممنوع ہے جو اپنی پردہ پوشی کرتا ہے۔ اسی طرح بدعقیدہ عالم اور ظالم بادشاہ کے عیوب بیان کرنا بھی غیبت نہیں اگر کوئی شخص قاضی کے پاس دعویٰ کرتا ہے تو اس ضمن میں اپنے خصم کے عیوب بیان کرتا ہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ ہندہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ اِنَّ اَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ شَحِيْحٌ لَا يُؤْتِيْنِيْ مَا يَكْفِيْنِيْ اَنَا وَوُلْدِيْ اٰخُذُ مِنْ غَيْرِ عِلْمِهٖ۔ کہ ابوسفیان بخیل آدمی ہے مجھے اتنا نہیں دیتا جس سے میرا اور میرے بچوں کا گزر ہو سکے۔ کیا میں اس کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر لے سکتی ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نعم فَخُذِيْ۔ ہاں لے سکتی ہو۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے لِصَاحِبِ الْحَقِ مَقَالٌ جس کا حق ہو۔ اسے بات کرنے کی اجازت ہے۔ اسی طرح رشتہ کے بارے میں اگر کوئی مشورہ کرے تو اسے صحیح صورتحال سے آگاہ کرنا جائز ہے۔

فاطمہ بنت قیس کو جب اس کے خاوند نے طلاق دے دی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ابوجہم رضی اللہ عنہ نے پیغام بھیجا۔ وہ مشورہ کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ حضور نے فرمایا۔ فَاَمَّا مُعَاوِيَةُ فَصُعْلُوْكٌ فَلَا مَالَ لَهُ وَ اَمَّا اَبُوْجُهْمٍ لَا يَدَعُ عَصَاهُ عَنْ عَاتِقِهٖ یعنی معاویہ مفلس اور قلاش ہے اور ابوجہم اپنے کندھے سے عصا دور نہیں کرتا۔ یہ اس لئے تھا کہ فاطمہ بنت قیس کو دھوکا نہ ہو۔

(منقول از ضیاء القرآن)

غیبت کا انجام

حضرت کعب الاحبار سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ بنی اسرائیل قحط میں مبتلا ہو

گئے۔ بارش برسنا بند ہو گئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر تین دن تک بارش طلب کرتے رہے۔ لیکن بارش نہ برسی تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی اے اللہ! تیرے بندے مسلسل تین دنوں سے بارش برسنے کی التجا کر رہے ہیں لیکن تو ان کی دعا قبول نہیں کر رہا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی اور فرمایا:

اے موسیٰ! میں اس قوم کی دعا کیسے قبول کروں جن میں ایک چغلخور ہے اور وہ چغلخوری پر مصر ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اے میرے پروردگار! بتائیے وہ کون ہے؟ تاکہ ہم اسے اپنے سے نکال دیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے موسیٰ! میں تمہیں چغلخوری سے منع کر رہا ہوں تو خود چغل خوری کیسے کروں تو ان تمام نے توبہ کی تو ان پر بارش برسائی گئی اس سے معلوم ہوا کہ خلوص سے کی ہوئی دعا قبول ہوتی ہے۔ (زبدۃ الواعظین)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے اپنی زندگی میں ایک دفعہ غیبت کی تو اللہ تعالیٰ اسے دس سزائیں دیتا ہے۔

نمبر ۱:- اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت سے دور ہٹا دیتا ہے۔

نمبر ۲:- اسے ملائکہ کی صحبت نصیب نہیں ہوتی۔

نمبر ۳:- موت کے وقت اس کی روح شدت سے قبض کی جاتی ہے۔

نمبر ۴:- وہ دوزخ کے قریب ہو جاتا ہے۔

نمبر ۵:- وہ جنت سے دور ہو جاتا ہے۔

نمبر ۶:- اسے قبر میں شدید عذاب دیا جاتا ہے۔

نمبر ۷:- اس کے عمل ضائع ہو جاتے ہیں۔

نمبر ۸:- نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح کو اس سے اذیت پہنچتی ہے۔

نمبر ۹:- اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔ (زبدۃ الواعظین)

نمبر ۱۰:- قیامت کے دن نیکیاں بدیاں تولنے کے وقت وہ مفلس ہوگا۔

دلچسپ واقعہ

حضرت ابی امامہ الباہلی سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ قیامت کے دن جب ایک بندے کا اعمال نامہ اسے پیش کیا جائے گا۔ تو وہ اس میں ایسی نیکیاں پائے گا جو اس نے اپنی زندگی میں کی نہ ہوں گی۔ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرے گا کہ یہ نیکیاں کہاں سے آ گئیں تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔ یہ اس آدمی کے عمل ہیں۔ جس نے تیری غیبت کی حالانکہ تو نہیں جانتا۔ اسی لئے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کے متعلق سنا کہ وہ آپ کی غیبت کرتا ہے۔ تو آپ نے اسے تھال میں عمدہ تحفہ بھیجا اور فرمایا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تو اپنی نیکیاں بطور تحفہ مجھے پیش کر رہا ہے تو میں نے اس کے عوض تجھے یہ تحفہ پیش کیا ہے۔ (درۃ الناصحین)

اقوال زریں

۱- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کیا کہ جو آدمی اپنے مسلمان بھائی کی غیبت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا دل اس کی پیٹھ کی طرف پھیر دے گا۔

۲- حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! غیبت سے بچو۔ کیونکہ اس میں تین مصیبتیں ہیں (۱) غیبت کرنے والے کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ (۲) اس کی نیکیاں شرف قبول حاصل نہیں کرتیں۔ (۳) اس کے گناہوں میں اضافہ کر دیا جاتا ہے۔

۳- حماد بن سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ایک آدمی نے غلام فروخت کرنا چاہا اور اس نے خریدنے والے کو یہ بتایا کہ اس میں سوائے چغل خوری کے کوئی عیب نہیں۔ مشتری اس کو خریدنے پر راضی ہو گیا اور اس نے اس عیب کے باوجود اسے خرید لیا۔ وہ غلام اس کے پاس چند دن رہا تو اس نے اپنے آقا کی بیگم سے کہا کہ تیرا خاوند تیرے ساتھ محبت نہیں کرتا۔ اور وہ تیرے اوپر نئی شادی کر کے سوکن ڈالنا چاہتا ہے کیا تو چاہتی ہے

کہ وہ تیرے اوپر مہربان ہو تو اس نے ہاں میں جواب دیا تو غلام کہنے لگا تو اپنے ہاتھ میں استرا پکڑ لے اور جب وہ سو جائے تو اس کی ڈاڑھی کے نیچے سے بال مونڈ دے پھر وہ غلام خاوند کے پاس آیا کہ تیری عورت نے تیرے علاوہ ایک اور گہرا دوست بنالیا ہے اور وہ تجھے قتل کرنا چاہتی ہے۔ کیا تو اس کی تصدیق کرنا چاہتا ہے تو اس نے کہا کہ ہاں غلام کہنے لگا کہ تو اس کے سامنے یہ ظاہر کر کہ تو سویا ہوا ہے۔ تو خاوند نے ایسا ہی کیا تو اس کی بیوی اس کے بال تراشنے کے لئے استرا لے کر اس کی طرف بڑھی۔ تو خاوند کو یقین ہو گیا کہ وہ اسے قتل کرنا چاہتی ہے تو اس نے اس سے استرا چھین لیا اور اسے قتل کر دیا۔ اس عورت کے قریبی رشتہ دار آئے انہوں نے اس کے خاوند کو قتل کر دیا۔ جب خاوند کے ورثاء کو اس کا علم ہوا وہ دوڑتے ہوئے آئے اور دونوں فریقوں کے درمیان قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا۔ (موعظہ) چغلخور کی سلگائی ہوئی دیا سلائی کس قدر خطرناک ثابت ہوئی۔

۴- عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ وَّلَا نَمَّامٌ (ترجمہ) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ چغل خور جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ (مسلم شریف)

۵- حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے روایت کیا گیا ہے کہ چار آدمی ظالم ہیں۔

اَلْاَوَّلُ اَنْ يَّبُوْلَ الرَّجُلُ وَ هُوَ قَائِمٌ پہلا وہ شخص جو کھڑے ہو کر پیشاب کرتا ہے۔

اَلثَّانِيْ اَنْ يَّمْسَحَ جَبْهَتَهٗ قَبْلَ اَنْ يَّفْرُغَ مِنَ الصَّلٰوةِ دوسرا وہ شخص جو نماز سے فارغ ہونے سے پہلے اپنی پیشانی پونچھتا ہے۔

اَلثَّالِثُ اَنْ يَّسْمَعَ النِّدَاءَ فَلَا يَتَشَهَّدُ مِثْلَ مَا يَتَشَهَّدُ الْمُؤَذِّنُ تیسرا وہ شخص جو مؤذن کو تشہد کہتے سنتا ہے اور وہ اس کے ساتھ تشہد نہیں پڑھتا۔

الرابع اِنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ لَا يُصَلِّيْ عَلَيَّ چوتھا وہ شخص کہ جب اس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے تو مجھ پر درود شریف نہ پڑھے۔ (سید علی زادہ)

۶- حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے کہ ایک دفعہ آپ صحابہ کرام کے ساتھ ایک سفر پر تھے۔ تو آپ کا دو قبروں کے پاس سے گزر ہوا۔ آپ ٹھٹھک کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا ان دونوں قبر والوں کو قبر میں عذاب دیا جا رہا ہے۔ اور ان کا یہ عذاب کسی عظیم گناہ کی وجہ سے نہیں بلکہ ان میں سے ایک جب پیشاب کرتا تو اپنا دامن اور اپنا جسم اس سے محفوظ نہیں رکھتا تھا اور دوسرا شخص چغلخوری کیا کرتا تھا۔ آپ نے ایک صحابی کو حکم فرمایا کہ جاؤ سامنے والی کھجور سے ایک شاخ کاٹ کر لاؤ۔ اس صحابی نے حکم کی تعمیل کی اور درخت سے ٹہنی کاٹ کر لایا۔ آپ نے اس ٹہنی کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ اس کا ایک حصہ ایک قبر پر گاڑھ دیا اور دوسرا دوسری پر اور فرمایا جب تک یہ خشک نہیں ہوں گے۔ اس وقت تک ان دونوں کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی۔ (مسلم شریف)

عجیب حکایت

ابواللیث بخاری رضی اللہ عنہ سے رِوایت ہے کہ وہ حج کے ارادہ سے نکلے انہوں نے اپنی جیب میں دو درہم ڈال لئے اور قسم اٹھائی کہ اگر میں نے مکہ مکرمہ کی طرف جاتے ہوئے یا واپس آتے ہوئے راستہ میں کسی کی غیبت کی تو یہ دونوں درہم اللہ کے راستے میں تقسیم کروں گا۔ تو وہ حج سے فراغت کے بعد واپس پلٹے تو دونوں درہم ان کی جیب میں تھے۔ کیونکہ انہوں نے نہ تو کسی کی غیبت کی اور نہ ہی درہم خرچ کئے۔ تو آپ سے پوچھا گیا۔ کہ آپ نے یہ قسم کیوں اٹھائی تو انہوں نے فرمایا کہ غیبت کا اتنا شدید گناہ ہے کہ میں اس کے مقابلہ میں یہ پسند کروں گا کہ سو دفعہ زنا کروں اور کسی کی غیبت نہ کروں گویا ان کے نزدیک غیبت کا گناہ سو دفعہ زنا کرنے سے بھی زیادہ شدید ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جو شخص کسی فقیہ کی غیبت کرتا ہے تو وہ قیامت کے دن اس طرح اٹھے گا۔ کہ اس کے چہرے پر لکھا ہوا ہوگا کہ یہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہے۔ اور وہ شخص جس نے کسی نبی کی غیبت کی تو وہ اس طرح عاجز ہوگا جس طرح وہ آدمی جو ناحق کسی کو قتل کر دیتا ہے۔ اور پھر آپ نے فرمایا کہ جس شخص کی غیبت کی جائے اور اس کی خبر اس تک پہنچ جائے اور وہ اسی پر صبر کرے تو اس

کے نصف گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ اور غیبت کرنے والے کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے اور اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے توبہ کرے۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اس گناہ کو معاف فرما دے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے۔ اِذَ ذَکَرَ اَحَدُکُمْ اَخَاہُ الْمُسْلِمَ بِالسُّوْءِ فَلْیَسْتَعِذْ بِاللّٰہِ تَعَالٰی فَاِنَّہٗ کَفَّارَۃٌ کہ تم میں سے جب کوئی آدمی اپنے مسلمان بھائی کا برائی کے ساتھ ذکر کرے تو اسے چاہئے کہ وہ اللہ سے پناہ طلب کرے کیونکہ اللہ سے پناہ طلب کرنا اس کا کفارہ ہوگا۔

اس مذکورہ بالا بحث سے یہ معلوم ہوا کہ جاسوسی کرنا، کسی کی عیب جوئی کرنا۔ چغل خوری کرنا اور غیبت کرنا۔ کبیرہ گناہ ہیں۔ جن کے ارتکاب پر سخت سزا کی وعید سنائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقے اس سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ؕ

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ

ستروان وعظ

قربانی کے فضائل اور ذی الحجہ کے دس دنوں کی خیرو برکت کا بیان

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ وَ نُبَارِکُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰی رَحْمَةِ لِلْعَالَمِیْنَ وَعَلٰی اٰلِهِ الْمُجْتَبٰی وَ عَلٰی اَزْوَاجِهِ التُّقٰی اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَعَلٰی سَائِرِ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِیْنَ اَجْمَعِیْنَ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ؕ قَالَ یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۰۲﴾ فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ﴿۱۰۳﴾ وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰۤاِبْرٰهِیْمُ ﴿۱۰۴﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ﴿۱۰۶﴾ وَ فَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۰۷﴾ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلٰنَا الْعَظِیْمُ (سورہ صافات)

"تو جب وہ اتنا بڑا ہو گیا کہ آپ کے ساتھ دوڑ دھوپ کر سکے۔ آپ نے فرمایا اے میرے پیارے فرزند! میں نے دیکھا ہے خواب میں کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ اب بتا تیری کیا رائے ہے۔ عرض کیا۔ اے میرے پدر بزرگوار! کر ڈالیے جو آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ پس جب دونوں نے سر اطاعت خم کر دیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا۔ اور ہم نے آواز دی اے ابراہیم! (بس ہاتھ روک لو) بے شک تو نے سچ کر دکھایا خواب کو۔ ہم اس طرح بدلہ دیتے ہیں محسنوں کو۔ بے شک یہ بڑی

کھلی آزمائش تھی۔ اور ہم نے بچا لیا اسے فدیہ میں ایک عظیم ذبیحہ دے کر"۔

(جمال القرآن)

ان آیات طیبات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظیم قربانی کا ذکر ہے اور یہ قربانی ماہ ذی الحجہ میں واقعہ ہوئی۔ اس لئے اس ماہ مبارک کی فضیلت ذکر کرنا باعث نفع ہوگا۔ مذکورہ بالا آیات طیبات کا پس منظر بیان کرنے سے پہلے اس ماہ کی خیر و برکت اور عظمت کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَیَّامٍ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ اَنْ یُّتَعَبَّدَ فِیْهَا مِنْ عُشْرِ ذِیْ الْحَجَّةِ یَعْدِلُ صِیَامُ كُلِّ یَوْمٍ مِنْهَا بِصِیَامِ سَنَةٍ وَ قِیَامُ كُلِّ لَیْلَةٍ مِنْهَا بِقِیَامِ لَیْلَةِ الْقَدْرِ۔ (ترمذی شریف وابن ماجہ)

"ماہ ذی الحجہ کے پہلے دس دنوں میں عبادت کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک باقی تمام ایام کی عبادت سے زیادہ محبوب ہے۔ ان ایام میں سے ایک دن کے روزے کا ثواب ایک سال کے روزوں کے ثواب کے برابر ہے اور ان ایام کی راتوں میں سے ہر ایک رات کے قیام کا ثواب لیلۃ القدر کے قیام کے ثواب کے برابر ہے"۔

ماہ ذی الحج مبارک و متبرک ہمارے اسلامی سال کا آخری مہینہ ہے۔ اس ماہ مقدس کی نویں تاریخ کو بڑی شان و عظمت کے ساتھ تقریب حج ادا کی جاتی ہے۔ اور میدان عرفات میں لاکھوں کی تعداد میں لوگ جمع ہو کر حج ادا کرتے ہیں۔ اور اپنے گناہوں کی مغفرت و بخشش کا سوال کرتے ہیں اور اس ماہ کی دسویں تاریخ کو عید قربان بڑے تزک و احتشام کے ساتھ منائی جاتی ہے۔ اور حسب توفیق فی سبیل اللہ قربانی کا جانور ذبح کر کے محبت الٰہی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ یہ مہینہ ہمارے ہجری سال کا آخری مہینہ ہے۔ اور اس کے ختم ہونے کے بعد محرم الحرام سے نیا اسلامی سال شروع ہو جاتا ہے۔

اسلامی سال کے آخری مہینہ میں جگر گوشہ خلیل حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے آپ کو راہ حق میں قربان ہونے کے لئے پیش کر دیا۔ اور محرم الحرام میں جگر گوشۂ شان رسالت نور دیدۂ خاتون جنت حضرت امام عالی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنا تن من دھن اور اپنے چھ ماہ کے نور نظر حضرت علی اصغر رضی اللہ عنہ سمیت بہتر تن قربان کر دیئے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جو چودہ طبق کی کائنات کے سلطان ہیں کی شریعت و سنت کو زندہ کر دیا۔ اور قیامت تک آنے والے مومنین کے لئے اور راہ وفا پر چلنے والوں کے لئے سنت قائم کر دی اور کمال شان عبدیت کے ساتھ بارگاہ صمدیت میں سر بسجود ہو کر عرض کیا کہ اے خدائے سمیع و بصیر! اپنے حسین کی یہ قربانی قبول فرما کر دین مصطفیٰ کو قائم و دائم رکھ۔ گویا اس مقدس سال کی ابتداء بھی قربانی پر اور انتہا بھی قربانی پر ہے بلکہ یوں کہئے کہ اس بے مثل خالق تبارک و تعالیٰ کے بے مثل محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال امت کی تاریخ بھی کیسی بے مثل ہے جس کی ابتداء حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی سے ہوئی۔ اور انتہا حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر ہوئی۔ گویا اس تاریخ مقدس کی ہر یاد تمام تواریخ عالم سے ممتاز و نمایاں اور بے نظیر ہے۔ ترجمان حقیقت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے ملت اسلامیہ کی تاریخ کا پس منظر اپنے ایک شعر میں اس طرح بیان فرمایا ہے۔

غریب و سادہ و رنگین ہے داستان حرم
نہایت اس کی حسین ابتداء ہے اسماعیل

عشرہ ذی الحجہ کی فضیلت میں بہت کچھ روایت کیا گیا ہے۔ ان میں سے چند باتیں مزید آپ کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں اس امید پر کہ یہ لوگوں کے لیئے نفع کا باعث ہوں گی اور اللہ تعالیٰ مجھے بھی اجر سے محروم نہیں فرمائے گا۔

ذی الحجہ کے پہلے نو دنوں میں روزہ رکھنے کی بہت بڑی فضیلت ہے جس طرح پہلے مذکور ہوا بعض علمائے کرام نے ان ایام کی فضیلت اس طرح بیان فرمائی ہے کہ جو شخص ان ایام میں روزہ رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے دس انعامات سے نوازتا ہے۔ (۱) اس کی عمر میں

برکت فرماتا ہے۔(۲)اس کے مال میں اضافہ کرتا ہے۔(۳)اس کے اہل وعیال کو ہر قسم کی مصیبتوں سے محفوظ رکھتا ہے۔(۴)اس کے گناہ مٹا دیتا ہے۔(۵)اس کی نیکیوں کو دوگنا کرتا ہے۔(۶)اس کے لئے موت کے سکرات آسان بنا دیتا ہے۔(۷)اس کی قبر کی تاریکیوں کیلئے نور مہیا فرماتا ہے۔(۸)اس کے نیکیوں والے پلڑے کو وزنی بناتا ہے۔(۹) اور جہنم میں گرنے سے اسے بچالیتا ہے۔(۱۰)اسے بلند درجات کی طرف چڑھنے کی توفیق عطا فرماتا ہے۔(درۃ الناصحین)

روایت میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سال سے تین عشرے منتخب فرمائے ہیں۔ (۱) رمضان شریف کا آخری عشرہ جس میں لیلۃ القدر کی برکات نازل ہوتی ہیں۔(۲) ذی الحجہ کا پہلا عشرہ جس میں یوم ترویہ، یوم عرفہ، قربانیوں کا ذبح کرنا، تلبیہ کہنا، حج ادا کرنا اور بہت سی اقسام کی عبادات کا پایا جانا ہے۔روایت میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ملائکہ کے سامنے فخر کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اے میرے ملائکہ میرے بندوں کو دیکھو۔وہ کس طرح ہر گہری وادی سے پراگندہ بال اور گردوغبار سے اٹے ہوئے آرہے ہیں تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی برکت حاصل کریں۔اے ملائکہ! تم گواہ رہنا میں نے ان تمام کو بخش دیا ہے۔(۳) محرم شریف کا پہلا عشرہ جس میں عاشورہ کے دن کی برکات ہیں اس لئے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ نذر مانے کہ میں سال کے افضل ایام میں رمضان شریف کے بعد روزے رکھوں گا تو اس پر واجب ہے کہ وہ ذی الحجہ کے پہلے عشرہ میں روزے رکھے اور اللہ تعالیٰ اس کے لئے ساٹھ سال کے روزوں کا ثواب لکھ دیتا ہے اور اسے عبادت گزاروں میں شمار کرتا ہے۔(زبدۃ الواعظین)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ذی الحجہ کے دس دنوں میں جو عمل کیا جاتا ہے وہ باقی تمام ایام میں کئے جانے والے عمل سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں زیادہ محبوب ہوتا ہے۔آپ سے پوچھا گیا کہ کیا اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے سے بھی وہ عمل زیادہ پسندیدہ ہے تو آپ نے

فرمایاہاں! البتہ وہ آدمی جو اپنا مال لے کر جہاد کے لئے نکلے اور واپس نہ پلٹے یہاں تک کہ وہ شہادت کا مرتبہ حاصل کر لے۔ تو گویا اس کا درجہ اس سے بلند ہے۔

روایت کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی۔ اے میرے پروردگار! میں نے تیری بارگاہ میں التجا کی (کہ تو مجھے اپنے جمال جہاں آرا کا مشاہدہ کرا) تو تو نے میری یہ آرزو قبول نہ فرمائی۔ اب مجھے ایسی دعا سکھا جس کے ساتھ میں تجھے پکاروں تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی اور فرمایا۔ اے موسیٰ! جب ذی الحجہ کے دس دن داخل ہو جائیں تو تو پڑھا کر کہ لا الہ الا اللہ تو میں تیری حاجت پوری کر دوں گا۔ عرض کی اے رب! یہ تو تیرے تمام بندے پڑھتے ہیں۔ مجھے کوئی خاص ذکر سکھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! ان دنوں میں جس نے ایک دفعہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھ لیا تو اگر سات آسمان اور سات زمینیں ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیئے جائیں اور دوسرے پلڑے میں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رکھ دیا جائے تو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ والا پلڑا ان تمام سے وزنی ہوگا۔

حکایت

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ میں بصرہ کے مسلمانوں کے قبرستان میں ذی الحجہ کی ایک رات گردش کر رہا تھا تو اچانک ایک آدمی کی قبر سے نور ظاہر ہوا۔ میں کھڑے ہو کر سوچنے لگا تو اچانک بلند آواز سے پکارا گیا۔ اے سفیان! عشرۂ ذی الحجہ میں روزے رکھا کرو تو تمہیں بھی اسی قسم کا نور عطا کیا جائے گا۔

(زبدۃ الواعظین)

نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا جو شخص ذی الحجہ کے آخری دن اور محرم کے پہلے دن میں روزے رکھتا ہے تو اس نے گزشتہ سال کا اختتام اور آئندہ سال کا آغاز روزے کے ساتھ کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے پچاس سال کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی دن بھی ایسا نہیں جس میں اللہ تعالیٰ دوزخیوں کو دوزخ سے نجات دے کہ ان کی تعداد ان سے زیادہ ہو جن کو یوم عرفہ دوزخ سے نجات دی جاتی ہے۔
(زبدۃ الواعظین)

عشرہ ذی الحجہ کے فضائل بیان کرنے کے بعد اب قربانی کا عرفی اور شرعی معنی اور اس کا پس منظر بیان کیا جاتا ہے۔

قربانی کا لغوی اور شرعی معنی

لغوی معنی:- اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے کوئی چیز اس کے راستہ میں خرچ کرنا قربانی کہلاتا ہے۔ اس شرط کے ساتھ کہ اس چیز کے خرچ کرنے کا مقصد صرف اور صرف رضائے الٰہی ہو نمود و نمائش اور ریاء و سمع کا دل میں خیال تک نہ ہو اور اپنی عزیز ترین اشیاء کو قربان کرتے ہوئے زبان اور دل سے یہ نعرہ نکلے

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ (سورۃ انعام)

"اے حبیب آپ فرمایئے میری نماز، میری قربانی، میرا زندہ رہنا اور میرا مرنا اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جن کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے (حکم الٰہی کے سامنے) سر تسلیم خم کرنے والوں میں سے ہوں۔"
(جمال القرآن)

عرفی اور شرعی معنی:- قربانی کا عرفی اور شرعی معنی یہ ہے کہ دسویں ذی الحجہ کو سنت ابراہیمی کے مطابق عمل کرتے ہوئے قربانی کا مخصوص جانور ذبح کیا جائے اور اس سنت پر عمل پیرا ہونے کا حکم امت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ" کہ اے محبوب! آپ اپنے رب کے لئے نماز پڑھیں اور قربانی ذبح کیا کریں۔" اس لئے آپ نے خود بھی ہر سال اپنی طرف سے اور اپنی امت کی طرف سے قربانی کے جانور ذبح کئے۔ اور اپنے غلاموں کو بھی یہ حکم دیا کہ جو صاحب نصاب ہو وہ بھی قربانی دیا

کرے۔ہم چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امتی ہیں اس لئے ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہی قربانی دینا واجب ہے۔ یعنی دسویں ذی الحجہ کو عید کی نماز کے بعد قربانی کا مخصوص جانور ذبح کیا جائے۔ اسے قربانی اور اضحیہ بھی کہتے ہیں۔

قربانی کا پس منظر

حضرت زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا قَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا هٰذِهِ الْاَضَاحِیُّ قَالَ سُنَّةُ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالُوْا فَمَا لَنَا فِيْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ قَالُوْا فَالصُّوْفُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ مِنَ الصُّوْفِ حَسَنَةٌ (رواہ الترمذی) کہ صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی یہ قربانیاں کیا ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہیں تو انہوں نے عرض کی ان میں ہمیں کیا ثواب حاصل ہوگا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اس کے ہر بال کے بدلے ایک حسنہ حاصل ہوگی (حسنہ سے مراد دس نیکیاں ہیں) پھر انہوں نے عرض کی صوف یعنی اون کا کیا حکم ہے۔ تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اون کے ہر بال کے بدلے بھی ایک ایک حسنہ یعنی دس دس نیکیوں کا ثواب حاصل ہوگا۔

حضرت ابراہیم کی ہجرت اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی پیدائش

اس سلسلہ میں استاذی المکرم حضرت مولانا شیخ الحدیث محمد معراج الاسلام صاحب دامت فیوضہم کی کتاب کعبۃ اللہ اور اس کا حج سے اقتباس زیور قرطاس بناتا ہوں۔ آپ لکھتے ہیں۔

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا ہاران کی بیٹی تھیں۔ اس رشتہ سے وہ آپ کی چچا زاد بہن بھی تھیں۔ قدرت نے انہیں ظاہری حسن اور باطنی کمال کے

حوالے سے بےمثال بنایا تھا۔ آپ ان خواتین میں سے تھیں جن کے جمال صورت سے آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔ اور کمال باطن اور طہارت نفس کا یہ عالم تھا کہ ان میں وہ اوصاف خاصہ موجود تھے۔ جو ایک نبی کے لئے ضروری ہیں۔ اگر عورتیں نبی بن سکتیں تو وہ نبی ہوتیں۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے ان سے نکاح فرمالیا اس دور کی بات ہے جب بابل پر نمرود کی حکومت تھی جو خدائی کا دعویدار تھا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی جھوٹی خدائی کو چیلنج کیا اور ان کے بتوں کی درگت بنائی تو اس نے آپ کو آگ میں ڈال دیا قدرت کریم نے آگ کو گلزار بنا دیا۔ جب آپ نے دیکھا کہ تبلیغ و اشاعت دین کے لئے یہاں کے حالات سازگار نہیں تو آپ نے مصر جانے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ اپنے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام اور اپنی بیوی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو لے کر مصر روانہ ہو گئے۔

مصر کا حکمران ایک بدکردار شخص تھا جب اسے پتہ چلا کہ کچھ لوگ مصر آئے ہیں اور ان کے ہمراہ ایک حسین عورت بھی ہے تو اس نے اپنے کارندوں کے ذریعے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو اپنے محل میں بلا لیا وہ آپ کو دیکھ کر مبہوت ہو گیا نیت میں فتور آتے ہی اعضاء میں تشنج پیدا ہو گئی اور گر پڑا۔ "بولا" اے پاک باز خاتون! میری خطا معاف فرما مجھے ٹھیک کر دے میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے دعا کی وہ ٹھیک ہو گیا اس کی نیت پھر خراب ہو گئی۔ اسی لمحہ اس پر دوبارہ دورہ پڑ گیا وہ ڈر گیا اور اپنے کارندوں سے بولا تم میرے پاس کوئی غیر انسانی مخلوق لائے ہو اسے لے جاؤ ساتھ ہی اس نے حضرت سارہ کو خدمت کے لئے ایک نوجوان کنیز پیش کی جس کا نام ہاجرہ تھا۔ آپ حضرت ہاجرہ کو ساتھ لے کر خوش و خرم لوٹ آئیں اور جناب ابراہیم علیہ السلام کو بتایا۔

رَدَّ اللّٰهُ كَيْدَ الْكَافِرِ نَحْرَهُ وَ اَخْدَمَ هَاجِرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۷۴)

"اللہ تعالیٰ نے کافر کا کرتوت اسی کے سینہ پر دے مارا ہے اور خدمت کے لئے ہاجرہ دے دی ہے"۔ (کعبۃ اللہ اور اس کا حج ص ۶۲)

اگرچہ نبی ہونے کے ناطے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت سارہ علیہا السلام کی پارسائی، پاکدامنی اور عفت نفس کا پورا یقین تھا اور کسی قسم کے سوئے ظن کے پیدا ہونے کا کوئی احتمال نہ تھا لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مزید اطمینان عطا کرنے کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور سارہ کے درمیان سے تمام پردے اور حجابات اٹھا دیئے اور آپ اس تمام معاملہ اور کارروائی کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ فرما رہے تھے۔ جس سے حضرت سارہ علیہا السلام کی عظمت اور شان و شوکت کے متعلق آپ علیہ السلام کو مزید اطمینان قلب حاصل ہوا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی زوجہ محترمہ حضرت سارہ علیہا السلام اور خادمہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ مصر سے روانہ ہو کر بیت المقدس آ کر آباد ہو گئے۔ بیس سال گزر گئے آپ کے ہاں کوئی اولاد پیدا نہ ہوئی۔ ایک دن حضرت سارہ علیہا السلام نے عرض کی کہ اے ابراہیم علیہ السلام! ہمارے ہاں کوئی اولاد نہیں اور اب میں عمر کے اس حصہ میں ہوں جس میں اولاد پیدا ہونے کی امید نہیں۔ اس لئے ہم کب تک اسی طرح رہیں گے۔ میں اپنی کنیز آپ کو ہبہ کرتی ہوں۔ ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ ہمارے گھر کو اولاد کی خوشیوں سے نواز دے۔ اور ہماری نسل قائم رہے۔ اور پھر واقعی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولاد سے نواز دیا اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا فرما دیئے۔

بچے کی ماں ہونا عورت کے لئے بڑا اعزاز ہے۔ حضرت ہاجرہ اسماعیل علیہ السلام کی ماں بن چکی تھیں اس لئے کنیز اور خادمہ سے بڑھ کر اب ان میں ماں ہونے کا جذبہ تفاخر پیدا ہو گیا تھا جسے حضرت سارہ علیہا السلام نے بڑی شدت سے محسوس کیا۔ کیونکہ سوکن ہونے کے حوالے سے جو جذبہ رقابت پیدا ہوتا ہے اس پر کسی عورت کو قابو نہیں ہوتا حضرت سارہ علیہا السلام کا بھی یہ جذبہ بیدار ہوا۔ اور آپ قابو سے باہر ہو گئیں اور غصے کی حالت میں قسم کھا لی کہ ہاجرہ کو سخت سزا دیں گی اور ان کے تین مخصوص اعضاء کاٹ دیں گی۔ جب غصہ ٹھنڈا ہوا تو بہت پریشان ہوئیں کہ قسم کو کیسے پورا کریں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اس سے

بے خبر نہ تھے۔ اس لئے آپ نے ترکیب بتائی کہ تم ان کے کان چھید ڈالو۔ اس سے تمہاری قسم پوری ہو جائے گی۔

اسی اثناء میں حضرت سارہ علیہا السلام ایک دن اپنے گھر کی دہلیز پر کھڑی تھیں کہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس چار فرشتے آئے اور انہوں نے بشارت دی کہ حضرت سارہ علیہا السلام کو ایک فرزند ارجمند عطا فرمایا جائے گا جس کا نام اسحاق ہوگا اور پھر اپنے وقت پر اللہ تعالیٰ ان کو یعقوب علیہ السلام عطا فرمائیں گے۔ حضرت سارہ علیہا السلام حیرت و سراسیمگی کے عالم میں از حد متعجب ہوئیں۔ کیا کہہ رہے ہو۔ ہم دونوں بوڑھے ہو چکے ہیں۔ فرشتوں نے عرض کی یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اور وہ اپنی حکمتوں کو خوب جانتا ہے۔ اور یہ ہو کر رہے گا پھر واقعی ایسا ہی ہوا حضرت اسحاق علیہ السلام متولد ہوئے اور اس دنیا پر تشریف لائے۔

ایک روز حضرت اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام دونوں اکٹھے کھیل رہے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پیار سے اسماعیل علیہ السلام کو گود میں لے لیا اور حضرت اسحاق علیہ السلام کو پہلو میں بٹھا لیا۔ اس منظر نے حضرت سارہ کو پھر غضب ناک کر دیا۔ آپ کا جذبہ رقابت بھڑک اٹھا۔ غصے سے بولیں۔ اب اس گھر میں ماں بیٹے کے لئے کوئی جگہ نہیں آپ ان دونوں کو فوراً کسی اور جگہ چھوڑ آئیں۔ میں انہیں مزید برداشت نہیں کر سکتی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جانتے تھے کہ حضرت سارہ دل کے ہاتھوں مجبور ہیں پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی یہی حکم ہوا کہ جبریل کی معیت میں ماں بچے کو وادی غیر ذی زرع میں چھوڑ کر آؤ جہاں ہمارا گھر ہے۔ چنانچہ آپ نے دونوں کو لیا اور تعمیل حکم کے لئے بیت اللہ شریف کی طرف روانہ ہو گئے۔ جو اس وقت ایک ٹیلے کی شکل میں تھا۔ گرد و پیش پہاڑیاں تھیں اور قریب ہی ایک بہت بڑا درخت اگا ہوا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب انہیں وہاں چھوڑ کر واپس چل پڑے۔ تھوڑا ہی دور گئے تھے کہ پیچھے سے حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے آواز دی اور عرض کی اے میرے سرتاج!

اَیْنَ تَذْھَبُ وَ تَتْرُکُنَا بِھٰذَا الْوَادِیْ الَّذِیْ لَیْسَ فِیْہِ اِنْسٌ وَلَا شَیْءٌ

"کہ اے ابراہیم علیہ السلام آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں۔ ہمیں اس وادی میں یک و تنہا چھوڑ کر جس میں نہ کوئی انسان ہے اور نہ ہی کوئی اور چیز"۔

آپ نے یہ کلمات کئی بار دہرائے لیکن حضرت خلیل اللہ نے مڑ کر نہ دیکھا اور آپ کی طرف متوجہ ہوئے بغیر آخری بار صرف اتنا کہا کہ میں تمہیں اللہ کے سپرد کر کے جا رہا ہوں تو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے بے ساختہ کہا فلن یَضِیعَنَا اللّٰہُ کہ وہ ہمیں ہرگز ضائع نہیں ہونے دے گا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تو ایک بلند مقام پر کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس طرح ملتجی ہوئے۔

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾ (سورۂ ابراہیم)

"اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی اولاد کو تیرے محترم گھر کے نزدیک اس بنجر وادی میں رہائش پذیر کیا ہے۔ اے ہمارے پروردگار! چاہئے کہ وہ نماز قائم کریں۔ پس تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل فرما (یعنی ان کی محبت ان کے دلوں میں پیدا فرما) اور انہیں پھلوں کا رزق عطا فرما تا کہ وہ شکر ادا کریں"۔

(جمال القرآن)

آپ علیہ السلام کی یہ دعا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہوئی اور لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے اس جگہ کی محبت پیدا فرما دی اور دنیا کا کوئی ایسا پھل نہیں جو مکہ مکرمہ میں دستیاب نہ ہو۔ یہ آپ علیہ السلام کی دعا کا ہی نتیجہ ہے۔ اب لوگ دنیا کے گوشہ گوشہ سے سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے وہاں حاضر ہوتے ہیں۔

حضرت ہاجرہ علیہا السلام حضرت اسماعیل کی پرورش کرتی رہیں اور جب پانی اور کھجوریں ختم ہو گئیں تو آپ قریب ہی صفا پہاڑ پر تشریف لے گئیں تا کہ دور و نزدیک کہیں کوئی آبادی نظر آ جائے اور وہاں سے پانی اور غذا حاصل کی جائے۔ پھر وہاں سے مروہ پہاڑ

پر تشریف لے گئیں لیکن وہاں بھی آبادی کا کوئی نشان نظر نہ آیا۔ اس طرح آپ نے ان دونوں پہاڑوں کے درمیان سات چکر لگائے ساتویں چکر میں جب آپ مروہ پر تشریف لے گئیں تو دیکھا جہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام آرام فرما تھے وہاں آپ کے قدموں کے نیچے سے پانی کا چشمہ جاری ہے۔ اسی چشمہ کو آب زم زم کہتے ہیں۔ اس کا پانی غذا بھی ہے اور ہر قسم کی بیماریوں کے لئے شفا اور علاج بھی ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جب تم آب زمزم نوش کرنے لگو تو کھڑے ہو کر یہ دعا مانگو اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ رِزْقًا وَاسِعًا حَلَالًا طَیِّبًا وَ عِلْمًا نَافِعًا وَ شِفَاءً کَامِلًا مِنْ کُلِّ دَاءٍ۔" اے اللہ تعالیٰ مجھے وسیع حلال اور طیب رزق عطا فرما اور مجھے علم نافع اور ہر بیماری سے کامل شفاء عطا فرما۔"

حضرت اسماعیل علیہ السلام جب اپنی زندگی کی تیرہ چودہ منازل طے کر چکے۔ تو ایک نیا امتحان شروع ہوا بعض روایات میں اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل ہونے کا شرف بخشا اور خلیل وہ ہوتا ہے جس کے دل میں سوائے محبوب کے کسی اور چیز کا گزر تک نہیں ہوتا حالانکہ ابراہیم علیہ السلام تو بہت زیادہ مالدار تھے۔ ملائکہ نے عرض کی اے اللہ ابراہیم خلیل کیسے ہوئے؟ اللہ نے فرمایا وہ واقعی خلیل ہیں وہ میری رضا پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کا صرف جذبہ ہی نہیں رکھتے۔

بلکہ اس پر عمل بھی کرتے ہیں نار نمرود اور بیٹے اور بیوی کو لق ودق صحراء میں چھوڑ کر عملی نمونہ بھی پیش کر چکے ہیں۔ تم ان کا امتحان لے لو چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے ایک ہزار بکری تین سو گائیں اور ایک سو اونٹ ذبح کئے۔ اسے دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق اور فرشتے از حد متعجب ہوئے۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق سے جو میں نے اس کے راستہ میں بطور قربانی پیش کیا ہے۔ یہ تو بہت معمولی قربانی ہے۔ اگر میرا کوئی بیٹا ہوتا تو اسے بھی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قربان کر دیتا جب اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ حسرت پوری فرمائی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام جیسے خوبصورت اور پسندیدہ سیرت بچے عطا فرما دیئے تو اس وقت

اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ حسرت پوری کرنے کا اشارہ دیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر تقریباً تیرہ چودہ سال تھی اور آپ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ دوڑنے کی عمر کو پہنچ چکے تھے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رات کے وقت سوتے میں ایک خواب دکھایا جس میں یہ کہا گیا تھا کہ آپ اپنی نذر پوری کریں۔ جس رات کو یہ خواب دکھایا گیا یہ تر و یہ کی رات تھی صبح کے وقت آپ اس خواب کے متعلق سوچنے لگے کہ کیا یہ خواب شیطانی ہے یا رحمانی اس لئے اس دن کو یوم الترویہ یعنی شک کا دن کہتے ہیں۔ یہ ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ تھی۔ اسی شش و پنج میں آپ دوسری رات جب سوئے تو آپ کو خواب میں وہی پیغام دیا گیا کہ اپنی عزیز ترین چیز قربانی کے لئے پیش کریں۔ جب آپ اٹھے تو آپ کو یقین ہو گیا کہ یہ خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے لیکن ابھی تک یہ واضح نہ تھا کہ کون سی چیز قربانی کے لئے پیش کروں یہ ذی الحجہ کی نویں تاریخ تھی اس کو یوم عرفہ (پہچان اور یقین کا دن) کہتے ہیں۔ جس جگہ یہ خواب آپ کو دکھائے گئے تھے اس کو عرفات کہتے ہیں۔ اور تیسری رات آپ نے خواب میں دیکھا کہ اپنے لخت جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں تو آپ کو یقین ہو گیا کہ یہ خواب بھی رحمانی ہے اور لخت جگر قربان کرنے کا حکم ہے۔ چونکہ انبیائے کرام کے خواب بھی بمنزلہ وحی ہوتے ہیں۔ اس لئے آپ اپنے بیٹے کو حکم خداوندی کے مطابق قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے اور آپ خیال فرما رہے تھے۔ کہ اگر ایک لخت جگر کی قربانی سے مولائے کریم کی رضا حاصل ہو جائے تو یہ سودا بڑا سستا ہے۔ اس لئے آپ فوراً حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اپنے لخت جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو نہلاؤ، خوبصورت لباس پہناؤ، بالوں میں کنگھی کرو، آنکھوں میں کجلا سجاؤ میں انہیں ایک ضیافت میں لے جانا چاہتا ہوں۔ انہوں نے تعمیل حکم میں دیر نہ لگائی اپنے نور نظر کو بنا سنوار کر آپ کے حوالے کر دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چھری اور رسی بھی پکڑ لی اور اپنے بیٹے اور دل کے ٹکڑے کو اپنے رب کی رضا پر قربان کرنے کے لئے منیٰ کی طرف چل دیئے۔ اور سارا ماجرا اپنے نوخیز بچے کو بھی بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔

فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی اب تم بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے۔ آپ ان الفاظ سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا مشورہ نہیں پوچھ رہے تھے کہ اس کی مرضی نہ ہو تو تعمیل حکم سے معذرت کر لی جائے بلکہ محض اپنے لخت جگر کا امتحان مقصود تھا۔ کہ جس بچے نے خلیل کی گود میں پرورش پائی ہے اور ہاجرہ کا دودھ پیا ہے اور جس کو روز اول سے درس ہی یہ دیا جاتا رہا کہ اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لئے اگر جان بھی دینی پڑے تو اس میں قطعاً تامل نہ کرنا اب یہ بچہ تیرہ چودہ سال کی عمر کو پہنچ گیا ہے ذرا دیکھیں اس شبانہ روز تربیت کا اس پر کیا اثر ہوا ہے۔ نیز آپ اس ثواب بلکہ اس امتحان میں اپنے فرزند کو بھی برابر کا شریک کرنا چاہتے تھے تاکہ کامیابی کی صورت میں رضا الٰہی کا تاج صرف باپ کے سر پر ہی نہ جگمگائے بلکہ باپ بیٹا دونوں اس عزت و شرف سے سعادت اندوز ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے جب یہ خواب بیان کیا تو اس پیکر تسلیم و رضا نے جو جواب دیا وہ قرآن کریم کے الفاظ میں ہی پڑھ لیجئے ان پاکیزہ اور عالی جذبات کو اگر ہم اپنے الفاظ میں بیان کریں گے تو ان کا حق ادا نہ ہوگا۔ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ۔ اے میرے بزرگ باپ حکم الٰہی کی تعمیل فوراً فرمایئے۔ باقی رہا میں تو مجھے آپ صابروں میں سے پائیں گے اور ان شاء اللہ کے کلمات طیبات کا اضافہ کر کے اپنے مقام عبدیت اور نیاز کو چار چاند لگا دیئے یعنی میں صبر کروں گا لیکن تب جب میرے رب کو منظور ہوا یعنی اگر میں نے مقام رضا میں کامیابی حاصل کر لی اور اس نازک امتحان میں سرخرو ہوا۔ تو اس میں میرا کوئی کمال نہ ہوگا۔ محض میرے رب کا احسان اور کرم ہوگا کہ مجھے صابر بننے کی توفیق عطا فرمائی جس اسلام کی دعوت حضرت ابراہیم دیا کرتے تھے اس کا عملی مظاہرہ حضرت اسماعیل کی اس ادا سے زیادہ حسین اور دلکش کیونکر پیش کیا جا سکتا ہے۔ شاعر مشرق فیلسوف اسلام نے یوں ہی تو نہیں کہا۔

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسمٰعیل کو آداب فرزندی!

دس ذی الحجہ کو حسب ارشاد الٰہی باپ اور بیٹا دونوں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کے لئے صبح کے دھندلکے میں ہی گھر سے روانہ ہو گئے بیٹا اپنی جوانی، اپنا حسن، اپنی رعنائی اور اپنی امیدوں اور امنگوں کی دنیا قربان کرنے کے لئے شاداں شاداں جا رہا ہے اور باپ اپنی سو سالہ دعاؤں کے رنگین ثمر اپنے لخت جگر اور نور نظر کو قربان کرنے جا رہا ہے دونوں خوش ہیں اور از حد مسرور۔

شیطان نے سوچا آج تک ابراہیم علیہ السلام نے مجھے ہر قدم پر زک پہنچائی اور چرکے پر چرکہ لگایا آج اگر اس کا بنا بنایا کھیل بگاڑ کر نہ رکھ دوں تو ابلیس میرا نام نہیں دوڑتا ہوا آپ کے گھر پہنچا حضرت ہاجرہ تشریف فرما تھیں پوچھا میاں جی کہاں ہیں اور ننھا اسماعیل آج نظر نہیں آ رہا۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے بتایا دونوں باپ بیٹا سیر و تفریح کے لئے باہر گئے ہیں کہنے لگا نہیں تم دھوکے میں ہو ابراہیم آج تیرے بچے کو ذبح کرنے کے لئے لے گیا ہے دوڑو اور فوراً اپنے بچے کو بازو سے پکڑ لو ورنہ چند لمحوں بعد اس کی مردہ نعش پر آہ و فغاں کر رہی ہو گی آپ نے فرمایا کبھی باپ بھی اپنے بیٹے کو قتل کرتا ہے اور ابراہیم کو تو اپنے اس بیٹے سے بڑا پیار ہے تم جھوٹ بک رہے ہو نکلو یہاں سے۔ شیطان نے کہا تم بھولی بنی بیٹھی ہو وہ آج ضرور تیرے بچے کو ذبح کر دے گا کیونکہ اس کے رب نے اسے یہ حکم دیا ہے۔ ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا اگر رب کریم کا حکم ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہزاروں اسماعیل ہوں تو بھی اس کے اشارہ پر تصدق کر دوں ماں کا دل بڑا نرم ہوتا ہے یہاں اسے اپنی کامیابی کی سو فیصد امید تھی لیکن منہ کی کھائی ظالم نے ہمت نہیں ہاری۔ دوڑتا ہوا اسماعیل کے پاس پہنچا وہاں سے بھی اسی قسم کا جواب ملا۔ دل کڑا کر کے آخری وار آزمانے کے لئے حضرت خلیل سے جا کر الجھ پڑا اور کہنے لگا کہ اتنے زیرک اور عاقل ہو کر بچے کو ذبح کرنے کے لئے چلے ہو یہ کہاں کی ہوش مندی ہے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے اور سینکڑوں طریقے ہیں بڑھاپے میں ایک بچہ ملا وہ بھی اتنا حسین جسے دیکھ کر چاند شرما جائے اس کو ذبح کرنے چلے ہو۔ تمہارا تو نام لینے والا کوئی نہیں رہے گا نسل ختم ہو جائے گی

خاندان مٹ جائے گا اور یہ جو خواب خواب کی رٹ لگا رکھی ہے یہ شیطانی وسوسہ بھی ہوسکتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دینا ہوتا تو جبرائیل آپ کے پاس یہ حکم لے کر آتے آپ نے زمین سے پتھر اٹھایا اور دے مارا تین دفعہ ایسا ہی اس کے ساتھ سلوک کیا۔ شیطان کی آنکھیں کھل گئیں اسے پتہ چل گیا کہ آج اللہ تعالیٰ کے بندے کے ساتھ اسے واسطہ پڑا ہے اسی کے متعلق اِلَّا عِبَادِیَ الصّٰلِحِیْنَ ارشاد فرمایا گیا جب دونوں گوشہ تنہائی میں پہنچے تو حضرت اسماعیل نے عرض کی پدر محترم! میرے ہاتھ اور پاؤں رسی سے باندھ دیجئے مبادا بے خبری میں انہیں ہلا بیٹھوں اور آپ پر میرے خون کے چھینٹے پڑ جائیں نیز میرا منہ زمین کی طرف کر دیجئے تاکہ میرا چہرہ دیکھ کر آپ کو ترس نہ آ جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ جب حضرت ابراہیم نے آپ کو منہ کے بل زمین پر لٹایا اور تیز چھری گلے پر رکھ کر پھیرنی شروع کر دی تو عالم بالا میں لرزہ طاری ہو گیا ہوگا اور فرشتوں کو اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کی تفسیر کا علم ہوا ہوگا آپ تیزی سے چھری گردن پر پھیر رہے ہیں ادھر سے ندا آتی ہے بس! اے میرے خلیل بس! ہو گیا تیرا امتحان اور تو امتحان میں کامیاب ہو گیا۔ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ۔ بے شک تو نے سچ کر دکھایا خواب کو ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں محسنوں کو۔ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ۝ وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ۝۔ بے شک یہ بڑی کھلی آزمائش تھی اور ہم نے بچالیا اسے فدیہ میں ایک ذبیحہ دے کر۔

نوٹ:- یہ ہے اسلام کی ساری تعلیم کا خلاصہ اپنے آپ کو اپنی ہر چیز کو اپنے مالک حقیقی کی رضا کے لئے قربان کر دینا۔

غریب و سادہ و رنگین ہے داستان حرم
نہایت اس کی حسین ابتدا ہے اسماعیل

(منقول از ضیاء القرآن)

قربانی کرنے والے کا اجر و ثواب

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ ذکر کرتے ہیں کہ

قَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا هٰذِهِ الْاَضَاحِيُّ ؟ قَالَ سُنَّةُ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالُوْا فَمَا لَنَا فِيْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ قَالُوْا فَالصُّوْفُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ مِنَ الصُّوْفِ حَسَنَةٌ (رواہ الترمذی)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام نے عرض کی یارسول اللہ ان قربانیوں کی حقیقت کیا ہے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ (اس کی تفصیل اوپر مذکور ہے) تو انہوں نے عرض کی۔ ان قربانیوں کے بدلے ہمیں کیا اجر حاصل ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بال کے بدلے ایک حسنہ (اور حسنہ سے مراد دس نیکیاں ہیں) تو صحابہ کرام نے عرض کی یارسول اللہ! اس کی اون کے متعلق کیا حکم ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔ اون کے ہر بال کے بدلے بھی ایک حسنہ ہوگی''۔ (ترمذی شریف)

اسی طرح حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ قربانی کے اجر وثواب کے متعلق روایت کرتے ہیں کہ جو شخص قربانی خریدنے کے لئے گھر سے نکلتا ہے تو اسے ہر قدم کے بدلے دس نیکیاں عطا کی جاتی ہیں۔ اور اس کے نامہ اعمال سے اس کے دس گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں اور اس کے دس درجے بلند کئے جاتے ہیں۔ اور جب وہ اس کے خریدنے کے متعلق جانور کے مالک سے گفتگو کرتا ہے تو اس کی کلام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بن جاتی ہے۔ اور جب وہ اس کی قیمت نقد ادا کرتا ہے تو اسے ہر درہم کے بدلہ سات سو نیکی حاصل ہو جاتی ہے۔ اور جب وہ اس کو ذبح کرنے کے لئے زمین پر لٹاتا ہے۔ تو سطح زمین سے لے کر ساتویں آسمان تک تمام مخلوق اس کے لئے مغفرت طلب کرتی ہے۔ اور جب اس کا خون زمین پر گرتا ہے تو خون کے ہر ہر قطرہ سے اللہ تعالیٰ دس فرشتے پیدا کرتا ہے جو اس کے لئے قیامت تک مغفرت طلب کرتے رہتے

ہیں۔ اور جب وہ اس کا گوشت تقسیم کرتا ہے تو گوشت کی ہر بوٹی کے بدلے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ (جواہر زادہ)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا اے عائشہ! جب تیری قربانی ذبح ہونے لگے تو اس کے پاس جاؤ اور اس کا مشاہدہ کرو۔ کیونکہ اس کے خون کا پہلا قطرہ جب زمین پر گرے گا تو اس کے بدلے اللہ تعالیٰ تیرے سابقہ سارے گناہ معاف فرمادے گا۔ تو آپ نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا یہ اجر صرف ہمارے لئے خاص ہے یا تمام مومنین کو یہ انعام حاصل ہوگا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ ہمارے لئے بھی ہے اور عام مومنین کے لئے بھی ہے۔

اہل جنت کی سواریاں

حضرت وہب بن منبہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی اے اللہ! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے جو شخص قربانی کا جانور ذبح کرے گا اسے کیا ثواب حاصل ہوگا؟ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اس کا ثواب یہ ہے کہ میں اسے اس قربانی کے جسم پر جتنے بال ہیں ہر ہر بال کے بدلے دس دس نیکیاں عطا فرماؤں گا اور اس کے اعمال نامہ سے دس گناہ مٹادوں گا اور اس کے دس درجے بلند کروں گا اور اس کے ہر بال کے بدلے جنت میں ایک محل اور موٹی خوبصورت سرگیں آنکھوں والی ایک حور عطا کروں گا اور اسے پروں پر اڑنے والی سواری عطا کروں گا جس کی رفتار اتنی تیز ہوگی کہ اس کا قدم اس کی حد نگاہ تک پڑے گا۔ اس پر اہل جنت سوار ہوں گے تو وہ سواری ان پروں کے ساتھ اڑ کر انہیں وہاں لے جائے گی جہاں وہ چاہیں گے۔ مزید فرمایا اے داؤد! کیا تجھے معلوم نہیں اِنَّ الضَّحَایَا هِیَ الْمَطَایَا تُرْفَعُ الْبَلَایَا بِهَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ کہ قربانیاں اہل جنت کی سواریاں ہیں۔ اور ان قربانیوں کی وجہ سے ہی قیامت کے دن قربانی کرنے والوں کی آزمائش اٹھالی جائے گی۔ (زہرۃ الریاض)

عجیب حکایت

حضرت احمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میرا ایک بھائی فقیر تھا لیکن وہ اس کے باوجود ہر سال ایک بکری کی قربانی دیتا تھا جب وہ فوت ہو گیا تو میں نے اس کو خواب میں دیکھنے کی خاطر دو رکعت نفل ادا کئے اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا کہ اے اللہ تو میرا بھائی مجھے خواب میں دکھا تا کہ میں اسی سے اس کے احوال دریافت کروں۔ اور میں باوضو سو گیا۔ تو میں نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہو گئی ہے اور لوگ اپنی اپنی قبروں سے اٹھ کر میدان محشر میں جمع ہو رہے ہیں میں نے اچانک اپنے بھائی کو دیکھا کہ وہ ایک کمیت رنگ کی خوبصورت سواری پر سوار ہے اور اس کے آگے بہترین قسم کے جانور ہیں میں نے اس سے دریافت کیا کہ تیرے رب نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا؟ تو اس نے جواب دیا کہ میرے گناہ بخش دیئے گئے میں نے پوچھا کس سبب سے؟ تو اس نے جواب دیا کہ میں نے ایک فقیر بوڑھی عورت پر ایک درہم فی سبیل اللہ صدقہ کیا تھا اس کے سبب میرے گناہ معاف کر دیئے گئے۔ میں نے پوچھا یہ جانور کیسے ہیں تو اس نے جواب دیا یہ وہ قربانی کے جانور ہیں جو دنیا میں ہر سال ذبح کرتا تھا اور وہ جانور جس پر سوار ہوں وہ میری سب سے پہلی قربانی ہے۔ میں نے اس سے دریافت کیا اب آپ کس طرف تشریف لے جا رہے ہیں تو اس نے کہا جنت کی طرف جا رہا ہوں اور وہ آنکھوں سے غائب ہو گیا۔

(نسائیہ)

حضرت انس اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب لوگوں کو قبروں سے قیامت کے دن اٹھایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ ملائکہ کو حکم فرمائے گا کہ اے ملائکہ اس بات کا خیال رکھو کہ میرے بندے پیدل نہ چلیں بلکہ انہیں اپنی عمدہ سواریوں پر سوار کرو کیونکہ وہ دنیا میں سوار ہونے کے عادی تھے۔ ابتداء میں ان کے والدوں کی پشتیں ان کی سواریاں تھیں وہ انہیں گھوڑوں اور خچروں پر سوار کرتے تھے۔ اور جب ان کی ماؤں نے انہیں جنم دیا تو مدت رضاعت تک وہ ان کی سواریاں تھیں

پھران کے والدوں کی گردنیں ان کی سواریاں تھیں اس کے بعد گھوڑے اور خچر خشکی میں ان کی سواریاں تھیں اور دریاؤں اور سمندروں میں کشتیاں اور ڈونگے ان کے مراکب تھے۔ اور جب ان کا انتقال ہوا تو وہ اپنے بھائیوں کی گردن پر سوار ہوتے ہوئے قبر میں گئے اس لئے جب وہ قبروں سے اٹھیں تو وہ پیدل نہ چلیں بلکہ ان کی قربانیوں کے جانوروں کو ان کی سواریاں بناؤ۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ إِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا کہ اس دن وہ اپنی اطاعتوں کی سواریوں پر سوار ہو کر رحمٰن کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔ اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا عَظِّمُوْا ضَحَايَاكُمْ فَإِنَّهَا عَلَى الصِّرَاطِ مَطَايَاكُمْ۔ (مسلم شریف)

''کہ بے شک اپنی ان قربانی کے جانوروں کو عظیم بناؤ کیونکہ پل صراط سے گزرتے ہوئے یہی تمہاری سواریاں ہوں گی۔''

قربانی کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد گرامی بھی بڑا ہی امید افزا ہے۔

رُوِیَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ مَنْ قَرَّبَ قُرْبَانًا اِذَا قَامَ مِنْ قَبْرِهٖ رَاٰهُ قَائِمًا عَلٰى رَأْسِ قَبْرِهٖ فَاِذَا لَهٗ شَعْرٌ مِنَ الذَّهَبِ وَ عَيْنَاهُ مِنْ يَوَاقِيْتِ الْجَنَّةِ وَقَرْنَاهُ مِنَ الذَّهَبِ فَيَقُوْلُ مَنْ اَنْتَ وَ اَیُّ شَیْءٍ اَنْتَ وَمَا رَأَيْتُ اَحْسَنَ مِنْكَ فَيَقُوْلُ اَنَا قُرْبَانُكَ الَّذِیْ قَرَّبْتَنِیْ فِی الدُّنْيَا ثُمَّ يَقُوْلُ ارْكَبْ عَلٰى ظَهْرِیْ فَيَرْكَبُ عَلَيْهِ وَيَذْهَبُ بِهٖ مَارًّا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اِلٰى ظِلِّ الْعَرْشِ۔ (رجبیہ)

''نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا جس نے قربانی کا جانور ذبح کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا۔ جب وہ شخص اپنی قبر سے

اٹھے گا تو وہ اس کو اپنی قبر کے سرہانے کھڑا پائے گا۔ جس کے بال سونے کے، اس کی دونوں آنکھیں جنت کے یاقوتوں کی اور اس کے دونوں سینگ بھی سونے کے ہوں گے۔ وہ شخص اس سے پوچھے گا تو کون ہے اور تو کیا چیز ہے۔ میں نے تجھ سے زیادہ حسین کسی چیز کو نہیں دیکھا۔ تو وہ جانور جواب دے گا۔ میں تیری وہ قربانی ہوں جو دنیا میں تو نے ذبح کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا۔ پھر وہ اسے کہے گا کہ میری پشت پر سوار ہو جا۔ وہ شخص اس پر سوار ہو جائے گا تو وہ جانور اسے اٹھائے ہوئے آسمان اور زمین کے درمیان سے گزرتا ہوا۔ عرش الٰہی کے سائے تک اسے لے جائے گا''۔

قربانی نہ کرنے کی سزا

وہ شخص جو مالک نصاب ہو اور وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ابراہیم علیہ السلام کی سنت کو ادا کرنے کے لئے قربانی نہ دے تو اس کو سخت وعید سنائی گئی ہے۔ جو درج ذیل ہے۔

رُوِیَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ مَنْ کَانَ لَهٗ سَعَةٌ فَلَمْ یُضَحِّ فَلْیَمُتْ اِنْ شَاءَ یَهُوْدِیًّا وَاِنْ شَاءَ نَصْرَانِیًّا وَفِیْ رِوَایَةٍ مَنْ کَانَ لَهٗ سَعَةٌ فَلَمْ یُضَحِّ فَلَا یَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا۔

''نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کیا گیا ہے آپ نے فرمایا جو شخص خوشحال ہو یعنی صاحب نصاب ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو وہ خواہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے (اللہ کو اس کی پرواہ نہیں) اور دوسری روایت میں ہے کہ جو شخص صاحب استطاعت ہو اور وہ قربانی ذبح نہ کرے تو ہماری جائے نماز کے نزدیک تک نہ آئے''۔

اقوال زریں

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

مَنْ صَلّٰی صَلٰوتَنَا وَ نَسَکَ نُسُکَنَا فَهُوَ مِنَّا وَ مَنْ لَمْ یُصَلِّ

صَلٰوتَنَا وَلَمْ يُضَحِّ فَلَيْسَ مِنَّا اِنْ كَانَ غَنِيًّا۔ (درۃ الناصحین)

"وہ شخص جو ہماری نماز (عید) کی طرح نماز پڑھے اور ہماری قربانی کی طرح قربانی کا جانور ذبح کرے تو وہ ہم میں سے ہے۔ اور وہ شخص جو مالدار ہو اور وہ ہماری نماز کی طرح نماز نہ پڑھے اور نہ ہی ہماری قربانی کی طرح قربانی کرے تو وہ ہم میں سے نہیں"۔

وَ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ خِيَارُ اُمَّتِىْ يُضَحُّوْنَ وَ شِرَارُ اُمَّتِىْ لَا يُضَحُّوْنَ۔

"حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میری امت کے بہترین لوگ ہی قربانی ذبح کرتے ہیں۔ اور میری امت کے شریر لوگ قربانی ذبح نہیں کرتے"۔

(درۃ الناصحین)

قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَلَا اِنَّ الْاَضْحِيَةَ مِنَ الْاَعْمَالِ الْمُنْجِيَةِ تُنَجِّىْ صَاحِبَهَا مِنْ شَرِّ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ (درۃ الناصحین)

"حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا خبردار! بے شک قربانی ان اعمال میں سے ہے جو عذاب سے نجات دینے والے ہیں۔ یہ قربانی کرنے والے کو دنیا اور آخرت کے نقصان سے نجات دیتی ہے"۔

عَنِ الْحَسَنِ ابْنِ عَلِىٍّ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

"حسن ابن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص خوشدلی سے ثواب کا طالب ہو کر قربانی ذبح کرے تو وہ قربانی اس کے لئے آتش جہنم کے سامنے حجاب ہوگی"۔ (طبرانی)

عشرہ ذی الحجہ کی فضیلت، قربانی کے جانور کو ذبح کرنے کا اجر و ثواب اور اس کا پس منظر بالتفصیل بیان کر دیا گیا ہے۔ میرا اپنا یقین ہے کہ جو شخص خلوص نیت سے تعصب کی

پٹی آنکھوں سے ہٹا کر اسے پڑھے گا اور اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا یہ عمل مقبول و منظور ہوگا اور اسے بے شمار اجر و ثواب حاصل ہوگا۔ دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسوہ حسنہ اور آپ کی سنت پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

قربانی کے باقی ماندہ مسائل طوالت کے خوف سے الگ وعظ میں لکھ رہا ہوں۔ امید ہے کہ یہ قارئین کی طبع نازک پر گرانی کا باعث نہیں بنے گا۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ - رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَاد

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيُّنَا فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ وَاَلْحِقْنَا بِالصّٰلِحِيْنَ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلٰی اَفْضَلِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

وَمَا تَوْفِيْقِیْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ

اکہتر واں وعظ

نماز عید کا طریقہ اور قربانی کے مسائل

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ وَنَبِيِّهِ الْعَظِيْمِ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ اِمَامِ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰى رَحْمَةٍ لِّلْعٰلَمِيْنَ وَعَلٰی اٰلِهِ الرَّاشِدِيْنَ وَالْمَهْدِيِّيْنَ وَعَلٰی اَزْوَاجِهِ الطَّاهِرَاتِ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ عَلٰی سَائِرِ الصَّحَابَةِ نُجُوْمِ الْهُدٰى وَالتَّابِعِيْنَ اَجْمَعِيْنَ اِلٰی يَوْمِ الدِّيْنِ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ﴿١﴾ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴿٢﴾ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ﴿٣﴾ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلٰنَا الْعَظِيْمُ o

''بے شک ہم نے آپ کو جو کچھ عطا کیا بے حد و بے حساب عطا کیا۔ پس آپ نماز پڑھا کریں اپنے رب کے لئے اور قربانی دیں (اسی کی خاطر) یقیناً آپ کا جو دشمن ہے۔ وہی بے نام (ونشان) ہوگا''۔ (ترجمہ از جمال القرآن)

قربانی ذبح کرنے کا وقت دس ذی الحجہ کے دن عید کی نماز ادا کرنے کے بعد ہے۔ اور نماز عید کا وقت ایک یا دو نیزوں کے برابر سورج کے بلند ہونے سے شروع ہوتا ہے اور زوال شمس سے پہلے تک باقی رہتا ہے اور اس نماز کے پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب سورج اچھی طرح ظاہر ہو جائے اور مکروہ وقت خارج ہو جائے تو اس کے بعد دو رکعت نماز واجب عید الضحیٰ جماعت کے ساتھ ادا کی جائے بمع زائد تکبیرات، اور اس نماز کے لئے نہ اذان ہے نہ اقامت اور اس نماز کا با جماعت ادا کرنا سنت ہے۔ اور تکبیر تحریمہ کے بعد زیر ناف ہاتھ باندھ لئے جائیں اور اس کے بعد ثناء پڑھی جائے پھر تین تکبیریں کہی جائیں اور ہر تکبیر کے بعد ہاتھ کانوں تک اٹھا کر چھوڑ دیئے جائیں۔ اور ہر تکبیر کے بعد تین تسبیحات کا

وقفہ کیا جائے اور پھر تَعَوُّذْ اور تَسْمِیَہ کے بعد سورۃ فاتحہ کے ساتھ کوئی دوسری سورت ملا کر قرأت کرے اور بہتر یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ الاعلیٰ اور سورۃ الغاشیہ تلاوت کی جائے کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام عموماً یہی سورتیں تلاوت کیا کرتے تھے اور دوسری رکعت میں قرأت کے اختتام پر رکوع جانے سے پہلے تکبیرات زائدہ کہی جائیں اور چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع چلے جائیں۔ اور نماز سے فراغت کے بعد دو خطبے دیئے جائیں جن میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھا جائے اور عام مسلمانوں کو وعظ ونصیحت کیا جائے اور یوم آخرت سے ڈرایا جائے اور دوران خطبہ درج ذیل تکبیرات پڑھی جائیں۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔ اور عید گاہ کی طرف جاتے ہوئے اور واپس پلٹتے ہوئے بھی یہ تکبیریں پڑھی جائیں تو ہر وہ چیز جو ان تکبیرات کو سنے گی وہ قیامت کے دن تکبیرات پڑھنے والے کے ایمان کی شہادت دے گی۔

بعد از نماز عید قربانی کا جانور ذبح کرنا کتاب وسنت سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ اے محبوب آپ نماز ادا کریں اور قربانی ذبح کریں۔

(جمال القرآن)

امام بیضاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت پاک کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

وَقَدْ فُسِّرَتْ الصَّلٰوۃُ صَلٰوۃِ الْعِیْدِ وَالنَّحْرُ بِالتَّضْحِیَۃِ۔ (بیضاوی شریف)

صلوٰۃ سے مراد عید کی نماز ہے اور نحر سے مراد قربانی کا جانور ذبح کرنا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ پہلے نماز عید پڑھو اس کے بعد قربانی ذبح کرو۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَوَّلَ مَا نَبْدَاُبِہٖ فِیْ یَوْمِنَا ھٰذَا اَنُصَلِّی ثُمَّ نَرْجِعُ فَنَنْحَرُ فَمَنْ فَعَلَ ذَالِکَ فَقَدْ

اَصَابَ سُنَّتَنَا وَ مَنْ ذَبَحَ (قبل الصلوٰۃ) فَإِنَّمَا هُوَ لَحْمٌ قَدَّمَهٗ لِاَهْلِهٖ لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِيْ شَيْءٍ وَكَانَ اَبُوْبُرْدَةَ بْنُ نيار قَدْ ذَبَحَ فَقَالَ عِنْدِيْ جَزْعَةٌ خَيْرٌ مِنْ مُسِنَّةٍ فَقَالَ اِذَ بَحْهَا وَلَنْ تَجْزِيَ عَنْ اَحَدٍ بَعْدَكَ (مسلم شریف)

''کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج کے دن ہم جس کام کو سب سے پہلے کریں گے وہ یہ ہے کہ ہم نماز (عید) پڑھیں گے اس کے بعد ہم قربانی کریں گے سو جس نے اس طرح کیا اس نے ہماری سنت کو پالیا اور جس نے (پہلے) ذبح کر لیا تو یہ وہ گوشت ہے جس کو اس نے اپنے گھر والوں کے لئے تیار کیا ہے اس کا قربانی سے کوئی تعلق نہیں ہے حالانکہ حضرت ابو بردہ بن نیار اس سے پہلے ذبح کر چکے تھے انہوں نے کہا میرے پاس ایک چھ ماہی بکری ہے جو ایک سال کی بکری سے بہتر ہے۔ آپ نے فرمایا تم اس کو ذبح کر دو اور تمہارے بعد یہ یعنی چھ ماہ کی بکری کسی اور کے لئے درست نہیں ہو گی''۔

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ مَنْ كَانَ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَلْيُعِدْ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا يَوْمٌ يُشْتَهٰى فِيْهِ اللَّحْمُ وَ ذَكَرَ هَنَةً مِنْ جِيْرَانِهٖ كَأَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَّقَهٗ قَالَ عِنْدِيْ جَذَعَةٌ هِيَ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ شَاتَيِ اللَّحْمِ اَفَاَذْبَحُهَا قَالَ فَرَخَّصَ لَهٗ فَقَالَ لَا اَدْرِيْ أَبَلَغَتْ رُخْصَتُهٗ مَنْ سِوٰهُ اَمْ لَا؟ قَالَ وَانْكَفَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى كَبْشَيْنِ فَذَبَحَهُمَا فَقَامَ النَّاسُ اِلٰى غُنَيْمَةٍ فَتَوَزَّعُوْهَا اَوْ قَالَ فَتَجَزَّعُوْهَا (مسلم شریف)

''کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی ذبح کرنے کے دن فرمایا جس شخص نے

نماز سے پہلے قربانی کر لی وہ دوبارہ قربانی کرے ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دن میں گوشت کی خواہش ہوتی ہے اور اس نے اپنے پڑوسی کی حاجت کا ذکر کیا گویا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق کی۔ اس نے کہا میرے پاس ایک سال سے کم عمر کی بکری ہے اس میں دو بکریوں سے میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ گوشت ہے کیا میں اس کو ذبح کر لوں آپ نے اسے اجازت دے دی۔ راوی کہتے ہیں کہ مجھے پتہ نہیں کہ یہ اجازت ان کے سوا کو شامل ہے کہ نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو مینڈھوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کو ذبح کیا پھر لوگ ایک بکری کی طرف گئے اور اس کا گوشت تقسیم کیا"۔

ان مذکورہ بالا حوالہ جات سے یہ ثابت ہوا کہ قربانی کا جانور عید کی نماز ادا کرنے کے بعد ذبح کرنا سنت ہے اور جو اس کے مخالف عمل کرے تو اس کی وہ قربانی نہیں بلکہ وہ گوشت ہے جو اس نے اپنے کھانے کے لئے تیار کر رکھا تھا اس کا قربانی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

قربانی کا جانور ذبح کرنے کا طریقہ اور بخشش کا سبب

حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا:

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِفَاطِمَۃَ قُوْمِیْ یَا فَاطِمَۃُ فَاشْھَدِیْ اُضْحِیَتَکِ اَمَا اِنَّ لَکِ بِاَوَّلِ قَطْرَۃٍ تَقْطُرُ مِنْ دَمِھَا مَغْفِرَۃَ کُلِّ ذَنْبٍ اَصَبْتِہٖ اَمَا اِنَّہٗ یُجَاءُ بِھَا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ بِلُحُوْمِھَا وَ دِمَائِھَا سَبْعِیْنَ ضِعْفًا ثُمَّ تُوْضَعُ فِیْ مِیْزَانِکِ قَالَ اَبُوْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیُّ اَیْ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَھٰذِہٖ لِاٰلِ مُحَمَّدٍ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) خَاصَّۃً فَھُمْ اَھْلٌ لِمَا خُصُّوْا بِہٖ مِنْ خَیْرٍ اَمْ لِاٰلِ مُحَمَّدٍ وَلِلنَّاسِ عَامَّۃً قَالَ بَلْ ھِیَ لِاٰلِ مُحَمَّدٍ وَالنَّاسِ عَامَّۃً (رواہ ابن ابی الدنیا)۔ (کنز العمال ص ۲۲۱ ج ۵)

"حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت فاطمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا اے فاطمۃ (رضی اللہ عنہا) کھڑی ہو اور اپنی قربانی کے پاس حاضر ہو بے شک قربانی کے پہلے خون کے قطرہ کے ساتھ تمہارے تمام پچھلے گناہوں کی مغفرت کر دی جائے گی اور سنو! قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے گوشت اور خون کے ساتھ لایا جائے گا اور اس کو ستر درجہ بڑھا کر تیرے میزان میں وزن کیا جائے گا۔ حضرت ابو سعید خدری نے کہا کہ یہ اجر صرف آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ وہ اس خیر کے اہل ہیں؟ یا یہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام لوگوں کے لئے ہے؟ آپ نے فرمایا بلکہ یہ اجر آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام لوگوں کے لئے ہے"۔

طریقہ

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ معمول تھا کہ جب آپ عید کی نماز ادا کرنے سے فارغ ہو جاتے تو دو سیاہ سفید یعنی چتکبرے اور سینگ والے مینڈھے منگواتے جن کی آنکھیں اور پاؤں سیاہ ہوتے اور وہ سیاہی میں چلتے اور انہیں چت لٹا دیتے اور تیز چھری ہاتھ میں پکڑ لیتے اور اپنا دایاں قدم مبارک ان کے پہلوؤں پر رکھتے اور یہ پڑھتے۔

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ وَعَلٰی مِلَّةِ اِبْرَاهِیْمَ اللّٰهُ اَکْبَرُ اللّٰهُ اَکْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ اللّٰهُ اَکْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُ اَکْبَرُ

اور چھری قربانی کے جانور کے حلق پر چلا دیتے اور اسے ذبح کر دیتے پھر دو رکعت نماز نفل شکرانہ ادا کرتے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ قربانی کا جانور ذبح کرنے کے بعد اپنے ہاتھوں سے چھری پھینک دو اور دو رکعت نماز نفل شکرانہ ادا کرو۔ جس شخص نے یہ دو رکعت نماز ادا کی تو اللہ تعالیٰ اسے ہر وہ چیز عطا فرمائے گا جو وہ مانگے گا۔ سلام کے بعد یہ پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَ بِذَالِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ

اور آپ ذبح کرنے سے پہلے یہ دعا بھی مانگا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ مِنْکَ عَنِّی وَاَقَارِبِی بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُ اَکْبَرُ۔

پھر قربانی کا جانور ذبح فرماتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی آل اور امت کی طرف سے قربانی کرنا

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بَکَبْشٍ اَقْرَنَ یَطَاُفِیْ سَوَادٍ وَ یَبْرُکُ فِیْ سَوَادٍ وَ یَنْظُرُ فِیْ سَوَادٍ فَاُتِیَ بِهٖ لِیُضَحِّیَ بِهٖ فَقَالَ لَهَا یَا عَائِشَةُ هَلُمِّیْ الْمُدْیَةَ ثُمَّ قَالَ اَشْحِذِیْهَا بِحَجَرٍ فَفَعَلْتُ ثُمَّ اَخَذَهَا وَ اَخَذَا الْکَبْشَ فَاَضْجَعَهٗ ثُمَّ ذَبَحَهٗ ثُمَّ قَالَ بِاسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَاٰلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ثُمَّ ضَحّٰی بِهٖ

(مسلم شریف کتاب الاضاحی)

"حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سینگوں والا مینڈھا لانے کا حکم دیا جس کے ہاتھ، پیر اور آنکھیں سیاہ ہوں۔ سو قربانی کرنے کے لئے ایسا مینڈھا لایا گیا۔ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! چھری لاؤ۔ پھر فرمایا اس کو پتھر سے تیز کرو، میں نے اس کو تیز کیا پھر آپ نے چھری لی، مینڈھے کو پکڑا، اس کو لٹایا اور ذبح کرنے لگے پھر فرمایا اللہ کے نام سے، اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم، آل محمد اور امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس کو قبول فرما، پھر اس کی قربانی کی"۔

تنبیہ:- اس حدیث شریف سے تین مسائل ثابت ہوئے۔

۱- اپنے ہاتھ سے قربانی ذبح کرنا مستحب ہے، کیونکہ یہ وہ خون ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ

میں بہایا جاتا ہے، لہٰذا اپنے ہاتھ سے یہ خون بہانا مستحب ہے اور اگر کوئی شخص دوسرے شخص کو ذبح کرنے کی اجازت دے دے تو یہ بھی جائز ہے۔

۲- اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاہ سینگوں والے مینڈھے کو ذبح کیا۔

۳- اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ گھر کا سربراہ اپنی طرف سے اور اپنے کنبہ والوں کی طرف سے ایک قربانی کر سکتا ہے ثواب میں سب برابر کے شریک ہوں گے۔ لیکن اگر صاحب استطاعت ہوں تو ہر ایک الگ الگ قربانی کرے۔

قربانی کس پر واجب؟

قربانی ہر اس شخص پر واجب ہو گی جو مسلمان ہو، مقیم ہو، آزاد ہو اور وہ نصاب کا مالک ہو۔ نصاب کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کے پاس ساڑھے باون تولے چاندی یا ساڑھے سات تولے سونا یا ان کی قیمت یا ان کی قیمت کے برابر دوسرا کوئی سامان ہو جو حاجت اصلیہ سے زائد ہو۔ حاجت اصلیہ سے مراد مکان، لباس، خادم، سواری، ہتھیار اور دوسرا ضروری سامان زندگی ہے۔ اور اس میں حولان حول شرط نہیں جس طرح زکوٰۃ کے لئے سال کا گزرنا شرط ہے اور اس میں بڑھوتری کے وصف کا بھی اعتبار نہیں۔ اگر کوئی شخص فقیر ہو اور قربانی کے ایام میں وہ صاحب نصاب ہو جائے تو اس پر قربانی کرنا واجب ہو جاتا ہے اور اگر کوئی شخص غنی تھا۔ یعنی صاحب نصاب تھا اور قربانی کے ایام میں اس کا مال تلف ہو گیا تو اس پر قربانی کرنا واجب نہیں ہے۔ (کذا فی کتب الفقہ)

قربانی کے جانوروں کی اقسام

چار قسم کے جانوروں کی قربانی دی جا سکتی ہے (نمبر ۱) اونٹ جس کی عمر پانچ سال یا اس سے زائد ہو۔ (۲) گائے جس کی عمر پورے دو سال یا اس سے زائد ہو۔ (۳) بھینس جس کی عمر دو سال یا دو سال سے زائد ہو۔ (۴) بھیڑ، دنبہ یا بکری جب یہ ایک ایک سال کے ہو چکے ہوں۔ البتہ دنبہ یا بھیڑ کا بچہ اگر چھ ماہ کا ہو اور اس قسم کے ایک سال کے جانوروں

میں کھڑا ہوتو وہ ان کے برابر ہو بشرطیکہ ایک سال کا جانور اس قسم سے میسر نہ ہوتو جائز ہے۔

اور بھیڑ کا بچہ ایک سال کا افضل ہے اگر میسر نہ ہوتو چھ ماہ سے زائد جو ایک سال کا محسوس جائز ہے۔

اونٹ، گائے اور بھینس میں سات آدمی تک شریک ہو سکتے ہیں۔ یعنی ان کے سات حصے ہوتے ہیں۔ بھیڑ بکری اور دنبہ وغیرہ صرف ایک ایک فرد کی طرف سے ہی قربانی دیئے جا سکتے ہیں۔ بشرطیکہ ان تمام کی نیت قربانی کی ہو نہ کہ گوشت کھانے کی اور کوئی حصہ دار کافر بھی نہ ہو۔ ورنہ کسی کی قربانی بھی جائز نہ ہوگی۔ اور نہ ہی بد مذہب ہو۔

تنبیہ:- مذکورہ بالا جانور خواہ مذکر ہوں یا مونث ہوں ان کی قربانی جائز ہے۔

ان جانوروں میں سے افضل ترین قربانی کس کی ہوگی؟

جواب:- اگر گائے کا ساتواں حصہ اور بکری کا گوشت اور قیمت برابر ہوں تو بکری افضل ہے۔ دنبہ دنبی سے افضل ہے۔ بھیڑ مینڈھے سے افضل ہے جبکہ وہ قیمت میں برابر ہوں۔ اونٹنی اور گائے اونٹ اور بیل سے افضل ہیں جبکہ وہ قیمت میں برابر ہوں۔ خصی جانور کی قربانی نر کی بنسبت افضل ہے کیونکہ اس کا گوشت لذیذ ہوتا ہے۔ (درمختار)

فقہائے احناف کے نزدیک قربانی کے جانوروں کا معیار

قربانی کے جانوروں میں درج ذیل شرائط کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

نمبر ۱:- قربانی کا جانور تمام عیوب فاحشہ سے سلامت ہو۔ حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس کھڑے تھے اور فرمایا کہ وہ جانور جس میں درج ذیل عیب ہوں اس کی قربانی کرنا جائز نہیں۔

۱- وہ کانا ہو، اور اس کا کانا ہونا ظاہر ہو۔

۲- وہ ایسا بیمار ہو جس کا مرض ظاہر ہو۔

۳- وہ لنگڑا ہو جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو۔

۴- وہ ایسا بوڑھا ہو جس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو۔ (ترمذی، بیہقی وغیرہ)

نمبر ۲:- وہ جانور جس کے پیدائشی سینگ نہ ہوں یا اس کا ایک سینگ ٹوٹا ہوا ہو اور وہ اس کی ہڈی کے جوڑ تک نہ پہنچا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے۔

نمبر ۳:- وہ جانور جس کے دونوں کان کٹے ہوں یا اس کا ایک کان مکمل کٹا ہو۔ یا دنبے کی پیدائشی لاٹ نہ ہو۔ یا اس کی پیدائشی دم نہ ہو یا اس کی دم تیسرے حصہ سے زائد کٹی ہو۔ یا بکری کا ایک تھن غائب ہو۔ یا بھینس گائے اور اونٹنی وغیرہ کے دو تھن نہ ہوں تو ایسے جانوروں کی قربانی جائز نہیں۔

نوٹ:- قربانی کے دیگر مسائل کی تفصیلات معلوم کرنے کے لئے کتب فقہ کی طرف رجوع کیا جائے۔

قربانی ذبح کرنے کا وقت کتنے دن ہے؟

وہ مقامات جہاں عید کی نماز ادا کی جاتی ہے ان مقامات پر عید کی نماز ادا کرنے کے بعد قربانی ذبح کرنے کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور بارہویں ذی الحجہ غروب آفتاب سے پہلے تک قربانی ذبح کرنا جائز ہے لیکن پہلے دن یعنی دسویں ذی الحجہ کو قربانی کرنا افضل ہے۔ اور ایسی بستی جہاں عید کی نماز ادا نہیں کی جاتی وہاں طلوع شمس کے بعد قربانی کا جانور ذبح کرنا جائز ہے اور رات کے وقت قربانی ذبح کرنا مکروہ ہے۔

قربانی کے گوشت اور کھال کا حکم

قربانی کے گوشت کو تین حصوں میں تقسیم کرنا مستحب ہے۔ ایک حصہ گھر میں استعمال کرے۔ ایک حصہ غرباء و مساکین میں تقسیم کرے اور ایک حصہ اپنے دوست احباب کو پیش کرے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ معمول تھا کہ جب آپ قربانی ذبح کرتے تو اس کے گوشت میں سے اپنے احباب، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے قریبی رشتہ داروں اور سہیلیوں میں تقسیم فرماتے تو اس طرح قربانی کا گوشت امیر غریب اور غیر مسلم کو دیا جا سکتا ہے۔

قربانی کا تمام گوشت صدقہ کر دینا بھی جائز ہے اور تمام گوشت اپنے کھانے کے لئے رکھ لینا بھی جائز ہے۔ قربانی کا گوشت قصاب کو اجرت میں دینا جائز نہیں۔ افضل یہ ہے کہ

تیسرا حصہ اپنے لئے مخصوص کر لے۔

قربانی کی کھال کا مسئلہ یہ ہے کہ قربانی کرنے والا اسے خود بھی استعمال کر سکتا ہے یعنی وہ اس کا مصلیٰ یا مشکیزہ بنالے یا اس کے علاوہ اس کی کوئی اور چیز بنا کر استعمال کر لے اور اسے صدقہ کرنا بھی جائز ہے۔ مثلاً غرباء و مساکین میں تقسیم کرے یا دینی مدارس میں دے دے جن میں قرآن، حدیث، تفسیر اور فقہ وغیرہ علوم پڑھائے جاتے ہیں۔ اور ان مدارس میں عموماً غریب نادار قسم کے طلباء ہوتے ہیں لیکن کھال فروخت کر کے اس کی رقم قربانی دینے والے کے لئے اپنے مصارف میں خرچ کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح قربانی کی کھال بطور تنخواہ امام مسجد کو دینا بھی جائز نہیں البتہ اگر اسے بطور امداد دی جائے تو جائز ہے۔ خواہ امام امیر ہو یا غریب۔ ہمارے معاشرہ میں جب امام صاحب کو مسجد میں متعین کیا جاتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ تمہیں اتنی تنخواہ بھی دیں گے اور قربانی کی کھالیں بھی تو گویا اس طرح قربانی کی کھال بطور تنخواہ امام کو دی جاتی ہے۔ تو یہ جائز نہیں۔

البتہ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ کیا کھالوں کی یہ رقم کسی حیلہ کے ساتھ مساجد اور مدارس کو دی جائے یا بغیر حیلہ کے بھی جائز ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلویؒ کا فتویٰ یہ ہے کہ بغیر حیلہ کے قربانی کی کھال مساجد اور مدارس کی انتظامیہ کو دینا جائز ہے اور مولانا امجد علی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔ (بہار شریعت)

ذبیحہ کی درج ذیل چیزیں کھانا جائز نہیں

بہتا ہوا خون، آلہ تناسل، کپورے، پاخانہ کی جگہ، مثانہ، پتہ، غدود کیونکہ مصنف عبدالرزاق میں مذکور ہے کَرِہَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الشَّاۃِ الذَّکَرَ وَالْاُنْثَیَیْنِ وَالْقُبُلَ وَالْغُدَّۃَ وَالْمِرَارَۃَ وَالْمَثَانَۃَ وَالدَّمَ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکرے میں سے آلہ تناسل، کپورے، پیشاب پاخانہ کی جگہ، غدود، پتہ، مثانہ اور خون کو مکروہ فرمایا ہے۔

خون تو نص قطعی سے حرام ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ ...... الخ۔

اور باقی چیزیں مکروہ تحریمی ہیں۔شہروں میں کپوروں کا جو شوق سے استعمال کیا جاتا ہے یہ ارشاد نبوی سے انحراف ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ

اللهم صل و سلم و بارک علی سیدنا و مولٰینا محمدٍ و علی اٰلہٖ واصحابه اجمعین – اللهم انت ربنا نحن نطلب رضاء ک فارض عنا و وَفِّقْنَا بان نعمل علی سنة نبیک برحمتک و بکرمک انک رَؤُفٌ رَحِیْمٌ

وما توفیقی الا باللّٰہ علیه توکلت والیه انیب

بہتر واں وعظ

شیطان کے نقش قدم پر چلنے کی سزا اور مذمت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْكَبِيْرِ الْمُتَعَالِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعُلٰى وَالْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ الرَّؤُوْفِ الرَّحِيْمِ وَعَلٰى اٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ وَاَصْحَابِهِ الْمَهْدِيِّيْنَ وَاَزْوَاجِهِ الطَّاهِرَاتِ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالتَّابِعِيْنَ لَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾ صدق الله مولٰنا العظيم (سورۂ نور)

"اے ایمان والو! نہ چلو شیطان کے نقوش قدم پر اور جو چلتا ہے شیطان کے نقوش قدم پر تو وہ حکم دیتا ہے (اپنی پیروی کرنے والوں) کو بے حیائی کا اور ہر برے کام کا۔ اور اگر نہ ہوتا تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تو نہ بچ سکتا تم میں سے کوئی بھی ہرگز ہاں اللہ تعالیٰ پاک کرتا ہے جسے چاہتا ہے، اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا، جاننے والا ہے"۔ (جمال القرآن)

یہ آیت طیبہ سورۃ نور کی ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے گھر کے ماحول کو پاکیزہ اور مسرت بخش بنانے کی ہدایت ارشاد فرمائی ہے۔ کیونکہ گھر معاشرہ کی خشت اول ہے اگر وہ صحت منداور پاکیزہ نہ ہو تو حسن معاشرہ کی تشکیل کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ اسلام جس کا مقصد ہی انسان کے سر پر تاج کرامت سجانا ہے اور اس کے دامن کو سچی مسرتوں کے

گلہائے رنگ رنگ سے بھر دیتا ہے، وہ معاشرہ کی اس بنیادی وحدت کو کیونکر نظر انداز کر سکتا ہے۔ اس لئے اس سورت میں اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے کھول کر احکام بیان فرمائے ہیں۔ اس آیت سے ماقبل میں عہد رسالت کے ایک انتہائی المناک اور روح فرسا المیہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو تاریخ میں واقعہ اِفک کے نام سے مشہور ہے۔ افک انتہائی کذب بیانی اور بہتان تراشی کو کہتے ہیں۔ اس بدتمیزی اور فتنہ وفساد کا مرکزی کردار رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی تھا۔ یہ حسد، شیطنت اور فتنہ پردازی میں شیطان کا چیلہ تھا۔ اس نے ایسی چال چلی کہ جس نے قیامت برپا کر دی اور اسلامی معاشرہ کا عضو عضو درد سے چیخ اٹھا۔ ساری فضا میں شکوک وشبہات کا اندھیرا چھا گیا۔ ان ظالموں نے اس پاک ہستی کو اپنی بہتان تراشیوں کا ہدف بنایا جس کا براہ راست تعلق پیغمبر اسلام سرور عالم، رحمت عالمیاں صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے تھا۔ جس کی گرد راہ بھی راہروان جادہ ہدایت کے لئے نور افشاں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے خانوادہ رسالت کی عصمت وطہارت کی شہادت اپنی زبان قدرت سے دی کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا دامن۔ ان سراسر جھوٹے الزام سے پاک اور منزہ ہے۔ اور اس سورۃ پاک میں وہ آیات نازل فرمائیں کہ جن سے اس فتنہ کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ اور منافقین کو معلوم ہو گیا کہ ان کا کوئی منصوبہ اور ان کی کوئی سازش اسلام کے نور کو نہ تو بجھا سکتی ہے۔ اور نہ ہی اس کے طہر وطیب کو آلودہ کر سکتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے مومنین کو تنبیہ فرمائی کہ ایسے مذموم فعل کا ارتکاب کرنا شیطان کا فعل ہے۔ جس کا شیوہ یہ ہے کہ وہ اپنے پیروکاروں کو بے حیائی اور بدکاری کی تلقین کرتا ہے۔ برے کاموں کو اس حسین انداز سے پیش کرتا ہے کہ ان کے برے نتائج آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ انسان یہی سمجھنے لگتا ہے کہ ساری عزتیں، ساری مسرتیں انہی برے کاموں میں سمٹ کر رہ گئی ہیں۔ شیطان کے اکسانے پر وہ ایسی ایسی کمینی اور حیاسوز حرکتیں کرتا ہے کہ دیکھنے والے انگشت بدنداں ہو جاتے ہیں لیکن جب وہ اپنی بدکاریوں سے دوچار ہوتا ہے۔ جب بے حیائی کی جلائی ہوئی آگ خود اس کے اپنے گھر کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی

ہے۔ اس کی اپنی ناموس اور عصمت لٹنے لگتی ہے۔ اس وقت وہ شیطان کو اپنی مدد کے لئے پکارتا ہے۔ لیکن وہ بے مروت ہنس کر ٹال دیتا ہے اور الٹا اس کا مذاق اڑاتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مومنین کو ارشاد فرمایا ہے۔ اے ایمان والو! شیطان کے نقش قدم پر مت چلو اور جو اس کے نقش قدم پر چلتا ہے۔ تو وہ اسے ہر بے حیائی اور برے کام کا حکم دیتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی ہرگز نہ بچ سکتا ہاں اللہ تعالیٰ پاک کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور وہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اس مذکورہ بالا کو اللہ تعالیٰ نے ایک مثال کے ذریعے واضح فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۷﴾ (الحشر)

"(منافقین اور یہود کی) مثال شیطان کی سی ہے جو (پہلے) انسان کو کہتا ہے انکار کر دے اور جب وہ انکار کر دیتا ہے تو شیطان کہتا ہے۔ میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں میں تو ڈرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے جو رب العالمین ہے پھر ان دونوں (شیطان اور اس کے چیلے) کا انجام یہ ہوگا کہ دونوں آگ میں ڈالے جائیں گے۔ اس میں ہمیشہ جلتے رہیں گے اور یہی ظالموں کی سزا ہے"۔

اس مذکورہ بالا آیت طیبہ میں اللہ تعالیٰ نے یہود و منافقین کی ایک مثال پیش فرمائی ہے۔ کہ جس طرح منافقین نے یہودیوں کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا تھا۔ اسی طرح شیطان انسان کے ساتھ پہلے اپنی دوستی کا اظہار کرتا ہے اور ان کے سامنے برے اعمال ایسے خوبصورت اور پرکشش انداز میں پیش کرتا ہے۔ کہ انسان کا دل ان کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے۔ اور وہ اپنے انجام سے بے خبر ہو کر ان کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے۔ اور جب وہ ان کے برے انجام سے دوچار ہوتا ہے اور گمراہ ہو جاتا ہے تو شیطان اس سے برأت کا اظہار کرتے

ہوئے الگ تھلک ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ طنز کرتے ہوئے اسے کہتا ہے کہ میں تو رب العالمین کے عذاب سے ڈرتا ہوں اس لئے میں تم سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔

اس مذکورہ بالا آیت کے ضمن میں علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر مظہری میں ایک واقعہ نقل کیا ہے جس سے اس آیت طیبہ کا مفہوم سمجھنا آسان ہو جاتا ہے آپ لکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک زاہد متقی راہب تھا جس کا نام برسیسہ تھا وہ دن رات اپنی عبادت گاہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتا تھا اور وہ مستجاب الدعوات بھی تھا لوگ اپنے مریض لے کر اس کے پاس حاضر ہوتے تھے وہ ان کی صحت کے لئے دعا کر دیتا تو وہ صحت یاب ہو جاتے۔ اس کا اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہنا اور لوگوں کو نفع پہنچانا شیطان لعین کو بالکل نہیں بھاتا تھا۔ وہ از حد پریشان تھا اور حسد کی آگ میں جلتا رہتا تھا اس نے برسیسہ کو برگشتہ کرنے کے لئے بارہا کوشش کی لیکن وہ اپنے اس مذموم ارادہ میں کامیاب نہ ہو سکا اسی رنج والم میں ایک دن اس نے چیخنا شروع کر دیا اور اپنی ذریت کو پکارنے لگا وہ تمام کے تمام فوراً اس کے اردگرد جمع ہو گئے اور اس سے پوچھنے لگے کہ اے ہمارے سردار تمہیں کس نے تکلیف پہنچائی ہے اگر کسی نے تیری طرف بُری آنکھ سے دیکھا ہے تو ہم اس کی آنکھ پھوڑ دیتے ہیں اور اگر کسی نے تمہاری طرف تمہیں اذیت پہنچانے کی غرض سے ہاتھ بڑھایا ہے تو ہم اس کے ہاتھوں کو توڑ دیتے ہیں اور اگر کسی نے چل کر تمہیں اذیت پہنچائی ہے تو ہم اس کی ٹانگیں چور چور کر دیتے ہیں تو ابلیس لعین نے جواب دیا ایسی کوئی بات نہیں اور نہ ہی اس طرح مجھے کوئی اذیت دے سکتا ہے لیکن برسیسہ نامی راہب جو ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتا ہے اس سے مجھے از حد تکلیف ہے اور اسی کی وجہ سے میں پریشان ہوں میں نے اسے راہ راست سے بھٹکانے کی سرتوڑ کوشش کی ہے لیکن اس میں کامیاب نہیں ہو سکا اگر تم سے کوئی ایسا باہمت ہے جو اس کو راہ راست سے بھٹکا دے اور اسے فتنہ میں مبتلا کر دے وہ میرا مقرب ہو گا ان شیطانوں میں سے ایک عفریت نے کہا یہ ذمہ داری میں قبول کرتا ہوں اور اسے فتنہ میں مبتلا کر کے ہی چھوڑوں گا

اور اگر میں ایسا نہ کر سکا تو یوں سمجھئے کہ میں تم میں سے نہیں ہوں ابلیس لعین نے اسے تھپکی دیتے ہوئے کہا کہ اسے بہکانہ اور گمراہی کی دلدل میں گرانا تیرے جیسے ہی باہمت افراد کا کام ہے۔

وہ ابلیس سے رخصت لے کر اپنے اس مذموم ارادہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا اور بنی اسرائیل کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کے گھر گیا اس بادشاہ کی بیٹی حسن و جمال کا پیکر تھی وہ اپنے اہل خانہ کے درمیان خوش و خرم بیٹھی تھی کہ اچانک اس پر غشی چھا گئی اور اس لعین نے اسے پچھاڑ دیا اس ناگہانی حالت سے اس کے اہل خانہ گھبرا اٹھے از حد خوف زدہ ہو گئے وہ لڑکی مجنونوں اور پاگلوں کی طرح حرکتیں کرنے لگی مسلسل کئی دن اس پر یہ کیفیت طاری رہی اچانک ایک دن وہی شیطان انسانی شکل میں ان کے پاس آیا اور بڑے ہی پیار اور خیر خواہی کا اظہار کیا اور انہیں کہا کہ تمہاری بچی کی یہ حالت بہت تکلیف دہ ہے اگر تم اسے اس مصیبت سے نجات دلانا چاہتے ہو تو اسے برسیسہ نامی راہب کے پاس لے جاؤ جو مستجاب الدعوات ہے جب وہ اس کے لئے دعا کرے گا تو یہ صحت یاب ہو جائے گی تو اس بچی کے اہل خانہ اسے فوراً لے کر اس راہب کے پاس حاضر ہوئے اور اس کی صحت یابی کے لئے دعا کرنے کی التجاء کی تو اس راہب نے اس کے لئے دعا کی وہ صحت یاب ہو گئی وہ اسے خوشی خوشی اپنے گھر لے آئے لیکن گھر پہنچتے ہی اس لعین نے پھر اس پر حملہ کر دیا تو اس پر وہی جنون کی کیفیت طاری ہو گئی شیطان دوبارہ ایک بزرگ کی شکل میں ان کے پاس حاضر ہوا اور تجویز پیش کی اگر تم اس کی مکمل صحت یابی کے خواہش مند ہو تو اسے چند دن اس راہب کے پاس چھوڑ آؤ اگر وہ نہ مانے تو اسرار کرو کہ وہ اسے اپنے پاس رہنے کی اجازت دے دے چنانچہ وہ اسے لے کر دوبارہ برسیسہ کے پاس حاضر ہوئے اور التجا کی کہ اسے مکمل صحت یابی تک وہ اپنے پاس رہنے دے اس نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا لیکن انہوں نے بھرپور اسرار کیا اور منت سماجت کی انتہاء کر دی تو اس نے انہیں بچی کو وہاں رہنے کی اجازت دے دی تو راہب حسب سابق باقاعدگی سے نماز ادا کرتا رہا مسلسل

روزے رکھتا رہا اور بچی کی طرف بالکل متوجہ نہ ہوا اور وہ اسے اپنے پاس بٹھا کر کھانا کھلاتا رہا اس طرح کئی دن گزر گئے ایک دن اس کی بدبختی اس پر غالب آئی اس نے اسے نظر بھر کر دیکھا تو اسے لڑکی کا چہرہ اور جسم ایسا حسین و جمیل محسوس ہوا جیسا کہ اس نے کبھی کسی کو ایسا نہیں دیکھا تھا تو شیطان نے اس کے دل میں وسوسہ اندازی کی اس کا دل اس کی طرف مائل ہو گیا اور وہ صبر نہ کر سکا اس نے اس سے بدکاری کر کے منہ کالا کیا وہ لڑکی حاملہ ہو گئی اور جب اس کا حمل ظاہر ہوا تو راہب از حد پریشان ہوا اسی پریشانی کے عالم میں اس کے پاس وہی شیطان آیا اس نے اس سے کہا یہ سب کچھ تیری غلط کاری کی وجہ سے ہوا ہے اب تو بادشاہ کی سزا سے سوائے اس کے نہیں بچ سکتا کہ تو وہ کرے جو میں تجھے کہوں برصیصہ اس کے جھانسے میں آ گیا تو اس نے اسے قتل کرنے کا مشورہ دیا اور اپنی عبادت گاہ کے نزدیک اسے دفن کرنے کو کہا اور یہ کہا کہ جب اس کے ورثاء آئیں اور وہ اس کے متعلق آپ سے پوچھیں تو تم انہیں کہو کہ وہ تو اپنی طبعی موت مر گئی ہے۔ لہٰذا تیری پارسائی اور نیکی کی وجہ سے وہ تیری بات تسلیم کر لیں گے اور واپس پلٹ جائیں گے۔ لہٰذا برصیصہ نے اسے ذبح کیا اور زمین میں دفن کر دیا اسے دفن کرتے وقت شیطان نے اس کے کفن کا ایک حصہ قبر سے باہر نکال دیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد لڑکی کے گھر والے اس راہب کے پاس آئے۔ اس لڑکی کے متعلق پوچھا تو اس راہب نے کہا کہ وہ اللہ کے حکم سے مر گئی ہے۔ انہوں نے راہب کی بات کو تسلیم کیا اور روتے چیختے واپس چلے گئے۔ پھر شیطان انسانی شکل میں ان کے پاس گیا اور من و عن سارا واقعہ بیان کر دیا۔ بادشاہ یہ سن کر از حد متعجب ہوا اور اپنے وزیروں اور مشیروں کو ساتھ لیا راہب کے پاس گئے اور نشان زدہ جگہ کو کھودا اور اس کی لاش کو قبر سے باہر نکالا اسے دیکھا تو وہ واقعی ذبح کی گئی تھی اور اسی حالت میں تھی جو شیطان نے انہیں بیان کی تھی۔ وہ از حد غضبناک ہوئے راہب کو پکڑا اور اسے پھانسی کے پھندے پر لٹکا دیا۔ شیطان اسی موقعہ کی تاڑ میں تھا۔ وہ بڑا ہی مصلح اور ہمدرد بن کر اس کے پاس گیا اور اسے کہا کہ اگر تو میرے کہنے کے مطابق عمل کرے تو میں تجھے پھانسی کی سزا سے بچا سکتا ہوں۔

راہب نے پوچھا وہ کیسے تو شیطان نے جواب دیا۔ تو مجھے سجدہ کر دے تو میں تجھے اس سے بچالوں گا۔ راہب نے کہا میرا جسم پھانسی پر لٹکا ہوا ہے میں کیسے سجدہ کر سکتا ہوں۔ شیطان نے کہا یہ تو میں بھی جانتا ہوں لیکن اگر تو اپنے سر سے سجدہ کرنے کا اشارہ کر دے تو میں اسے ہی قبول کرلوں گا۔ تو راہب نے سر کے اشارہ سے شیطان کو سجدہ کیا جب وہ سجدہ کر چکا اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ شرک کرنے کا مرتکب ہوا تو شیطان بولا اب میرا تیرے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور طنزاً کہا میں تو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ اس لئے میں اب تیری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ شیطان لعین اپنے اس فعل میں کامیاب ہوا اور راہب سے تین کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرایا۔ شرک، زنا اور ناحق قتل تو اس طرح اس نے اس عبادت گزار کو گمراہی کی اتھاہ گہرائی میں گرایا اور اس کے بعد اس سے کہنے لگا میں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ لیکن اس کا اس سے برأت کا اظہار کرنا اسے واصل جہنم ہونے سے نہیں بچا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان دونوں کا انجام بھڑکتی ہوئی آگ ہو گی۔ ذلت و رسوائی ان کا مقدر ہو گی وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جلتے رہیں گے۔ اس لئے حضرت سلطان العارفین سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

علموں باج جو کرے فقیری کافر مرے دیوانہ ہو

اس واقعہ سے یہ معلوم ہوا کہ شیطان کے شر اور وسوسہ سے انسان اس وقت تک نہیں بچ سکتا جب تک وہ اللہ تعالیٰ سے اس سے بچنے کی پناہ نہ مانگے۔ اس لئے اگر کوئی انسان اس قسم کے شیطانی وساوس میں مبتلا ہو جائے تو وہ یہ کہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِکَ وَبِکَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَاتِ مِنْ غَضَبِکَ وَ عَذَابِکَ وَ مِنْ شَرِّ عِبَادِکَ وَمِنْ شَرِّ الشَّیَاطِیْنِ وَاَن یَحْضُرُوْن

انسان کے چار دشمن

حضرت ابولیث الصوفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان کے چار دشمن ہیں جن میں سے ہر ایک کے ساتھ جہاد کرنا ضروری ہے کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب ایک

غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے تو اس وقت فرمایا کہ اب ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ رہے ہیں اور وہ خواہشات نفس کے ساتھ جہاد ہے۔

نمبر ۱: الدنیا:- اللہ تعالیٰ نے دنیا کے شر سے بچنے کے لئے قرآن کریم میں واضح ہدایات ارشاد فرمائی ہیں۔ فرمایا: فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا۔ "کہ تمہیں دنیاوی زندگی کی (زیب و زینت اور آسائشیں) دھوکہ میں مبتلا نہ کر دیں۔" کیونکہ جو شخص دنیا کے پیچھے بھاگتا ہے۔ تو وہ ہلاک ہو جاتا ہے اور اسے پا بھی نہیں سکتا۔

نمبر ۲: نفس انسانی:- یہ تمام دشمنوں سے زیادہ نقصان دہ ہے۔ اور اس کی چالیں ایسی مخفی ہوتی ہیں کہ انسان ان کا ادراک نہیں کر سکتا یہاں تک کہ وہ پستی کی اتھاہ گہرائی میں جا گرتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ اَعْدٰی عَدُوِّکَ نَفْسُکَ الَّتِیْ بَیْنَ جَنْبَیْکَ کہ تیرے دشمنوں سے سب سے زیادہ دشمن تیرا وہ نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے اور اس سے مراد نفس امارہ ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام جیسا عظیم المرتبت پیغمبر بھی یہ کہہ اٹھا کہ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ کہ میں اپنے نفس سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ نفس بہت ہی زیادہ برائی کا حکم دیتا ہے جب تک کہ میرا رب مجھ پر رحم نہ فرمائے اور میری دستگیری نہ کرے۔

نمبر ۳: شیطان الجن:- یعنی جنوں میں سے ایک شیطان جس کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا کہ بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے پس تم اسے دشمن ہی سمجھو۔

نمبر ۴: شیطان الانس:- یعنی انسانوں میں سے شیطان۔ بعض انسان ایسے ہوتے ہیں جو شیطانی اوصاف سے متصف ہوتے ہیں۔ ان سے اپنے آپ کو بچانا بھی از بس ضروری ہوتا ہے اور وہ شیطان الجن سے بھی زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ کیونکہ شیطان الجن مخفی طریقہ سے اثر انداز ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ اور وہ وسوسہ اندازی کر کے گمراہی کے راستے پر

گامزن کرتا ہے۔ لیکن شیطان الانس بظاہر انسان ہوتا ہے۔ اور وہ لوگوں کے دلوں میں جھوٹی امیدیں اور آرزوئیں پیدا کرتا ہے۔ اور اپنی بات نہ ماننے کی صورت میں مدمقابل کھڑا ہو جاتا ہے اور ہر اچھے کام سے روکنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ نفس اور شیاطین الجن والانس کے شر سے میری پناہ طلب کیا کرو کیونکہ جب تک اللہ تعالیٰ بندے کی دستگیری نہ فرمائے تو وہ ان خطرناک دشمنوں کے فریب اور شر سے نہیں بچ سکتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرمایا کہ آپ اپنی پاک زبان سے یہ اعلان فرمادیں۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝۱ مَلِكِ النَّاسِ ۝۲ اِلٰهِ النَّاسِ ۝۳ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝۴ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝۵ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ۝۶ اے حبیب! عرض کیجئے میں پناہ لیتا ہوں سب انسانوں کے پروردگار کی، سب انسانوں کے بادشاہ کی، سب انسانوں کے معبود کی بار بار وسوسہ ڈالنے والے، بار بار پسپا ہونے والے کے شر سے جو وسوسہ ڈالتا رہتا ہے۔ لوگوں کے دلوں میں خواہ وہ جنات میں سے ہو یا انسانوں سے۔

شیطان کی وسوسہ اندازی کا طریقہ

اس مذکورہ بالا سورت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ جنات اور انسانوں کے شیاطین کس طرح وسوسہ اندازی کرتے ہیں اور اس کا اثر نہ قبول کرنے کی صورت میں کیسے پسپا ہو کر دبک کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اور موقعہ پا کر پھر حملہ آور ہوتے ہیں۔ حضور ضیاء الامت علیہ الرحمۃ نے اس کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے۔

وسوسہ: حدیث نفس کو کہتے ہیں۔ وسواس: دل میں طرح طرح کے خیالات ڈالنے والا۔ خناس: پیچھے کھسک جانے والا، دبک جانے والا۔

جب کوئی شخص کسی کو اس کی افتاد طبع کے خلاف کسی کام پر اکساتا ہے تو اس کا پہلا ردعمل بڑا شدید ہوتا ہے وہ بڑی حقارت سے اس خیال کو جھٹک دیتا ہے۔ ہر وسوسہ انداز اصرار نہیں کرتا بلکہ پیچھے کھسک جاتا ہے۔ بظاہر پسپائی اختیار کرتا ہے پھر موقعہ ملنے پر وہی بات اس

کے کانوں میں ڈالتا ہے۔ اگر وہ پھر بھی تیوری چڑھائے تو وہ دبک جاتا ہے یہ تسلسل جاری رہتا ہے۔ آہستہ آہستہ اس کا ردعمل کمزور ہونے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ دن آجاتا ہے کہ یہ شخص جس بات پر پہلی بار برافروختہ ہو گیا تھا وہ خود لپک کر اس کی طرف بڑھتا ہے۔ شیطان کا یہی طریقہ ہے۔ وہ انسان کو گمراہ کرنے کی کوشش سے تھکتا نہیں بلکہ لگاتار اپنی کوشش جاری رکھتا ہے۔ کبھی حملہ کرتا ہے کبھی دفاعی پسپائی اختیار کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ بڑے سے بڑے زیرک انسان کو اگر اسے اپنے رب کی پناہ حاصل نہ ہو تو چاروں شانے چت گرا دیتا ہے۔ اس کی ان دونوں چالوں کو وسواس اور خناس کے الفاظ استعمال کر کے بتادیا۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ جب شیطان انسان کو ذکر الٰہی سے غافل پاتا ہے تو اس کے حملے شروع ہو جاتے ہیں اور جب انسان اللہ کا ذکر کرنے لگتا ہے تو پیچھے ہٹ جاتا ہے اور کسی کونے میں چھپ جاتا ہے۔ بعینہ اسی طرح جیسے کوئی چور نقب لگا رہا ہو اور کہیں سے روشنی نمودار ہو جائے تو وہ نقب لگانا بند کر دیتا ہے اور ایک بے جان پتھر کا روپ دھار لیتا ہے اور جب روشنی بجھ جاتی ہے تو پھر اپنا شغل شروع کر دیتا ہے۔

اس کی وسوسہ اندازی بڑے ماہرانہ اور عیارانہ انداز سے ہوتی ہے۔ چپکے سے وہ دلوں میں وسوسے ڈالتا رہتا ہے۔ وہاں کی پرسکون فضا میں تہلکہ برپا کر دیتا ہے۔ وسوسہ اندازی کا یہ دھندہ جنوں اور انسانوں میں سے شریر نفوس دونوں کرتے ہیں۔ ایسے افراد کو قرآن کی اصطلاح میں شیاطین کہا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وکذلک جعلنا لکل نبیّ عدوًّا شیاطین الانس والجن بے شک بندے کو جب تک اللہ تعالیٰ کی پناہ نہ ملے اس کی متاع جان و ایمان کا محفوظ رہنا مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ (ضیاء القرآن)

اقوال زریں

حضرت ابراہیم بن ادھم رضی اللہ عنہ جو صوفیائے کرام کے سرتاج ہیں اور خاندان چشت اہل بہشت کے سلسلہ تصوف میں ائمہ اور رہنما ہیں۔ ان کے متعلق حضرت شقیق بلخی

رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ایک دفعہ بصرہ کے بازاروں میں سے گزر رہے تھے لوگ آپ کے اردگرد جمع ہو گئے۔ انہوں نے عرض کی اے ابواسحاق رحمۃ اللہ علیہ قحط سالی کا زمانہ ہے۔ پانی کی بوند بوند کو لوگ ترس رہے ہیں۔ کئی دنوں سے ہم مسلسل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دست سوال دراز کر رہے ہیں لیکن ہماری دعاؤں کو شرف قبول حاصل نہیں ہو رہا حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔ ادعونی استجب لکم (اے لوگو!) تم مجھ سے دعا مانگو میں تمہاری دعا قبول فرماؤں گا۔ اس کے باوجود وہ ہماری دعاؤں کو قبول نہیں فرما رہا۔ اس کی وجہ کیا ہے۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ اے اہل بصرہ دس باتوں میں تمہارے دل مردہ ہو چکے ہیں تمہاری دعا کیسے قبول ہو۔ (نمبر ۱) تم اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لائے ہو لیکن حق ایمان ادا نہیں کرتے ہو۔ (نمبر ۲) تم قرآن کریم پڑھتے ہو اور اس کے احکام کے مطابق عمل پیرا نہیں ہوتے ہو۔ (نمبر ۳) تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ کرتے ہو لیکن اس کی سنت کے مطابق عمل پیرا نہیں ہو۔ (نمبر ۴) تم شیطان کی دشمنی کا زبان سے اظہار کرتے ہو لیکن اعمال میں اس کی اطاعت اور موافقت کرتے ہو۔ (نمبر ۵) تم نے جنت میں داخل ہونے کا دعویٰ کیا ہے لیکن اس کے لئے عمل نہیں کرتے ہو۔ (نمبر ۶) تم دوزخ کی آگ سے نجات کی تو دعائیں کرتے ہو لیکن اپنے آپ کو اس میں پھینک رہے ہو۔ (نمبر ۷) تم زبان سے یہ کہتے ہو کہ موت کا آنا حق ہے اور اٹل حقیقت ہے، لیکن اس کے لئے تیاری نہیں کرتے ہو۔ (نمبر ۸) تم اپنے بھائیوں کی عیب جوئی میں مشغول رہتے ہو اور اپنے گریباں میں جھانک کر نہیں دیکھتے ہو۔ (نمبر ۹) تم اپنے پروردگار کی نعمتیں کھاتے ہو اور اس کا شکر ادا نہیں کرتے ہو۔ (نمبر ۱۰) تم اپنے مردوں کو دفن کرتے ہو لیکن ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔ (حیات القلوب)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ابلیس لعین کا مکالمہ

حضرت وہب ابن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو حکم دیا کہ تو میرے محبوب نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو اور آپ

کے ہر سوال کا جواب دے تو وہ ایک بوڑھے شیخ کی صورت میں ہاتھ میں کھونٹی کاڑے ہوئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے پوچھا۔ مَنْ اَنْتَ تو کون ہے۔ اس نے جواب دیا اَنَا اِبْلِیْس میں ابلیس ہوں۔ آپ نے فرمایا یہاں تیرے آنے کی وجہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا مجھے اللہ تعالیٰ نے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا حکم دیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ میں آپ کے ہر سوال کا جواب دوں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے ابلیس! میری امت سے تیرے دشمن کتنے ہیں۔ اس نے جواب دیا پندرہ آپ نے پوچھا وہ کون کون ہیں۔ وہ لعین بولا (نمبر۱) اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ میرے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ (نمبر ۲) قاضی عادل۔ (نمبر ۳) عاجزی کرنے والا دولت مند۔ (نمبر ۴) سچا تاجر۔ (نمبر ۵) خضوع وخشوع سے نماز پڑھنے والا عالم دین۔ (نمبر ۶) صاحب اخلاص ایماندار۔ (نمبر ۷) رحم کرنے والا مومن۔ (نمبر ۸) اپنی توبہ پر ثابت قدم رہنے والا تائب۔ (نمبر ۹) حرام خوری سے بچنے والا۔ (نمبر ۱۰) ہمیشہ پاکیزہ رہنے والا۔ (نمبر ۱۱) اپنے مال سے زیادہ صدقہ کرنے والا مومن۔ (نمبر ۱۲) اخلاق حسنہ سے متصف۔ (نمبر ۱۳) لوگوں کے لئے نفع رساں۔ (نمبر ۱۴) تلاوت قرآن پاک پر ہمیشگی اختیار کرنے والا حافظ۔ (نمبر ۱۵) رات کو قیام کرنے والا جب کہ لوگ نیند کے مزے لوٹ رہے ہوں۔

آپ نے اس سے مزید دریافت کیا کہ میری امت میں سے کتنے لوگ تیرے دوست ہیں اس نے کہا دس (نمبر۱) بے انصافی کرنے والا قاضی۔ (نمبر ۲) تکبر کرنے والا غنی۔ (نمبر ۳) خیانت کرنے والا تاجر۔ (نمبر ۴) شرابی۔ (نمبر ۵) چغلخور۔ (نمبر ۶) ریاکار۔ (نمبر ۷) یتیموں کا مال کھانے والا۔ (نمبر ۸) نماز میں سستی کرنے والا۔ (نمبر ۹) زکوٰۃ نہ دینے والا۔ (نمبر ۱۰) دنیاوی خواہشات میں لمبی امیدیں کرنے والا۔ شیطان لعین نے مزید وضاحت کی کہ یہی وہ لوگ ہیں جو میرے بھائی اور میرے دوست ہیں۔

(تنبیہ الغافلین)

نمازی کو غافل کرنے کی شیطانی تدبیر

شیطان، انسان کو بھٹکانے، راہ راست سے گمراہ کرنے اور عبادات میں خلل ڈالنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ خصوصاً عبادات میں لوگوں کو بھلانا اور ان کی نماز میں خلل اندازی کرنا اس کا مرغوب مشغلہ ہے۔ روایت کیا گیا ہے کہ جونہی نماز کا وقت قریب آتا ہے تو ابلیس لعین اپنی ذریت کو حکم دیتا ہے کہ زمین میں پھیل جاؤ اور ان لوگوں کے پاس جاؤ جو نماز میں مشغول ہیں۔ انہیں طرح طرح کے خیالات میں مشغول کر دو تا کہ وہ نماز سے غافل ہو جائیں۔ وہ فوراً اس کے حکم کی تعمیل کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک اس شخص کے پاس جاتا ہے جو نماز ادا کرنے کا ارادہ کر رہا ہوتا ہے۔ تو وہ اسے کسی نہ کسی طرح بہلا پھسلا کر کسی کام میں مشغول کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اسے نماز کے وقت مقررہ سے مؤخر کر دیتا ہے اور اگر وہ اسے مشغول نہ کر سکیں اور ان کی تمام چالوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے نماز پڑھنے کے لئے اٹھ کھڑا ہو اور وہ اسے نماز سے باز نہ رکھ سکیں تو پھر نماز کی حالت میں وہ اس کے دل میں وسوسہ اندازی کرنے کے لئے اس کے پاس پہنچ جاتا ہے اور وہ اسے طرح طرح کے خیالات میں مشغول کر دیتا ہے۔ تا کہ وہ اپنی نماز کے ارکان کو صحیح طریقہ سے ادا نہ کر سکے۔ اور رکوع، سجود، قرأت اور تسبیحات کو ادا کرنے میں بھول جائے اور اگر وہ لعین اس پر بھی قدرت نہ رکھے تو اسے دنیا کے مشاغل میں مشغول کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اس آدمی کو یہ یاد نہیں رہتا کہ اس نے کتنی رکعتیں ادا کی ہیں اور کتنی باقی ہیں۔ اگر وہ نمازی صاحب عزیمت ہو اور اس لعین کی اس پر کوئی چال بھی کارگر ثابت نہ ہو تو وہ ذلیل و رسوا اور خائب و خاسر ہو کر بصد حسرت واپس پلٹتا ہے۔ تو ابلیس دوسرے شیطانوں کو حکم دیتا ہے کہ اسے رسیوں میں جکڑ دو اور سمندر میں پھینک دو اور اگر وہ ان مذکورہ بالا میں سے کسی ایک طریقہ سے نمازی کو مشغول کر دیتا ہے تو وہ اسے شاباش دیتا ہے اور اس کی پشت پر تھپکی دیتا ہے۔ اور وہ اس کی نظر میں بڑا ہی معزز و محترم ہو جاتا ہے۔

(تنبیہ الغافلین)

فرشتے اور ابلیس کا ابن آدم سے قرب

دو ایسی ذاتیں ہیں جو انسان کے قریب ہوتی ہیں۔ نمبر ۱ فرشتہ۔ نمبر ۲ ابلیس۔

ان دونوں کے قرب کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ فرشتے کا قرب یہ ہے کہ وہ انسان کے دل میں اچھے اور نیک اعمال کرنے کی ترغیب پیدا کرتا ہے اور وہ اسے نیک کام کرنے اور حق کی تصدیق کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ اور شیطان کا قرب یہ ہے کہ وہ اسے غلط کام کرنے اور برے کاموں کو عملی جامہ پہنانے کی دعوت دیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ آدمی غلط کام کرکے اور حق کو جھٹلا کر جہنم کی اتھاہ گہرائی میں جا گرتا ہے۔ اگر انسان کے دل میں حق کی تصدیق کرنے اور نیک اعمال کرنے کا جذبہ پیدا ہو تو وہ سمجھ لے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس لئے اسے سجدہ شکر بجالانا چاہئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء میں رطب اللسان ہو جانا چاہئے اور اگر حق کو جھٹلانے اور غلط کام کرنے کا شوق پیدا ہو تو وہ یہ سمجھ لے کہ یہ شیطانی خیال ہے۔ اس لئے اسے چاہئے کہ ایسی حالت میں اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے اور یہ پڑھے۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ اور لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ اس لعین کا جتنا شدید حملہ ہو اسی قدر انسان اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنے میں شدت اختیار کرے۔ (مصابیح)

تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسی فطرت پر پیدا فرمایا ہے جس سے وہ اچھے یا برے اثرات قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور وہ فرشتے اور شیطان کے اثرات کو بھی قبول کرنے کی استعداد کا حامل ہوتا ہے۔ اگر شیطان کی طرف سے اس کے دل میں غلط قسم کے وساوس پیدا کئے جائیں تو وہ انہیں بھی قبول کر لیتا ہے۔ اور بغیر سوچے سمجھے غلط کام کا ارتکاب کرکے گمراہی اور ہلاکت کی اتھاہ گہرائی میں جا گرتا ہے اور اسے دیکھ کر شیطان اپنی کامیابی پر پھولا نہیں سماتا اور اسے گرتا دیکھ کر ہنستا ہے اور مذاق کرتا ہے اور اگر انسان کے دل میں اچھے اعمال کرنے اور خیر خواہی کے جذبات پیدا ہوں تو یہ فرشتے کی طرف سے ہوتے ہیں اور اگر وہ ان کے مطابق عمل پیرا ہو جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی

سے بھی بچ جاتا ہے اور دوزخ کے عذاب سے بھی نجات پالیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے معرفت کے بلند مقام پر فائز کر دیتا ہے۔

شیطانی وساوس سے بچنے کا طریقہ

انسان مجموعہ اضداد ہے اس میں نیکی اور بدی کی دونوں قوتیں موجود ہیں۔ یہ ظلم اور رحم کی دو متضاد صفات کا حامل ہے یہ اگر ایک وقت میں کسی مصیبت زدہ کو دیکھ کر بے تاب ہو جاتا ہے تو دوسرے ہی لمحہ میں کسی بسمل کی تڑپ اس کے لئے فرحت ونشاط کا باعث بنتی ہے گویا اس میں حیوانی اور ملکوتی دونوں قسم کی صفات موجود ہیں وہ اوصاف جو انسان کو حیوانیت سے بھی نیچے گرا دیتے ہیں، بخل، غصہ، انتقام، ظلم وتعدی، حسد وکینہ وغیرہ ہیں۔ اگر انسان ان اوصاف کو عملی جامہ پہنائے تو وہ حیوانیت سے بھی نیچے گر جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اُولٰئِکَ کَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ کہ وہ حیوانوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔ اور ملکوتی صفات یہ ہیں۔ سخاوت، حلم، عفو ودرگزر، رحم وکرم، اگر انسان ان اوصاف سے متصف ہو تو اس کا درجہ مخلوقات عالم میں سب سے بلند ہو جاتا ہے۔ اور وہ ہمدوش ملائکہ ہو کر مظہر صفات ربانی بن جاتا ہے۔ اور وہ خلیفۃ اللہ کے منصب جلیل پر فائز ہونے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اب اگر انسان بہیمانہ صفات کے مطابق عمل پیرا ہو جائے اور وہ خواہشات نفس سے مغلوب ہو جائے اور شیطان اسے بہلا پھسلا کر غلط کام کرنے پر مجبور کر دے اور وہ گناہوں کا مرتکب ہو جائے لیکن پھر اسے ہوش آ جائے۔ اپنے کیے پر ندامت کے آنسو بہائے اور شرمندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دروازہ کھٹکھٹائے۔ اور عاجزی و انکساری کا نمونہ بن جائے اور اپنے گناہوں سے توبہ کرے خلوص دل سے معافی مانگے تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے اور اسے گناہوں کی بخشش کی نوید سناتا ہے۔ اور اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔ لیکن توبہ کی چند شرائط ہیں جن کو اصحاب عزیمت نے اس طرح بیان کیا ہے۔

حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيۡهِ

وَسَلَّمَ مَا التَّوْبَةُ النَّصُوْحُ اے جانِ عالم! توبہ نصوح کس کو کہتے ہیں۔ ارشاد فرمایا: اَنْ يَنْدِمَ الْعَبْدُ عَلَى الذَّنْبِ الَّذِیْ اَصَابَ فَيَعْتَذِرُ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى ثُمَّ لَا يَعُوْدُ اِلَيْهِ كَمَا لَا يَعُوْدُ اللَّبَنُ اِلَى الضَّرْعِ یعنی جو گناہ بندے سے سرزد ہوا اس پر نادم اور شرمسار ہو بارگاہ الٰہی میں معذرت طلب کرے [illegible] طرح دودھ کھیری میں دوبارہ داخل نہیں ہو سکتا اسی طرح اس سے گناہ صادر نہ ہو۔

امام نووی فرماتے ہیں سچی توبہ وہ ہے جس میں تین چیزیں جمع ہوں (۱) اس گناہ کو ترک کر دے۔ (۲) جو گناہ کر بیٹھا ہے اس پر دل میں ندامت اور شرمندگی محسوس کرے۔ (۳) پختہ عزم کرے کہ پھر یہ گناہ نہیں کرے گا۔

حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے ایک اعرابی کو سنا کہ وہ کہہ رہا ہے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ یا اللہ میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور تیرے حضور توبہ کرتا ہوں۔ فرمایا اے اعرابی یہ تو جھوٹوں کی توبہ ہے۔ عرض کیا۔ فرمایئے سچوں کی توبہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا جس توبہ میں یہ چھ چیزیں پائی جائیں وہ سچوں کی توبہ ہوتی ہیں۔ (۱) جو گناہ پہلے ہو چکے ہیں ان پر ندامت (۲) جو فرض ادا نہیں ہوئے ان کی قضا (۳) کسی کا حق غصب کیا ہے تو اسے لوٹا دے (۴) جس سے لڑائی جھگڑا کیا ہے اس سے معافی لے لے (۵) پختہ عزم کرے کہ آئندہ گناہ نہیں کرے گا (۶) جس طرح پہلے تو نے اپنے نفس کو بدکاریوں سے فربہ کیا ہے اب اطاعت الٰہی میں اس کو گلا دے۔

- یہ سچوں کی توبہ ہے یہ کاملین کی توبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی ہی توبہ کی توفیق ارزانی فرمائے۔ کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

تو چوں باشد پشیماں آمدن
بردرِ حق نو مسلماں آمدن
خدمتے از سر گرفتن بانیاز
باحقیقت روئے کردن از مجاز

یہ یاد رہے کہ گناہوں پر کبھی ندامت، کبھی افسوس اس لئے ہوتا ہے کہ ان سے صحت تباہ ہو گئی، مال برباد ہو گیا، عزت خاک میں مل گئی، اگر کوئی شخص ان وجوہات سے اپنے گناہوں پر نادم ہوتا ہے تو اسے توبہ نہیں کہا جائے گا۔ جب اسے اس بات پر ندامت ہو کہ اس نے اپنے رب کریم کی حکم عدولی کی ہے۔ اپنے نفس امارہ کو خوش کرنے کے لئے اپنے پروردگار کو ناراض کر لیا ہے۔ اسے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ ایسا کر کے اس نے اپنے اوپر ظلم ڈھایا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرے تو یہ سچوں کی توبہ ہے۔ (ضیاء القرآن)

حضرت نجم الدین قدس سرہ نے فرمایا۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی بندے کی توبہ قبول کرنے کا ارادہ فرماتا ہے اور وہ اسے اسفل السافلین سے اعلی علیین کی طرف بلند کرنا چاہتا ہے۔ اور اسے اپنا قرب عطا کرنا چاہتا ہے۔ تو وہ ماسوائے اللہ تعالیٰ کی بندگی کے اسے نجات دیتا ہے اور اس کے اندر ایسے جذبات اور خیالات پیدا کرتا ہے جن کے مطابق وہ عمل پیرا ہو کر اللہ تعالیٰ کے حریم ناز میں پہنچ جاتا ہے۔ حدیث قدسی شریف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَاَنَا مَعَهٗ اِذَا ذَکَرَنِیْ فَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ نَفْسِهٖ ذَکَرْتُهٗ فِیْ نَفْسِیْ وَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ مَلَاءٍ ذَکَرْتُهٗ فِیْ مَلَاءٍ خَیْرٌ مِنْهُمْ وَاِنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ ذِرَاعًا وَاِنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ بَاعًا وَاِنْ اَتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُهٗ هَرْوَلَةً

(متفق علیہ)

"میرا بندہ جیسا مجھ سے گمان رکھتا ہے ویسا ہی میں اس کے ساتھ برتاؤ کرتا ہوں اگر وہ مجھے دل میں یاد کرے تو میں بھی اسے ایسے ہی یاد کرتا ہوں اور اگر مجمع عام میں یاد کرے تو میں اس سے بہتر مجمع میں اسے یاد کرتا ہوں اگر ایک بالشت میرے نزدیک ہو تو میں ایک ہاتھ اس کے نزدیک ہو جاتا ہوں اگر وہ ایک ہاتھ میرے نزدیک ہو تو میں ایک قدم اس کے قریب ہو جاتا ہوں۔ اگر وہ چل کر میری طرف

آئے تو میں دوڑ کر اس کی طرف جاتا ہوں"۔ (بخاری و مسلم)

کیا اللہ تعالیٰ کی بندہ نوازی ہے اور کتنی اس کی عزت افزائی ہے کہ اس کا مالک و خالق اس کو اپنی یاد سے سرفراز فرما دیتا ہے۔ اور اسے اتنا قرب بخشتا ہے جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا اور اگر وہ اس کے ساتھ توبہ واستغفار بھی کرتا ہے تو اس کے درجات اور بھی بلند ہو جاتے ہیں۔

عجیب حکایت

بنی اسرائیل میں ایک عابد و زاہد تھا وہ ساری ساری رات اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتا تھا۔ اور دن کے وقت اپنا سامان تجارت فروخت کرتا تھا۔ اور اس کا معمول یہ تھا کہ وہ اپنے نفس کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا تھا۔ **يَا نَفْسِي اِتَّقِي اللّٰهَ تَعَالٰى** اے میرے نفس! اللہ تعالیٰ سے ڈر۔ حسب معمول ایک دن وہ اپنا سامان فروخت کرنے کے لئے گھر سے نکلا اور ایک امیر شخص کے گھر کے دروازے پر کھڑا ہو کر اپنے سامان کا اعلان کرنے لگا اور اس نے آواز دی اس امیر کی عورت گھر سے باہر نکلی تو اس نے اپنے دروازے پر فرشتہ سیرت ایک حسن و جمال کا پیکر تاجر کی شکل میں دیکھا۔ اس جیسا کوئی خوبصورت انسان اس کی نگاہ نے نہیں دیکھا تھا۔ وہ اس کے حسن کی وجہ سے اس پر فریفتہ ہو گئی اور اسے اپنے گھر میں داخل ہونے کی دعوت دی اور اسے کہنے لگی۔ اے تاجر! تو کتنا حسین و جمیل ہے تیرے حسن و جمال کی جھلک نہیں دیکھی جا سکتی۔ میں تیری محبت اور عشق کا دم بھرنے لگی ہوں اور چکنی چپڑی باتیں کر کے اسے اندر بلانے کی کوشش کرنے لگی اور اسے کہنے لگی کہ میرے پاس بے شمار مال ہے۔ زر و جواہرات کے ڈھیر ہیں اور ریشمی لباس ہیں۔ وہ میں سب کچھ تیرے قدموں پر قربان کرتی ہوں اندر آ بھی جاؤ اور ریشمی لباس پہن کر اپنی حالت تبدیل کر لو۔ یہ بوسیدہ لباس اتار دو کیونکہ تیرا یہ حسن و جمال کا پیکر اور اس پر یہ فقیرانہ اور میلا کچیلا لباس بجتا نہیں اور گلی کوچوں میں چکر لگا کر روٹی حاصل کرنا تیری شان کے لائق نہیں۔ اس تاجر کے دل میں بھی شیطان نے وسوسہ اندازی شروع کر دی اور وہ اس کی طرف مائل بھی ہو گیا اور اس کی چکنی چپڑی باتوں سے متاثر ہو کر اس کے گھر کی دہلیز کے اندر قدم رکھ لیا۔ اس عورت نے

جھٹ دروازہ بند کر دیا۔لیکن خالق کائنات نے اس کی یاوری کی اور فوراً وہ اس کے غلط اور گندے خیال سے تائب ہوا۔اپنے نفس سے کہا۔تو اپنے اس رب سے ڈر جو ہمہ بین بھی ہے۔اور علیم بذات الصدور بھی ہے۔اپنے نفس کو جھڑکتے ہوئے کہا۔اے سرکش نفس! میں تو اپنے اس اللہ سے ڈرتا ہوں جو تمام عالمین کا رب ہے۔لہٰذا اس نے اس عورت کی خواہش پوری کرنے سے انکار کر دیا عورت نے کہا۔میں اس وقت تک نہ دروازہ کھولوں گی اور نہ تمہیں باہر نکلنے دوں گی جب تک تو اپنے آپ کو میرے حوالے نہیں کرتا۔تاجر نے اپنے نفس کو مخاطب کیا اور کہا۔تو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے بڑے دعوے کیا کرتا تھا۔اور اس کی محبت کا پرچار کرتا تھا۔کیا تجھے یہ گوارہ ہے کہ تو اس کی نافرمانی کرے۔پھر وہ اس ظالمہ سے نجات حاصل کرنے کے متعلق سوچنے لگا تو اس کے ذہن میں ایک تدبیر آئی۔اس نے اس بدمعاش عورت کو کہا کہ یَا زَوْجَةَ الْاَمِیْرِ اَمْهِلِیْنِیْ اِلٰی اَنْ اَتَوَضَّأَ وَاُصَلِّیَ رَكْعَتَیْنِ۔ کہ اے امیر کی بیوی! مجھے اتنی مہلت دے دے کہ میں وضو کر کے دو رکعت نماز نفل ادا کر لوں۔فرصت پاتے ہی اس نے وضو کیا مکان کی چھت پر چڑھ گیا دو رکعت نماز ادا کی اور زمین کی طرف دیکھا تاکہ یہ اندازہ لگائے کہ چھت اور زمین کے درمیان کتنا فاصلہ ہے۔ اس کے اندازہ کے مطابق یہ فاصلہ بیس گز کا تھا۔پھر اس نے اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھائیں از حد شرمندہ ہوتے ہوئے۔اور روتے ہوئے اپنے رب سے مناجات کی اور عرض کی اے اللہ! میں نے ستر سال تیری عبادت کی اور تیرے خوف سے لرزہ براندام رہا اب تیرے سوا کوئی پناہ دینے والا نہیں۔ مجھے اس عورت کے شر سے بچا لے ورنہ میں تیری نافرمانی کر کے ہلاک ہو جاؤں گا اور اس حال میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں گا پھر یَا نَفْسِیْ اِتَّقِی اللّٰهَ یَا نَفْسِیْ اِتَّقِی اللّٰهَ کہتے ہوئے مکان کی چھت سے چھلانگ لگا دی اللہ تعالیٰ کی نگاہ لطف و کرم اسے دیکھ رہی تھی۔اس نے حضرت جبریل امین کو حکم دیا کہ فوراً جاؤ اور میرے بندے کو زمین پر گرنے سے پہلے اپنے پروں پر اٹھا لو۔تاکہ اسے خراش تک نہ آئے۔تو جبریل نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور اسے زمین پر گرنے سے پہلے اپنے نورانی

پروں پر اس طرح اٹھالیا۔ جس طرح ماں اپنے بیٹے کو اٹھالیتی ہے اور پھر اسے اس طرح زمین پر اتار دیا۔ کہ اسے خراش تک نہ آئی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے اس عورت کے شر سے محفوظ فرمایا۔ اپنا تجارتی سامان وہیں چھوڑا شام کے وقت خالی ہاتھ پریشانی کے عالم میں روتے ہوئے گھر پہنچا اور اپنی اہلیہ کے پاس ابھی بیٹھا ہی تھا کہ اس کا ایک پڑوسی اس سے روٹی کی خیرات مانگنے آیا۔ اس عابد نے اسے قسم اٹھا کر فرمایا کہ قسم بخدا ہمارے پاس تو کئی دنوں سے کھانے کا ایک لقمہ بھی نہیں ہے۔ لیکن جب اس نے اصرار کیا تو اس نے اسے کہا کہ اس تنور میں جھانک کر دیکھ لو۔ کیا تمہیں کوئی چیز نظر آتی ہے؟ تو اس کے پڑوسی نے اس کے تنور میں جھانک کر دیکھا تو اسے اس میں تازہ پکی ہوئی روٹی نظر آئی۔ اس نے انہیں بتایا کہ تنور کے اندر پکی پکائی روٹی موجود ہے۔ ان کے تعجب کی انتہا نہ رہی اور پھر ان سب نے مل کر کھانا تناول کیا۔ عابد کی بیوی نے بڑے ہی متعجب انداز میں کہا۔ یہ سب کچھ تو تیری کرامت کی وجہ سے ہے نہ کہ اس میں کوئی میرا حصہ ہے۔ اس لئے آپ مجھے حقیقت حال سے آگاہ کریں تو عابد نے اسے من وعن یہ داستان سنائی۔ تو اس کی بیوی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ میں گر پڑی۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔ کہ جو (خوش بخت) ڈرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ سے بنا دیتا ہے اللہ اس کے لئے نجات کا راستہ اور اسے (وہاں سے) رزق دیتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ہم سب کو شیطان کے نقش قدم پر چلنے سے محفوظ رکھے۔ (آمین ثم آمین)

اے اللہ! یہ تیرا عاجز بندہ جس کا علم بھی ناقص، فہم بھی نارسا، ہمت بھی پست اور قوت مدافعت بھی نہ ہونے کے برابر ہے اسے اپنی پناہ میں لے لے اور اسے نفس اور شیطان کی وسوسہ اندازیوں سے بچائے رکھ۔ (آمین ثم آمین)

وما علینا الا البلاغ المبین

اللهم صل و سلم و بارک علی سیدنا حبیبک الاکرم و نبیک المعظم و رسولک المحتشم محمد منبع الجود والکرم من الصلوٰت اطیبها و من التسلیمات ازکٰها و من البرکات اسناها و من التحیات اجملها و علی الہٖ الکرام و أصحابه العظام و من احبه و اتبعه الي یوم الدین والحمد لِلّٰہِ رب العالمین

تہترواں وعظ

نذرونیاز

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْکَبِیْرِ الْمُتَعَالِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعُلٰی وَالْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ الرَّؤُوْفِ الرَّحِیْمِ وَعَلٰی اٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ وَاَصْحَابِہِ الْمَھْدِیِّیْنَ وَاَزْوَاجِہِ الطَّاھِرَاتِ اُمَّھَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالتَّابِعِیْنَ لَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَیَخَافُوْنَ یَوْمًا کَانَ شَرُّہٗ مُسْتَطِیْرًا۝ صدق اللّٰہ العظیم (الدہر)

"(ابرار وہ لوگ ہیں) جو پوری کرتے ہیں اپنی منتیں اور ڈرتے ہیں اس دن سے جس کا شر ہر سو پھیلا ہوا ہے"۔

نوٹ:- ہر سال حضور ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کے موقعہ پر ایک تربیتی نشست کا جو سلسلہ شروع کیا گیا ہے اس میں تین موضوعات پر گفتگو کی جاتی ہے ان میں سے ایک کا تعلق عقائد سے ہوتا ہے۔ دوسرا فضائل اعمال کے متعلق ہوتا ہے اور تیسرے کا تعلق تزکیہ نفس کے ساتھ ہوتا ہے۔

اس سال عقیدہ کے حوالے سے جو موضوع منتخب کیا گیا تھا وہ نذر و نیاز تھا۔ اس موضوع پر مولینا ملک محمد بوستان صاحب نے اپنے خیالات کو جمع فرمایا ہے۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر میں نے یہ مناسب سمجھا کہ ضیاء الواعظین کے صفحات کو اس سے آراستہ کیا جائے اس لئے انہیں کے قلم سے لکھے ہوئے اس مضمون کو نقل کر رہا ہوں۔ امید ہے کہ قارئین اس سے بھرپور فائدہ اٹھائیں گے اور ان کے لئے یہ نفع کا باعث ہوگا۔

حضرت مولانا صاحب نے جو مضمون لکھا ہے اس میں بعض جگہوں پر مناسب اضافہ بھی کیا گیا ہے۔

نذر و نیاز

عمومی طور پر یہ دونوں الفاظ اکٹھے استعمال ہوتے ہیں لیکن شرعی احکام کے حوالے سے ان میں کافی فرق ہے۔

پہلے میں آپ کی خدمت میں نذر کے متعلق کچھ عرض کروں گا تاکہ ذہنوں میں اس کے بارے میں کوئی ابہام نہ رہے۔

نذر شرعی کی تعریف

اَلنَّذْرُ هُوَ اِيْجَابُ الْمُكَلَّفِ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنَ الطَّاعَاتِ مَالَمْ يُوْجِبْهُ لَمْ يَلْزَمْهُ۔

''عاقل، بالغ مومن کا اپنے اوپر کسی ایسی نیکی اور عبادت کو واجب کر لینا کہ اگر وہ خود اسے اپنے اوپر لازم نہ کرے تو یہ اس پر لازم نہ ہو''۔ (الصحاح)

نذر شرعی کے صحیح ہونے کی چند شرطیں ہیں

۱- جس عمل کو بجالانے کی وہ نذر مانتا ہے وہ کام پہلے ہی اس پر فرض نہ ہو جیسے ایک آزاد، عاقل، بالغ مسلمان پر پانچ وقت کی نماز، رمضان شریف کے روزے، غنی پر سال کے بعد مال پر زکوٰۃ فرض ہے، اگر کوئی مسلمان ان اعمال کو بجالانے کی نذر مانے تو وہ نذر نہ ہوگی۔ بلکہ ان فرائض کے علاوہ وہ نماز پڑھنے، روزہ رکھنے یا مال صدقہ کرنے کی نذر مانے تو تب نذر صحیح ہوگی۔

۲- وہ ایسے کام کی نذر نہ مانے جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو جیسے چوری کرنے، مال غصب کرنے، کسی کو نقصان پہنچانے، کسی کو قتل کرنے، یا بدکاری کرنے کی نذر مانے تو یہ نذر صحیح نہ ہوگی۔

اگر وہ ایسی نذر مان بیٹھے تو ایسا عمل نہ کرے بلکہ قسم کا کفارہ دے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے وَاِذَا حَلَفْتَ عَلٰی یَمِیْنٍ وَ رَأَیْتَ غَیْرَهَا خَیْرًا مِنْهَا فَکَفِّرْ عَنْ یَمِیْنِکَ وَائْتِ الَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ۔ کہ جب تم نے کسی کام کے کرنے کی قسم اٹھائی اور تم نے اس کا غیر اس سے بہتر پایا تو اپنی قسم کا کفارہ ادا کرو اور وہ کام جو اس سے بہتر ہے وہ کرو۔

(بخاری شریف کتاب الایمان والنذور)

قسم کا کفارہ یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِکُمْ وَ لٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ ۚ فَکَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰکِیْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِیْکُمْ اَوْ کِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ ؕ ذٰلِکَ کَفَّارَةُ اَیْمَانِکُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ (مائدہ:89)

"باز پرس نہ کرے گا تم سے اللہ تعالیٰ تمہاری فضول قسموں پر لیکن وہ باز پرس کرے گا تم سے ان قسموں پر جن کو تم پختہ کر چکے ہو تو اس (کے توڑنے) کا کفارہ یہ ہے کہ کھلایا جائے دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا جو تم کھلاتے ہو اپنے گھر والوں کو یا کپڑے پہنائے جائیں انہیں یا آزاد کیا جائے غلام اور جو نہ پائے ان میں سے کوئی چیز تو وہ روزے رکھے تین دن۔ یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا، جب تم قسم اٹھاؤ"۔ (جمال القرآن)

۳- ایسے کام کی نذر مانے جو عبادت مقصودہ ہو۔ ایسا کام کرنے کی نذر نہ مانے جو عبادت غیر مقصودہ ہو۔

عبادت مقصودہ

هِیَ الَّتِیْ لَا تَجِبُ فِیْ ضِمْنِ شَیْءٍ اٰخَرَ بِطَرِیْقِ التَّبْعِیَّةِ۔

یہ وہ عبادت ہوتی ہے جو کسی اور چیز کے ضمن میں بطریق تبع واجب نہ ہو بلکہ وہ بذات خود واجب ہو جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ۔

عبادت غیر مقصودہ:-

هِيَ الَّتِيْ تَجِبُ فِيْ ضِمْنِ شَيْءٍ اٰخَرَ بِطَرِيْقِ التَّبْعِيَّةِ۔

یہ وہ ہوتی ہے جو کسی اور شے کے ضمن میں بطریق تبع واجب ہو۔ جیسے وضو

نذر کی اقسام

نذر کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) نذر مطلق (۲) نذر معلق یا مقید۔

۱- نذر مطلق:- یہ وہ ہے کہ بندہ اللہ کا نام لے کر اپنے اوپر کوئی عبادت لازم کر لیتا ہے اور اسے کسی شرط کے ساتھ مشروط نہیں کرتا۔ جیسے وہ کہتا ہے۔ اللہ کے لئے مجھ پر یہ نماز، یہ روزہ، یہ صدقہ اور حج لازم ہے۔ جب اس نے یہ کہہ دیا تو اس پر ان اعمال کا کرنا واجب ہو جاتا ہے اگر وہ اسے جلدی ادا کرے تو بہتر ہے اور اگر دیر سے بجالائے تو بھی ٹھیک ہے۔

۲- نذر معلق یا مقید: اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اللہ کا نام لے کر کوئی عمل اپنے اوپر لازم کرتا ہے مگر اسے کسی چیز کے ساتھ مشروط کر دیتا ہے جیسے وہ کہتا ہے اگر میرا مریض صحت مند ہو گیا یا مسافر گھر لوٹ آیا یا میرا یہ کام ہو گیا تو میں یہ عبادت کروں گا تو ایسی صورت میں اس پر عمل کرنا واجب ہو گا۔ جب وہ شرط پائی جائے۔ ورنہ اس پر اس فعل کا کرنا لازم نہ ہو گا۔

نذر شرعی میں یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ اگر وہ مال صدقہ کرنے کی نذر مانتا ہے تو وہ مال خود نہ کھائے نہ گھر والوں کو کھلائے اور نہ ہی اغنیاء کو دے۔ بلکہ نذر کا صدقہ اور مال انہیں لوگوں کو دیا جا سکتا ہے جو زکوٰۃ کے مستحق ہیں۔ کیونکہ نذر کا مال صدقات فرضیہ میں شمار ہوتا ہے اور صدقات فرضیہ اپنے اہل خانہ اور اغنیاء کو دینا جائز نہیں ہے۔

تنبیہ:- کیا ایسی نذر ماننی چاہیے؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ارشادات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مشروط نذر نہیں ماننی چاہیے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النَّذْرِ وَقَالَ اِنَّهٗ لَا يَرُدُّ شَيْئًا وَلٰكِنَّهٗ يُسْتَخْرَجُ الْمَالُ بِهٖ مِنَ

الْبَخِيْلِ۔

"حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نذر سے منع کیا ہے کیونکہ اس سے تقدیر نہیں بدلتی بلکہ اس کے ذریعے بخیل سے مال نکلوایا جاتا ہے"۔

اس نہی کی حکمت یہ ہے کہ بندے کا اپنے خالق سے جو رشتہ ہے وہ بندگی کا ہے اب بندہ کو بندہ ہونے کے ناطے اپنے رب کی عبادت کرنی چاہئے۔ نہ کہ وہ اس صورت میں عبادت کی طرف رغبت کرے۔ کہ اللہ تعالیٰ اس کی یہ حاجت پوری کرے۔ تاہم قرآن حکیم میں جہاں نذر کا ذکر کیا گیا ہے وہاں نذر پوری کرنے والوں کی تعریف کی گئی ہے اور اسے بجالانے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ اور چاہئے کہ وہ اپنی نذریں پوری کریں۔ (سورۃ حج:29)

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ وہ خوش نصیب لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرائض کی ادائیگی میں تو یہ کوشش کرتے ہی ہیں۔ اگر یہ اپنی طرف سے بھی کوئی عمل اللہ کی رضا کے لئے اپنے اوپر لازم کرلیں تو اس کو بجالانے میں کوئی سستی نہیں کرتے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نذر کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

بِمَا فَرَضَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ الصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَالصَّوْمِ وَالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ وَ غَيْرِهَا مِنَ الْوَاجِبَاتِ۔

"یعنی نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، عمرہ اور ان کے علاوہ دیگر واجبات کو وہ پابندی سے ادا کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ جو عبادتیں اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض کی ہیں ان کی ادائیگی میں بھی سستی نہیں کرتے اور جن نیکیوں اور طاعتوں کو خود اپنے اوپر لازم کر لیا ہے..... ان کو بھی پابندی سے ادا کرتے ہیں"۔

نیاز کا معنی

حضرت خواجہ پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ نیاز یہ ہے جب

کوئی ادنیٰ شخص کسی اعلیٰ شخص کو کوئی چیز پہنچائے۔ (اعلاء کلمۃ الحق فی بیان ما اہل بہ لغیر اللہ)

مفہوم یہ ہوا کہ جب کوئی بھی آدمی کسی بلند مرتبہ شخص کو کوئی چیز پیش کرے گا تو اسے نیاز کہیں گے۔ جیسے کوئی شخص اپنے استاذ کی خدمت میں یا کوئی مرید اپنے پیر کی خدمت میں کوئی چیز پیش کرتا ہے۔ وہ رقم ہو، کپڑے ہوں یا کوئی جانور جیسے دیہاتوں میں عام معمول ہے کہ جب بچے قرآن حکیم ختم کرتے ہیں تو حافظ صاحب کی خدمت میں بچے کے والدین ایسی ہی چیزیں پیش کرتے ہیں۔ اس طرح اگر کوئی ارادتمند اپنے شیخ کو ایسی چیز پیش کرے یا کوئی بھی فرد دینی مرتبہ کا اعتبار کرتے ہوئے کسی عالم دین کی خدمت میں ایسی چیز پیش کرے یہ ہمارے معاشرہ میں عام معمول ہے۔ لوگ ان شخصیات کی خدمات میں تحائف پیش کرتے ہیں جو اپنی زندگیاں دین کے لئے وقف کئے ہوئے ہیں۔ بعض اوقات ایسی چیز پیش کرتے وقت لوگ نیاز اور تحفہ کی بجائے نذر کا لفظ استعمال کر دیتے ہیں۔ تو یہ جائز ہے کیونکہ اس وقت یہ لفظ نیاز کے معنی میں ہی استعمال کر رہے ہوتے ہیں۔

ہمارے معاشرے میں یہ بھی معمول ہے کہ جب ایسی شخصیت دنیا سے رخصت ہوتی ہے تو اس سے عقیدت رکھنے والے لوگ اس کے ایصال ثواب کے لئے اپنی استطاعت کے مطابق مختلف صورتیں اپناتے ہیں۔ قرآن کریم ختم کراتے ہیں کلمہ طیبہ اور درود شریف کے لاکھ نکلواتے ہیں۔ کھانا پکاتے ہیں۔ اور اس پر ختم خواجگان پڑھ کر لوگوں کو کھلاتے ہیں اور خصوصاً مرنے والے کی روح کو ایصال ثواب کرتے ہیں اور یہ سب ازروئے حدیث جائز ہے۔

حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے ایصال ثواب کے لئے گیارہویں شریف کا عام معمول ہے۔ بعض لوگ اپنے شیخ کے عرس کے موقعہ پر حاضرین عرس کے لئے جو لنگر تیار ہوتا ہے اس کے لئے اجناس خورد ونوش اور جانور پیش کرتے ہیں۔ بعض لوگوں کا یہ معمول ہے۔ کہ ان کے گھر میں اولاد نہ ہو، کوئی مصیبت ہو۔ تنگدستی ہو اور بیماری ہو۔ تو وہ یہ کہتے ہیں کہ میں یہ نذر مانتا ہوں اگر اللہ تعالیٰ نے میرا یہ کام کر دیا تو فلاں مزار پر جا کر دیگ

پکاؤں گا، یہ جانور وہاں دوں گا پھر جب انہیں مراد حاصل ہو جاتی ہے۔ تو وہ وہاں جا کر دیگ پکاتے ہیں۔ اور وہ جانور جو اس طرح نذر کے لئے مخصوص کیا گیا ہے۔ اسے وہاں لے جاتے ہیں اور اسے شرعی طریقہ کے مطابق ذبح کرتے ہیں پھر اسے پکاتے ہیں خود بھی کھاتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو کھلاتے ہیں۔ یا وہ جانور وہاں ذبح نہیں کرتے بلکہ وہاں کے متوسلین (وہ خاندان کے افراد ہوں، مزار کے خدمتگار ہوں، مدرسہ کے منتظمین ہوں) کے حوالے کر دیتے ہیں اور وہ اسے اپنی ضرورت کے مطابق استعمال کرتے ہیں۔ اسے بیچیں یا ذبح کر کے استعمال کریں۔ اس طرح ایصال ثواب اہل السنہ والجماعۃ کے مسلک میں جائز ہے۔

ہدایہ شریف باب الحج عن الغیر کی ابتداء میں یہ عبارت موجود ہے۔

اَلْاَصْلُ فِیْ هٰذَا الْبَابِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَهٗ اَنْ یَّجْعَلَ ثَوَابَ عَمَلِهٖ لِغَیْرِهٖ صَلٰوةً اَوْ صَوْمًا اَوْ صَدَقَةً اَوْ غَیْرَهَا عِنْدَ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ۔

''اس میں ضابطہ یہ ہے کہ انسان کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے عمل کا ثواب کسی دوسرے انسان کے لئے کر دے وہ عمل نماز ہو، روزہ ہو، مال کا صدقہ ہو یا کوئی اور عمل یہ اہل السنہ والجماعۃ کے نزدیک جائز ہے''۔

مذکورہ صورتوں میں سے جب تک نذر کا لفظ استعمال نہ کیا جائے یا کسی چیز کو کسی شخصیت کے ساتھ مختص نہ کیا جائے تو اس میں نزاع نہیں البتہ نزاع دوسری صورتوں میں کیا جاتا ہے کہ جب وہ نذر کا لفظ استعمال کرے یا کوئی کھانا یا کسی جانور کو کسی شخصیت کے ساتھ مختص کرے۔ اب ان دونوں کی الگ الگ وضاحت کی جاتی ہے لیکن ان کی وضاحت کرنے سے پہلے ایک حدیث پاک سماعت کر لیں جو مذکورہ بالا کے جواز کی اصل ہے۔

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ سَئَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ

وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا لَنَتَصَدَّقُ عَنْ مَوْتَانَا وَ نَحُجُّ عَنْهُمْ وَنَدْعُوْ لَهُمْ فَهَلْ يَصِلُ ذٰلِكَ اِلَيْهِمْ قَالَ نَعَمْ اِنَّهٗ لَيَصِلُ اِلَيْهِمْ وَاِنَّهُمْ يَفْرَحُوْنَ بِهٖ كَمَا يَفْرَحُ اَحَدُكُمْ بِالطَّبَقِ اِذَا اُهْدِیَ اِلَيْهِ۔

(فتح القدیر باب الحج عن الغیر)

''کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم اپنے مرنے والوں کے لئے صدقہ کرتے ہیں حج کرتے ہیں اوران کا ثواب ان کی ارواح کو بخش دیتے ہیں تو کیا یہ انہیں پہنچتا ہے۔ تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایاہاں یہ ان تک پہنچتا ہےاوروہ اس سے اسی طرح خوش ہوتے ہیں جس طرح تم میں سے کوئی اس وقت خوش ہوتا ہے۔ جب اس کی طرف تھالوں میں رکھ کر تحائف بھیجے جاتے ہیں''۔

مسئلہ نذر

جوعلماء اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ وہ اس مذکورہ بالا طریقے کو نذر شرعی پر محمول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس طرح کی جونذر مانی جاتی ہے وہ ان وجوہات کی وجہ سے جائز نہیں۔

ا۔ وہ کہتے ہیں نذر عبادت ہے۔ عبادت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ وہ ہستی جس کا نام لیا جارہا ہے وہ اس چیز کا مصرف نہیں بن سکتی۔ وہ اپنے موقف کے حق میں البحرالرائق اور درمختار کی یہ عبارت پیش کرتے ہیں۔

اِنَّ النَّذْرَ يَقَعُ لِلْاَمْوَاتِ مِنْ اَكْثَرِ الْعَوَامِ وَمَا يُوْخَذُ مِنَ الدَّرَاهِمِ وَالشَّمْعِ وَالزَّيْتِ وَ نَحْوِهَا اِلٰى ضَرَائِحِ الْاَوْلِيَاءِ الْكِرَامِ تَقَرُّبًا اِلَيْهِمْ فَهُوَ بِالْاِجْمَاعِ بَاطِلٌ مَالَمْ يَقْصُدُوْا صَرْفَهَا لِفُقَرَاءِ الْاَنَامِ وَقَدْ ابْتُلِیَ النَّاسُ بِذٰلِكَ وَلَا سِيَّمَا فِیْ هٰذِهِ الْاَعْصَارِ

(الدرالمختار، کتاب الصوم باب النذر)

''اکثر لوگ ان شخصیات کے لئے نذر مانتے ہیں جو فوت ہو چکے ہیں اور جو دراہم،

شمعیں، تیل اور اس جیسی چیزیں اولیاء کرام کی قبروں کی طرف لے جائی جاتی ہیں تا کہ ان کا تقرب حاصل ہو تو یہ بالاجماع باطل اور حرام ہے۔ جب تک وہ ان چیزوں کو فقراء پر صرف کرنے کا قصد نہ کریں۔ لوگ اس میں مبتلا ہو چکے ہیں خصوصاً اس زمانہ میں یہ طریقہ عام ہے"۔

صاحب درمختار کے نزدیک باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس ولی اور صالح کی ذات کو اس چیز کا مصرف بنایا جا رہا ہے۔ جبکہ اس ولی کی ذات کو نہ ان چیزوں کی احتیاج ہے اور نہ ہی اس پر یہ چیزیں خرچ کی جا سکتی ہیں۔ بحرالرائق میں یہ ہے کہ

اَمَّا النَّذْرُ الَّذِیْ یَنْذُرُہٗ اَکْثَرُ الْعَوَامِ عَلٰی مَا ھُوَ مُشَاھِدٌ کَانَ یَقُوْلُ لِاِنْسَانٍ غَائِبٍ اَوْ مَرِیْضٍ اَوْ لَہٗ حَاجَۃٌ ضَرُوْرِیَّۃٌ فَیَاْتِیْ بَعْضَ الصُّلَحَاءِ فَیَجْعَلُ سِتْرَہٗ عَلٰی رَاْسِہٖ فَیَقُوْلُ یَا سَیِّدِیْ فُلَانٌ اِنْ رُدَّ غَائِبِیْ اَوْ عُوْفِیَ مَرِیْضِیْ اَوْ قُضِیَتْ حَاجَتِیْ فَلَکَ مِنَ الذَّھَبِ کَذَا اَوْ مِنَ الْفِضَّۃِ کَذَا اَوْ مِنَ الطَّعَامِ کَذَا اَوْ مِنَ الْمَاءِ کَذَا اَوْ مِنَ الشَّمْعِ کَذَا اَوْ مِنَ الزَّیْتِ کَذَا فَھٰذَا النَّذْرُ بَاطِلٌ بِالْاِجْمَاعِ لِوُجُوْہٍ۔

۱-مِنْھَا اَنَّہٗ نَذْرُ مَخْلُوْقٍ وَالنَّذْرُ لِلْمَخْلُوْقِ لَا یَجُوْزُ لِاَنَّہٗ عِبَادَۃٌ وَالْعِبَادَۃُ لَا تَکُوْنُ لِلْمَخْلُوْقِ۔

۲-مِنْھَا اَنَّ الْمَنْذُوْرَ لَھَا مَیِّتٌ وَالْمَیِّتُ لَا یَمْلِکُ۔

۳-مِنْھَا اِنْ ظَنَّ اَنَّ الْمَیِّتَ یَتَصَرَّفُ فِی الْاُمُوْرِ دُوْنَ اللّٰہِ وَاعْتِقَادُہٗ کُفْرٌ۔

"رہی وہ نذر جسے عام لوگ مانتے ہیں جیسا کہ دیکھا گیا ہے کہ ایک انسان کا کوئی رشتہ دار غائب ہوتا ہے یا کوئی بیمار ہوتا ہے یا کوئی ضروری کام ہوتا ہے تو وہ کسی صالح کے مزار پر آتا ہے۔ اس کی چادر کو اپنے سر پر رکھتا ہے اور نام لے کر کہتا

ہے۔اے میرے آقا! اگر میرا غائب لوٹ آیا یا میرا مریض صحت یاب ہو گیا تو اتنا سونا یا اتنی چاندی یا اتنا کھانا یا اتنا پانی یا اتنی شمعیں یا اتنا تیل تیرے لئے ہوگا۔تو یہ نذر کئی وجوہات کی بناء پر بالاجماع باطل ہے۔

۱-یہ مخلوق کی نذر ہے۔مخلوق کی نذر جائز نہیں کیونکہ یہ عبادت ہے اور عبادت مخلوق کی نہیں ہوتی۔

۲-جس کے لئے نذر مانی جارہی ہے وہ فوت شدہ ہے۔اور فوت شدہ کسی دنیاوی چیز کا مالک نہیں بن سکتا۔

۳-اگر میت کے بارے میں یہ گمان ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بغیر ہی امور میں تصرف کرتا ہے تو ایسا اعتقاد کفر ہے"۔

مذکورہ بالا دونوں عبارتوں پر غور کیا جائے تو یہ حقائق سامنے آتے ہیں۔

۱- مخلوق میں سے کسی کی عبادت بھی جائز نہیں۔نذر عبادت ہے۔اس لئے مخلوق کے لئے نذر ماننا درست نہیں۔

۲- میت کو اس مال کا مصرف بنانا درست نہیں کیونکہ وہ فوت شدہ ہے۔

۳- امور میں میت کو اللہ تعالیٰ کے بغیر ہی متصرف ماننا کفر ہے۔گویا اللہ تعالیٰ کے اذن سے اسے متصرف مانا تو پھر کفر نہ ہوگا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا کوئی بندہ مومن ایسا ہے جو کسی ولی اور نبی کی عبادت کا سوچتا بھی ہو۔نہیں ایسا ہرگز نہیں۔

کیا کوئی ایسا انسان ہے جو یہ خیال کرتا ہے کہ ہم جو کھانا پکاتے ہیں اس کا ولی بھوکا ہے؟ اور اپنی بھوک پیاس اس سے مٹاتا ہے۔ایسا بھی ہرگز نہیں۔کیا وہ ایسا سوچ بھی سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تو متصرف نہ مانے اور ولی کو متصرف مانے جبکہ کسی بندۂ مومن کے بارے میں ایسا گمان بھی نہیں کیا جاسکتا۔

البحر الرائق میں بھی حضرت شارح علیہ الرحمۃ آگے جا کر اس کا صحیح طریقہ بتاتے ہیں

کہ اگر کوئی ایسا عمل کرنا چاہتا ہے تو وہ یوں کہے۔

یَا اللّٰہُ اِنِّی نَذَرْتُ لَکَ اِنْ شَفَیْتَ مَرِیْضِیْ اَوْ رَدَدْتَ غَائِبِیْ اَوْ قَضَیْتَ حَاجَتِیْ اَنْ اُطْعِمَ الْفُقَرَاءَ الَّذِیْنَ بِبَابِ السَّیِّدۃ نَفِیْسَہ اَوْ اَلْفُقَرَاءَ الَّذِیْنَ بِالْاِمَامِ الشَّافِعِیْ اَوْ اَلْاِمَامِ اَللَّیْثِ اَوْ اَشْتَرِیَ حُصُرًا لِمَسَاجِدِھِمْ اَوْ زَیْتًا لِوَقُوْدِھَا اَوْ دَرَاھِمَ لِمَنْ یَّقُوْمُ بِشَائِنِھَا اِلٰی غَیْرِ ذٰلِکَ مِمَّا یَکُوْنُ فِیْہِ نَفْعٌ لِلْفُقَرَآءِ وَالنَّذْرُ لِلّٰہِ عَزَّوَجَلَّ وَ ذِکْرُ الشَّیْخِ اِنَّمَا ھُوَ مَحَلٌّ لِصَرْفِ النَّذْرِ لِمُسْتَحِقِّیْہِ الْقَاطِنِیْنَ بِرِبَاطِہٖ اَوْ مَسْجِدِہٖ اَوْ جَامِعِہٖ فَیَجُوْزُ بِھٰذَا الْاِعْتِبَارِ وُ مَصْرَفُ النَّذْرِ اَلْفُقَرَآءُ وَقَدْ وُجِدَ الْمَصْرَفُ

''اے اللہ! میں تیرے لئے نذر مانتا ہوں کہ اگر تو نے میرے مریض کو شفا دی یا میرے غائب رشتہ دار کو واپس کر دیا یا میری ضرورت پوری کر دی تو میں ان فقراء کو کھانا کھلاؤں گا جو سیدہ نفیسہ یا امام شافعی یا امام لیث کے مزارات کے دروازے پر ہوتے ہیں یا ان کی مساجد کیلئے چٹائیاں خریدوں گا یا وہاں چراغ جلانے کے لئے تیل خریدوں گا یا ان لوگوں کو دراہم دوں گا جو وہاں خدمت کرتے ہیں۔ یا اس قسم کی کوئی بات کرتا ہے جس میں فقراء کے لئے نفع ہے پس نذر اللہ کے لئے ہو گی۔ شیخ کا ذکر نذر کے صرف کے محل کے طور پر اس طرح ہوگا کہ اس کی درگاہ یا مسجد یا مدرسہ میں جو مستحق رہتے ہیں ان پر یہ مال صرف ہوگا اس طرح یہ نذر جائز ہوگی کیونکہ نذر کا مصرف فقراء ہوں گے پس مصرف پایا گیا''۔

اس پوری بحث سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ان علماء نے اس عمل کو نذر شرعی پر محمول کیا ہے اور نذر شرعی کے جو تقاضے تھے۔ انہیں پورا کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے کہ نذر عبادت ہے عوام الناس کا جو معمول ہے کیا اس پر نذر شرعی کا اطلاق ہوتا ہے یا اس کی تعبیر کچھ اور ہے؟ کیا کسی نے اس کو کسی اور معنی میں لیا ہے اور اس کی وضاحت درج ذیل علمائے

کرام نے اس طرح کی ہے کہ وہ اس کو نذر شرعی پر محمول نہیں کرتے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے فتاویٰ عزیزیہ میں، حضرت پیر مہر علی شاہؒ نے اعلاء کلمۃ الحق میں، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلویؒ نے فتاویٰ رضویہ ص ۹-۱۲، سید نعیم الدین مراد آبادیؒ نے خزائن العرفان اور حضور ضیاء الامتؒ نے ضیاء القرآن میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ نذر عرفی ہے شرعی نہیں۔

میں آپ کی خدمت میں ضیاء القرآن جلد دوم سورۃ النحل آیت نمبر ۱۱۵ کی تفسیر کا اقتباس پیش کرتا ہوں۔ ''کئی لوگ کسی ولی کے نام کی نذر مانتے ہیں کیا اس طرح وہ چیز حرام ہو جاتی ہے یا نہیں۔ اس کے جواب میں مختصر عرض ہے کہ نذر کے دو معنی ہیں۔

۱-نذر شرعی ۲-نذر عرفی

نذر شرعی عبادت ہے اور عبادت کسی غیر اللہ کے لئے جائز نہیں اس لئے شرعی معنی کے اعتبار سے تو نذر اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کے علاوہ کسی اور کے نام کی نذر ماننا شرک ہے۔ لیکن عرف عام میں نذر عبادت کے معنی میں استعمال نہیں ہوتی بلکہ نیاز کے معنی میں استعمال ہوتی ہے اور یہ شرک نہیں چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد بزرگوار حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے فتاوی میں یہ عبارت نقل کرتے ہیں۔ اسی عبارت کا ترجمہ آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی جسارت کرتا ہوں امید ہے یہ گتھی بھی سلجھ جائے گی۔

''(ترجمہ) اس نذر کی حقیقت یہ ہے کہ اس طعام وغیرہ کا ثواب میت کی روح کو پہنچایا جاتا ہے اور یہ عمل مسنون ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ جیسے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی والدہ کے کنویں کا ذکر صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہے۔ اس نذر کا پورا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ پس اس نذر کا حاصل یہ ہے کہ اس طعام وغیرہ کا ثواب فلاں ولی کو پہنچے۔ نذر میں ولی کا ذکر اس لئے نہیں کیا جاتا کہ وہ اس کا مصرف ہے۔ اس کا مصرف تو اس ولی کے قریبی رشتے دار، خدام درگاہ اور ہم مشرب لوگ ہوتے ہیں۔ ولی کا نام صرف عمل کو متعین

کرنے کے لئے لیا جاتا ہے۔ نذر کرنے والوں کا بلاشبہ بس یہی مقصد ہوا کرتا ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ ایسی نذر صحیح ہے۔ اور اس کو پورا کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ ایسی اطاعت ہے جو شرعاً معتبر ہے۔ حضرت حکیم الامت کی اس ایمان افروز وضاحت کے بعد کسی قسم کا شبہ باقی نہیں رہتا۔ اگرچہ مزید کسی تشریح کی ضرورت نہیں لیکن محض اطمینان کے لئے ایک دو حوالے اور پیش خدمت ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاویٰ عزیزیہ میں فرماتے ہیں اگر مالیدہ و شیر کسی بزرگ کی فاتحہ کے لئے ان کی روح کو ثواب پہنچانے کے ارادے سے پکا کر کھلائیں تو کوئی مضائقہ نہیں جائز ہے۔ اسی صفحہ پر حضرت شاہ صاحب یہ بھی لکھتے ہیں۔

''اگر کسی بزرگ کے نام فاتحہ دی گئی تو مالداروں کو بھی اس میں سے کھانا جائز ہے۔''

حضرت شاہ صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

''وہ کھانا جس کا ثواب حسنین کریمین کو پہنچایا جائے اور اس پر فاتحہ، قل شریف اور درود شریف پڑھا جائے تو وہ متبرک ہو جاتا ہے۔ اور اس کا کھانا بہت اچھا ہے۔''

اب فاتحہ خوانی کا طریقہ بھی شاہ اسماعیل دہلوی کے الفاظ میں سن لیجئے۔

''پہلے طالب کو چاہئے کہ وضو کرے اور نماز کے طریقے پر دو زانو ہو کر بیٹھے اور اس طرح کہ اکابر یعنی حضرت خواجہ معین الدین سنجری و خواجہ قطب الدین بختیار کاکی وغیرہما کے نام کی فاتحہ پڑھے اور پھر درگاہ الٰہی میں ان بزرگوں کے وسیلہ سے التجا کرے اور انتہائی عجز و نیاز اور کمال تضرع و زاری کے ساتھ اپنی مشکل کی حل کی دعا کر کے دو ضربی ذکر شروع کرے۔ البتہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے نام کے علاوہ کسی اور کا نام لے کر کسی جانور کو ذبح کرے تو وہ ذبیحہ حرام ہوگا اور ذبح کرنے والا مشرک ہوگا۔

اسی طرح اگر کسی شخص کے ذہن میں ایصال ثواب کا تصور تک نہیں بلکہ کسی نبی یا ولی کے لئے محض اس جانور کا خون بہانے کو ہی درجہ قربت سمجھ کر وہ ذبح کرتا ہے۔ تب بھی وہ جانور حرام ہوگا کیونکہ جان کا مالک وہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہے، جس نے جان کو پیدا فرمایا اس

لئے اس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اللہ تعالیٰ کی چیز کو کسی کے لئے قربان کرے۔

چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے متعدد بار اپنے فتاویٰ میں اس مسئلہ کی تحقیق فرمائی اور ایسے جانور کی حلت وحرمت کا فیصلہ کرنے کے لئے یہی معیار مقرر فرمایا۔ آپ لکھتے ہیں۔

ترجمہ: اگر کسی جانور کا خون بہایا جائے کہ اس خون بہانے سے غیر کا تقرب حاصل ہو تو وہ ذبیحہ حرام ہو جائے گا۔

اور اگر خون اللہ تعالیٰ کے لئے بہائے اور اس کے کھانے اور اس سے نفع حاصل کرنے سے غیر کا تقرب مقصود ہو تو وہ ذبیحہ حلال ہوگا۔ کیونکہ ذبح کا معنی خون بہانا ہے نہ کہ وہ جانور جس کا خون بہایا گیا ہے۔ اس لئے ہم نے کہا کہ اگر کسی نے بازار سے گوشت خریدا یا گائے یا بکری ذبح کی۔ تا کہ اسے پکا کر فقیروں کو کھلائے اور اس کا ثواب کسی روح کو پہنچائے تو یہ گوشت (گائے یا بکری) بلاشبہ حلال ہے۔

میں علی وجہ البصیرت کہہ سکتا ہوں کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے نام پاک کے سوا نہ کسی کا نام لے کر ذبح کرتے ہیں۔ اور نہ وہ محض اراقۃ الدم کو وجہ تقرب سمجھتے ہیں۔ بلکہ ان کے پیش نظر صرف ایصال ثواب ہوتا ہے۔ بفرض محال اگر کوئی شخص اپنی جہالت کی وجہ سے ایسا کرتا ہے تو اسے فوراً تائب ہونا چاہئے۔ مبادا اس گمراہی پر اس کی موت آجائے۔ نیز ان لوگوں کو بھی خدا کا خوف کرنا چاہئے۔ جو ہر مسلمان پر بلا امتیاز شرک و کفر کا فتویٰ جڑ دیتے ہیں۔ اور اس کو اپنی سستی شہرت کے حصول کا آسان اور موثر ذریعہ سمجھتے ہیں۔

خلاصہ بحث یہ ہے۔

کہ ایسا عمل کرتے وقت انسان ایصال ثواب کا تصور ذہن میں واضح رکھے نذر کا لفظ استعمال نہ کرے بلکہ ھدیہ و نیاز کا لفظ استعمال کرے۔ اس شے کا مصرف اس مرحوم شیخ کی ذات کو قرار نہ دے۔ بلکہ متوسلین کو قرار دے تا کہ جہاں وہ اس چیز کو خرچ کرنا موزوں سمجھتے ہیں۔ خرچ کریں یعنی وہ اس شیخ کے خاندان کے افراد ہوں، اس درگاہ پر آنے والے مہمان ہوں، وہاں پر رہنے والے خدام ہوں۔ فقراء ہوں یا دین پڑھنے پڑھانے والے لوگ ہوں۔

یہاں ایک احتیاط یہ بھی ضروری ہے کہ بعض درگاہوں پر بھنگی چرسی اور نشئی لوگوں کا قبضہ ہوتا ہے اگر کوئی نیاز مند وہاں صدقہ و خیرات کرتا ہے تو ایسے لوگ ہی اس پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ اگر ایسی صورت ہو تو بہتر یہ ہے کہ وہ چیز ایسے ادارے میں دے دے جہاں دین کا کام ہو رہا ہے۔ اور ایصال ثواب اس شخصیت کی روح کو پہنچا دے۔

حسبنا الله و نعم الوكيل نعم المولٰى و نعم النصير

اللهم صل وسلم و بارک علی سیدنا و مولٰينا محمد صلوة دائمة بدو امک و باقية ببقائک لا منتهی لها دون علمک صلوة ترضیک و ترضيه و ترضى بها الناس صلوة تملاء الارض والسماء صلوة تستجيب بها دعائنا و تزكى بها نفوسنا و تحيى بها قلوبنا و تحل بها العقد و تفرج بها الكرب و على اله و على اصحابه اجمعين برحمتک یا ارحم الرحمين

و ما توفيقی الا بالله عليه توكلت و اليه انيب

چوہتروان وعظ

علم غیب کا بیان

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ وَ عَلٰی اَزْوَاجِہٖ الطَّاھِرَاتِ اُمَّھَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ عَلٰی سَائِرِ الصَّحَابَۃِ وَالتَّابِعِیْنَ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ ؕ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ﴿۶۵﴾ (النمل)

''آپ فرمائیے! (خود بخود) نہیں جان سکتے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں غیب کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور وہ (یہ بھی) نہیں سمجھتے کہ انہیں کب اٹھایا جائے گا''۔

(جمال القرآن)

یہ آیت طیبہ سورۃ النمل کی ہے۔ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعلان نبوت کے بعد اور مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کے درمیانی عرصہ میں نازل ہوئی۔ یہ وہ وقت تھا جب کفار کی عداوت اپنے عروج پر تھی۔ غلط الزامات، طعن و تشنیع، بہتان طرازی کے طوفان برپا کرنے کے ساتھ ساتھ وہ اہل اسلام پر ظلم و ستم کی انتہا کر رہے تھے۔ وہ اگرچہ تجارت پیشہ تھے۔ ان کا ذہن کاروباری قسم کا تھا۔ جو سود و زیاں کی گتھیاں ہی سلجھاتا رہتا۔ دنیاوی لحاظ سے زیرک و دانا ہونے کے باوجود وہ پتھر اور لکڑی کے گھڑے ہوئے بتوں کو خدا یقین کرتے۔ برسرِ عنوان آیت طیبہ سورۃ النمل کے پانچویں رکوع کی ہے اس رکوع میں شرک کے بطلان پر ایسے مسکت اور دندان شکن دلائل پیش کیے گئے ہیں جن کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا اور شرک میں مبتلا ہونے والی کسی قوم کے پاس آج بھی ان کا جواب نہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد

فرماتا ہے کہ وہ ذات اپنے تمام افعال اور صفات کمال میں یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ تو پھر کسی کو اس کا شریک ٹھہرانا کتنی بڑی حماقت ہے۔ آخر میں فرمادیا کہ یہ روشن حقیقتیں جو تمہارے سامنے پیش کی گئی ہیں۔ اگر تمہارے پاس ان کے خلاف یا اس میں سے کسی ایک کے خلاف بھی کوئی دلیل ہو تو وہ پیش کرو۔ تمہیں اذن عام ہے لیکن وہ ایسا نہ کر سکے بلکہ داعی حق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ پر ایمان لانے والوں کے قتل کے در پے ہو گئے۔ یہاں تک اہل اسلام اپنا اصل وطن چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور کفار کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ بے جا مطالبہ تھا کہ جس قیامت سے آپ صبح و شام ہمیں ڈراتے رہتے ہیں۔ ذرا یہ تو بتائیے کہ وہ کس سن میں کس تاریخ کو آئے گی ان کے اس لایعنی سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا (اے میرے محبوب) انہیں فرما دیجئے کہ آسمانوں اور زمین کا غیب تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اس کے آگاہ کئے بغیر کوئی نہیں جانتا چونکہ وقوع قیامت کے وقت معین کا تعلق غیب سے ہے اور میں خود بخود اللہ تعالیٰ کے آگاہ کئے بغیر اس کو نہیں جانتا۔ تو گویا اللہ تعالیٰ نے اس آیت طیبہ میں اس بات کی نفی فرمادی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آگاہ کئے بغیر کوئی غیب سے آگاہ ہو سکتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے آگاہ نہ کیا ہو۔

اس آیت اور دوسری آیات (اسی قسم کی) کو دلیل بنا کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے علم غیب عطائی کی نفی کرنا یہ حقیقت کا منہ چڑانے کے مترادف ہے۔ کیونکہ ہمارا دعویٰ یہ نہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود بخود بغیر اللہ تعالیٰ کے عطا کئے۔ غیب کا علم جانتے ہیں بلکہ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو غیب کا علم عطا فرمایا ہے اور ہمارے اس دعویٰ پر کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو علم غیب سے آگاہ فرمایا ہے۔ کتنا عطا فرمایا اس کا ہمارے پاس کوئی پیمانہ نہیں۔

اب آیئے! سیدی و مرشدی استاذی المکرم نباض عصر حضور ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مذکورہ بالا آیت طیبہ کی جو تفسیر لکھی ہے۔ من وعن پیش کرتا

ہوں۔ حقیقت حال کھل کر سامنے آجائے گی اور جو ہدایت کے طالب ہیں انہیں ہدایت نصیب ہوگی آپ ضیاء القرآن شریف میں رقمطراز ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل واضحہ اور براہین ساطعہ ذکر کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ کے علم محیط کا بیان ہو رہا ہے اور بتایا جا رہا ہے کہ تخلیق کائنات تو تدبیر شؤن عالم، خستہ دلوں اور آشفتہ حالوں کی فریادرسی، رزق رسانی وغیرھا صفات میں جس طرح اس کا کوئی شریک نہیں اسی طرح اس کیفیت علم میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں۔ (مذکورہ بالا آیت طیبہ میں الغیب کا لفظ ہے)

غیب کسے کہتے ہیں؟ اس کا مفہوم کیا ہے؟

اس کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں۔ مَا لَا يَقَعُ تَحْتَ الْحَوَاسِ وَلَا تَقْتَضِيهِ بَدَاهَةُ الْعَقْلِ (المفردات) یعنی وہ علم جو حواس کی رسائی سے بالاتر ہو۔ اور جو قوت عقل سے بھی حاصل نہ کیا جا سکے اسے غیب کہتے ہیں۔ آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہوگا کہ زمین و آسمان میں جو بھی موجود ہوں۔ فرشتے، جنات، انسان جن میں علماء، اولیاء، انبیاء اور اولوالعزم رسول بھی داخل ہیں وہ اور دیگر مخلوق میں سے کوئی بھی الغیب کو نہیں جان سکتا۔ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ وہ عالم الغیب ہے۔ جس طرح اس کی ذات میں اور اس کی دیگر صفات میں کوئی ہمسری کا دم نہیں مار سکتا اسی طرح اس کی صفت علم میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی شخص اس کی صفت علم میں کسی کو شریک بنائے گا تو وہ بھی اسی طرح مشرک ہوگا اور دائرہ اسلام سے خارج ہوگا جس طرح اس کی دوسری صفات میں کسی کو شریک بنانے والا یا اس کی ذات کی طرح کسی کو واجب الوجود ماننے والا مشرک ہے اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

قرآن کریم کی آیات کا مفہوم بیان کرتے ہوئے ضروری ہے کہ انسان اس بات کا خیال رکھے کہ آیات کا ایسا مفہوم اور تشریح بیان نہ کی جائے جو قرآن کی دوسری آیات کے سراسر خلاف ہو۔ ورنہ وہ قرآن کریم کی حقانیت ثابت کرنے کی بجائے اپنے سامعین کے دل میں یہ غلط فہمی پیدا کرنے کا سبب بن جائے گی کہ قرآن کی بعض آیتیں دوسری آیتوں

سے ٹکراتی ہیں اور تکذیب کرتی ہیں (العیاذ باللہ) اور وہ کتاب جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کا بطلان کر رہا ہو۔ اسے کسی عقلمند انسان کا کلام بھی نہیں کہا جا سکتا۔ چہ جائیکہ اسے خداوند علیم و حکیم کا کلام مانا جائے جو ہمہ بین بھی ہے اور ہمہ داں بھی۔

قرآن کریم نے اپنے کلام الٰہی ہونے پر دیگر دلائل کے علاوہ ایک یہ دلیل بھی پیش کی ہے کہ اس میں اختلاف نہیں پایا جاتا۔ ارشاد ہے۔

لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا (۴:۸۲)

یہ اگر اللہ تعالیٰ کا کلام نہ ہوتا تو وہ اس میں جگہ جگہ پر اختلاف اور تضاد پاتے گویا قرآن میں اختلاف کا نہ پایا جانا اس بات کی محکم دلیل ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

اگر غور و فکر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ کر اس آیت کا ترجمہ کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ زمین و آسمان میں جو مخلوق بھی ہے وہ غیب کو نہیں جانتی حالانکہ قرآن کی بے شمار آیتوں سے ہمیں فرشتوں کا، نزول وحی کا، قیامت، جنت و دوزخ کا علم ہے۔ اور ان پر ہمارا ایمان ہے۔ حالانکہ یہ تمام عالم غیب کی چیزیں ہیں نیز کثیر التعداد آیات اور ہزاروں صحیح احادیث سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا امور غیبیہ پر مطلع ہونا ثابت ہے۔ اس لئے ہمیں اس آیت میں غور کرنا چاہئے کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ علمائے کرام نے تصریح کی ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جتائے اور بتلائے بغیر کوئی بھی غیب پر آگاہ نہیں ہو سکتا۔ خود قرآن حکیم نے بھی اس قول کی تصدیق فرما دی۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ
(جن :25-26)

"اللہ تعالیٰ غیب کا جاننے والا ہے اور وہ اپنے غیب پر کسی کو آگاہ نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے"۔

اس آیت نے بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کی دوسری تمام صفات کی طرح اس کی یہ صفت بھی قدیم ہے، ذاتی ہے اور غیر متناہی ہے۔ یعنی ایسا نہیں کہ وہ پہلے کسی چیز کو نہیں جانتا تھا اب

جاننے لگا ہے بلکہ وہ ہمیشہ ہمیشہ سے ہر چیز کو اس کے پیدا ہونے سے پہلے بھی اس کی حسین حیات میں بھی اور اس کے مرنے کے بعد بھی اپنے علم تفصیلی سے جانتا ہے نیز اس کا یہ علم اس کا اپنا ہے کسی نے اس کو سکھایا نہیں، نیز اس کے علم کی نہ کوئی حد ہے نہ نہایت اگر کوئی شخص کمًا یا کیفاً یعنی مقدار اور کیفیت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کا کسی کے لئے اثبات کرے تو وہ ہمارے نزدیک شرک کا مرتکب ہوگا۔

اس لئے حضور پرنور امام الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم خداوند کریم کے علم کی طرح قدیم نہیں بلکہ حادث ہے۔ یعنی پہلے نہیں تھا بعد میں اللہ تعالیٰ کے تعلیم دینے سے حاصل ہوا۔ اور نہ ہی وہ ازلی ہے جس کی ابتداء نہ ہو۔ نہ ہی ابدی ہے جس کی انتہا نہ ہو۔ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم کی ابتداء بھی ہے اور اس کی انتہا بھی ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کے علم کی نہ ابتداء ہے نہ انتہاء۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم خداوند کریم کے علم کی طرح ذاتی نہیں بلکہ عطائی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سکھانے سے آپ کو علم حاصل ہوا۔ نیز حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم خداوند کریم کے علم کی طرح غیر متناہی اور غیر محدود نہیں بلکہ متناہی اور محدود ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم محیط کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی نسبت اتنی بھی نہیں جتنی پانی کے ایک قطرہ کو دنیا بھر کے سمندروں سے ہے۔

ہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حادث عطائی۔ اور محدود علم اتنا محدود نہیں جتنا بعض حضرات نے سمجھ رکھا ہے۔ اس کی وسعتوں کو یا دینے والا جانتا ہے یا لینے والا، یا سکھانے والے کو پتہ ہے یا سیکھنے والے کو ہم تو کسی گنتی میں نہیں کہ اس کا معیار اور حد مقرر کرتے رہیں۔ وہاں تو جبریل امین بھی دم مارنے کی مجال نہیں رکھتا۔ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى (اس نے وحی فرمائی اپنے بندے کی طرف جو وحی فرمائی) علم و معرفت کی وہ وسعتیں اور بیکرانیاں جس پر بیان کا ہر جامہ تنگ ہے۔ ان کی حد بندی ہم کرنے لگیں گے تو ٹھوکریں نہیں کھائیں گے تو اور کیا ہوگا۔ (ضیاء القرآن شریف)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تین قسم کے علوم

عطا فرمائے گئے ہیں۔(۱) وہ علوم جو عام لوگوں کو سکھانے اور آگاہ کرنے کے لئے عطا کئے گئے ہیں مثلاً شریعت کے ظاہری و باطنی احکام کا علم (۲) وہ علوم جن سے خاص لوگوں کو آگاہ کیا گیا اور عام لوگوں کے سامنے ان کے اظہار کی اجازت نہیں تھی مثلاً حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو تمام منافقین کے اسماء بتا دیئے گئے۔ اسی لئے جب کوئی ایسا آدمی فوت ہوتا جس کے ایمان کے متعلق شک ہوتا تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھتے کہ اس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا تھا۔ اگر وہ یہ فرما دیتے کہ یہ منافق تھا تو آپ اس کی نماز جنازہ ادا نہ فرماتے۔ (۳) وہ علوم جو صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات کے ساتھ خاص ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے درمیان ایسے اسرار ہیں جن کو نہ عام لوگوں کے سامنے ظاہر کرنے کی اجازت تھی اور نہ ہی خاص لوگوں کے سامنے جیسے وقوع قیامت کا معین وقت۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے وقت معین سے آگاہ فرما دیا تھا لیکن اسے ظاہر کرنے کی اجازت نہ تھی۔ سورۃ لقمان کی آخری آیت میں علوم خمسہ کی اپنے ساتھ تخصیص کے بعد اسم الخبیر ذکر کیا ہے جس کا معنی المخبر (خبر دینے والا) ہے جو اس بات کا قرینہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ان علوم سے بھی آگاہ فرما دیتا ہے۔ (ملاں جیون)

منطقی نکتہ

میں اہل فکر و نظر کے سامنے علمائے معقول کے ایک نکتہ کی وضاحت کرتا ہوں جس میں غور و فکر کرنے والوں کے سامنے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم غیب کی حقیقت کھل کر سامنے آ جائے گی اور جن آیات اور احادیث میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے اس کی حقیقت بھی واضح ہو جائے گی اور مجھے امید واثق ہے کہ اگر معترضین نے آنکھوں سے تعصب کی پٹی ہٹا کر اور عقل کی آنکھوں سے پردہ دور کر کے دیکھا تو ان کے لئے حقیقت سمجھنا آسان ہو گی۔

بر سر عنوان آیت طیبہ اور اسی قسم کی دوسری آیات یا وہ احادیث جن میں اللہ تعالیٰ کے

سوا سے مطلقاً علم غیب کی نفی کی گئی ہے۔ وہ تمام کی تمام یا تو قضیہ سالبہ کلیہ ہیں یا سالبہ کلیہ کے حکم میں ہیں۔ اور قضیہ سالبہ کلیہ وہ ہوتا ہے جس میں محمول کی موضوع کے تمام افراد سے نفی کی جاتی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ یعنی جو آسمانوں اور زمین میں ہیں وہ غیب نہیں جانتے سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ تو اس آیت طیبہ میں مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ موضوع ہے اور لَا یَعْلَمُ الْغَیْبَ محمول ہے تو گویا اللہ تعالیٰ کے علاوہ آسمانوں اور زمین کی تمام چیزوں سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے۔ سالبہ کلیہ کی نقیض موجبہ جزئیہ ہوتی ہے اور موجبہ جزئیہ وہ ہوتا ہے۔ جس میں موضوع کے بعض افراد کے لئے محمول ثابت ہوتا ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ یعنی وہ عالم الغیب ہے پس وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے ان رسولوں کے جن وہ پسند کرتا ہے۔ اس آیت طیبہ سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے آگاہ کرنے سے بعض رسول علم غیب جانتے ہیں۔

اور ایک دوسری آیت میں ارشاد فرمایا تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَاۤ اِلَیْكَ ''یہ غیب کی خبریں ہیں جن کو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں'' اور اسی طرح فرمایا وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ''اور آپ کو وہ کچھ سکھا دیا جو آپ نہیں جانتے تھے۔'' اور بہت سی احادیث طیبہ ہیں۔ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کی خبروں سے آگاہ فرمایا یعنی جو کچھ ہو چکا تھا اور جو کچھ ہونے والا تھا۔ اس سے آگاہ فرمایا۔ ان کی وضاحت آگے آ رہی ہے۔

ان مذکورہ بالا وضاحت سے یہ نتیجہ نکلا کہ جب سالبہ کلیہ کی نقیض موجبہ جزئیہ ثابت ہو گئی تو سالبہ کلیہ ثابت نہ رہا جس میں فرمایا گیا تھا کہ لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ'' یعنی جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ غیب نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے۔'' تو بظاہر ان میں تضاد پایا گیا یعنی بعض آیات سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی غیب نہیں جانتا اور بعض دوسری آیات و احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا

بھی بعض رسول غیب جانتے ہیں۔ اس لئے لازماً یہ تعین کرنا پڑے گا کہ جن آیات میں اللہ تعالیٰ کے سوا سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے وہ اور ہے اور جن آیات سے غیب ثابت کیا گیا ہے وہ اور ہے۔ ہمارا مدعا بھی یہی ہے کہ جس غیب کی نفی کی گئی ہے وہ علم ذاتی ہے اور جس غیب کا اثبات کیا گیا ہے وہ علم عطائی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض علوم غیبیہ عطا فرمائے ہیں۔ لیکن ان بعض کی حد متعین کرنا میرے اور آپ کے بس کا روگ نہیں جس طرح اس کی وضاحت اوپر ہو چکی ہے۔

اس وضاحت کے بعد آپ کے سامنے وہ آیات اور احادیث پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں جن میں علوم غیبیہ سے آگاہ کرنے کی وضاحت کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ (آل عمران)

"اور نہیں ہے اللہ (کی شان) کہ آگاہ کرے تمہیں غیب پر البتہ اللہ (غیب کے علم کے لئے) چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہتا ہے سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور اگر تم ایمان لے آئے اور تقویٰ اختیار کیا تو تمہارے لئے اجر عظیم ہے"۔ (جمال القرآن)

دوسری آیت میں غیب کا علم عطا کرنے کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے۔ اور فرمایا:

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ

"یہ غیب کی خبریں ہیں۔ ہم انہیں آپ کی طرف وحی کرتے ہیں" (جمال القرآن)

اس ضمن میں حضور ضیاء الامۃ رحمۃ اللہ علیہ نے ضیاء القرآن شریف میں اس طرح لکھا ہے اس تلمیذ رحمٰن نے اپنی زبان حق ترجمان سے ہمیں خود جو کچھ بتایا ہے۔ ہم اس کو حق تسلیم کرتے ہیں اور اس پر ہمارا ایمان ہے۔ اسی طرح زبان پاک سے نکلا ہوا یہ قول طیب بھی ہم

نے سنا ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَأَیْتُ رَبِّیْ عَزَّوَجَلَّ فِیْ اَحْسَنِ صُوْرَۃٍ قَالَ فِیْمَا یَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْاَعْلٰی قُلْتُ اَنْتَ اَعْلَمُ قَالَ فَوَضَعَ کَفَّہٗ بَیْنَ کَتِفَیَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَہٗ بَیْنَ ثَدْیَیَّ فَعَلِمْتُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (ترمذی شریف)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا آج میں نے اپنے بزرگ و برتر پروردگار کی زیارت کی ہے۔ بڑی حسین اور پیاری صورت میں۔ تو اللہ تعالیٰ نے پوچھا یہ آسمان کے فرشتے کس چیز میں جھگڑ رہے ہیں۔ میں نے عرض کی (اے اللہ) تو سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی ہتھیلی میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھی جس کی ٹھنڈک میں نے سینے میں محسوس کی۔ پھر میں نے جان لیا۔ جو کچھ آسمانوں میں تھا اور زمین میں تھا"۔ الخ

اس حدیث پاک کی شرح کرتے ہوئے حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مشکوٰۃ کی شرح اشعۃ اللمعات میں تحریر فرماتے ہیں۔

پسم دانستم هر چه در آسمان ها و هرچه در زمین ها بود عبارتست از حصول تمام علوی جزوی و کلی و احاطه آں

"پس جو چیز آسمانوں میں تھی اسے بھی میں نے جان لیا اور جو چیز زمینوں میں تھی اسے بھی میں نے جان لیا (پھر فرماتے ہیں کہ) اس ارشاد نبوی ﷺ کا مقصد یہ ہے کہ تمام علوم جزوی وکلی مجھے حاصل ہو گئے اور ان کا میں نے احاطہ کر لیا۔"

علامہ علی قاری علیہ رحمۃ اللہ الباری اپنی کتاب المرقات شرح المشکوٰۃ میں پہلے اس حدیث کا مفہوم بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد شارح بخاری علامہ ابن الحجر کا قول نقل کرتے ہیں۔ میں یہاں اختصار کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے فقط علامہ ابن حجر کے قول کو نقل کرنے پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔

قَالَ اِبْنُ حَجَر اَیْ جَمِیْعُ الْکَائِنَاتِ الَّتِیْ فِی السَّمٰوٰتِ بَلْ وَمَا فَوْقَھا ...... وَالْاَرْضِ ھِیَ بِمَعْنَی الْجِنسِ اَیْ وَ جَمِیْعُ مَا فِی الْاَرْضِیْنَ السَّبعِ وَ مَا تَحْتَھا ...... یعنی اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی اَرٰی اِبْرَاھِیْمَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ مَلَکُوْت السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَکَشَفَ لَہٗ ذٰلِکَ وَ فَتَحَ عَلَیَّ اَبْوَابَ الْغَیْبِ

(المرقاۃ شرح مشکاۃ ص ۴۶۳ ج ۱)

"علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تمام کائنات جو آسمانوں میں تھی بلکہ ان کے اوپر بھی جو کچھ تھا۔ اور جو کائنات سات زمینوں میں تھی بلکہ ان کے نیچے بھی جو کچھ تھا وہ بھی میں نے جان لیا۔ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہی دکھائی گئی تھی اور اسے آپ پر منکشف کیا گیا تھا اور مجھ پر اللہ تعالیٰ نے غیب کے دروازے کھول دیئے ہیں ممکن ہے۔ اس حدیث کی سند کے بارے میں کسی کو شک ہو اس لئے اس کے متعلق مشکوۃ کے مصنف کی رائے غور سے سن لیجئے جو انہوں نے یہ حدیث متعدد طرق سے نقل کرنے کے بعد تحریر کی ہے۔ اگر دل میں حق پذیری کا جذبہ موجود ہے تو بفضلہٖ تعالیٰ یقیناً تسلی ہو جائے گی"۔

رواہ احمد و ترمذی و قال حَسَنٌ صَحِیْحٌ وَ سَئَلْتُ مُحَمَّدَ ابْنَ اِسْمَاعِیْل البخاری مِنْ ھٰذَا الْحَدِیْثِ فَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ (مشکوۃ شریف کتاب الصلوٰۃ)

"اس حدیث کو امام احمد اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کے متعلق امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا ھذا حدیث صحیح کہ یہ حدیث صحیح ہے"۔

امام مسلم اپنی صحیح میں حضرت حذافہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

قَامَ فِینَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا مَا تَرَکَ شَیْئًا یَکُوْنُ فِیْ مَقَامِهٖ ذٰلِکَ اِلٰی قِیَامِ السَّاعَةِ اِلَّا حَدَّثَ بِهٖ حَفِظَهٗ مَنْ حَفِظَهٗ وَ نَسِیَهٗ مَنْ نَسِیَهٗ قَدْ عَلِمَهٗ اَصْحَابِیْ هٰؤُلَاءِ وَاِنَّهٗ لَیَکُوْنُ مِنْهُ الشَّیْئُ قَدْ نَسِیْتُهٗ فَاَرَاهُ فَاَذْکُرُهٗ کَمَا یَذْکُرُ الرَّجُلُ وَجْهَ الرَّجُلِ اِذَا غَابَ عَنْهُ ثُمَّ اِذَا رَاٰهُ۔

"ایک روز حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ تشریف فرما ہوئے اور قیامت تک ہونے والی کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ فرمایا ہو۔ یاد رکھا اس کو جس نے یاد رکھا، بھلا دیا جس نے بھلا دیا۔ میرے یہ سارے صحابہ اس کو جانتے ہیں۔ اور ایسا ہوتا ہے کہ کوئی ایسی شے وقوع پذیر ہوتی ہے جسے میں بھول چکا ہوتا ہوں تو اسے دیکھتے ہی مجھے یاد آ جاتا ہے (کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا تھا) بالکل اس طرح جیسے تیرا کوئی واقف آدمی کافی عرصہ تجھ سے غائب رہا ہو۔ اور جب تو اسے دیکھے تو تو اسے پہچان لیتا ہے"۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کی ہے وہ بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔

عَنْ عُمَرَ قَالَ قَامَ فِینَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا فَاَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتّٰی دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ وَاَهْلُ النَّارِ مَنَازِلَهُمْ حَفِظَ ذٰلِکَ مَنْ حَفِظَهٗ وَ نَسِیَهٗ مَنْ نَسِیَهٗ۔

(رواہ البخاری)

"حضرت عمر سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیام فرما ہوئے اور تخلیق کائنات کی ابتداء سے لے کر اہل جنت کے اپنی منازل میں

اور اہل دوزخ کے اپنے ٹھکانوں میں داخل ہونے تک کے تمام حالات سے ہمیں خبر دی۔ یاد رکھا اس کو جس نے یاد رکھا اور بھلا دیا اسے جس نے بھلا دیا"۔

علامہ علی القاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ طیبی کا یہ قول نقل کرتے ہیں۔

قَالَ الطِّيْبِیُّ حَتّٰى غَايَةِ اَخْبَرَنَا اَیْ اَخْبَرَ مُبْتَدَأً ا مِنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتّٰى اِنْتَهٰى اِلٰى دُخُوْلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَ وَضَعَ الْمَاضِیَ مَوْضِعَ الْمُضَارِعِ مُبَالَغَةً لِلتَّحْقِيْقِ مِنْ قَوْلِ الصَّادِقِ الْاَمِيْنِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں حتیٰ کا لفظ بیان غایت کے لئے ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس جامع خطبہ میں کائنات کی آفرینش سے لے کر اس وقت تک کے تمام حالات بیان فرمائے۔ جب کہ جنتی اپنے اپنے محلات میں قیام پذیر ہو جائیں گے پھر فرماتے ہیں کہ جنتیوں کا جنت میں دخول تو زمانہ مستقبل میں ہوگا اس لئے حتیٰ یَدْخُلَ یعنی مضارع کا صیغہ استعمال ہونا چاہئے تھا۔ حدیث میں ماضی کا صیغہ (حَتّٰى دَخَلَ) کیوں استعمال ہوا ہے اس کا جواب دیتے ہیں۔ کہ کیونکہ یہ خبر دینے والا صادق (سچا) اور امین (دیانتدار) رسول ہے۔ اس نے آئندہ کے متعلق جو فرما دیا کہ ایسا ہوگا۔ اس کا ہونا بھی اتنا ہی یقینی ہے جتنا اس بات کا جو پہلے واقعہ ہو چکی ہو۔

اللہ تعالیٰ اسلاف کرام کا نور ایمان عطا فرمائے تب ہی قرآن وسنت کے آئینہ میں حق کا رخ زیبا نظر آتا ہے۔ ورنہ ساری عمر شک وشبہ کی جھاڑیوں میں دامن الجھا رہتا ہے۔ اور قیل وقال سے ہی فرصت نہیں ملتی۔

حضور ﷺ کے علم پر اعتراض اور آپ ﷺ کا ناراض ہونا

امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث پاک نقل کی ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خداداد علم کے اظہار پر کسی صحابی نے اعتراض نہیں کیا بلکہ

جن کے دل نور ایمان سے خالی تھے اور جنہوں نے کفر کو نفاق کے پردے میں چھپایا ہوا تھا۔ انہوں نے ہی اعتراض کیا اور ان کے اعتراض کی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ازحد برہم ہوئے۔ اور اس کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا مَا بَالُ اَقْوَامٍ طَعَنُوْا فِیْ عِلْمِیْ کہ ان قوموں کا کیا حال ہوگا جو میرے علم پر اعتراض کرتے ہیں۔ حدیث شریف اس طرح ہے۔

اَنَّہٗ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃ وَالسَّلَامُ قَالَ عُرِضَتْ عَلَیَّ اُمَّتِیْ وَ اُعْلِمْتُ مَنْ یُّؤْمِنُ بِیْ وَ مَنْ یَکْفُرُ فَقَالَ الْمُنَافِقُوْنَ اِنَّہٗ یَزْعَمُ اَنَّہٗ یَعْرِفُ مَنْ یُّؤْمِنُ بِہٖ وَ مَنْ یَّکْفُرُ وَ نَحْنُ مَعَہٗ وَلَا یَعْرِفُنَا (بیضاوی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت (دعوت) میرے سامنے پیش کی گئی ہے اور مجھے علم دیا گیا کہ کون میرے ساتھ ایمان لائے گا اور کون کفر کرے گا۔ اس وسعت علم پر کسی مومن نے اعتراض نہیں کیا بلکہ منافقین نے ازراہ مذاق کہا کہ دعویٰ تو یہ ہے کہ میں ہر مومن اور ہر کافر کو جانتا ہوں اور حالت یہ ہے کہ ہم ہر وقت آٹھوں پہر ان کے ساتھ رہتے ہیں اور ہمارا تو علم نہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل فرمائی۔ مَا كَانَ اللّٰهُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰی مَاۤ اَنْتُمْ عَلَیْهِ حَتّٰی یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ الخ اس سے یہ معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو منافقوں کا علم تھا نیز یہ بھی پتہ چلا کہ علم کا ظاہر نہ کرنا علم کے نہ ہونے کی دلیل نہیں اور صحابہ کرام تو اپنے نبی پاک کے علم کی وسعت کو دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ البتہ منافق لوگ تسلیم نہ کرتے اور چیں بجبیں ہو کر اعتراض کرتے۔ آپ کے علم پر اعتراض کرنے والے اپنا انجام سوچ لیں۔

تفسیر خازن اور معالم التنزیل میں اس روایت کو تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ مندرجہ عبارت کے بعد لکھتے ہیں۔

فَبَلَغَ ذٰلِکَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَامَ عَلَی الْمِنْبَرِ فَحَمِدَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَاَثْنٰی عَلَیْہِ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ اَقْوَامٍ طَعَنُوْا فِیْ عِلْمِیْ لَا تَسْئَلُوْنِیْ عَنْ شَیْءٍ فِیْمَا بَیْنِیْ وَ بَیْنَ السَّاعَةِ اِلَّا

نَبَّأْتُكُم بِهٖ فَقَامَ عَبْدُ اللّٰهِ اِبْنُ حُذَافَةَ فَقَالَ مَنْ اَبِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰه فَقَالَ حُذَافَةُ فَقَامَ عُمَرُ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رَضِیْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَ بِالْقُرْاٰنِ اِمَامًا وَبِکَ نَبِیًّا فَاعْفُ عَنَّا عَفَا اللّٰهُ عَنْکَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَهَلْ اَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ فَهَلْ اَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ ثُمَّ نَزَلَ عَنِ الْمِنْبَرِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ هٰذِهِ الْاٰیَةَ۔

''منافقین کا یہ قول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ اللہ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا اس قوم کا کیا حال ہوگا جو میرے علم پر اعتراض کرتے ہیں۔ اس وقت سے لے کر قیامت تک ہونے والی کوئی بات پوچھو میں یہاں کھڑے کھڑے تمہیں جواب دوں گا۔ عبداللہ ابن حذافہ اٹھے۔ (ان کے نسب پر طعن کیا جاتا تھا۔) کہا یا رسول اللہ! میرا باپ کون ہے۔ فرمایا حذافہ۔ حضرت عمر نے معذرت طلب کی اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم اللہ کے رب ہونے سے اور اسلام کے دین ہونے سے اور قرآن کے امام ہونے سے اور آپ کے نبی ہونے سے راضی ہیں۔ ہمیں معاف فرمایئے اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے گا۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبار فرمایا کہ کیا تم میرے علم پر اعتراض کرنے سے باز آؤ گے یا نہیں پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام منبر سے اترے اور اس وقت یہ آیت نازل ہوئی''۔ (منقول از ضیاء القرآن)

قرآن کریم کی ان آیات طیبات اور احادیث صحیحہ کے بعد ہم کسی سے اپنے مومن ہونے کا سرٹیفکیٹ لینے کے لئے، یا زبان پر لانے یا اس کا تصور کرنے کے لئے بھی تیار نہیں کہ شیطان کا علم فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے۔ یا ایسا علم تو گائے، خر اور ہر سفیہ کو بھی حاصل ہے۔ (جیسا کہ بعض مدعیان علم لکھتے ہیں) العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ

اس آیت کا جو مفہوم میں نے بیان کیا ہے علمائے کرام کی تصریحات بھی اس کی تائید کرتی ہیں۔ چنانچہ علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اس پر سیر حاصل بحث کرنے

کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

وَ لَعَلَّ الْحَقَّ اَنْ يُّقَالَ اِنَّ الْعِلْمَ الْغَيْبَ الْمَنْفِيَّ عَنْ غَيْرِهٖ جَلَّ وَعَلَا هُوَ مَا كَانَ لِلشَّخْصِ لِذَاتِهٖ اَیْ بِلَاوَاسِطَةٍ فِیْ ثُبُوْتِهٖ لَهٗ وَ مَا وَقَعَ لِلْخَوَاصِ لَيْسَ مِنْ هٰذَا الْعِلْمِ الْمَنْفِيِّ فِیْ شَیْءٍ ضَرُوْرَةَ اَنَّهٗ مِنَ الْوَاجِبِ عَزَّوَجَلَّ اَفَاضَهٗ عَلَيْهِمْ بِوَجْهٍ مِنْ وُجُوْهِ الْاِفَاضَةِ (روح المعانی ص ۱۱ ج ۲)

یعنی حق بات یہ ہے کہ جس علم غیب کی نفی کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اسے کوئی نہیں جانتا اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اسے خود بخود نہیں جان سکتا اور خاص بندوں کو جو علم حاصل ہے وہ یہ علم نہیں جس کی آیت میں نفی کی گئی ہے۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی فیض رسانی سے انہیں حاصل ہوا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنی فیض رسانی کی متعدد وجوہ میں سے کسی ایک وجہ سے انہیں مرحمت فرمایا ہے"۔

علامہ موصوف اس سے آگے چل کر لکھتے ہیں۔

وَ بِالْجُمْلَةِ عِلْمُ الْغَيْبِ بِلَاوَاسِطَةٍ كُلًّا اَوْ بَعْضًا مَخْصُوْصٌ بِاللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ لَا يَعْلَمُهٗ اَحَدٌ مِنَ الْخَلْقِ اَصْلًا یعنی ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ علم الغیب بلاواسطہ کلا اور بعضاً اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے یعنی نہ سارا علم غیب بغیر اس کے بتائے کوئی جان سکتا ہے نہ بعض کوئی جان سکتا ہے۔

حضرت علامہ ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ وَغَيْرُهٗ تَعَالٰى لَا يَعْلَمُ اِلَّا بِاِعْلَامِهٖ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غیب نہیں جان سکتا مگر اس کے جتانے اور سکھانے سے۔

آخر میں اپنی رائے ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

قُلْتُ وَيُمْكِنُ اَنْ يَّكُوْنَ التَّقْدِيْرُ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ بِشَیْءٍ اِلَّا بِاللّٰهِ اَیْ بِتَعْلِيْمِهٖ (مظہری)

''یعنی میں کہتا ہوں کہ تقدیر عبارت یوں ہے کہ زمین و آسمان کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی تعلیم اور سکھانے کے بغیر، غیب کو نہیں جان سکتی''۔

اس تحقیق کے بعد بھی اگر کوئی صاحب ہم اہل السنہ پر شرک کا الزام لگائے تو اس کی مرضی۔ اس آزادی کے دور میں اس کے لئے دعائے ہدایت کے بغیر کیا کہہ سکتے ہیں۔ البتہ اسے یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس بہتان کے متعلق اس سے باز پرس ہوگی اور اس پر آشوب دور میں امت مصطفویہ علی نبیھا افضل الصلوت واز کی التسلیمات میں فتنہ و فساد کا دروازہ کھولنے پر اسے روز حشر جواب دہ ہونا ہوگا۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ وعلی الہ وصحبہ اجمعین (ضیاء القرآن)

و ما علینا الا البلٰغ المبین

ربنا علیک توکلنا و الیک انبنا و الیک المصیر

رَبِّ اَوْ زِعْنِیْ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاہُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْکَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب

پچھتر واں وعظ

حج بیت اللہ کی فرضیت اور اس کے اجر وثواب کا بیان

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ وَ نُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ وَ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَ عَلٰى اٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ وَ عَلٰى اَزْوَاجِهِ الطَّاهِرَاتِ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ عَلٰى سَائِرِ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾ صدق اللہ العظیم (آل عمران)

"اس (اللہ کے گھر) میں روشن نشانیاں ہیں۔ (ان میں سے ایک) مقام ابراہیم ہے اور جو بھی داخل ہو اس میں ہو جاتا ہے (ہر خطرے سے) محفوظ اور اللہ کے لئے فرض ہے لوگوں پر حج اس گھر کا جو طاقت رکھتا ہو وہاں تک پہنچنے کی۔ اور جو شخص (اس کے باوجود) انکار کرے تو بے شک اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے سارے جہاں سے"۔

(جمال القرآن)

یہ آیت مبارکہ سورۃ آل عمران کی ہے۔ یہ باتفاق علماء مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف کے حج کے فرض ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔ کہ بیت اللہ شریف کا حج کرنا ہر اس آدمی پر فرض ہے جو بیت اللہ شریف تک سفر کے اخراجات کا متحمل بھی ہو اور اس کے پاس زاد سفر بھی ہو اور راستہ بھی پر امن ہو اور صحت بھی سفر کی مشقتیں برداشت کر سکتی ہو۔ اور جو شخص ان وسائل کے باوجود بیت اللہ شریف کا حج نہیں کرتا تو اس کے لئے سخت وعید ہے۔ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اس کی فرضیت کا انکار کرے اور

"یعنی میں کہتا ہوں کہ تقدیر عبارت یوں ہے کہ زمین و آسمان کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی تعلیم اور سکھانے کے بغیر، غیب کو نہیں جان سکتی"۔

اس تحقیق کے بعد بھی اگر کوئی صاحب ہم اہل السنہ پر شرک کا الزام لگائے تو اس کی مرضی۔ اس آزادی کے دور میں اس کے لئے دعائے ہدایت کے بغیر کیا کہہ سکتے ہیں۔ البتہ اسے یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس بہتان کے متعلق اس سے باز پرس ہوگی اور اس پر آشوب دور میں امت مصطفویہ علی نبیہا افضل الصلوت واز کی التسلیمات میں فتنہ و فساد کا دروازہ کھولنے پر اسے روز حشر جواب دہ ہونا ہوگا۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ وعلی الہ وصحبہ اجمعین (ضیاء القرآن)

و ما علینا الا البلٰغ المبین

ربنا علیک توکلنا و الیک انبنا و الیک المصیر

رَبِّ اَوْ زِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰاہُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْکَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب

پچھتر واں وعظ

حج بیت اللہ کی فرضیت اور اس کے اجر وثواب کا بیان

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ وَ نُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ وَ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَ عَلٰی اٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ وَ عَلٰی اَزْوَاجِهِ الطَّاهِرَاتِ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ عَلٰی سَائِرِ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فِيْهِ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾ صدق اللہ العظیم (آل عمران)

''اس (اللہ کے گھر) میں روشن نشانیاں ہیں۔ (ان میں سے ایک) مقام ابراہیم ہے اور جو بھی داخل ہو اس میں ہو جاتا ہے (ہر خطرے سے) محفوظ اور اللہ کے لئے فرض ہے لوگوں پر حج اس گھر کا جو طاقت رکھتا ہو وہاں تک پہنچنے کی۔ اور جو شخص (اس کے باوجود) انکار کرے تو بے شک اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے سارے جہاں سے''۔

(جمال القرآن)

یہ آیت مبارکہ سورۃ آل عمران کی ہے۔ یہ باتفاق علماء مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف کے حج کے فرض ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔ کہ بیت اللہ شریف کا حج کرنا ہر اس آدمی پر فرض ہے جو بیت اللہ شریف تک سفر کے اخراجات کا متحمل بھی ہو اور اس کے پاس زاد سفر بھی ہو اور راستہ بھی پر امن ہو اور صحت بھی سفر کی مشقتیں برداشت کر سکتی ہو۔ اور جو شخص ان وسائل کے باوجود بیت اللہ شریف کا حج نہیں کرتا تو اس کے لئے سخت وعید ہے۔ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اس کی فرضیت کا انکار کرے اور

وسائل موجود ہونے کے باوجود اس کی ادائیگی میں لاپرواہی کرے تو اللہ تعالیٰ اس سے بے نیاز ہے اور اسے اس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں کیونکہ وہ سارے جہاں سے بے نیاز ہے۔

چونکہ حج اپنے ارکان و مناسک اور لوازم سمیت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت کا ایک مظاہرہ ہے۔ اس لئے یہ شیطان کو بالکل اچھا نہیں لگتا۔ وہ حجاج کرام کو اس عمل محبت سے روکنے کے لئے اپنی بھرپور کوشش کرتا ہے۔ اور جس پر اس کا یہ جادو چل جاتا ہے، اور وہ اس کی سازش کا شکار ہو جاتا ہے اور طاقت کے باوجود حج پر جانے سے رک جاتا ہے وہ سخت گنہگار ہوتا ہے اور بے شمار نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔

چونکہ حج ادا کرنے کے لئے مکہ مکرمہ نہ جانا لاپرواہی کی دلیل ہے۔ اور اس بات کی علامت ہے کہ گویا اسے محبوب اور اس کے شہر سے کوئی لگاؤ نہیں اس لئے اس طرز عمل اور لاپرواہی کی سخت سزا رکھی گئی ہے۔

حدیث قدسی شریف میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّ عَبْدًا صَحَّحْتُ لَهُ جِسْمَهُ وَ وَسَّعْتُ عَلَيْهِ فِي الْمَعِيْشَةِ فَمَضٰى عَلَيْهِ خَمْسَةُ اَعْوَامٍ لَمْ يَفِدْ فَهُوَ مَحْرُوْمٌ

(اخبار مکہ فی قدیم الدھر)

"بے شک وہ بندہ جسے میں نے صحت و تندرستی بخشی اور رزق میں وسعت عطا کی پھر پانچ سال گزر گئے اور وہ میرے گھر کی زیارت کے لئے نہ آیا بے شک وہ محروم ہے"۔

اسی طرح حضرت علی شیر خدا ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ مَلَكَ زَادًا وَرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ اِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ لَمْ يَحُجَّ فَلَا عَلَيْهِ اَنْ يَمُوْتَ يَهُوْدِيًا اَوْ نَصْرَانِيًا (جامع ترمذی شریف)

"جو شخص زاد راہ اور ایسی سواری کا مالک بن گیا جو اسے بیت اللہ شریف تک پہنچا

سکتی ہے۔ لیکن اس نے پھر بھی حج نہ کیا تو اس پر کوئی پابندی نہیں بلکہ اسے اجازت ہے کہ بے شک یہودی یا نصرانی ہو کر مرے"۔

حج اسلام کا ایک اہم رکن ہے۔ یہ اپنے دامن میں بہت ساری حکمتیں اور بے شمار روحانی لذتیں سمیٹے ہوئے ہے۔ قدم قدم پر محبت کے ان مٹ نقوش ہیں۔ چونکہ حج، بیت اللہ شریف کی زیارت اور مکہ مکرمہ میں حاضری کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب، انبیاء اور رسل کا اس جگہ حاضر ہونا اور طواف کعبہ کا شرف حاصل کرنا اور وہاں کی روحانی کیفیات میں وقت گزارنا دلائل سے ثابت ہے بالخصوص سیدنا آدم صفی اللہ علیہ السلام، سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام، سیدنا اسماعیل علیہ السلام، فخر آدم، صدر بزم عالم سرور دو جہاں سیدنا حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بے شمار حسین یادیں اس خطہ مبارکہ کے ساتھ وابستہ ہیں۔ قربان گاہ حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی یہیں ہے۔ مقام ابراہیم خلیل اللہ بھی اس جگہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نیک بندی زوجہ ابراہیم اور مادر ذبیح اللہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے نقوش پا بھی اس بقعہ مبارکہ کے حصہ میں آئے۔ ان ہی حسین یادوں اور بابرکت یادوں کو اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اسوۂ عمل سے فروغ دوام عطا فرمایا ہے۔ وہ لوگ جن کے سینے شوق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے خالی ہیں۔ ان کیلئے تو حج فقط ایک مالی اور جسمانی مشقت کے سوا کچھ نہیں۔ لیکن جن کے قلوب و اذہان نور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فروزاں ہیں انہیں ہر ذرۂ صحرا پر جذب و شوق اور حسن و ذوق کے جہاں آباد نظر آتے ہیں۔ رب العالمین نے اپنی کتاب حکمت و ہدایت میں حج کا حکم دیا ہے اور ارشاد فرمایا ہے وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا

اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ میں حج کی اہمیت کو مختلف انداز میں بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ (اور پورا کرو حج اور عمرہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے)

(جمال القرآن)

حج مبرور اور اس کی جزا

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿١٩٧﴾ (سورۂ بقرہ)

''حج کے چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں (شوال، ذیقعد، ذی الحج کے دس دن) پس جو نیت کرے ان دنوں میں حج کی تو اسے جائز نہیں بے حیائی کی بات اور نہ نافرمانی اور نہ جھگڑا (حج کے دنوں میں) اور جو تم نیک کام کرو اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے اور سفر کا توشہ تیار کرو اور سب سے بہتر توشہ تو پرہیز گاری ہے اور ڈرتے رہو مجھ سے اے عقلمندو!'' (جمال القرآن)

اس آیت طیبہ میں اللہ تعالیٰ نے حج کے دوران ایسے اعمال کرنے سے منع فرمایا ہے جن سے حج کا اجر ضائع ہو جاتا ہے اور حج کے دوران ان اعمال کو عملی جامہ پہنانا کسی طرح بھی جائز نہیں قرار دیا گیا۔ مثلاً جماع کرنا یا اس کے متعلق باتیں کرنا، تمام چھوٹے بڑے گناہ ظاہر اور پوشیدہ کرنے سے منع فرمایا۔ جھگڑا کرنے اور اس کے علاوہ ان تمام چیزوں سے روک دیا گیا جو کسی اعتبار سے بھی حج کے منافی ہیں۔ تاکہ حج کا حقیقی مقصد یعنی تربیت نفس ضائع نہ ہو جائے۔ مزید فرمایا جو نیک کام تم کرتے ہو۔ جسے کوئی اور نہیں دیکھتا یا جن جذبات کو تم سختی سے روکے ہوئے ہو جس کا کوئی دوسرا اندازہ نہیں کر سکتا اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے۔ اور وہ تمہارے نفس سے تمہاری کشمکش کو بھی دیکھ رہا ہے۔ وہ تمہیں ضرور اس کا اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ اس آیت طیبہ میں اہل عرب کی اس عادت کو بھی ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ جس کے اکثر خصوصاً اہل یمن عادی تھے۔ اور ان کا یہ دستور تھا کہ جب حج کی نیت سے گھروں سے نکلتے تو سفر خرچ ساتھ نہ لاتے اور اس کو توکل کے خلاف سمجھتے اور راستہ میں لوگوں سے بھیک مانگتے تھے۔ مسلمانوں کو اس غیر مناسب طریقہ سے روک دیا گیا

اور حکم دیا کہ زادراہ لے کر چلا کرو۔ اور کسی کی خدمت نہ کر سکو تو کم از کم دوسروں پر تو بوجھ نہ بنا کرو۔ اور ساتھ ہی فرما دیا کہ بہترین زادراہ تقویٰ ہے۔ جو سفر آخرت میں کام آتا ہے۔

اس سے اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے قریش کی ایک اور غلط عادت جو کہ حج مبرور کے منافی تھی کا رد فرمایا ہے اور حج کے اصلی مقصد کی طرف رہنمائی فرمائی۔ ارشاد فرمایا۔

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

''پھر تم بھی (اے مغروران قریش) وہاں تک (جا کر) واپس آؤ۔ جہاں جا کر دوسرے لوگ واپس آتے ہیں۔ اور معافی مانگو اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے''۔ (جمال القرآن)

کیونکہ قریش اپنے لئے یہ ہتک سمجھتے تھے کہ دوسرے لوگوں کی طرح وہ بھی عرفات کے میدان میں وقوف کریں اس لئے وہ مزدلفہ میں ہی ٹھہرتے اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے کہ نَحْنُ اَهْلُ اللّٰهِ وَقَطَّانُ حَرَمِهٖ (ہم اہل اللہ اور اس کے حرم کے باشندے ہیں)۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ مغرورانہ ادا پسند نہ آئی۔ اور انہیں حکم دیا کہ جہاں سے لوگ لوٹتے ہیں وہاں سے ہی تم بھی لوٹو۔ حج تو ہے ہی سب باطل امتیازات مٹانے کے لئے۔ اور سب جھوٹے تفاخر ختم کرنے کے لئے۔ اگر آج بھی تم اپنی برتری کے نشے میں مست رہو گے تو مساوات انسانی کا صحیح مظاہرہ کب ہوگا۔ اور تم یہ اہم سبق کیونکر یاد کرو گے۔ (ضیاء القرآن)

حج مبرور اور اس کے ثواب کی مزید وضاحت

وہ حج جس میں حلال کمائی سے رقم خرچ کی جائے۔ یعنی اس میں سود اور حرام کمائی کی آمیزش نہ ہو اور نہ ہی دوران سفر کوئی ایسا عمل کیا جائے۔ جس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہو۔ مثلاً اس میں نہ بے حیائی کی بات کی جائے اور نہ ہی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی جائے اور نہ ہی کسی کے ساتھ لڑائی اور جھگڑا کیا جائے۔ اور اس کی جزا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس طرح بیان فرمائی ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْعُمْرَۃُ اِلَی الْعُمْرَۃِ کَفَّارَۃٌ لِمَا بَیْنَھُمَا وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَیْسَ لَہٗ جَزَاءٌ اِلَّا الْجَنَّۃَ (دو عمرے درمیانی گناہوں کے کفارہ ہیں اور حج مبرور کی جزا جنت ہے۔

گناہوں کی بخشش کا سبب

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔ مَنْ حَجَّ وَلَمْ یَرْفُثْ وَلَمْ یَفْسُقْ رَجَعَ کَمَا وَلَدَتْہُ اُمُّہٗ (جس شخص نے حج کیا اور فسق و فجور سے اپنا دامن بچائے رکھا وہ اس طرح گناہوں سے پاک لوٹے گا جس طرح کہ اس کو ابھی اس کی ماں نے جنم دیا ہو۔ یعنی وہ گناہوں سے بالکل پاک ہوگا۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَابِعُوا بَیْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَۃِ فَاِنَّھُمَا یَنْفِیَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوْبَ کَمَا یَنْفِی الْکِیْرُ خُبْثَ الْحَدِیْدِ وَالذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ وَلَیْسَ الْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ اِلَّا الْجَنَّۃَ

"آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا حج اور عمرہ مسلسل کرتے رہا کرو کیونکہ یہ غربت اور گناہوں کو اس طرح ختم کر دیتے ہیں۔ جس طرح بھٹی لوہے، سونا اور چاندی کے زنگ کو دور کر دیتی ہے۔ اور حج مبرور کا ثواب جنت ہے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے چند لوگوں کو حج کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا اگر ان لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ گناہوں کی بخشش کے بعد انہیں کیا ملے گا تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں اَنَّہٗ رَاٰی قَوْمًا مِنَ الْحَاجِّ فَقَالَ لَوْ یَعْلَمُ ھٰؤُلَاءِ مَا لَھُمْ بَعْدَ الْمَغْفِرَۃِ لَقَرَّتْ عُیُوْنُھُمْ۔

ایک اور روایت میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے۔ اَلْحَاجُّ وَالْمُعْتَمِرُ وَالْمُجَاھِدُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَفْدُ اللّٰہِ سَئَلُوْا فَاُعْطُوْا وَدَعَوْا فَاُجِیْبُوْا کہ حاجی، عمرہ کرنے والا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا (یہ تمام) اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں ان کے سوال پر انہیں عطا کیا جاتا ہے اور ان کی دعا قبول کی جاتی ہے۔

ایک شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کعبۃ اللہ کے دروازے کے پاس خطبہ ارشاد فرمایا اور کہا "مَا مِنْ اَحَدٍ یَجِیْئُ اِلٰی ھٰذَا الْبَیْتِ لَا یَنْھَزُہٗ غَیْرُ صَلٰوۃٍ فِیْہِ حَتّٰی یَسْتَلِمَ الْحَجَرَ لَاُکَفِّرَ عَنْھُمْ مَا کَانَ قَبْلَ ذٰلِکَ" کہ جو شخص بیت اللہ کی طرف آتا ہے۔ اور اس میں نماز پڑھنے کے سوا کوئی چیز اسے یہاں نہیں لے آتی یہاں تک کہ وہ حجر اسود کو بوسہ دیتا ہے۔ تو اس کے سابقہ تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ)

حج اور عمرہ کی انہی برکات کی وجہ سے سلف صالحین کثرت سے حج اور عمرے ادا کیا کرتے تھے اور وہ عموماً پیدل حج و عمرہ کرنے کی کوشش کرتے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ آپ پیدل حج پر جا رہے تھے۔ حالانکہ آپ کے غلام اور سواریاں آپ کے ساتھ تھے کسی نے پوچھا اے ابن رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم ایسا کیوں کر رہے ہو تو آپ نے فرمایا کہ بھاگا ہوا غلام جب اپنے آقا کی بارگاہ میں جائے۔ تو اسے اس طرح حاضر ہونا چاہئے لطبرانی معجم الکبیر نے نقل کیا ہے۔ کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے پچیس حج پاپیادہ ادا کیئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے بچوں کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا حُجُّوْا مُشَاۃً فَاِنَّ لِلْحَاجِّ الْمَاشِیْ بِکُلِّ خُطْوَۃٍ یَخْطُوْھَا سَبْعَ مِائَۃِ حَسَنَۃٍ مِنْ حَسَنَاتِ الْحَرَمِ کہ پیدل حج کیا کرو کیونکہ پیدل حج کرنے والے کو ہر اس قدم کے بدلے جو وہ چلتا ہے حرم شریف کی سات سو نیکیوں کے برابر ثواب حاصل ہوتا ہے۔ (احیاء العلوم)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان بھی ہے۔ اَلنَّفَقَۃُ فِی الْحَجِّ کَالنَّفَقَۃِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَلدِّرْھَمُ سَبْعُ مِائَۃِ ضَعْفٍ (احکام الحج والعمرہ)

کہ حج پر خرچ کی جانے والی رقم اس طرح ہے جس طرح جہاد میں خرچ کی جانے والی رقم ہے ایک درہم خرچ کرنے کا ثواب سات سو درہم خرچ کرنے کے برابر ملتا ہے۔

رزق حلال اور حج

حج مبرور کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ اس میں خرچ کی جانے والی رقم میں حرام کی آمیزش نہ ہو بلکہ وہ پاک اور طیب ہو تو ایسا حج اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہوتا ہے اور حاجی کو اس عظیم ترین اجر و ثواب سے نوازا جاتا ہے جس کا اس سے وعدہ کیا گیا ہے۔ اس قسم کے حج سے اسے سعادت دارین حاصل ہوتی ہے۔ اور اس کی سوچ اور فکر کے زاویئے اخلاص و ایمان کا نمونہ ہوتے ہیں۔ آپ اس کا اندازہ اس طرح کیجئے کہ جب کوئی شخص حج کی نیت سے سفر کے اخراجات جمع کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ ہر ناجائز طریقہ سے کمائی کے خیال سے لرزہ براندام ہو جاتا ہے۔ اور حج اسے رزق حلال کمانے کا خوگر بنا دیتا ہے۔ جب رزق پاک اور صاف ہوتا ہے تو انسان کی خوراک بھی طیب اور حلال ہوتی ہے۔ جب غذا پاک ہوتی ہے تو جسم میں بھی پاک خون کی افزائش ہوتی ہے۔ پاکیزہ خون جب دل و دماغ میں گردش کرتا ہے تو پاکیزہ خیالات جنم لیتے ہیں۔ کتنا مبارک ہے "حج مبرور" کا اہتمام جس نے تمام گناہوں کی سیاہی دھو کر رخ حیات کو اجلا بنا دیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے۔

اِذَا خَرَجَ الْحَاجُّ حَاجًا بِنَفَقَةٍ طَيِّبَةٍ وَ وَضَعَ رِجْلَهٗ فِي الْغَرْزِ فَنَادٰى لَبَّيْکَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْکَ نَادَاهُ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ لَبَّيْکَ وَ سَعْدَيْکَ زَادُکَ حَلَالٌ وَرَاحِلَتُکَ حَلَالٌ وَحَجُّکَ مَبْرُوْرٌ غَيْرُ مَازُوْرٍ وَاِذَا خَرَجَ بِالنَّفَقَةِ الْخَبِيْثَةِ فَوَضَعَ رِجْلَهٗ فِي الْغَرْزِ فَنَادٰى لَبَّيْکَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْکَ نَادَاهُ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ لَا لَبَّيْکَ وَلَا سَعْدَيْکَ زَادُکَ حَرَامٌ وَ رَاحِلَتُکَ حَرَامٌ وَ نَفَقَتُکَ حَرَامٌ وَحَجُّکَ مَازُوْرٌ غَيْرُ مَاجُوْرٍ

"جب حاجی حج کے ارادے سے پاک رزق لے کر روانہ ہوتا ہے اور رکاب میں پاؤں رکھ کر لبیک اللھم لبیک کہتا ہے تو آسمان سے ایک فرشتہ ندا کرتا ہے تیرا لبیک کہنا مقبول ہے کیونکہ تیرا زادِ راہ حلال ہے تیری سواری پاک ہے تیرا حج مبرور ہے

اور گناہوں سے پاک ہے۔اور جب کوئی بندہ حرام رزق لے کر گھر سے نکلتا ہے۔ رکاب میں قدم رکھ کر لبیک اللھم لبیک کہتا ہے تو آسمان سے منادی ندا کرتا ہے تیری حاضری مقبول نہیں کیونکہ تیرا زادراہ حرام ہے اور ناپاک ہے۔ تیرا حج محض جھوٹ ہے اور اس کا کوئی اجر نہیں"۔

(احکام الحج والعمرۃ بحوالہ کعبۃ اللہ اور اس کا حج)

حج ادا کرنے کی دعوت عامہ

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ شریف کی تعمیر سے فارغ ہوئے! اور اللہ کا گھر تعمیر کرنے کے بعد اس کی بارگاہ میں جو التجائیں پیش کیں اور انہیں شرف قبولیت حاصل ہوا اس کے بعد اللہ رب العزت نے حج ادا کرنے کے لئے ایک دعوت عام دینے کا اپنے خلیل علیہ السلام کو حکم فرمایا جس کو آدم علیہ السلام کی نسل سے پیدا ہونے والے انسانوں کی ارواح نے سنا۔اس کا ذکر اس آیت طیبہ میں فرمایا:

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّأْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ (الحج:27)

"اور اعلان عام کر دو لوگوں میں حج کا وہ آئیں گے آپ کے پاس پا پیادہ اور ہر دبلی اونٹنی پر سوار ہو کر جو آتی ہے ہر دور دراز علاقہ سے"۔(ترجمہ از جمال القرآن)

حضرت ابراہیم علیہ السلام خانہ کعبہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو حکم ملا اے ابراہیم اب اعلان کر دو کہ خدا کا گھر تیار ہو گیا ہے۔اے خدا کے بندو! آؤ اور حج کرو، آؤ اور فریضہ حج ادا کرو۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی الٰہی میری آواز کہاں تک پہنچے گی۔فرمایا وَاَذِّنْ وَ عَلَيَّ الْاِبْلَاغُ تم اعلان کر دو آواز کو پہنچانا میرا کام ہے چنانچہ آپ جبل ابی قبیس پر تشریف لے گئے اور حج کا اعلان فرمادیا۔

فَاَسْمَعَ مَنْ فِیْ اَصْلَابِ الرِّجَالِ وَاَرْحَامِ النِّسَاءِ وَاَجَابَهٗ مَنْ اٰمَنَ مِمَّنْ سَبَقَ فِیْ عِلْمِ اللّٰهِ اَنْ یَّحُجَّ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ لَبَّیْکَ اَللّٰهُمَّ لَبَّیْکَ

ترجمہ:۔ پس اللہ تعالیٰ نے وہ آواز ہر اس شخص کو سنا دی جو ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔ اپنے باپوں کی پشتوں یا ماؤں کے رحموں میں تھے اور اس آواز کا جواب ہر اس خوش نصیب نے دیا جس کی قسمت میں حج کرنا علم الٰہی میں مقدر ہو چکا تھا۔ اور انہوں نے لبیک اللھم لبیک کہا۔

تو جس شخص نے دعوت ابراہیمی پر لبیک کہی اسے ہی حج کی سعادت نصیب ہوگی۔ اور جتنی بار جس نے لبیک کہی وہ اتنی بار حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرے گا اس لئے جتنا جلدی ممکن ہو۔ اتنا جلدی وہ یہ فریضہ ادا کرے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے کہ مَنْ اَرَادَ مِنْکُمُ الْحَجَّ فَلْیُعَجِّلْ کہ تم میں سے جو حج کا ارادہ کرے اسے چاہئے کہ جلدی کرے۔

فضائل کعبۃ اللہ

اس سے ماقبل بیت اللہ شریف کے حج کی اہمیت اور اجر وثواب قرآن کریم اور احادیث کی روشنی میں اختصار کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے بیان کیا گیا ہے۔ اب اس گھر کے فضائل، کمالات اور برکات کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ اس لئے مختصر طور پر اس کی جلالت شان اور عظمت وبرکت کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ گھر سیاہ غلاف میں ملبوس وہ کوٹھا ہے جسے انبیاء ومرسلین کی روحانی توجہات کا مرکز ہونے کا ہی شرف حاصل نہیں بلکہ ملائکہ اور اولیائے عظام اور ہر بندہ مومن کی توجہ کا بھی مرکز ہے۔ سب سے پہلے ملائکہ نے اسے تعمیر کیا۔ آدم علیہ السلام کو اس کی نشاۃ ثانیہ کا شرف حاصل ہوا حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے اس کی تعمیر جدید کی اور اس کو مزین وآراستہ کیا اور انہوں نے اعتکاف بیٹھنے والوں، سجدہ کرنے والوں اور طواف کرنے والوں کے لئے اس کی طہارت ونظافت اور صفائی کا اہتمام فرمایا اور وہ جمال وجلال الٰہی کا مظہر اتم ہے۔ فخر آدم وبنی آدم رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف منہ کر کے نمازیں ادا فرمائیں۔ اس کی زیارت عبادت، اس کا طواف باعث

برکت اور اس کی محبت اللہ کی رحمت کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اور دعاؤں کے قبول ہونے کا سبب ہے۔ بشرطیکہ خلوص نیت سے دعا کی جائے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حجاج بن یوسف بیت اللہ شریف کا طواف کر رہا تھا تو اس نے ایک نابینا کو سنا جو پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ اے اللہ! میری بینائی لوٹا دے لیکن اس کی آرزو پوری نہیں ہو رہی تھی۔ حجاج نے ایک چکر پورا کیا تو بھی اسے یہ کہتے ہوئے سنا دوبارہ پھر دوسرے چکر میں اسے اسی طرح دیکھا تو اس نے کہا کہ اے نابینے! تم بار بار یہی دعا کر رہے ہو لیکن وہ مستجاب نہیں ہو رہی۔ ہوش کرو تم کس مقام پر کھڑے ہو کر یہ دعا کر رہے ہو! لیکن یاد رکھو اب اگر میری واپسی تک تیری آنکھوں کی بینائی نہ لوٹی تو میں تجھے قتل کر دوں گا۔ اب اسے اپنی جان کا خطرہ لاحق ہوا کیونکہ وہ جانتا تھا جو کچھ حجاج نے کہا ہے۔ وہ ضرور اس پر عمل کرے گا۔ اس لئے اس نے خوب گریہ وزاری کی اور خلوص قلب سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی کہ اے اللہ! اگر تو میری بینائی نہیں لوٹائے گا تو مجھے قتل کر دیا جائے گا چنانچہ اس کی دعا قبول ہوئی اور وہ بینا ہو گیا۔ اس طرح وہ قتل ہونے سے بچ گیا۔

رحمتوں کے جھومر پہنانے والے خالق کائنات نے اس مبارک گھر کا تعارف ان الفاظ میں کرا دیا ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّةَ مُبٰرَکًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ

”کہ بے شک پہلا (عبادت) خانہ جو بنایا گیا لوگوں کے لئے وہی ہے جو مکہ میں ہے۔ بڑا برکت والا ہدایت (کا سرچشمہ) ہے سب جہانوں کے لئے“۔

(آل عمران: 96، ترجمہ از جمال القرآن)

اس کی برکتوں کا کیا کہنا۔ اس میں ایک نماز پڑھی جائے تو لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔ اور جب پہلی نظر بیت اللہ شریف پر پڑتی ہے تو آنکھ جھپکنے سے پہلے جو دعا مانگی جاتی ہے اسے شرف قبول حاصل ہوتا ہے اور بیت اللہ شریف کو صرف دیکھتے رہنا بھی عبادت ہے اس کا حج اور عمرہ کرنے والوں اور طواف کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی جو بارش برستی

ہے اس کا کوئی کیا اندازہ لگا سکتا ہے وہ ایک برکھا ہے جو برس رہی ہے۔

باعث تسکین جان، ھادی عالمین، اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبۃ اللہ کی عظمتوں اور شانوں کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا کہ

اَلنَّظْرُ اِلَی الْبَیْتِ عِبَادَةٌ وَالطَّوَافُ بِالْبَیْتِ صَلٰوةٌ (ابن ابی شیبہ)

''بیت اللہ شریف کی طرف صرف دیکھ لینا بھی عبادت ہے۔ اور اس کا طواف کرنا نماز کی طرح ہے۔''

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی ارشاد فرمایا۔

اِنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰی فِیْ كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ عِشْرِيْنَ مِائَةَ رَحْمَةٍ تَنَزَّلُ عَلٰی هٰذَا الْبَيْتِ سِتُّوْنَ لِلطَّائِفِيْنَ وَاَرْبَعُوْنَ لِلْمُصَلِّيْنَ وَعِشْرُوْنَ لِلنَّاظِرِيْنَ (البلد الامین بحوالہ شفاء شریف)

''بیت اللہ شریف پر اللہ کی جانب سے روزانہ ایک سو بیس رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ ساٹھ طواف کرنے والوں کیلئے، چالیس رحمتیں وہاں نماز ادا کرنے والوں کے لئے اور بیس رحمتیں صرف بیت اللہ شریف کی زیارت کرنے والوں کے لئے مختص ہیں''۔

اہل حرم پر خصوصی نظر رحمت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی يَنْظُرُ فِیْ كُلِّ لَيْلَةٍ اِلٰی اَهْلِ الْاَرْضِ فَاَوَّلُ مَنْ يَّنْظُرُ اِلَيْهِ اَهْلُ الْحَرَمِ وَاَوَّلُ مَنْ يَّنْظُرُ اِلَيْهِ مِنْ اَهْلِ الْحَرَمِ اَهْلُ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ مَنْ رَاٰهُ طَائِفًا غَفَرَلَهٗ وَمَنْ رَاٰهُ مُصَلِّيًا غَفَرَلَهٗ وَمَنْ رَاٰهُ قَائِمًا مُسْتَقْبِلَ الْكَعْبَةِ غَفَرَلَهٗ

(احیاء العلوم بحوالہ کعبۃ اللہ اور اس کا حج)

''یقیناً اللہ تعالیٰ ہر شب اہل زمین کو نظر رحمت سے دیکھتا ہے تو سب سے پہلے وہ اہل حرم کو دیکھتا ہے اور اہل حرم میں سے سب سے پہلے مسجد حرام والوں کو رحمت کی

نظر سے دیکھتا ہے۔ اور جسے وہ طواف کرتے ہوئے دیکھتا ہے اس کے گناہ بخش دیتا ہے اور جس کو وہاں نماز پڑھتے ہوئے دیکھتا ہے اس کی لغزشیں معاف فرما دیتا ہے اور جنہیں کعبہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوئے دیکھتا ہے تو ان کے گناہ بھی بخش دیتا ہے"۔

ایک دوسری حدیث شریف میں اس طرح ارشاد فرمایا ہے۔

مَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعًا يُحْصِيهِ كُتِبَ لَهُ بِكُلِّ خَطْوَةٍ حَسَنَةٌ وَ مُحِيَتْ عَنْهُ سَيِّئَةٌ وَرُفِعَتْ لَهُ دَرَجَةٌ وَكَانَ لَهُ عَدْلُ رَقَبَةٍ.

"جو شخص بیت اللہ شریف کے اردگرد گن کر سات چکر لگائے تو اس کے لئے ہر قدم کے بدلے ایک حسنہ لکھ دی جاتی ہے (حسنہ سے مراد دس نیکیاں ہیں) اور اس کا ایک گناہ مٹا دیا جاتا ہے اور اس کا ایک درجہ بلند کر دیا جاتا ہے اور اسے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب دیا جاتا ہے" (احیاء العلوم)

حجر اسود (جنتی پتھر)

حجر اسود سیاہ رنگ کا پتھر ہے جو بیت اللہ شریف کے جنوب مشرقی کونے میں نصب ہے۔ یہ جنتی پتھر ہے۔ اس کو آدم علیہ السلام کے ساتھ ہی جنت سے اتارا گیا تھا اور اس کا رنگ بالکل سفید برف کی طرح تھا۔ جیسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَقَدْ نَزَلَ الْحَجَرُ مِنَ الْجَنَّةِ وَاَنَّهُ اَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ الثَّلْجِ فَمَا سَوَّدَهُ اِلَّا خَطَايَا بَنِيْ اٰدَمَ (ابن ابی شیبہ)

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ پتھر جنت سے نازل ہوا اس کا رنگ برف سے زیادہ سفید تھا اور اسے بنی آدم کے گناہوں نے سیاہ بنا دیا"۔

ایک اور روایت میں حجر اسود کی شان کا اظہار اس طرح کیا گیا ہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے فرمایا اَلْحَجَرُ الْاَسْوَدُ مِنْ حِجَارَةِ الْجَنَّةِ کہ حجر اسود جنت کے پتھروں میں سے ہے۔

جو شخص حجر اسود کا بوسہ لینے یا استلام کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔ قیامت کے دن یہ اس کے ایمان کی شہادت دے گا جس طرح روایت میں مذکور ہے۔

ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے زمانہ میں بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے تھے جب حجر اسود کے سامنے آئے اور اسے بوسہ دینے لگے تو آپ نے کہا اے حجر اسود! میں تیرا بوسہ اس لئے لے رہا ہوں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرا بوسہ لیا ہے۔ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہی تو ہے۔ تو نہ نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے۔ پاس ہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کھڑے تھے آپ نے فرمایا اے عمر! ایسا مت کہو بلکہ یہ نفع بھی پہنچا سکتا ہے اور نقصان بھی کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا حجر اسود کی دو آنکھیں ہیں جن کے ساتھ وہ بوسہ دینے والوں اور استلام کرنے والوں کو دیکھتا ہے۔ اور قیامت کے دن یہ ان کے حق میں گواہی دے گا۔ (ترمذی شریف)

کتنے خوش بخت اور بلند اقبال ہیں وہ لوگ جو ان ایمان افروز مقامات پر حاضر ہو کر دامان نگاہ بھر لیتے ہیں اور جن کی نگاہیں ان مقامات کی زیارت کرتی ہیں۔ جن کو سرور عالمیاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نگاہوں سے دیکھا اور جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدوم میمنت لزوم لگے۔ جہاں محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے عجز و نیاز، سوز و گداز اور محبت و پیار سے لبریز دعائیں مانگیں وہ مقامات رشک صد طور ہیں اللہ تعالیٰ ہر بندہ مومن کو ان کی زیارت کی توفیق عطا فرمائے حافظ مظہر رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے

جہاں جہاں سے گزرے جہاں جہاں وہ ٹھہرے
وہی مقام محبت کی جلوہ گاہ بنے

طواف کی نیت اور دعائیں

اس مقام پر اختصار کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ان دعاؤں کو ذکر کرتا جو نبی مکرم صلی اللہ

علیہ وسلم سے ہر چکر میں منقول ہیں فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

جب انسان طواف کعبہ شروع کرتا ہے تو اس وقت اس کا آغاز اس طرح کرنا چاہئے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُرِيْدُ طَوَافَ بَيْتِكَ الْحَرَامِ فَيَسِّرْهُ لِيْ وَتَقَبَّلْهُ مِنِّيْ سَبْعَةَ اَشْوَاطٍ لِلّٰهِ تَعَالٰى عَزَّوَجَلَّ

"اے اللہ میں نیت کرتا ہوں طواف کرنے کی تیرے مقدس گھر کا پس تو اسے آسان فرما دے مجھ پر اور میری طرف سے قبول فرما (طواف کے) ان سات چکروں کو جو محض تجھ یکتا کے لئے (اختیار کرتا ہوں)"۔

اب حجر اسود کے سامنے کھڑے ہو جائیں اگر ممکن ہو تو اس کو بوسہ دیں ورنہ استلام کریں یعنی دونوں ہاتھ اٹھا کر بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ کہتے ہوئے خانہ کعبہ کے پہلے چکر کا آغاز کریں اور یہ دعا پڑھیں۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ط وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اِيْمَانًا بِكَ وَ تَصْدِيْقًا بِكَلِمَاتِكَ وَوَفَاءً بِعَهْدِكَ وَ اِتِّبَاعًا لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ وَ حَبِيْبِكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ط

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ وَالْمُعَافَاةَ الدَّائِمَةَ فِي الدِّيْنِ وَالدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَالْفَوْزَ بِالْجَنَّةِ وَالنَّجَاةَ مِنَ النَّارِ ط

"اللہ تعالیٰ پاک ہے اور سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں اور اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے اور (گناہوں سے بچنے کی) طاقت اور (عبادت کی طرف راغب ہونے کی) قوت اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ جو بزرگی اور عظمت والا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور سلام (نازل ہو) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اے اللہ تجھ پر ایمان لاتے ہوئے اور تیرے احکام کو

مانتے ہوئے اور تجھ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرتے ہوئے اور تیرے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کرتے ہوئے (میں طواف شروع کرتا ہوں)۔
اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں (گناہوں سے) معافی کا اور (ہر بلا سے) سلامتی کا اور (ہر تکلیف سے) دائمی حفاظت کا، دین اور دنیا اور آخرت میں جنت کے متمتع ہونے اور دوزخ سے نجات پانے کا۔"

اور جب رکن یمانی کے پاس پہنچیں تو یہ دعا پڑھیں۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَ فِی الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ وَاَدْخِلْنَا الْجَنَّةَ مَعَ الْاَبْرَارِ ۝ یَا عَزِیْزُ یَا غَفَّارُ یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ ۝

"اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی، اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا، اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ جنت میں داخل فرما۔ اے بڑی عزت والے، اے بڑی بخشش والے اے سب جہانوں کے پالنے والے"۔

حجر اسود پر پہنچ کر اگر بوسہ دینا ممکن ہو تو بوسہ دیں ورنہ استلام کر کے دوسرا چکر شروع کر دیں اور یہ دعا پڑھیں۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّ هٰذَا الْبَیْتَ بَیْتُکَ وَالْحَرَمَ حَرَمُکَ وَالْاَمْنَ اَمْنُکَ وَالْعَبْدَ عَبْدُکَ وَاَنَا عَبْدُکَ وَ ابْنُ عَبْدِکَ وَ هٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِکَ مِنَ النَّارِ ۝ فَحَرِّمْ لُحُوْمَنَا وَبَشَرَتَنَا عَلَی النَّارِ ۝ اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ اِلَیْنَا الْاِیْمَانَ وَ زَیِّنْهُ فِیْ قُلُوْبِنَا وَکَرِّهْ اِلَیْنَا الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ وَاجْعَلْنَا مِنَ الرَّاشِدِیْنَ ۝ اَللّٰهُمَّ قِنِیْ عَذَابَکَ یَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَکَ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِیَ الْجَنَّةَ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝

''اے اللہ! بے شک یہ گھر تیرا ہے۔ اور یہ حرم تیرا ہے اور (یہاں کا) امن وامان تیرا ہی دیا ہوا ہے۔ اور ہر بندہ تیرا ہی بندہ ہے۔ اور میں بھی تیرا ہی بندہ ہوں اور تیرے ہی بندہ کا بیٹا ہوں۔ اور یہ دوزخ کی آگ سے تیری پناہ پکڑنے والوں کی جگہ ہے سو تو ہمارے گوشت اور کھال کو دوزخ پر حرام کردے اے اللہ! ہمارے لئے ایمان کو محبوب بنادے اور ہمارے دلوں میں اس کو آراستہ کردے اور ہمارے لئے کفر بدکاری اور نافرمانی کو ناپسند فرمادے اور ہمیں ہدایت پانے والوں میں شامل کردے۔ اے اللہ جس دن تو اپنے بندوں کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے۔ مجھے اپنے عذاب سے بچانا۔ اے اللہ! مجھے بغیر حساب کے جنت عطا فرما''۔

اس کے بعد رکن یمانی پر پہنچ کر حسب سابق رَبَّنَا اٰتِنَا ...... الخ ہی پڑھتا جائے حجر اسود کے پاس پہنچ کر بوسہ یا استلام کے بعد تیسرا چکر شروع کرے اور یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الشَّکِّ وَالشِّرْکِ وَالشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ وَسُوْءِ الْمَنْظَرِ وَالْمُنْقَلَبِ فِی الْمَالِ وَالْوَلَدِ وَالْاَھْلِ اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ رِضَاکَ وَالْجَنَّةَ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ سَخَطِکَ وَالنَّارِ ط اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحیَا وَالْمَمَاتِ ط۔

''اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں (تیرے احکام میں) شک سے اور (تیری ذات وصفات میں) شرک سے اور اختلاف ونفاق سے اور برے اخلاق اور برے حال اور برے انجام سے مال میں اور اہل وعیال میں۔ اے اللہ! میں تجھ سے تیری رضامندی کی بھیک مانگتا ہوں اور جنت کی۔ اور تیری پناہ چاہتا ہوں تیرے غضب سے اور دوزخ سے اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں قبر کی آزمائش سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں زندگی اور موت کی ہر مصیبت سے۔ اس کے بعد جب سابق ربنا اٰتنا فی الدنیا ...... الخ پڑھتا جائے اور حجر اسود کا بوسہ لینے یا استلام

کے بعد چوتھا چکر شروع کرے اور یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ حَجًّا مَّبْرُوْرًا وَّسَعْیًا مَّشْکُوْرًا وَّذَنْبًا مَّغْفُوْرًا وَّ عَمَلًا صَالِحًا مَّقْبُوْلًا وَّ تِجَارَۃً لَّنْ تَبُوْرَ یَا عَالِمَ مَا فِی الصُّدُوْرِ اَخْرِجْنِیْ یَا اَللّٰہُ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّوْرِ ط اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِکَ وَ عَزَائِمَ مَغْفِرَتِکَ وَالسَّلَامَۃَ مِنْ کُلِّ اِثْمٍ وَالْغَنِیْمَۃَ مِنْ کُلِّ بِرٍّ وَالْفَوْزَ بِالْجَنَّۃِ وَالنَّجَاۃَ مِنَ النَّارِ ط رَبِّ قَنِّعْنِیْ بِمَا رَزَقْتَنِیْ وَ بَارِکْ لِیْ فِیْمَا اَعْطَیْتَنِیْ وَاخْلُفْ عَلٰی کُلِّ غَائِبَۃٍ لِّیْ مِنْکَ بِخَیْرٍ ط

''اے اللہ! بنا دے میرے اس حج کو حج مقبول اور کامیاب کوشش اور گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ اور مقبول نیک عمل اور بے نقصان تجارت کا۔ اے دلوں کے حال جاننے والے، اے اللہ مجھے (گناہ کی) تاریکیوں سے (ایمان و عمل صالح کی) روشنی کی طرف نکال۔ اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیری رحمت (کے حاصل ہونے) کے لازمی ذریعوں کا اور ان اسباب کا جو تیری مغفرت کو (میرے لئے) لازم بنا دیں اور ہر گناہ سے سلامتی کا اور ہر نیکی سے فائدہ اٹھانے کا اور جنت سے بہرہ ور ہونے کا اور دوزخ سے نجات پانے کا اور اے میرے پروردگار تو نے جو کچھ بھی مجھے رزق دیا ہے۔ اس پر قناعت بھی عطا کر اور جو نعمتیں مجھے عطا فرمائی ہیں ان میں برکت بھی دے اور میری ہر غائب چیز پر تو میرا قائم مقام بن جا (اور حفاظت فرما)''۔

پانچویں چکر کی دعا

اَللّٰھُمَّ اَظِلَّنِیْ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِکَ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّ عَرْشِکَ وَلَا بَاقِیَ اِلَّا وَجْھُکَ وَاسْقِنِیْ مِنْ حَوْضِ نَبِیِّکَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَرْبَۃً ھَنِیْئَۃً مَّرِیْئَۃً لَا

نَظْمًا بَعْدَهَا اَبَدًا اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ مِنْ خَیْرِ مَا سَئَلَکَ مِنْهُ نَبِیُّکَ سَیِّدُنَا مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّمَا اِسْتَعَاذَکَ مِنْهُ نَبِیُّکَ سَیِّدُنَا مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ الْجَنَّةَ وَ نَعِیْمَهَا وَ مَا یُقَرِّبُنِیْ اِلَیْهَا مِنْ قَوْلٍ اَوْ فِعْلٍ اَوْ عَمَلٍ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ النَّارِ وَ مَا یُقَرِّبُنِیْ اِلَیْهَا مِنْ قَوْلٍ اَوْفِعْلٍ اَوْ عَمَلٍ۔

چھٹے چکر کی دعا

اَللّٰهُمَّ اِنَّ لَکَ عَلَیَّ حُقُوْقًا کَثِیْرَةً فِیْمَا بَیْنِیْ وَبَیْنَکَ وَحُقُوْقًا کَثِیْرَةً فِیْمَا بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَلْقِکَ اَللّٰهُمَّ مَا کَانَ لَکَ مِنْهَا فَاغْفِرْهُ لِیْ وَمَا کَانَ لِخَلْقِکَ فَتَحَمَّلْهُ عَنِّیْ وَاَغْنِنِیْ بِحَلَالِکَ عَنْ حَرَامِکَ وَ بِطَاعَتِکَ عَنْ مَعْصِیَتِکَ وَ بِفَضْلِکَ عَنْ مَنْ سِوَاکَ یَا وَاسِعَ الْمَغْفِرَةِ اَللّٰهُمَّ اِنَّ بَیْتَکَ عَظِیْمٌ وَ وَجْهَکَ کَرِیْمٌ وَاَنْتَ یَا اَللّٰهُ حَلِیْمٌ کَرِیْمٌ عَظِیْمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ۔

"اے اللہ! مجھ پر تیرے بہت سے حقوق ہیں۔ ان معاملات میں جو میرے اور تیرے درمیان ہیں۔ اور بہت سے حقوق ہیں ان معاملات میں جو میرے اور تیری مخلوق کے درمیان ہیں۔ اے اللہ ان میں سے جن کا تعلق صرف تیری ذات سے ہو ان (کی کوتاہی) کی مجھے معافی دے اور جن کا تعلق مخلوق سے (بھی) ہو ان (کی فروگذاشت کی معافی) کا تو ذمہ دار بن جا۔ اے اللہ! مجھے (رزق) حلال عطا فرما کر حرام سے بچا لے اور فرمانبرداری کی توفیق عطا فرما کر نافرمانی سے بچا لے اور اپنے فضل سے بہرہ مند فرما کر اپنے سوا دوسروں سے مجھے مستغنی کر دے۔ اے وسیع مغفرت والے! اے اللہ، بے شک تیرا گھر بڑی عظمت والا ہے۔ اور تیری ذات

بڑی عزت والی ہے۔ اور تو اے اللہ بڑا باوقار ہے، بڑا کرم والا ہے۔ اور بڑی عظمت والا ہے۔ معافی کو پسند کرتا ہے۔ سو میری خطاؤں کو بھی معاف فرمادے"۔

ساتویں چکر کی دعا

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ اِیْمَانًا کَامِلًا وَ یَقِیْنًا صَادِقًا وَرِزْقًا وَاسِعًا وَ قَلْبًا خَاشِعًا وَلِسَانًا ذَاکِرًا وَرِزْقًا حَلَالًا طَیِّبًا وَ تَوْبَۃً نَصُوْحًا وَ تَوْبَۃً قَبْلَ الْمَوْتِ وَرَاحَۃً عِنْدَ الْمَوْتِ وَ مَغْفِرَۃً وَرَحْمَۃً بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَفْوَ عِنْدَ الْحِسَابِ وَالْفَوْزَ بِالْجَنَّۃِ وَالنَّجَاۃَ مِنَ النَّارِ بِرَحْمَتِکَ یَا عَزِیْزُ یَا غَفَّارُ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا وَاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ط۔

"اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں کامل ایمان اور سچا یقین اور کشادہ رزق اور عاجزی کرنے والا دل اور (تیرا) ذکر کرنے والی زبان اور حلال اور پاک روزی اور سچے دل کی توبہ اور موت سے پہلے کی توبہ اور موت کے وقت کا آرام اور مرنے کے بعد مغفرت اور رحمت اور حساب کے وقت معافی اور جنت کا حصول اور دوزخ سے نجات (یہ سب کچھ میں مانگتا ہوں) تیری رحمت کے وسیلہ سے اے بڑی عزت والے، بڑی مغفرت والے اے پروردگار میرے علم میں اضافہ کر اور مجھے نیک لوگوں میں شامل فرمادے"۔

تنبیہ

اگر یہ مذکورہ بالا دعائیں نہ آتی ہوں تو ہر چکر میں سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ۝ پڑھے اور رکن یمانی پر رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ وَاَدْخِلْنَا الْجَنَّۃَ مَعَ الْاَبْرَارِ یَا عَزِیْزُ یَا غَفَّارُ یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ پڑھے۔

آخری چکر میں اختتام پر حجر اسود کے پاس پہنچنے کے بعد اسے اگر بوسہ دینا ممکن ہو تو بوسہ دیں ورنہ استلام کریں اور بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ پڑھتے ہوئے مقام ملتزم کے پاس آ جائیں حجر اسود اور خانہ کعبہ کی چوکھٹ کے درمیان جو جگہ ہے اسے ملتزم کہتے ہیں۔ یہاں کھڑے ہو کر اگر ممکن ہو تو خانہ کعبہ کے ساتھ لپٹ کر خوب عجز و نیازی کے ساتھ رو رو کر دعائیں کریں۔ جس زبان میں جی چاہے دعائیں مانگیں اور یہ سمجھ کر مانگیئے کہ رب کریم کے گھر پہنچ گیا ہوں اور اسی کی چوکھٹ سے لگا کھڑا ہوں اور وہ میرے حال کو دیکھ رہا ہے اور یہ دعا دل کے حضور سے معنی سمجھ کر مانگیئے۔

مقام ملتزم کے ساتھ چمٹ کر پڑھنے کی دعا

اَللّٰهُمَّ يَا رَبَّ الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ اَعْتِقْ رِقَابَنَا وَ رِقَابَ اٰبَائِنَا وَاُمَّهَاتِنَا وَاِخْوَانِنَا وَاَوْلَادِنَا مِنَ النَّارِ۔ يَا ذَا الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ وَالْفَضْلِ وَالْمَنِّ وَالْعَطَاءِ وَالْاِحْسَانِ۔ اَللّٰهُمَّ اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِی الْاُمُوْرِ كُلِّهَا وَاَجِرْنَا مِنْ خِزْیِ الدُّنْيَا وَ عَذَابِ الْاٰخِرَةِ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَاقِفٌ تَحْتَ بَابِكَ مُلْتَزِمٌ بِاَعْتَابِكَ مُتَذَلِّلٌ بَيْنَ يَدَيْكَ وَ اَرْجُوْ رَحْمَتَكَ وَاَخْشٰى عَذَابَكَ مِنَ النَّارِ يَا قَدِيْمَ الْاِحْسَانِ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ اَنْ تَرْفَعَ ذِكْرِیْ وَ تَضَعَ وِزْرِیْ وَتُصْلِحَ اَمْرِیْ وَتُطَهِّرَ قَلْبِیْ وَتُنَوِّرَ لِیْ فِیْ قَبْرِیْ وَتَغْفِرَلِیْ ذَنْبِیْ۔ وَاَسْئَلُكَ الدَّرَجَاتِ الْعُلٰى مِنَ الْجَنَّةِ اٰمِيْنَ۔

"اے اللہ! اے اس قدیم گھر کے مالک! ہماری گردنوں کو، ہمارے باپ داداؤں، ماؤں (بہنوں) بھائیوں اور اولاد کی گردنوں کو دوزخ سے آزاد کر دے۔ اے بخشش والے، کرم والے، فضل والے، احسان والے، عطا والے، اے اللہ تمام معاملات میں ہمارا انجام بخیر فرما اور ہمیں دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے محفوظ رکھ۔ اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں اور بندہ زادہ ہوں تیرے (مقدس گھر

کے) دروازے کے نیچے کھڑا ہوں اور تیرے دروازہ کی چوکھٹوں سے لپٹا ہوں، تیرے سامنے عاجزی کا اظہار کر رہا ہوں اور تیری رحمت کا طلبگار ہوں اور تیرے دوزخ کے عذاب سے ڈر رہا ہوں۔ اے ہمیشہ کے محسن (اب بھی احسان فرما) اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میرے ذکر کو بلندی عطا فرما اور میرے گناہوں کا بوجھ ہلکا کر اور میرے کاموں کو درست فرما اور میرے دل کو پاک کر اور میرے لئے قبر میں روشنی فرما اور میرے گناہ معاف فرما اور میں تجھ سے جنت کے اونچے درجوں کی بھیک مانگتا ہوں"۔ (آمین)

اس کے بعد مقام ابراہیم کے نزدیک دو رکعت نماز واجب الطواف ادا کریں اور سلام کے بعد خضوع وخشوع کے ساتھ یہ دعا مانگیں۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ تَعْلَمُ سِرِّیْ وَعَلَانِیَتِیْ فَاقْبَلْ مَعْذِرَتِیْ وَتَعْلَمُ حَاجَتِیْ فَاَعْطِنِیْ سُؤْلِیْ وَتَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ اِیْمَانًا یُبَاشِرُ قَلْبِیْ وَیَقِیْنًا صَادِقًا حَتّٰی اَعْلَمَ اَنَّهٗ لَا یُصِیْبُنِیْ اِلَّا مَا کَتَبْتَ لِیْ وَرِضًا مِنْکَ بِمَا قَسَمْتَ لِیْ اَنْتَ وَلِیِّ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ۔ اَللّٰهُمَّ لَا تَدَعْ لَنَا فِیْ مَقَامِنَا هٰذَا ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً اِلَّا قَضَیْتَهَا وَیَسَّرْتَهَا فَیَسِّرْ اُمُوْرَنَا وَاشْرَحْ صُدُوْرَنَا وَ نَوِّرْ قُلُوْبَنَا وَاخْتِمْ بِالصَّالِحَاتِ اَعْمَالَنَا اَللّٰهُمَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ وَاَلْحِقْنَا بِالصّٰلِحِیْنَ غَیْرَ خَزَایَا وَلَا مَفْتُوْنِیْنَ اٰمِیْنَ یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ۔

"اے اللہ! تو میری سب چھپی اور کھلی باتیں جانتا ہے لہٰذا میری معذرت کو قبول فرما اور تو میری حاجت کو جانتا ہے۔ لہٰذا میری خواہش کو پورا کر اور تو میرے دل کو جانتا ہے لہٰذا میرے گناہوں کو معاف فرما۔ اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں ایسا

ایمان جو میرے دل میں سما جائے اور ایسا سچا یقین کہ میں جان لوں کہ تو نے جو کچھ میری تقدیر میں لکھ دیا ہے وہی مجھے پہنچے گا۔ اور تیری طرف سے اپنی قسمت پر رضامندی۔ تو ہی میرا مددگار ہے دنیا اور آخرت میں مجھے اسلام کی حالت میں وفات دے اور نیک لوگوں کے زمرہ میں داخل فرما۔ اے اللہ اس مقدس مقام (کی حاضری کے موقع) پر کوئی ہمارا گناہ معاف کئے بغیر نہ چھوڑنا اور کوئی پریشانی دور کئے بغیر نہ چھوڑنا اور کوئی ضرورت پوری کئے بغیر اور سہل کئے بغیر نہ چھوڑنا۔ سو ہمارے تمام کام آسان کر دے اور ہمارے سینوں کو کھول دے اور ہمارے دلوں کو روشن کر دے اور ہمارے اعمال کو نیکیوں کے ساتھ ختم فرما۔ اے اللہ! ہمیں اسلام کی حالت میں موت دے اور ہمیں نیک لوگوں میں شامل فرما کہ نہ ہم رسوا ہوں اور نہ آزمائش میں پڑیں آمین اے رب العالمین"۔

اس کے بعد آب زم زم پر آیئے اور قبلہ رو ہو کر بسم اللہ پڑھ کر تین سانس میں خوب ڈٹ کر آب زم زم پیجئے اور الحمدللہ کہہ کر یہ دعا مانگئے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسْئَلُکَ عِلۡمًا نَافِعًا وَ رِزۡقًا وَاسِعًا وَشِفَاءً مِنۡ کُلِّ دَاءٍ ط۔

"اے اللہ میں تجھ سے نفع رساں علم اور وسیع رزق اور ہر ایک بیماری سے شفا کا طلبگار ہوں"۔

آب زم زم سے فراغت کے بعد حجر اسود پر آئیں اور استلام کریں پھر کوہ صفاء پر جا کر حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی سنت ادا کریں اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کریں اور سات چکر لگائیں۔ اس دوران جو دعائیں یاد ہیں وہ مانگتے جائیں اور اللہ کا ذکر کرتے جائیں۔ آخری چکر مروہ پر ختم کریں اس کے بعد سر منڈائیں یا قصر کرائیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب سنت ہاجرہ ادا کرنے کے لئے صفا اور مروہ کے درمیان تشریف لے جاتے اور آپ صفا پہاڑ کا قصد فرماتے اور سعی کا آغاز صفا سے کرتے

اوراس کے اوپر کھڑے ہو کر قبلہ کی طرف منہ کرتے تو یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ قُلْتَ اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ وَاِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ وَاِنِّیْ اَسْئَلُکَ کَمَا ھَدَیْتَنِیْ لِلْاِسْلَامِ اَنْ لَا تَنْزِعَہٗ مِنِّیْ حَتّٰی تَتَوَفَّانِیْ وَاَنَا مُسْلِمٌ۔ (موطاامام محمد)

"اے میرے اللہ! تو نے ارشاد فرمایا (اے میرے بندو!) تم مجھے پکارو میں جواب دوں گا اور تیری شان یہ ہے کہ تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ جس طرح تو نے مجھے اسلام کی ہدایت عطا فرمائی ہے میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھ سے دولت اسلام واپس نہ لے اور مجھے اس حال پر موت آئے کہ میں مسلمان ہوں"۔

جب انسان صفا اور مروہ کے درمیان سعی سے فارغ ہو جاتا ہے اور مروہ پر کھڑا ہو کر قبلہ رو ہو کر دعا سے فارغ ہوتا ہے تو وہ یا سر منڈواتا ہے یا قصر کراتا ہے۔ آپ ان کے لئے دعا فرمایا کرتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کرتے تھے۔ اے اللہ تو ان پر رحم فرما۔ ان میں سے ایک یہ ہے۔

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَللّٰھُمَّ اِرْحَمِ الْمُحَلِّقِیْنَ قَالُوْا وَالْمُقَصِّرِیْنَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ الْمُحَلِّقِیْنَ قَالُوْا وَالْمُقَصِّرِیْنَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ وَالْمُقَصِّرِیْنَ۔ (موطاامام محمد)

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ اے اللہ! (ارکان حج ادا کرنے کے بعد) سر منڈانے والے حاجیوں پر رحم فرما صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بال کتروانے والوں کے لئے بھی رحم کی دعا فرمائیے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی اے اللہ! بال منڈانے والوں پر رحم فرما پھر صحابہ نے عرض کی کہ بال کتروانے والوں کے لئے بھی رحم کی دعا فرمائیے تو آپ نے پھر عرض کی کہ اے اللہ بال کتروانے والوں

پر رحم فرما۔ اسی طرح دو مرتبہ آپ نے سر منڈانے والوں کے لئے دعا فرمائی اور تیسری مرتبہ بال کتروانے والوں کے لئے رحم کی دعا فرمائی"۔

تو اس طرح آپ نے سر منڈانے والوں اور بال کترانے والوں دونوں کو دعا میں شریک فرمالیا۔

"فلسفہ حج"

حضرات گرامی قدر! گزشتہ سطور کے مطالعہ سے آپ نے بخوبی اندازہ کرلیا ہوگا کہ حج اور مقامات حج کے فضائل و کمالات کیا ہیں۔ حدیث شریف میں حج اور ارکان حج کے فضائل کا ایک وسیع سمندر موجزن ہے۔ خوف طوالت کی وجہ سے ان میں سے چند آپ کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نہایت ہی عجز و نیاز سے یہ بندہ پر تقصیر التجا کرتا ہے کہ وہ اسے قبول فرمائے۔

درحقیقت حج کئی عبادات کا مجموعہ ہے۔ بعض عبادات فقط بدنی ہیں اور بعض فقط مالی ہیں۔ حج بیک وقت عبادت بدنی بھی ہے اور عبادت مالی بھی۔ سوز و سرور اور جذب و وارفتگی کا مظہر بھی ہے۔ اور عقیدت و شوق کا مرکز بھی۔ حج امت مسلمہ کی وحدت فکر کا علمبردار بھی ہے۔ حج کا وقت معین ہے مقامات و ارکان مخصوص ہیں۔ ایک بیت اللہ جس کی طرف دنیا کے ہر علاقہ کے مسلمان مختلف رنگوں والے مختلف زبانیں بولنے والے۔ امیر و غریب چھوٹے بڑے سب کھچے چلے آ رہے ہیں نہ بندہ اور نہ بندہ نواز کا امتیاز ہے۔ جیسے علامہ مرحوم نے فرمایا:

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ بندہ نواز

اتنے نظم و ضبط اور اتحاد و اتفاق کی مثال کسی دوسرے دین میں شاید ہی مل سکے اسلام میں قومیت کی بنیاد دین ہے۔ نہ کہ رنگ و نسل اور وطن۔ حج اس نظریئے کی عملی تصویر ہے۔ جہاں لسانی۔ نسلی اور جغرافیائی امتیازات خود بخود دم توڑ دیتے ہیں۔ ساری دنیا سے علماء و صلحاء

ہر سال اس مقرب بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں اور علم وفیض سے اپنی تشنہ روحوں کو سیراب کرتے ہیں۔ اگر وحدت حج نہ ہوتی تو شاید اتنے علماء وصلحاء سے ملنا ایک عام آدمی کے لئے ممکن نہ ہوتا۔ حج جہاد کا منظر پیش کرتا ہے۔ اور آخرت کی تیاری کی ترغیب بھی دیتا ہے۔ بلکہ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو حج بالکل سفر آخرت لگتا ہے۔ احرام باندھ کر سوئے حرم چلنا اور کفن پہن کر سوئے مزار روانہ ہونا ایک جیسا ہے۔ روز حشر جمال وجلال کبریاء کا اظہار ہوگا۔ حج کے دن بھی ساری دنیا کے نمائندہ لوگ جمال وجلال الٰہی کے مناظر دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ کہیں اشک ہائے ندامت بہائے جا رہے ہوتے ہیں۔ تو کہیں نالہ ہائے دلدوز سے علاج عصیاں کیا جا رہا ہوتا ہے۔ لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کی صدائیں بلند ہیں۔ ہر ایک کو بقدر ظرف نوازا جا رہا ہے۔ سب گناہوں سے لدے پھدے آتے ہیں اور گناہوں سے پاک ہو رہے ہیں۔ المختصر حج وہ نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ کی بخشش و رضا کا سبب ہے۔ جس کی جزا جنت ہے۔ اور دوزخ سے نجات ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ اپنے محبوب ﷺ کے صدقے ہمیں بھی اس نعمت عظمیٰ سے وافر حصہ عطا فرمائے۔ (آمین یارب العالمین)

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۝ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَا اِصْرًا کَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ رَبَّنَا عَلَیْکَ تَوَکَّلْنَا وَاِلَیْکَ اَنَبْنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلٰنَا

مُحَمَّدِ نِ الْمُصْطَفٰی

وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَیْهِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْهِ اُنِیْبُ

چھہتر واں وعظ

سماع موتیٰ کا بیان

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰی رَحْمَةٍ لِّلْعَالَمِیْنَ وَعَلٰی اٰلِهِ الطَّیِّبِیْنَ الْمَهْدِیِّیْنَ وَعَلٰی اَزْوَاجِهِ الطَّاهِرَاتِ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَعَلٰی سَائِرِ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِیْنَ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ

اما بعد فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾ (الروم)

"پس آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں۔ اپنی پکار (خصوصاً) جب وہ پیٹھ پھیر کر جا رہے ہوں۔ اور نہ آپ ہدایت دے سکتے ہیں اندھوں کو ان کی گمراہی سے۔ آپ نہیں سناتے۔ مگر انہیں جو ایمان لائے ہماری آیتوں پر۔ پس وہ گردن جھکائے ہوئے ہیں"۔ (جمال القرآن)

یہ آیت طیبہ سورۃ روم کی ہے جو اس وقت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ جب کفار کی عداوت اپنے عروج پر تھی غلط الزامات، طعن و تشنیع، بہتان طرازی کے طوفان برپا کرنے کے ساتھ ساتھ وہ اہل اسلام پر ظلم و ستم کی انتہا کر رہے تھے۔ ان کے ظلم و ستم کے باوجود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ پر ایمان لانے والے حق کا دامن مضبوطی سے پکڑنے والے اپنے موقف پر پہاڑ کی طرح مستقیم تھے۔ کوئی سختی۔ کوئی ظلم۔ کوئی لالچ ان کے پائے ثبات میں لغزش پیدا نہ کر سکا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔ اے میرے محبوب!

آپ پریشان نہ ہوں اور نہ ہی آپ کے غلام خوف زدہ ہوں انہیں بتادیں یہ ظلم وستم اختتام پذیر ہونے والا ہے اور نوید سحر سنائی جانے والی ہے۔ کیونکہ آپ کے دین اور اس کو ماننے والوں کو اللہ تعالیٰ ضرور سر بلند فرمائے گا۔ اور آپ کی عظمتوں کا پھریرا چاردانگ عالم میں لہرائے گا۔ اگر چہ سارا باطل مل کر، یک جان ہو کر اس کو مٹانے کی کوشش کر رہا ہے اور کرتا رہے گا اور انہیں ایک دوسرے کا مکمل تعاون بھی حاصل ہے۔ وہ بایں ہمہ اس نور ہدایت کو نہ بجھا سکے ہیں اور نہ بجھا سکیں گے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَ اللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُونَ ۝ (الصف)

''یہ (ناداں) چاہتے ہیں کہ بجھادیں اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا۔ خواہ سخت ناپسند کریں اس کو کافر۔''

آپ اپنے رب پر کامل بھروسہ رکھیں وہ عزیز بھی ہے اور حکیم بھی وہ آپ کی ضرور مدد فرمائے گا کیونکہ حق وصداقت کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں ہے۔ سچائی کا نور پھیلانے کے لئے آپ شب و روز کوشاں ہیں تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ آپ کی امداد نہ فرمائے۔ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ کہہ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان دلا دیا کہ واقعی آپ صراط مستقیم پر ثابت قدمی سے چل رہے ہیں اور جس رہرو کو یقین ہو جاتا ہے کہ وہ سیدھا منزل محبوب کی طرف گامزن ہے کہیں ادھر ادھر کسی پگڈنڈی پر مارا مارا نہیں پھر رہا تو پھر اس کی ہمت جوان ہوتی ہے اور اس کا حوصلہ بلند ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کی جان کاہیوں کو محبوب حقیقی کی طرف سے داد ملی ہو جن کی جانفشانیوں پر کبھی تحسین و آفرین کے گلہائے رنگین نچھاور کئے گئے ہوں۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو تسلی دیتے ہوئے فرمار ہے ہیں کہ اے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم! جن لوگوں نے کفر وشرک کی سم قاتل سے اپنے قلب وروح کو مردہ بنادیا ہے انہیں یہ پند وموعظت، یہ تبلیغ ونصیحت اور آیات قرآنیہ کا پڑھ پڑھ کر سنانا قطعاً فائدہ مند نہیں۔ انہوں

نے خود اپنے ہاتھوں اپنی عقل وفہم کا گلا گھونٹ دیا ہے۔ انہوں نے خود پھونکیں مار مار کر غور و فکر کا چراغ بجھا دیا ہے۔ انہیں یہ روشن سے روشن معجزات بھی حق قبول کرنے پر امادہ نہیں کر سکتے۔ اس لئے ان کے ہدایت پذیر ہونے کے لئے مزید کوشش کرنا یا ان کے کفر پر جمے رہنے سے آزردہ خاطر ہونا مناسب نہیں۔ آپ نے اپنا فرض باحسن وجوہ ادا کر دیا ہے۔ یہ ان کی اپنی بدبختی ہے کہ وہ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ آپ تو صرف ان لوگوں کو حق کی آواز سنا سکتے ہیں، آپ کی تبلیغ ان کیلئے یہی کارگر ثابت ہو سکتی ہے، یہ آیات بینات فقط ان کو راہ راست پر لا سکتی ہے جن میں دعوت حق قبول کرنے کی استعداد ہو اور جن کا مشرف باسلام ہونا ہم نے مقدر کر دیا ہو۔ اور جنہوں نے خود اپنے کان حق کی بات سننے سے بند کر لئے ہوں اور جنہوں نے خود بخود اپنی عقلوں پر جہالت و گمراہی کے پردے ڈال لئے ہوں اور اپنی آنکھوں کو حق کی نشانیاں دیکھنے سے محروم کر دیا ہو وہ کیسے آپ کی آواز سن سکتے ہیں اور آپ کی حکیمانہ گفتگو دلپذیر کی طرف کیسے متوجہ ہو سکتے ہیں۔

حضور ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

کئی ایسے بیباک بھی ہیں جو ان آیات کو لوگوں کے سامنے پڑھتے ہیں اور مقصد حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تنقیص ہوتا ہے۔ گلا پھاڑ پھاڑ کر کہتے ہیں کہ دیکھو کچھ نہیں کر سکتے۔ کسی کو راہ ہدایت پر نہیں لا سکتے۔ بالکل کوئی اختیار نہیں رکھتے وغیرہ وغیرہ۔ کاش! وہ آیت کے اس حصہ کو بھی قابل غور تصور کرتے۔ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ الآیۃ اگر زیادہ غور وفکر کی فرصت نہیں ملتی تو اتنی بدیہہ بات کو سمجھنے کی کوشش کرتے کہ اگر اندھے کے لئے سورج کی روشنی سودمند نہیں۔ تو کیا یہ کہنا درست ہے کہ سورج ہی نہیں یا اس کی روشنی سے کسی کو فائدہ ہی نہیں۔ اگر چند اندھے دن کے اجالے میں ٹھوکریں کھاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی ان گنت مخلوق تو آفتاب کی تابانیوں سے مستفید ہو رہی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان لوگوں نے (دانستہ) یا کسی غلط فہمی کے باعث اپنے آپ کو مردہ، اپنی آنکھوں کو اندھا اور اپنے کانوں کو بہرہ فرض کر لیا ہو اور اس لئے شور مچا رہے ہوں کہ دیکھو ہمیں تو

کچھ نظر نہیں آ رہا ہے۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا پھیلا ہوا ہے کہاں ہے تمہارا سورج جس کے متعلق تم کہتے ہو کہ وہ طلوع ہو گیا ہے اور اس کی کرنوں نے شرق و غرب کو منور کر دیا ہے۔ (العیاذ باللہ)

کیا اہل قبور سنتے ہیں؟

اس کی تفصیلی بحث آگے آ رہی ہے۔ ان شاء اللہ! اسے وہاں سماعت فرمائیے یہاں آپ اتنا ہی یاد رکھیں کہ آیت میں اسماع (سنانے) کی نفی ہے۔ سَمعٌ (سننے) کی نفی نہیں اور حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب جنت البقیع میں آرام فرمانے والے اپنے غلام کے پاس تشریف لے جاتے یا شہداء احد کے مزارات پر قدم رنجہ فرماتے تو ان الفاظ سے اہل قبور کو سلام کرتے۔ السلام علیکم یا اہل القبور (اے قبروں میں رہنے والو تم پر سلام ہو) اور قبور کی زیارت کے جو آداب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو تعلیم فرمائے ہیں ان میں بھی اسی طرح انہیں سلام کہنے کی تلقین کی گئی ہے اور ایک بچہ بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ اس قسم کا کلام انہی سے کیا جاتا ہے جو سن رہے ہوں اگر اہل قبور سنا نہ کرتے تو سلام فرمانے کا یہ انداز نہ ہوتا۔

امنا بِاللّٰهِ وَ مَا جَاءَ بِهٖ رَسُوْلُهُ الْكَرِيْمُ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ۔ (ضیاء القرآن شریف سورۃ النمل)

اَلْمَوْتٰی سے کیا مراد ہے؟

اس مذکورہ بالا تمہید کے بعد اب آیئے اس مذکورہ بالا آیات میں جو الموتی کا لفظ ذکر کیا گیا ہے دیکھیں اس سے کیا مراد ہے۔ علماء تفاسیر نے اس کا کیا معنی بتایا ہے ان شاء اللہ حقیقت کھل کر سامنے آ جائے گی۔ اور میں اس موقعہ پر اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھوں گا بلکہ آپ کے سامنے وہی تفصیل ذکر کروں گا جو حضور ضیاء الامۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مقام پر لکھی ہے۔

آپ لکھتے ہیں۔اس آیت میں اَلْمَوْتٰی سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دل مر چکے ہیں کفر وشرک پر پیہم اصرار کے باعث ان کی عقل وفہم کے چراغ بجھ گئے ہیں اور کسی بات میں سنجیدگی اور متانت سے غور وفکر کی صلاحیت دم توڑ چکی ہے۔علامہ خازن الموتی کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں یعنی موتی القلوب وہم الکفار (النمل) علامہ بغوی فرماتے ہیں یعنی الکفار (معالم التنزیل (النمل) علامہ قرطبی نے فرمایا موتی القلوب (جن کے دل مردہ ہیں) اور اَلصُّمُّ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کے کان بہرے ہو چکے ہیں) جنہوں نے اپنے گوش وہوش میں تعصب کی انگلیاں ٹھونس دی ہیں تاکہ انہیں حق کی صدا سنائی نہ دے۔

آیت کا مقصد یہ ہے کہ توحید پر مسکت دلائل ان کے سامنے پیش کئے گئے انہیں بار بار دل نشین انداز سے دعوت حق دی گئی، اس کے باوجود یہ کفر پر اڑے ہوئے ہیں ان کے اس طرز عمل سے اے محبوب! آپ رنجیدہ خاطر نہ ہوں، ان کے دل مر چکے ہیں ان کے کانوں سے حق سننے کی طاقت سلب ہو گئی ہے۔آپ نے اپنا فریضہ تبلیغ ادا کرنے میں ذرا کوتاہی نہیں کی۔اگر یہ کفر اور گمراہی کے اندھیروں سے باہر نہیں نکلنا چاہتے تو ان کی قسمت تو گویا آیت میں مذکور الموتی سے مراد حقیقی موت مرنے والے نہیں بلکہ جن کے دل، کان اور آنکھیں تعصب کی وجہ سے بند ہیں۔

آج کل یہ بحث بڑے زوروں پر ہے کہ میت کوئی آواز سن سکتی ہے یا نہیں۔سماع موتی کے منکرین استدلال کے طور پر یہ آیت پیش کرتے ہیں۔اس لئے اللہ تعالیٰ سے توفیق طلب کرتے ہوئے بڑے اختصار کے ساتھ آیات قرانیہ، احادیث طیبہ اور علماء ربانیین کے اقوال سے جو کچھ سمجھا ہوں وہ عرض کرنا مناسب سمجھتا ہوں، اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل کجروی سے بچائے اور راست روی کی توفیق عطا فرمائے کیونکہ اس کی توفیق اور دستگیری کے بغیر علم، عقل اور سعی سب بے حاصل ہے۔

یہ مسئلہ عہد قدیم سے متنازع ہے۔اس کے بارے میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ بڑے سے بڑے فضلاء نے اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کی ہے لیکن جس شرح وبسط سے

علامہ ابن قیم نے اس پر قلم اٹھایا ہے اور اس مسئلہ کے مختلف گوشوں کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے میرے مطالعہ کی حد تک یہ انہیں کا حصہ ہے۔

موت کیا چیز ہے؟

سب سے پہلے یہ سمجھنا چاہئے کہ موت کیا چیز ہے، اور اس کا مفہوم کیا ہے؟ علامہ مذکور لکھتے ہیں کہ موت عدم محض اور فناء مطلق کا نام نہیں کہ انسان مرے تو بالکل نیست و نابود ہو کر رہ جائے بلکہ ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہو جانے کو موت کہتے ہیں اِنَّ الْمَوْتَ لَيْسَ بِعَدَمٍ مَحْضٍ وَاِنَّمَا هُوَ اِنْتِقَالٌ مِنْ حَالٍ اِلٰى حَالٍ (کتاب الروح ص ۴۳) اسی طرح علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں اَلْمَوْتُ جَسْرٌ يُوْصِلُ الْحَبِيْبَ اِلَى الْحَبِيْبِ (کہ موت ایک ایسا پل ہے جو حبیب کو حبیب کے ساتھ ملاتا ہے) (مظہری)

اللہ تعالیٰ نے شہداء کے متعلق فرمایا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ..... یعنی مجاہدین جن کو کفار قتل کر دیتے ہیں تو پھر بھی وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، انہیں رزق دیا جاتا ہے، بڑے خوش اور مسرور رہتے ہیں۔ جب ظاہری طور پر موت طاری ہونے کے باوجود شہداء کا یہ حال ہے تو صدیقین اور انبیاء جن کا رتبہ شہداء سے بدرجہا اعلیٰ و ارفع ہے، ان کی کیا کیفیت ہوگی۔ علامہ ابن قیم نے یہاں حیات انبیاء پر متعدد دلائل بیان کئے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔

۱۔ شب معراج بیت المقدس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات انبیاء کرام کے ساتھ ہوئی۔

۲۔ اسی سفر معراج کے دوران ساتوں آسمانوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات مختلف انبیاء کرام کے ساتھ ہوئی۔

۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تو بار بار ملاقات اور نمازوں کی تعداد پچاس سے گھٹا کر پانچ کروانے کا واقعہ ہر خاص و عام کے علم میں ہے۔

ان دلائل کے ذکر کرنے کے بعد علامہ ابن قیم لکھتے ہیں۔ یَحْصُلُ مِنْ جُمْلَتِهٖ الْقَطْعُ بِاَنَّ مَوْتَ الْاَنْبِيَاءِ اِنَّمَا هُوَ رَاجِعٌ اِلٰى اَنْ غُيِّبُوا عَنَّا بِحَيْثُ لَا تُدْرِكُهُمْ وَاِنْ كَانُوْا مَوْجُوْدِيْنَ اَحْيَاءً کتاب الروح ص ۴۳ کہ مذکورہ دلائل سے اور ان کے علاوہ دوسرے دلائل سے جن سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ انبیاء کرام کی موت کا فقط یہ مطلب ہے کہ وہ ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہو گئے ہیں ہم ان کو نہیں پا سکتے حالانکہ وہ زندہ ہیں۔

موت کا مفہوم ذہن نشین کر لینے کے بعد اب آپ یہ سمجھنے کی کوشش فرمائیں کہ موت کے بعد روح اور جسم کا باہمی تعلق کیسے باقی رہتا ہے اس کے بارے میں علامہ مذکور فرماتے ہیں کہ جسم کے ساتھ روح کے تعلق کی پانچ حالتیں ہیں ہر حالت پر مختلف احکام مرتب ہوتے ہیں۔

روح کی اقسام

۱- شکم مادر میں جب جسم میں روح پھونکی جاتی ہے۔

۲- جب انسان اس جہاں میں قدم رکھتا ہے۔

۳- حالت خواب میں۔

۴- عالم برزخ میں اگرچہ روح جسم سے جدا ہو جاتی ہے لیکن یہ جدائی کلیتاً نہیں ہوتی بلکہ روح کا تعلق جسم کے ساتھ کسی نہ کسی طرح باقی رہتا ہے۔ تَعَلُّقُهَا بِهٖ فِي الْبَرْزَخِ فَاِنَّهَا وَاِنْ فَارَقَتْهُ وَتَجَرَّدَتْ عَنْهُ فَاِنَّهَا لَمْ تُفَارِقْهُ فِرَاقًا كُلِّيًا بِحَيْثُ لَا يَبْقٰى لَهَا - اِلْتِفَاتٌ اِلَيْهِ اَلْبَتَّةَ اور اسی تعلق کی وجہ سے وہ اپنے زائر کے سلام کا جواب دیتا ہے اور اس کا اسے علم بھی ہوتا ہے۔

(تفصیلی بیان آگے آرہا ہے)

۵- قبروں سے جی اٹھنے کے بعد روح کا تعلق جسم سے۔ اسی تعلق کے متعلق علامہ لکھتے ہیں فَهُوَ اَكْمَلُ اَنْوَاعِ التَّعَلُّقِ اِذْهُوَ تَعَلُّقٌ لَا يَقْبَلُ الْبَدَنُ مَعَهٗ مَوْتًا وَلَا نَوْمًا وَلَا

فَسَادًا یعنی روح کا جسم کے ساتھ یہ تعلق تمام تعلقات سے اکمل ہے کیونکہ اس کے بعد جسم کو نہ موت آتی ہے نہ نیند آتی ہے اور نہ ہی اس کے عناصر میں فساد رونما ہوتا ہے۔

موت کے بعد حشر تک روح کا مقر اور مقام کے متعلق علامہ ابن قیم کا نظریہ

موت کے بعد حشر تک روح کا مقر اور مقام کہاں ہے؟ اس کے متعلق علامہ نے تقریباً سولہ قول لکھے ہیں جن میں سے ایک قول یہ ہے کہ موت کے بعد روح بھی عدم محض ہو جاتی ہے۔ جسم کی دوسری صفات علم، قوت وغیرہ کی طرح (حیاۃ) بھی اس کی ایک صفت ہے جسم کے فنا ہو جانے سے جس طرح دوسری صفات فنا ہو جاتی ہیں اسی طرح روح بھی فنا ہو جاتی ہے لیکن یہ قول سراسر باطل ہے۔ کتاب وسنت اور اجماع صحابہ کے علاوہ دلائل عقلیہ بھی اس کی تردید کرتے ہیں۔ **يٰاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِىْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِىْ فِىْ عِبَادِىْ وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْ** (اے اطمینان والی جان! اپنے رب کی طرف واپس ہو یوں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی پھر میرے خاص بندوں میں داخل ہو اور میری جنت میں آ)۔ یہاں خطاب روح مطمئنہ کو ہو رہا ہے جب وہ جسم سے الگ ہوتی ہے۔ اگر روح کا اپنا مستقل وجود نہ ہوتا۔ تو پھر اس سے خطاب کیسے کیا جاتا۔ احادیث کثیرہ سے بھی یہ ثابت ہے کہ روح کا اپنا مستقل وجود ہے۔ **وَهُوَ قَوْلٌ لَمْ يَقُلْ بِهٖ اَحَدٌ مِنْ سَلَفِ الْاُمَّةِ وَلَا مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ وَلَا اَئِمَّةِ الْاِسْلَامِ** (ابن قیم) یعنی یہ ایسا قول ہے۔ جسے نہ سلف صالحین میں سے کسی نے تسلیم کیا ہے نہ صحابہ، نہ تابعین اور نہ ائمہ اسلام کا یہ خیال ہے۔

۲۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس بارے میں یہ قول ہے کہ مومنین کی ارواح برزخ میں ہیں اور جدھر چاہتی ہیں جاتی ہیں۔ **اِنَّ اَرْوَاحَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِىْ بَرْزَخٍ مِنَ الْاَرْضِ تَذْهَبُ حَيْثُ شَاءَ ث فَهٰذَا مَرْوِىٌّ عَنْ سَلْمَانَ الفارسى** – البرزخ **هُوَ الْحَاجِزُ بَيْنَ الشَّيْئَيْنِ وَكَانَ سَلْمَانُ اَرَادَ بِهَا فِىْ اَرْضٍ بَيْنَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ مُرْسَلَةٌ هُنَاكَ تَذْهَبُ حَيْثُ شَاءَ ث** برزخ کے لفظ کی تحقیق کرتے

ہوئے لکھتے ہیں اَصْلُهُ الْحَاجِزُ بَيْنَ الشَّيْئَيْنِ دو چیزوں کے درمیان جو چیز حائل ہو اسے برزخ کہا جاتا ہے یہاں برزخ سے مراد دنیا اور آخرت کا درمیانی جہان ہے۔ فَالْبَرْزَخُ هٰهُنَا مَا بَيْنَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔

تیسرا قول:۔ مومنین کی روحیں آدم علیہ السلام کی دائیں جانب ہیں اور کفار کی روحیں آپ کی بائیں جانب ہیں۔

چوتھا قول:۔ ابو محمد بن ابی حزم کا قول یہ ہے کہ اجسام کے پیدا کرنے سے پہلے روح جہاں تھی۔ موت کے بعد لوٹ کر وہاں ہی چلی جاتی ہے۔ اِنَّ مُسْتَقَرَّهَا حَيْثُ كَانَتْ قَبْلَ خَلْقِ اَجْسَادِهَا۔

پانچواں قول:۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ مومنین کی روحیں اللہ تعالیٰ کے پاس ہوتی ہیں۔ اس سے زیادہ ان لوگوں نے مزید کہنے کی جرأت نہیں کی۔ اور جتنا کچھ قرآن میں ہے ادب اور احترام کے تقاضے کے پیش نظر اتنا کہنے پر ہی توقف کرتے ہیں اَرْوَاحُ الْمُؤْمِنِيْنَ عِنْدَاللّٰهِ وَلَمْ يَزِدْ عَلٰى ذٰلِكَ فَاِنَّهُ تَاَدُّبٌ مَعَ لَفْظِ الْقُرْاٰنِ حَيْثُ يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ۔

چھٹا قول:۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ ارواح اپنے مزارات کے اوپر ہوتی ہیں۔ اَلْاَرْوَاحُ عَلٰى اَفْنِيَةِ قُبُوْرِهَا۔

ساتواں قول:۔ اہل ایمان کی روحیں اگر کوئی گناہ کبیرہ یا قرض رکاوٹ نہ بنے تو وہ جنت میں ہوتی ہیں لیکن اپنے جسد خاکی پر ان کی توجہ اس طرح ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص ان کے مزارات پر حاضر ہو تو وہ اسے دیکھتے ہیں اور اگر کوئی سلام کہے تو وہ اس کا جواب دیتے ہیں۔ اس شبہ کا ازالہ کرنے کے لئے کہ روح اگر جنت میں یا اعلیٰ علیین میں ہو تو اپنی قبر پر آنے والے کو اتنی دور سے کس طرح پہچانتی ہے اور کس طرح اس کا سلام سنتی ہے اور کیونکر جواب دیتی ہے علامہ ابن قیم لکھتے ہیں لَا يَمْنَعُ مِنْ كَوْنِ الرُّوْحِ فِي الْمَلَاءِ الْاَعْلٰى تَسْرَحُ فِي الْجَنَّةِ حَيْثُ شَاءَتْ وَ تَسْمَعُ سَلَامَ الْمُسْلِمِ عَلَيْهَا عِنْدَ قَبْرِهَا

وَتَدْنُوْا حَتّٰی تَرُدَّ عَلَیْهِ السَّلَامَ وَلِلرُّوْحِ شَاْنٌ آخَرُ غَیْرُ شَاْنِ الْبَدْنِ (کتاب الروح ص ۱۲۶۔ یعنی تو اس چیز کو تسلیم کرنے سے تنگ دل نہ ہو کہ روح جب ملأ اعلیٰ میں ہے اور جنت کی سیر و سیاحت میں مصروف ہے تو وہ کس طرح اپنی قبر پر آنے والے کا سلام سنتی ہے، پھر کس طرح نزدیک ہو کر اس سلام کرنے والے کو جواب دیتی ہے کیونکہ روح کی شان اور ہے اور جسم کی شان اور۔

علامہ نے بڑی شرح و بسط سے اس چیز کو ثابت کیا ہے کہ روح کے لئے یہ بعد مکانی اور یہ مسافت کی دوریاں کوئی معنی نہیں رکھتیں وہ ایک لحہ میں ملأ اعلیٰ سے زمین پر اور زمین سے اعلیٰ علیین پر آ جا سکتی ہے۔ وہ لوگ سخت دھوکہ میں ہیں جو روح کو جسم کی طرح ان مسافتوں کے طے کرنے سے قاصر سمجھتے ہیں وہ فرماتے ہیں کیا تم نہیں جانتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج موسیٰ علیہ السلام کے مزار کے پاس سے گزرے تو انہیں اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مرکب ہمایوں افلاک کی بے پایاں رفعتوں کو سمند ہمت سے روندتا ہوا چھٹے آسمان تک پہنچا تو وہاں پھر موسیٰ علیہ السلام کو اپنا منتظر پایا۔ جبرئیل امین ایک لحہ پہلے آسمان کی بلندیوں پر پر کشا نظر آتے تو دوسرے لمحے بارگاہ رسالت میں دست بستہ بیٹھے ہوئے حاضر دکھائی دیتے۔ لیکن ان امور کو ہر آدمی تسلیم نہیں کرتا صرف انہیں سعید روحوں کو یہ استعداد بخشی جاتی ہے جو ان حقائق کو سمجھتے بھی ہیں۔ تسلیم بھی کرتے ہیں اور ان پر یقین بھی رکھتے ہیں۔

اس کے بعد علامہ نے ایک مستقل فصل تحریر کی ہے۔ جس میں انہوں نے اس حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے کہ ساری روحوں کی حالت یکساں نہیں ہوتی۔ بلکہ قوۃ اور ضعف، کبر اور صغر کے اعتبار سے ہر ایک کا رتبہ الگ الگ ہوتا ہے۔ عظیم اور کبیر روحوں کا مقام اتنا بلند ہوتا ہے جس کو ان سے کم درجہ والی روحیں نہیں پا سکتیں روحوں کے درمیان یہ تفاوت ہم اس مادی جہاں میں بھی مشاہدہ کرتے رہتے ہیں اور جب روح جسمانی علائق اور مادی پابندیوں سے رستگاری حاصل کر لیتی ہے تو اسے تصرف، قوت، ہمت اور اللہ تعالیٰ کے

ساتھ تعلق میں جو مقام نصیب ہوتا ہے وہ ان روحوں کو نصیب نہیں ہوتا۔ جو جسم کے اسی قفس میں قید ہیں اور جنہیں مادی دنیا کی زنجیروں نے جکڑ رکھا ہے۔

عظیم روحیں جب قفس عنصری کو توڑ کر آزاد ہوتی ہیں تو ان کی شان اور علو ہمتی کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا اور ان سے ایسے ایسے کارہائے نمایاں ظہور پذیر ہوتے ہیں جن کا تصور کرنا بھی ہمارے بس کی بات نہیں پھر علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ بارہا لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی ہیں اور انہوں نے کفار و مشرکین کے لشکر جرار کو شکست دی اور ان کو مغلوب و مقہور کر دیا۔ حالانکہ مسلمانوں کی فوج ہر لحاظ سے کمزور تھی۔ علامہ کی عبارت غور سے پڑھیے آپ کا ایمان تازہ ہو جائے گا۔

وَكَمْ رُئِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وَ مَعه اَبُوْبَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْه وَ عُمَر رَضِي اللّٰه عَنْهُ فِيْ النَّوْم قَد هَزَمَتْ ارواحهُم عساكَر الْكُفَارِ وَالظلِمْ فَاذَا بِجُيُوْ شِهِمْ مَغْلُوْبَةٌ مَكْسُوْرَةٌ مَعَ كَثْرَةِ عَدَدِهِمْ وَ عُدَدِهِمْ وَضُعْفِ الْمُسْلِمِيْنَ وَقِلَّتِهِمْ (کتاب الروح ص ۱۲۸)

ان کے علاوہ مصنف نے متعدد دوسرے قول ذکر کیے ہیں جن میں سے بعض سراسر باطل ہیں اور بعض کی کچھ تاویل کی جا سکتی ہے۔ آخر میں علامہ نے لکھا کہ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ ان متعدد اقوال میں سے تمہارے نزدیک راجح قول کون سا ہے جس کے مطابق اعتقاد رکھا جائے۔ تو جواب میں کہا جائے گا کہ ساری روحیں یکساں نہیں۔ ان میں بڑا تفاوت ہے اور اسی تفاوت کی وجہ سے ان کی منزلیں جدا جدا ہیں اور مختلف احادیث میں روحوں کے مختلف ٹھکانوں کا جو ذکر ہے ان میں تضاد نہیں بلکہ مختلف ارواح کے مختلف مقامات ذکر کیے گئے ہیں۔ اس بحث کو سمیٹنے سے پہلے علامہ مذکور لکھتے ہیں کہ روح اور بدن کے احکام اور حالات مختلف ہیں۔ روح جنت میں ہونے کے باوجود اپنی قبر سے اور اس میں

مدفون اپنے بدن سے اتصال رکھتی ہے اور اوپر جانے اور نیچے اترنے میں۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچنے میں اس کی سرعت رفتار کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا اور اس کی چار قسمیں ہیں۔

روح کی اقسام بلحاظ صفات

۱-آزاد روحیں، ۲-مقید روحیں، ۳-علوی روحیں، ۴-سفلی روحیں۔

وَاِنَّ لَهَا شَأْنًا غَيْرُ شَانِ الْبَدنِ وَانهامع كونها فى الجنة فهى فى السماء وَ تَتَّصِلُ بِفِنَاءِ الْقَبْرِ وبالبدنِ فِيه وهى اَسْرَعُ شَيْءٍ حَرْكَةً وَاِنتِقَالًا وَصَعُوْداً و هبوطاً وَاِنَّهَا تَنْقَسِمُ الى مُرْسَلَةٍ وَ مَحْبُوْسَةٍ وَ عَلَوِيَّة وَسفلية (کتاب الروح ص ۱۴۴)

احادیث صحیح کثیرہ سے یہ ثابت ہے کہ صاحب مزار اپنے زائر کو پہچانتا ہے اور اس کی آواز سنتا ہے ان میں چند حدیثیں پیش کی جاتی ہیں۔

۱- اخرج الشيخان وغيرهما من طريق قتادة عن انس قال قال النبى صلى الله تعالى عليه وآله وسلم اِنَّ الْعَبْدَ اذَا وُضِعَ فِيْ قَبْرِهِ وَتَوَلّٰى عَنْهُ اَصْحَابُهُ اِنَّهُ يَسْمَعُ قَرْعَ نِعالِهِم (متفق علیہ)۔

امام بخاری، امام مسلم اور دیگر محدثین نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندے کو اس کی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے دوست دفن کرنے کے بعد واپس لوٹتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔

حضرت ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ جب میت کو اس کی قبر میں رکھا جاتا ہے تو وہ اسے دفن کر کے واپس پلٹنے والوں کی جوتیوں کی آہٹ سنتی ہے"۔

۳-اخرج ابن ابی الدنیا فی کتاب القبور عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم مَا مِنْ رجلٍ یزور قبرا خیه و یجلسُ عنده الا استأنس وردّ علیه حتی یقومَ۔

"حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جب کوئی اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کے لئے جاتا ہے اور اس کے پاس بیٹھتا ہے تو صاحب مزار کو اس سے بڑی راحت ہوتی ہے اور وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے"۔

۴- عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال اذا مرّالرجل بِقَبْرٍ یعرفه فسَلَّم علیه ردّ علیه السلام وَعَرَفَهٗ واذا مربقبرلَا یعرفه فسلم علیه ورد علیه السلام (البیہقی)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنے جاننے والے کی قبر پر آتا ہے اور اسے سلام کہتا ہے تو صاحب مزار اس کے سلام کا جواب بھی دیتا ہے اور اسے پہچانتا بھی ہے۔ اور اگر کسی ایسے شخص کے مزار پر آتا ہے جس سے جان پہچان نہیں تھی اور اسے سلام کہتا تو قبر والا اس کے سلام کا جواب دیتا ہے"۔

۵- بعینہ یہی الفاظ ابن عبدالبر نے بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کئے ہیں۔

علامہ ابن قیم کی تحقیق کا خلاصہ

یہ احادیث اور ان کے علاوہ متعدد کئی احادیث نقل کرنے کے بعد علامہ ابن قیم نے سماع موتی کے متعلق اپنی تحقیق کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے لکھتے ہیں والسلف يُجْمِعُوْنَ عَلٰى هٰذَا وَقَدْ تَوَاتَرَتِ الْاٰثَارُ عَنْهُمْ بِاَنَّ الْمَيِّتَ يَعْرِفُ زِيَارَةَ الْحَيِّ لَهُ وَ يَسْتَبْشِرُ بِهٖ۔ یعنی سلف صالحین کا سماع موتی پر اجماع ہے اور اتفاق ہے۔ ان سے درجہ تواتر تک ایسی روایات مروی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ میت کی زیارت کے لئے جب کوئی شخص آتا ہے تو میت کو اس کی آمد کا علم بھی ہوتا ہے اور اس سے اسے بڑا سرور حاصل ہوتا ہے۔

علامہ عثمانی نے فتح الملہم شرح صحیح مسلم میں اس مسئلہ کی خوب تحقیق کی ہے متعدد احادیث اور اقوال علماء تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ وَالَّذِيْ يَحْصُلُ لَنَا مِنْ مَجْمُوْعِ النُّصُوْصِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ اَنَّ سَمَاعَ الْمَوْتٰى ثَابِتٌ فِي الْجُمْلَةِ بِالْاَحَادِيْثِ الْكَثِيْرَةِ الصَّحِيْحَةِ (فتح الملهم) یعنی ان متعدد روایات سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ صحیح اور کثیر التعداد احادیث سے سماع موتی کا مسئلہ ثابت ہے "وَاللّٰهُ اَعْلَمُ" یہ ثابت کرنے کے بعد کہ میت سنتی ہے علامہ مذکور نے ان آیات کا مفہوم واضح کیا ہے جن سے بظاہر سماع موتی کی نفی سمجھی جاتی ہے۔

افعال کی اقسام

وہ مولانا محمد قاسم صاحب کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ افعال کی دو قسمیں ہیں (۱) افعال عادیہ یعنی جن کا وقوع عادت کے مطابق اسباب و علل کے پائے جانے سے ہوتا ہے۔ مثلاً کسی نے کسی پر بندوق سے فائر کیا اور وہ مر گیا ایسے افعال کی نسبت اس بندوق چلانے والے کی طرف کی جاتی ہے۔ (۲) افعال غیر عادیہ: جو ظاہری اسباب و علل کے پائے جانے کے بغیر وقوع پذیر ہوتے ہیں جیسے کسی نے کنکریوں کی مٹھی پھینکی اور ایک لشکر جرار کو شکست دے دی ایسے افعال کی نسبت اس ظاہری فاعل کی طرف نہیں کی جاتی بلکہ براہ راست اللہ کی طرف کی جاتی ہے جیسے مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔

یہاں بھی میت زیر زمین دفن ہے۔ اس کے اوپر منوں مٹی کا انبار لگا ہے نہ وہاں ہوا کا گزر ہے اور نہ روشنی کا۔ آواز کو کسی تک پہنچانے کا ظاہری سبب ہوا ہے جو یہاں مفقود ہے۔ اس لئے اگر میت سنتی ہے تو اس کو سنانے والا وہ زائر نہیں کیونکہ ہوا کے فقدان کے باوجود آواز کو سنا دینا کسی انسان کے بس کا روگ نہیں۔ چنانچہ ان آیات میں اس بات کی نفی نہیں کی گئی کہ میت نہیں سنتی بلکہ اس کی نفی کی گئی ہے کہ تم نہیں سنا سکتے مَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ لیکن اس سے یہ تو ہرگز ثابت نہیں کہ جسے تم نہیں سنا سکتے اسے خداوند عالم بھی نہیں سنا سکتا۔ اس کی قدرت اسباب وعلل کی محتاج نہیں وہ جو چاہتا کرتا ہے۔

سید انور شاہ صاحب کا نکتہ نظر

سید انور شاہ صاحب کشمیری فیض الباری شرح صحیح بخاری میں رقم طراز ہیں۔

وَ لَهٗ جَوَابٌ اٰخَرُ وَ هُوَ اِنَّ الْمَنفِيَّ فِي الْاٰيَةِ هُوَ الْإِسْمَاعُ دُوْنَ السَّمَاعِ (فیض الباری ص ۴۷ ج ۲)

علامہ موصوف اسی کتاب کی اسی جلد کے صفحہ ۴۶۷ پر اپنا عقیدہ تحریر فرماتے ہیں:

اَقُوْلُ:- وَالْاَحَادِيْثُ فِيْ سَمْعِ الْاَمْوَاتِ قَدْ بَلَغَتْ مَبْلَغَ التَّوَاتُرِ فِيْ حَدِيْث صححه اَبُوْ عَمْرٍو اِنَّ اَحَدًا اِذَا سَلَّمَ عَلَى الْمَيِّتِ فَاِنَّهٗ يَرُدُّ عَلَيْهِ وَ يَعْرِفُهٗ اِنْ كَانَ يَعْرِفُهٗ فِي الدُّنْيَا۔

"میں (سید انور شاہ) کہتا ہوں کہ سماع موتی کے ثبوت کے لئے اتنی احادیث ہیں جو درجہ تواتر کو پہنچ چکی ہیں اور حدیث صحیح میں ہے کہ جب کوئی شخص میت کو سلام دیتا ہے تو وہ اس کا جواب دیتی ہے اور اگر صاحب مزار اس کو دنیا میں پہچانتا تھا تو اب بھی وہ اس کو پہچان لیتا ہے"۔

اکابر علماء دیوبند کی تصریحات کا مطالعہ آپ نے فرمالیا معلوم نہیں اب ان کے شاگرد اور ان کے پیروکار اپنے ان بزرگوں کے عقیدہ کے برعکس سماع موتی کا انکار کیوں کرتے ہیں اور اولیاء کرام کے مزارات پر انوار پر حاضر ہونے والوں پر کفر و شرک کا فتویٰ کیوں

لگاتے ہیں۔

بعض علماء کرام نے فرمایا ہے کہ آیات میں مطلق سماع کی نفی نہیں بلکہ ایسے سماع کی نفی ہے جو مفید اور نفع رساں ہو امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

سِمَاعُ مَوْتٰی کَلَامُ الْخَلْقِ قَاطِبَۃً
قَدْصَحَّ فِیْھَا لَنَا اَلْاٰثَارُ بِالْکُتُبِ
وَاٰیَۃُ النَّفِیْ مَعْنَاھَا سِمَاعُ ھُدًی
لَا یَسْمَعُوْنَ وَلَا یَصْغُوْنَ لِلْاَدْبِ

میت کا لوگوں کے کلام کو سننا صحیح دلائل سے ثابت ہے اور جن آیات میں سنانے کی نفی کی گئی ہے اس سے مراد ایسا سنانا ہے جو ہدایت کا باعث اور نفع رساں ہو۔

جنگ بدر میں جب بڑے بڑے مشرکین مکہ ہلاک ہو گئے تو ابوجہل، عتبہ وغیرہما مشرکین کی لاشیں ایک گڑھے میں پھینک دی گئیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وہاں تشریف لائے اور ایک ایک کا نام لے کر فرمایا یافلاں بن فلاں، یافلاں بن فلاں ھَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَکُمْ رَبُّکُمْ حَقًّا فَاِنِّیْ وَجَدْتُ مَا وَعَدَنِیْ رَبِّیْ حَقًّا؟۔ اے فلاں بن فلاں، اے فلاں بن فلاں! ذلت اور عذاب کا جو وعدہ تمہارے رب نے تمہارے ساتھ کیا تھا اس کو تم نے سچا پالیا؟ بے شک میرے رب نے نصرت و کامرانی کا جو وعدہ میرے ساتھ فرمایا تھا میں نے تو اسے سچا پالیا۔ قَالَ لَہٗ عُمَرُ رضی اللہ عنہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! مَا تُخَاطِبُ مِنْ اَقْوَامٍ قَدْ جِیْفُوْا۔ حضرت عمر نے عرض کی یارسول اللہ! آپ ایسے لوگوں کو خطاب فرما رہے ہیں جو بے جان لاشے ہیں۔ فَقَالَ وَالَّذِیْ بَعَثَنِیْ بِالْحَقِّ مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ لِمَا اَقُوْلُ مِنْھُمْ وَلٰکِنَّھُمْ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ جَوَابًا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا میری بات تم ان سے زیادہ نہیں سن رہے لیکن وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔

اس حدیث سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان تو مسلمان کفار و مشرکین کے

مردے بھی سنتے ہیں۔

سماع موتی کے منکرین نے اس حدیث کے جواب میں کہا ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس حدیث کی تاویل کی ہے، اس لئے یہ حدیث اس مسئلہ کی دلیل نہیں بن سکتی حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ جمہور محدثین نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس تاویل کو قبول نہیں کیا۔ بلکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کو قبول کیا ہے کیونکہ اسے بہت سے صحابہ کی تائید حاصل ہے جو خود اس موقع پر بارگاہ رسالت میں حاضر تھے اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا وہاں موجود نہ تھیں۔

نیز ام المومنین نے سماع موتی کی نفی اس آیت سے (اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی) جو استدلال کیا ہے اس کا جواب جمہور محدثین نے بایں الفاظ دیا ہے۔

اَمَا اسْتِدْلَا لُهَا بقوله تعالی اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی فَقَالُوْا مَعْنَاهَا لا تسمِعُهُمْ سِمَاعًا يَنْفَعُهُمْ اَوْلَا تُسْمِعُهُمْ اِلَّا اَنْ يَشَاءَ اللّٰهُ

''یعنی تم ان کو کوئی ایسی بات نہیں سنا سکتے جو انہیں نفع پہنچائے یا تم خود اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر انہیں کچھ نہیں سنا سکتے''۔

کتب احادیث میں ایسی روایات بھی ملتی ہیں جن سے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اس مسئلہ سے رجوع ثابت ہوتا ہے ان میں سے ایک روایت وہ ہے جو ابن اسحاق نے المغازی میں یونس بن بکیر سے بسند جید نقل کی ہے جس کے الفاظ بعینہ حدیث ابی طلحہ جیسے ہیں۔

وَ مِنَ الْغَرِيْبِ اَنَّ فِی الْمَغَازِیْ لِاِبْنِ اسحاق رواية يونس بن بكير باسناد جيدٍ عن عائشة رضی الله عنها مثل حديث ابی طلحه و فِيْهِ مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ لِمَا اَقُوْلُ مِنْهُمْ (یعنی جو میں کہہ رہا ہوں اسے تم ان سے زیادہ نہیں سن سکتے۔

اس کے علاوہ علامہ ابن عبدالبر نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث

روایت کی ہے۔

قَالَ یُرْوٰی مِنْ حَدِیْثِ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهَا اَنَّهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ رَجُلٍ یَزُوْرُ قَبْرَ اَخِیْهِ فَیَجْلِسُ عِنْدَهٗ اِلَّا اسْتَاْنَسَ بِهٖ حَتّٰی یَقُوْمَ۔

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کے لئے جاتا ہے اور اس کے پاس بیٹھتا ہے تو صاحب مزار کو اس سے بڑی تسکین اور راحت حاصل ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ وہاں سے اٹھ جائے۔ اس روایت سے بھی حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا رجوع ثابت ہوتا ہے''۔ (ضیاء القرآن شریف)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عمل بھی اس بات کی تائید کرتا ہے کہ آپ قبروں میں اہل قبور کی زندگی کی قائل تھیں جس طرح صحیح روایت سے ثابت ہے کہ جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہوئے اور آپ کو حجرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں دفن کر دیا گیا اور حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دوسری جگہ منتقل ہو گئیں تو آپ کا یہ معمول تھا کہ آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مزار پر سلام عرض کرنے کے لئے حاضر ہوتیں تو اوڑھنی کا زیادہ اہتمام نہ کرتیں۔ آپ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی وہاں دفن کر دیا گیا پھر بھی آپ حاضری کے وقت اوڑھنی کا اہتمام نہ فرماتیں لیکن جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وہاں دفن کیا گیا تو پھر آپ بڑے اہتمام کے ساتھ سر اوڑھنی سے ڈھانپ کر حاضر ہوتیں۔ کسی نے عرض کی کہ آپ پہلے بغیر پردہ کئے روضہ انور پر حاضری دیتی تھیں اب پردہ کر کے آتی ہو اس کی وجہ کیا ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ پہلے دونوں ہستیاں میری محرم تھیں ایک میرے سرتاج خاوند تھے اور دوسرے میرے والد گرامی تھے جن سے پردہ نہیں تھا اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدفون ہیں اور وہ غیر محرم ہیں۔ اس لئے میں پردہ کر کے حاضر ہوتی ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ حیات قبور کی

قائل تھیں کیونکہ پردہ زندوں سے ہوتا ہے مردوں سے نہیں ہوتا۔

حضور سیدی ضیاء الامۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مزید لکھا ہے۔

علامہ عثمانی نے سماع موتی کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ محمود الآلوسی صاحب سے روح المعانی کی یہ عبارت بھی نقل کی ہے۔ قَالَ العلامۃ الالوسی البغدادی وَالْحَقُّ اَنَّ الْمَوْتٰی یَسْمَعُوْنَ فِی الجملۃ تو حق یہ ہے کہ مردے یقیناً سنتے ہیں اور اس کی حقیقت کو اللہ بہتر جانتا ہے۔ (فتح الملہم ص ۹-۲۷۸ ج ۲)

علامہ ابن کثیر نے بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کو صحیح فرمایا ہے۔ کیونکہ اس کی تائید دیگر شواہد کثیرہ سے ہوتی ہے۔ والصحیح عند العلماء روایۃ عبداللہ بن عمر لما لھا من الشواھد علی صحتھا من وجوہ کثیرۃ

علامہ ابن کثیر اپنی شہرہ آفاق تفسیر میں اس آیت کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر ص ۴۳۸)

وَالسَّلَفُ مُجْمِعُوْنَ علی ھٰذا و قد تواترت الآثار عنھم بِاَنَّ الْمَیِّتَ یَعْرِفُ بزیارۃ الْحَیِّ لَهٗ وَیستبشر۔ (یعنی سلف صالحین کا اس بات پر اجماع ہے اور متواتر روایات سے ثابت ہے کہ میت اپنے زیارت کرنے والے کو پہچانتی ہے اور اس سے خوش ہوتی ہے۔ (منقول از ضیاء القرآن)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾ (الروم)

اس بات کی واضح دلیل ہے کہ زیر بحث آیت میں موتی سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دل مر چکے ہیں اور الصم سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دل کے کان حق بات سننے سے بہرے ہو چکے ہیں اور العمی (اندھے) سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کی آنکھیں نور حق سے اندھی ہو چکی ہیں اور سماع سے مراد فقط سننا نہیں بلکہ وہ سننا ہے جو سودمند اور نفع بخش ہو

چنانچہ علامہ قرطبی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ای وَضَحَتَ الْحُجَجَ یا محمد (صلی اللّٰہُ علیک وسلم) ولکنهم لِاِلْفِهِمْ و تقلید الاسلاف فی الکفر ماتت عقولهم و عمیت بصائرهم فلا یتھیّألک اسماعهم و هدایتهم و هذا رَدٌّ علی القدریة (القرطبی)

''یعنی اے محبوب! آپ نے حق کو دلائل کے ساتھ واضح کر دیا ہے لیکن وہ اپنے گمراہ اور مشرک آباء واجداد کی اندھی تقلید میں اتنے مگن ہیں کہ ان کی عقلیں مرچکی ہیں۔ ان کی بصیرت اندھی ہوگئی ہے۔ پس آپ نہ ان کو سنا سکتے ہیں اور نہ ہدایت دے سکتے ہیں ان آیات سے قدریہ کی تردید ہوتی ہے''۔

اگر نہ بیند بشب تیرہ چشم
روز روشن را چشم آفتاب راچہ گناہ

آخر میں دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور ضیاء الامت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے جنت الفردوس میں درجات کو بلند سے بلند فرماتا رہے جنہوں نے بڑی ہی عرق ریزی اور جانفشانی کے ساتھ حقیقت واضح کرنے کی کوشش فرمائی ہے اور جس شرح وبسط کے ساتھ ان آیات کا مفہوم واضح فرمایا ہے یہ ان ہی کا حصہ ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر عظیم عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

- **واللّٰہ تعالیٰ اعلم بالصواب — فاطر السموات والارض انت ولی فی الدنیا والاخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین — ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم**

اللهم صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلهم

وما توفیقی الا باللّٰہ و علیہ توکلت و الیہ انیب

ستتر واں وعظ

عظمت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلوٰة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين محمدن المصطفى رحمة للعالمين و على آله الطيبين الطاهرين و على ازواجه الطاهرات امهات المؤمنين و على سائر الصحابة والتابعين اجمعين

اما بعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿١٧﴾ الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ﴿١٨﴾ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ﴿١٩﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿٢٠﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿٢١﴾

"اور دور رکھا جائے گا اس سے وہ نہایت پرہیزگار جو دیتا ہے اپنا مال اپنے (دل) کو پاک کرنے کے لئے۔ اور اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ اسے دینا ہو۔ بجز اس کے کہ وہ اپنے برتر پروردگار کی خوشنودی کا طلبگار ہے۔ اور وہ ضرور (اس سے خوش ہوگا)"۔ (سورۃ الیل، جمال القرآن)

یہ آیات طیبات سورۃ اللیل کی ہیں اور یہ ان سورتوں میں سے ہے جو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بطور تقابل ذکر فرمایا ہے کہ ایک طرف اشقی ہے جس کا طریقۂ کار حق کی تکذیب اور اسلام سے روگردانی ہے۔ اس کے مدمقابل وہ شخص ہے جو تقویٰ اور پارسائی میں اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہے جو دعوت حق کو کامیاب کرنے کیلئے بصد مسرت اپنا سارا مال و متاع قربان کرنے کے لئے آمادہ ہوتا ہے۔ دونوں کا انجام یکساں نہیں ہوسکتا ان کے انجام میں اتنا ہی بعد ہے جتنا ان کے فکر و عمل میں تفاوت ہے۔

حضور ضیاء الامت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان آیات کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اقلیم تقویٰ و پارسائی کا یہ تاجدار اپنا مال جس دریا دلی سے خرچ کر رہا ہے وہ کسی کا احسان اتارنے کے لئے نہیں۔ کسی کی نیکی اور حسن سلوک کا معاوضہ ادا کرنے کے لئے نہیں، اس کی نیت ان تمام آلائشوں سے پاک ہے، اس کے پیش نظر فقط ایک ہی مقصد ہے اور اس کے حصول کے لئے وہ اپنی متاع جان و مال تک قربان کرنے کے لئے بےتاب ہے اور وہ مقصد فقط اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی ہے۔

حضرت سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حلقہ عقیدت میں داخل ہونے والے سب ان ہی صفات سے متصف تھے اور ان کی اعلیٰ ترین مثال حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمل سے ملتی ہے۔ ہجرت سے پہلے وہ اپنی دولت نومسلم غلاموں اور کنیزوں کو ان کے کافر آقاؤں سے خرید کر آزاد کرنے میں صرف کرتے رہے۔ جب سفر ہجرت میں سید المرسلین کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا تو گھر میں جتنا روپیہ تھا ساتھ لے لیا۔ ہجرت کے بعد جہاد کے لئے جب بھی سرمائے کی ضرورت ہوئی تو اس میں سب سے بڑھ کر حصہ لیا۔ غزوہ تبوک کے موقع پر اپنے گھر کا سارا اثاثہ اپنے محبوب کے قدموں میں لا کر ڈھیر کر دیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ ابوبکر اپنے گھر میں بھی کچھ چھوڑ آئے ہو؟ عرض کیا آپ کا نام اور آپ کے پروردگار کا نام چھوڑ کر آیا ہوں۔

ان آیات کے شان نزول کے بارے میں حضرت ابن عباس سے یہ قول مروی ہے کہ جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کیا تو ان کے مالک امیہ بن خلف نے ان کو طرح طرح سے ستانا شروع کیا۔ ایک روز وہ آپ کو اذیت دے رہا تھا۔ آپ پر غشی طاری تھی۔ اس وقت بھی آپ کی زبان پر اَحَد اَحَد جاری تھا۔ اسی اثناء میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا۔ فرمایا اَحَدٌ يُنْجِيكَ۔ جس احد کا نام تم لے رہے ہو وہی تمہیں اس ظلم سے نجات دے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر سے حضرت بلال کی کیفیت بیان کی۔ راز دان نبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدعا کو فوراً تاڑ گئے۔ اسی وقت گھر آئے اور نصف سیر سونا لے کر امیہ بن خلف کے پاس پہنچے اور کہا کیا تو بلال کو بیچنا

چاہتا ہے۔اس نے ہاں میں جواب دیا۔آپ نے منہ مانگی قیمت ادا کر کے انہیں خریدا اور آزاد کر دیا۔اس وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

آپ کے والد ابو قحافہ کو جب علم ہوا کہ ان کا بیٹا ابوبکر کمزور اور نحیف غلاموں کو اور باندیوں کو خرید کر آزاد کرتا ہے۔تو انہوں نے کہا۔میرے بیٹے! تم ضعیف اور کمزور لوگوں کو آزاد کرتے ہو اگر طاقتور اور بہادر غلاموں کو خرید کر آزاد کرتے وہ کسی مشکل کے وقت تمہارے کام آتے۔آپ نے فرمایا۔ اَیْ اَبَتِ اِنَّمَا اُرِیْدُ مَا عِنْدَ اللّٰہِ (ابن کثیر) ابا جان میرا اس سے مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔

یَرْضٰی کا فاعل اللہ تعالیٰ اور صدیق دونوں ہو سکتے ہیں اگر فاعل اللہ تعالیٰ ہو۔تو جملہ کا مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ابوبکر پر راضی ہو جائے گا۔جس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس نے سب کچھ قربان کر دیا ہے اس کی رضا اس کو حاصل ہو جائے گی اور اگر فاعل ابوبکر صدیق ہوں۔تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کا وہ مینہ ابوبکر پر برسائے گا کہ ابوبکر اپنے رب کریم کے لطف و کرم اور جود و عطا کو دیکھ کر خوش ہو جائے گا۔(ضیاء القرآن شریف)

علامہ ابن جوزی علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کہ یہ آیات کریمہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں نازل ہوئیں اور اس میں اس بات کی تصریح ہے کہ آپ ساری امت میں سب سے زیادہ متقی ہیں اور سب سے زیادہ متقی اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا ہے۔اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کی وجہ سے کہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (کہ تم میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے)۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ عزت والا ہی سب سے افضل ہے اس وجہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد الانبیاء افضل ہیں۔کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

ناز صداقت - فخر رفاقت سیدنا صدیق معظم
جان سخاوت - روح مروت سیدنا صدیق معظم

سب سے مکرم۔ سب سے مفضل بعد رسل مخلوق میں افضل

دال ہے اس پر قول نبوت سیدنا صدیق معظم

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وہ اشعار جو احمد بن حجر ہیتمی نے الصواعق المحرقہ میں بیان کئے ہیں وہ بھی آپ کے سب سے پہلے اسلام لانے اور سب سے زیادہ متقی ہونے پر دلالت کرتے ہیں آپ کہتے ہیں۔

اِذَا تَذَکَّرْتَ شَجْوًا مِنْ ثِقَۃٍ
فَاذْکُرْ اَخَاکَ اَبَابَکْرٍ بِمَا فَعَلَا
خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ اَتْقَاھَا وَاَعْدَلَھَا
اِلَی النَّبِیِّ وَ اَوْفَاھَا بِمَا حَمَلَا
وَالثَّانِیْ التَّالِیْ الْمَحْمُوْدُ مَشْھَدُہٗ
وَ اَوَّلُ النَّاسِ مِنْھُمْ صَدَّقَ الرُّسُلَا

"جب تو کسی ثقہ آدمی کے درد عشق کا ذکر کرے تو تو اپنے بھائی ابوبکر کا ذکر کر بسبب اس کے جو اس نے کیا تمام مخلوق سے زیادہ متقی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سب سے زیادہ عدل کرنے والے تھے اور جو ذمہ داریاں ان کے سپرد تھیں انہیں پوری طرح ادا کرنے والے تھے۔ اور دوسرا وہ جو پیروی کرنے والا تھا جس کی حاضری قابل ستائش تھی اور تمام لوگوں سے اول تمام رسولوں کی تصدیق کرنے والے تھے"۔

صدیق اکبر کی مروت اور جان و مال کی قربانی

ابن ابی حاتم اور طبرانی نے کہا کہ سات آدمیوں کو آپ نے خرید کر آزاد کیا، جن کو اللہ تعالیٰ کی توحید اور محبت رسول میں عذاب دیا جاتا رہا۔ وہ رحمدل اور کریم النفس ابوبکر جس نے اپنے غریب مومن بھائی بہنوں کو ان کے ظالم آقاؤں کے ظلم و ستم کی چکی میں پستے دیکھ کر اپنی جیب سے قیمت ادا کر کے خریدا اور پھر آزاد کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ مژدہ رحمت

سنایا کہ وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿١٧﴾ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰى ﴿١٨﴾۔

ان لوگوں میں حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ جیسا سچا عاشق رسول بھی ہے تو عامر بن فہیرہ جیسا زیرک بھی علاوہ ازیں زنیرہ، نہدیہ اس کی بچی اور ام عبیس جیسی پاک دامن بیبیاں بھی شامل ہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان رفیع کا اندازہ کون کرسکتا ہے جن کے ایمان کی شہادت قرآن نے دی۔ جن کی صداقت پر مہر تصدیق قرآن نے ثبت کی۔ جن کا تقویٰ وطہارت کا ذکر جمیل قرآن نے کیا جن کے اخلاص ووفا کا تذکرہ قرآن نے کیا جن کی رضا وخوشنودی کا اعلان قرآن نے کیا۔ جن کی صحبت کو اذیقول لصاحبه کے پرشکوہ الفاظ کے ذریعے قرآن نے بیان کیا۔ اور جن کی بے مثال جانی ومالی قربانیوں کی لازوال داستانیں خود قرآن اور صاحب قرآن نے بیان فرما دیں۔ انسان کو تین چیزیں سب سے زیادہ عزیز اور پیاری ہوتی ہیں۔ جان، اولاد، اور مال۔ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان میں سے ہر ایک کو محبوب کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کردیا۔ اور جب بھی جان، مال، اولاد اور محبت رسول میں سے کسی ایک کے انتخاب کی باری آئی تو صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ترجیح دے کر عشاق کے لئے اک نمونہ پیش کردیا۔ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کئی مرتبہ اپنی جان کو محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کیا۔ اسی وجہ سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آپ کو اَشْجَعُ النَّاسِ کہا کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں میں سب سے زیادہ شجاع اور بہادر ہے۔ کیونکہ ہر مشکل موقع پر اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سلطان دوجہاں کی حفاظت کی۔

اولاد کی باری آئی تو صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی پیاری بیٹی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آپ کی بارگاہ میں پیش کردیا۔ غار ثور میں اسماء بنت ابی بکر کو دودھ پہنچانے کی سعادت حاصل رہی۔ اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے قبول اسلام سے پہلے ایک جنگ میں آپ ان کی تلوار کی زد میں آئے۔ لیکن وہ باپ سمجھ کر تلوار چلانے سے باز رہے بعد

ازاں اپنے والد گرامی کی خدمت میں عرض کی ایک مرتبہ آپ میری تلوار کی زد میں آ گئے تھے مگر میں نے باپ سمجھ کر چھوڑ دیا تھا۔ تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا اے میرے بیٹے! اگر اس زمانے میں تو میری تلوار کی زد میں آتا تو میں تجھے کبھی نہ چھوڑتا اس لئے کہ تو میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن تھا۔

یہ اسی وجہ سے تھا کہ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اولاد کی محبت پر فائق ہے۔

اب آیئے دیکھیں کہ مال کو کس انداز میں صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سلطان دو جہاں کی بارگاہ میں پیش کیا۔ اور پھر اس مال کو کیسے قبولیت کا درجہ حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مومنین کے لئے سراپا احسان ہے۔ خود پروردگار عالم نے ارشاد فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے مومنین پر احسان فرمایا ان میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرما کر۔

اس سراپا احسان محبوب پر اگر دنیا میں کسی نے بھی احسان کیا تو آپ نے اس احسان کا بدلا دنیا میں ہی دے دیا۔ پوری کائنات میں ایک ابوبکر صدیق ہیں جن کے بارے میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ ابوبکر کے احسانات کا بدلہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دے گا ترمذی شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَ نَايَدٌ اِلَّا وَقَدْ كَافَيْنَاهُ بِهَا مَا خَلَا اَبَابَكْرٍ فَاِنَّ لَهٗ عِنْدَ نَايَدًا يُكَافِيْهُ اللّٰهُ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ - وَ مَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَحَدٍ قَطُّ مَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَبِیْ بَكْرٍ - وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَابَكْرٍ خَلِيْلًا اَلَا وَصَاحِبُكُمْ اَیْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلِيْلُ اللّٰهِ۔

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم پر جس کسی کا احسان تھا ہم نے اس کو پورا کر دیا۔ سوائے ابوبکر کے۔ ابوبکر کے ہم پر ایسے احسانات ہیں جن کا بدلہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دے گا۔ مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں دیا جتنا ابوبکر کے مال نے دیا۔ اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا۔ خبردار تمہارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے خلیل ہیں"۔

کتنے بلند اقبال و بلند بخت ہیں ابوبکر رضی اللہ عنہ جن کے احسانات کا اظہار سلطان دو جہاں نے فرمایا۔ جن کی ذات بھی بارگاہ رسالت میں مقبول ہے۔ تو اولاد بھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاشانہ اقدس کو آباد کرنے والی۔ اور آپ کی خدمت گزار ہے۔ تو اس کے ساتھ ساتھ مال و دولت کی قبولیت کا سرٹیفکیٹ بھی آپ کی زبان مبارک سے عطا فرما دیا گیا۔ اسی بات کو علامہ اقبال نے اپنے انداز میں یوں بیان کیا۔

آں امن الناس برمو لائے ما
آں کلیمے اول سینائے ما
ہمت او کشت ملت را چوں امیر
ثانی اسلام غار و بدر و قبر

مالدار تو دنیا میں بڑے بڑے موجود ہیں۔ مگر کسی کے مال نے اس کی ذات کو نفع دیا کسی کے مال نے اس کی اولاد کو نفع دیا کسی کا مال اس کے والدین کے لئے نفع بخش ہے کسی کا مال اس کے دوستوں کے لئے نفع بخش ہے۔ کسی کا مال اپنے پڑوسیوں اور محلہ داروں کے لئے نفع کا باعث ہے۔ مگر قربان اے صدیق تیرے مقدر کے اوج پر کہ تیرا مال سلطان دو جہاں کے لئے نفع بخش ہے۔ یہی وہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے مقام صدیق اکبر کو دیکھتے ہوئے بڑے بڑے لوگوں کی دستاریں گر جائیں گی۔ مگر مقام صدیق اکبر کی رفعتوں کو چھونا مشکل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کو وہ مال عطا فرمائے جس کو بارگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں قربان ہونے کی سعادت نصیب ہو جائے۔ (آمین) بجاہ طٰہٰ و یٰسین۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مال دیا تو ساتھ ہی بارگاہ محبوب میں پیش کرنے کا سلیقہ بھی دے دیا۔ کئی مرتبہ صدیق نے گھر کا سارا اثاثہ اٹھایا اور محبوب کے قدموں میں پیش کرنے کو سعادت سمجھا۔ دنیا کے سامنے ایک نئی مثال قائم کر دی۔ کہ یوں بھی ہو سکتا ہے کہ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کو اپنے محبوب کی زندگی کے ساتھ وہ نسبت حاصل ہوگئی ہے کہ گویا اس محبوب کی حیات طیبہ کے بغیر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کا تصور ہی ممکن نہیں۔

پروانے کو چراغ اور بلبل کو ہے پھول بس
صدیق کے لئے ہے خدا اور اس کا رسول بس

جب سارا مال اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں قربان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے جانثار صدیق! گھر میں کیا چھوڑا ہے تو صدیق رضی اللہ عنہ نے پورے اطمینان سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ و رسولہ کہ گھر میں اللہ اور اس کے رسول کی برکتوں کو چھوڑا ہے۔

وہ مال بھی کتنا بابرکت ہے جس نے خرچ ہو کر بھی دوام حاصل کر لیا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے نفع بخش ہو کر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لئے خدا اور رسول کے قرب کا ذریعہ اور وسیلہ بن گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث طیبہ میں آپ کے احسانات کا تذکرہ ان الفاظ سے کیا۔

- عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَحِمَ اللّٰهُ اَبَابَكْرٍ زَوَّجَنِي اِبْنَتَهٗ وَ حَمَلَنِيْ اِلٰى دَارِالْهِجْرَةِ وَاَعْتَقَ بِلَالًا مِنْ مَالِهٖ وَ مَا نَفَعَنِيْ مَالٌ فِي الْاِسْلَامِ مَا نَفَعَنِيْ مَالُ اَبِيْ بَكْرٍ۔

"حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ ابوبکر پر رحم فرمائے۔ اس نے اپنی بیٹی کے ساتھ میری شادی کی۔

اور مجھے دارالہجرہ (مدینہ طیبہ) تک پہنچایا اور اپنے مال سے بلال کو آزاد کیا۔ جتنا نفع اسلام میں ابوبکر کے مال نے دیا۔ اتنا کسی کے مال نے نہیں دیا"۔

جب محبت عشق کا روپ دھار گئی اور زندگی کی سب سے بہترین تمنا اور خواہش اَلنَّظْرُ اِلٰی وَجْہِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بن گئی۔ جان و مال اور اولاد کی حیثیت اپنے محبوب کے عشق کے سامنے کچھ نہ رہی تو پھر اس لجپال آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ صلہ ملا کہ ہمیشہ کا ساتھ اور دائمی رفاقت نصیب ہوگئی اور اس زبان پر جس کو وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی ۞ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی فرمایا گیا۔ بقول کے

گفتہ او گفتہ اللہ بود　　　گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

یہ اعلان جاری ہوا۔

مَنْ سَرَّہٗ اَنْ یَنْظُرَ اِلٰی عَتِیْقٍ مِنَ النَّارِ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی اَبِیْ بَکْرٍ

کہ جسے زمین پر دوزخ سے آزاد کئے ہوئے کو دیکھنا پسند ہو وہ ابوبکر کو دیکھ لے۔

اور اس امت میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے کی خوشخبری بھی مل گئی۔ اور محبوب دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو حوض کوثر کا ساتھی قرار دیا۔ حضرت عبداللہ ابن عمر ارشاد فرماتے ہیں۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِاَبِیْ بَکْرٍ اَنْتَ صَاحِبِیْ عَلَی الْحَوْضِ وَصَاحِبِیْ فِی الْغَارِ۔

"کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر کو ارشاد فرمایا کہ آپ میرے حوض کوثر کے رفیق ہوں گے اور آپ میرے یار غار ہیں"۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اَلنَّاسُ کُلُّھُمْ یُحَاسَبُوْنَ اِلَّا اَبَابَکْرٍ کہ تمام لوگوں کا محاسبہ کیا جائے گا۔ سوائے ابوبکر کے اور زبان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یوں جنت کی بشارتیں ملیں کہ کہیں آپ ارشاد فرماتے ہیں۔ ابوبکر فی الجنۃ۔ تو کہیں یوں خطاب کیا جاتا ہے۔ وَجَبَتْ

لَکَ الْجَنَّۃُ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَصْبَحَ مِنْکُمُ الْیَوْمَ مِسْکِیْنًا قَالَ اَبُوْبَکْرٍ اَنَا – قَالَ فَمَنْ تَبِعَ مِنْکُمُ الْیَوْمَ جَنَازَۃً قَالَ اَبُوْبَکْرٍ اَنَا – قَالَ فَمَنْ اَطْعَمَ مِنْکُمُ الْیَوْمَ مِسْکِیْنًا – قَالَ اَبُوْبَکْرٍ اَنَا – قَالَ فَمَنْ عَادَ مِنْکُمُ الْیَوْمَ مَرِیْضاً قَالَ اَبُوْبَکْرٍ اَنَا – فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا اجْتَمَعْنَ فِیْ اِمْرَءٍ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّۃَ وَ فِیْ رِوَایَۃِ عَنْ اَنَسٍ وَ جَبَتْ لَکَ الْجَنَّۃُ۔

”حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے آج کسی نے مسکینی کی حالت میں صبح کی۔ تو ابو بکر نے عرض کی میں نے۔ آپ نے فرمایا تم میں سے کسی نے آج جنازہ میں شرکت کی ابو بکر نے عرض کی میں نے آپ نے فرمایا تم میں سے آج کس نے مسکین کو کھانا کھلایا۔ ابو بکر نے عرض کی میں نے آپ نے فرمایا تم میں سے کس نے آج مریض کی عیادت کی ابو بکر نے عرض کی میں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص میں یہ صفات جمع ہو گئیں وہ جنت میں داخل ہو گیا اور حضرت انس کی بیان کردہ روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تمہارے لئے جنت واجب ہو گئی“۔

صرف یہی نہیں بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں تک فرمایا کہ جنتیوں میں سے نماز پڑھنے والوں کو باب الصلاۃ سے بلایا جائے گا۔ اہل جہاد کو باب الجہاد سے جنت میں داخل ہونے کی دعوت دی جائے گی۔ روزہ دار باب الریان سے داخل ہوں گے۔ اہل صدقہ کو باب الصدقہ سے پکارا جائے گا اور ابوبکر ان خوش نصیب لوگوں میں سے ہوگا جن

کے لئے جنت کے تمام دروازے کھول دیئے جائیں گے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَنْفَقَ زَوْجَیْنِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ نُوْدِیَ مِنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ یَا عَبْدَ اللّٰهِ هٰذَا خَیْرٌ لَکَ فَمَنْ کَانَ مِنْ اَهْلِ الصَّلٰوةِ دُعِیَ مِنْ بَابِ الصَّلٰوةِ وَمَنْ کَانَ مِنْ اَهْلِ الْجِهَادِ دُعِیَ مِنْ بَابِ الْجِهَادِ وَ مَنْ کَانَ مِنْ اَهْلِ الصَّدَقَةِ دُعِیَ مِنْ بَابِ الصَّدَقَةِ قَالَ اَبُوْبَکْرٍ وَ هَلْ یُدْعَی اَحَدٌ مِنْ تِلْکَ الْاَبْوَابِ کُلِّهَا – قَالَ نَعَمْ – وَاَرْجُوْ اَنْ تَکُوْنَ مِنْهُمْ۔

حقیقت یہ ہے کہ جب صدیق خدا اور رسول کا ہو گیا۔ تو خدا اور رسول صدیق رضی اللہ عنہ کے ہو گئے۔ اے امت مسلمہ! اگر تمہیں پھر وہی عروج چاہئے تو اس صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے نقش قدم کو نشان منزل بنا لو کہ بقول حضرت ضیاء الامت علیہ الرحمۃ عزیمت و مردانگی کی راہ میں جس کا ہر نقش قدم کاروان ملت کے لئے خضر راہ ہے۔ جرأت و یقین کی جو قندیلیں راہ عشق و وفا میں آج سے چودہ صدیاں پہلے اس مرد حق آگاہ نے روشن کی تھیں۔ ابتلاء و آزمائش کی کٹھن اور پرخار وادیاں آج بھی ان کی روشنی سے جگمگا رہی ہیں۔ جو سپہر اسلام پر آفتاب بن کر طلوع ہوا اور تا ابد ضو فشانی کرتا رہے گا۔ نگاہ قدرت نے جس کو روز ازل سے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت کیلئے چن لیا تھا۔ جس کی اولوالعزمی نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد سفینہ ملت کو طوفانی موجوں اور خطرناک گردابوں سے نکال کر ساحل مراد تک پہنچایا۔ جس کی ضرب قاہرہ نے نبوت کے جھوٹے مدعیوں کو پاش پاش کر دیا جس کی ایک نگاہ عتاب آلود نے شیطان کے بھڑکائے ہوئے شعلوں کو ہمیشہ کے لئے موت کی نیند سلا دیا۔

عظمت اسلام کو دنیا میں بچایا کس نے
زور ردت کو زمانے سے مٹایا کس نے

اسود عنسی کو مار بھگایا کس نے
طلحہ اسدی کو دور ہٹایا کس نے

اس طرح اللہ تعالیٰ نے سورۃ توبہ میں ہجرت کے موقع پر جو ارشاد فرمایا اس سے بھی سید صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت شان کا اظہار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔

"آپ دوسرے تھے دو سے جب وہ دونوں غار (ثور) میں تھے۔ جب فرمارہے تھے اپنے رفیق کو کہ مت غمگین ہو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔"

(جمال القرآن)

اس آیت میں ہجرت کی رات کے واقعہ کا ذکر ہے جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ تھے اور وہ دونوں غار ثور میں تشریف فرما تھے کفار مکہ ماہر کھوجی کی معیت میں وہاں پہنچے تو صدیق اکبر نے خیال کیا اگر کفار نے نیچے جھانک کر دیکھا تو وہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بیہودگی کا مظاہرہ کریں گے اس لئے گھبرا گئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا اے ابوبکر مَا ظَنُّکَ بِاثْنَیْنِ اَللّٰهُ ثَالِثُهُمَا ان دو کی نسبت تیرا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ تعالیٰ ہو تو اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔ مزید وضاحت آگے ملاحظہ فرمائیں۔

مشکلات راہ دین میں رہنمائی تو نے کی
جب کوئی آفت پڑی عقدہ کشائی تو نے کی
تو انیس جاں، تو اسرار نبوت کا امین
عشق کی کن کن منازل تک رسائی تو نے کی
شامل احوال ہجرت ، یار غار و سر بکف
اک اک فرض وفا کی حق ادائی تو نے کی

اے طبیب دلفگاراں! اے رفیق خستگاں
اے شفیق بے کساں! سب سے بھلائی تو نے کی
قوم کے اذہان پر افکار پر اعمال پر
اپنی سیرت کے سبب فرمانروائی تو نے کی

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاں اور بہت سے اوصاف وکمالات کے اعتبار سے تمام انبیاء سے ممتاز نظر آتے ہیں وہاں آپ اپنے صحابہ کے اعتبار سے بھی منفرد شان رکھتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں نے تب تک آپ کی بلائیں لیں جب تک ان کے پاس اللہ کی نعمتیں آتی رہیں کبھی کسی چیز کا مطالبہ تو کبھی کسی چیز کی خواہش۔ لیکن جب فرعون سے جنگ کی نوبت آئی اور جان کی قربانی پیش کرنے کا لحہ آیا تو انہوں نے برملا کہہ دیا۔

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ۔

"اے موسیٰ تم جاؤ اور تمہارا رب جائے اور جا کے لڑتے رہو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں"۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے سازش کا شکار ہو کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے منصوبے میں یہودیوں کے ساتھ شریک ہو گئے قرآن مقدس فرماتا ہے:

وَ مَکَرُوْا وَ مَکَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۔

کافروں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہلاک کرنے کی خفیہ تدبیر کی اور اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچانے کی خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ بہتر تدبیر فرمانے والا ہے۔

مگر قربان جائیں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں پر جن میں سے ہر ایک ناموس رسالت پر سو جان قربان کرنے کے لئے تیار نظر آتا ہے۔ انہی میں سے ایک ذات سیدنا ابوبکر کی ہے جو ہر لمحے رخ محبوب کا نظارا کرتے ہوئے اعلان کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

اے حسن بے مثال تیری کیا مثال دوں
لاکھوں حسین آپ کے قدموں میں ڈال دوں
دیکھے جو کوئی آپ کو بدنگاہ سے

بدبخت بدنگاہ کی آنکھیں نکال دوں

وہ مجسمہ صداقت محبوب کی ذات میں یوں فنا ہوا کہ عکس جمال یار ٹھہرا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لقب سے ملقب ہوا۔ قرآن نے اس کی محبت ووفا کا تذکرہ ثانی اثنین کہہ کر کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ ھُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔

کہ آپ دوسرے تھے دو سے جب وہ دونوں غار (ثور) میں تھے۔ جب وہ فرما رہے تھے اپنے رفیق کو کہ مت غمگین ہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

سورۃ توبہ کی اس آیت کریمہ میں اس بات کا اظہار مقصود ہے کہ اگر تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کے لئے نہ گئے تو جس خالق کائنات نے ہجرت کے نازک وقت میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد فرمائی تھی وہ اب بھی اس کا مددگار ہے اور اس کی اعانت ونصرت فرمائے گا۔ اس آیت کریمہ میں ایک طرف تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت ورفعت اور شان ومرتبت کا تذکرہ ہے تو دوسری طرف آپ کے یار غار حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بے مثال وفا اور کامل وابستگی کا ذکر جمیل۔

حضرت ضیاء الامت علیہ الرحمہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں واقعہ ہجرت کو بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زانو پر سر مبارک رکھا اور استراحت فرما ہو گئے۔ صدیق کے بخت کی یاوری کا کیا کہنا۔ بے تاب نگاہیں اور بے قرار دل اپنے محبوب کے رخ زیبا کے مشاہدہ میں مستغرق ہے۔ نہ دل سیر ہوتا ہے اور نہ آنکھیں وہ حسن سرمدی وہ جمال حقیقی جس کی دلآویزیوں نے چشم فطرت کو تصویر حیرت بنا دیا تھا آج صدیق کے آغوش میں جلوہ فرما ہے۔ اے بخت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رفعتو! تم پر خاک پریشان قربان اور یہ قلب حزیں نثار! اسی اثناء میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی ایڑی میں سانپ نے ڈس دیا زہر سارے جسم میں سرایت کر گیا لیکن کیا مجال

کہ پاؤں میں جنبش تک ہوئی ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے۔ اپنے یار غار کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر وجہ دریافت فرمائی پھر جہاں سانپ نے ڈسا تھا وہاں اپنا لعاب دہن لگایا جس سے درد اور تکلیف کافور ہو گئی۔ اہل مکہ تلاش میں ادھر ادھر مارے مارے پھر رہے تھے۔ ایک ماہر کھوجی کے ہمراہ پاؤں کے نشان دیکھتے دیکھتے اس غار کے دہانے تک پہنچ گئے۔ جب قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جھک کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ کفار کی ایک جماعت غار کے منہ پر کھڑی ہے۔ اپنے محبوب کو یوں خطرے میں گھرا دیکھ کر بے چین ہو گئے اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر انہوں نے جھک کر دیکھا تو یہ ہمیں پالیں گے۔ حضور رحمت عالمیاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''یَا اَبَابَکْرٍ مَا ظَنُّکَ بِاثْنَیْنِ اَللّٰہُ ثَالِثُهُمَا''

اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! ان دو کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ تعالیٰ ہو یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا اظہار ہے چاہے تو محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان سے گزریں تو وہ بصارت سے محروم کر دیئے جائیں۔ اور والضحیٰ کے مکھڑا پر جمال کا دیدار کرنے سے قاصر رہیں۔ اور چاہے تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی محبتوں کو دیکھتے ہوئے ساری کائنات سے جدا اور علیحدہ کر کے صدیق رضی اللہ عنہ کی حسرت دیدار کو یوں پورا فرما دے کہ درمیان میں کوئی پردہ اور انسان بھی حائل نہ ہو سکے۔ لوگوں کی امانتوں کی حفاظت کے لئے حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا گیا۔ تو اللہ تعالیٰ کی امانت کی حفاظت اور پاسبانی کے لئے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اس روح پرور اور پر کیف منظر کو خدا بھی نگاہ محبت سے ملاحظہ فرما رہا ہوگا۔ محبوب آرام فرما رہا اور صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی نگاہیں چہرہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ٹکا کر پاسبانی کر رہا ہے۔ کسی شاعر نے اس انداز کا بڑا خوبصورت نقشہ کھینچا ہے۔

جھوم رہی ہیں شوخیاں دیدہ نیم باز میں
جاگ رہا ہے پاسبان اور یار ہے خواب ناز میں

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ایک ہی نیکی اور عبادت جو تنہائی میں چہرہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت تھی۔ وہ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ساری زندگی کی نیکیوں سے بڑھ گئی۔ اندھیری رات میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حریم میں جلوہ فرما تھے ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم آسمان کے ستاروں جتنی بھی کسی کی نیکیاں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا ہاں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میرے باپ ابوبکر کی نیکیوں کی کیا کیفیت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قَالَ جَمِيعُ حَسَنَاتِ عُمَرَ كَحَسَنَةٍ وَاحِدَةٍ مِنْ حَسَنَاتِ اَبِي بَكْرٍ (مشکوٰۃ)

عمر رضی اللہ عنہ کی تمام نیکیاں ابوبکر کی ایک نیکی کے برابر ہیں۔

اس ایک نیکی کی قبولیت کا سرٹیفکیٹ صدیق رضی اللہ عنہ کو اللہ کے محبوب نے دے دیا اور اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کا تذکرہ قرآن مقدس میں فرما کر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت ووفا اور صحبت کو دوام نصیب فرما دیا۔ بقول خواجہ فخر الدین سیالوی علیہ الرحمۃ

سرور صادقاں، شہ ابرار
بے گماں افضل صحابہ کبار
ذکر خیرش خدا بقرآں کرد
ثانی اثنین اذ ھما فی الغار

اس بارگاہ ناز سے صدیق رضی اللہ عنہ کے محروم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جب ظلمت کدہ عالم میں رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا چراغ فروزاں ہوا تھا تو مردوں میں سب سے پہلے جو پروانہ وار اس پر سو جان سے قربان ہونے کے لئے آگے بڑھا تھا۔ وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی تو تھا۔ جس نے بارگاہ جمال میں نذرانہ دل پیش کرنے سے

پہلے کوئی معجزہ اور دلیل طلب نہیں کی تھی۔ وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی تو تھا۔ جس نے نگاہ ناز کا اشارہ پاتے ہی بلا تامل نقد جان حاضر کر دی تھی۔ وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی تو تھا۔

جو غار میں ساتھ تھا۔ تو بدر میں بھی ساتھ۔ جو حنین میں ساتھ تھا تو احد میں بھی ساتھ۔

جو حضر میں ساتھ تھا تو سفر میں بھی ساتھ۔ جو زندگی میں ساتھ رہا تو قبر میں بھی ساتھ۔

وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو اس گروہ کا سرخیل اور امام ہے جس گروہ کو رضا و خوشنودی کا مژدہ جانفزا اللہ تعالیٰ نے رضی اللہ عنہم ورضوعنہ جیسے پر کیف الفاظ میں سنایا ان لوگوں کی عظمتوں اور بختوں پر قربان کہ جن کو دنیا میں ہی رضا خداوندی کا پیغام خود خدا نے دیا۔

سورہ زمر میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے صدق اور تقویٰ و طہارت کو ان الفاظ میں بیان کیا۔

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾

"اور وہ جو سچ کے ساتھ تشریف لایا اور وہ جس نے اس کی تصدیق کی۔ یہی متقین (پرہیزگار) ہیں"۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کو علامہ محمود آلوسی نے روح المعانی میں نقل کیا ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس کے راوی ہیں۔

قِیْلَ وَالَّذِیْ جَاءَ بِالصِّدْقِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ، وَ صَدَّقَ بِهٖ اَبُوْبَكْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ۔

"یعنی جاء بالصدق سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور صدق بہ سے مراد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں"۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر یوں بیان کی ہے جس کو صاحب در منثور نے نقل کیا ہے۔

وَالَّذِیْ جَاءَ بِالصِّدْقِ بِالْقُرْآنِ وَالتَّوْحِیْدِ وَ هُوَ مُحَمَّدٌ صَلَّى

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ صَدَّقَ بِہٖ اَبُوْبَکْرٍ وَاَصْحَابُہٗ۔

"مراد یہ ہے کہ سچ لے کر تشریف لانے والے یعنی قرآن اور توحید پہنچانے والے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور تصدیق کرنے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی (صحابہ کرامؓ) ہیں"۔

امیر المومنین حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قسم اٹھا کر فرماتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ اِسْمَ اَبِیْ بَکْرٍ مِنَ السَّمَاءِ الصِّدِّیْق

کہ اللہ تعالیٰ نے ابوبکر کا نام صدیق آسمان سے نازل فرمایا مستدرک للحاکم کی روایت ہے کہ جناب علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ابوبکر وہ شخصیت ہیں جن کا نام اللہ تعالیٰ نے بزبان جبرائیل و بزبان سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم صدیق رضی اللہ عنہ رکھا۔ وہ نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہمارے دین کے لئے پسند فرمایا تو ہم اپنی دنیا کے لئے ان سے راضی ہیں۔ (الصواعق المحرقہ)

ترمذی شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے ثبیر انامی پہاڑ پر جلوہ گر تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ تھے۔

شاعر نے شاید اسی خوبصورت منظر کو اپنے شعر میں بیان کیا۔

اک سمت علیؓ اک سمت عمرؓ

ابوبکر ادھر عثمان ادھر

• تو اسی دوران پہاڑ کانپنے لگا، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہاڑ کو ٹھوکر مار کر ارشاد فرمایا۔

اُسْکُنْ ثُبَیْرًا فَاِنَّمَا عَلَیْکَ نَبِیٌّ وَ صِدِّیْقٌ وَ شَہِیْدَانِ۔

اے پہاڑ رک جا تجھ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم صدیق رضی اللہ عنہ اور دو شہید ہیں۔

(صفحہ ۵۲۶ پر)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان سچا ثابت ہوا کیونکہ صدیق سے آپ کی مراد ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے اور شہیدان سے مراد حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ہمیں ان نفوس قدسیہ کے نقوش پا پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کی محبت ہمارے دلوں میں راسخ فرمائے آمین ثم آمین۔

وما علینا الا البلاغ المبین

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ

اللهم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی ال سیدنا و مولانا محمد و علی اصحاب سیدنا محمد و بارک وسلم علیه

وما توفیقی الا بالله علیه توکلت و الیه انیب

اٹھہتر واں

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ قرآن وحدیث کی روشنی میں

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُبَارِکُ عَلٰی صَفْوَۃِ الْاَنْبِیَاءِ وَ الْمُرْسَلِیْنَ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ رَحْمَۃٍ لِلْعَالَمِیْنَ وَ عَلٰی آلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ وَ عَلٰی اَزْوَاجِہِ الطَّاھِرَاتِ اُمَّھَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَعَلٰی سَائِرِ الصَّحَابَۃِ وَالتَّابِعِیْنَ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُھٰجِرِیْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ وَ اَعَدَّ لَھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا اَبَدًا ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿ (سورۃ توبہ)

"اور سب سے آگے آگے۔ سب سے پہلے پہلے ایمان لانے والے۔ مہاجرین اور انصار سے اور جنہوں نے پیروی کی ان کی عمدگی سے راضی ہو گیا اللہ ان سے اور راضی ہو گئے وہ اس سے اور اسی نے تیار کر رکھے ہیں ان کے لئے باغات بہتی ہیں ان کے نیچے ندیاں ہمیشہ رہیں گے ان میں ابد تک یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔"
(جمال القرآن)

یہ آیت طیبہ سورۃ توبہ کی ہے جو باتفاق علماء کرام مدنی زندگی کے دوران نازل ہوئی اور اس کے مضامین میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا زمانہ نزول ۹ ہجری ہے کیونکہ اس میں غزوہ تبوک کا ذکر بڑی شرح وبسط سے کیا گیا ہے جو ماہ رجب ۹ ہجری میں ہوا۔ اور اسی طرح اس کی یہ بھی دلیل ہے اس سورۃ پاک میں مشرکین سے عام بیزاری اور قطع تعلقات کا اعلان بھی اسی حج کے موقع پر کیا گیا ہے جو ذی الحجہ ۹ ہجری میں ادا کیا گیا۔
اس آیت طیبہ میں مہاجرین وانصار اور ان کے پیروکاروں کے انعام واکرام کا ذکر کیا

گیا۔ حضور ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ نے جس طرح اس کی وضاحت کی ہے اور ضیاء القرآن شریف میں لکھتے ہیں کہ اس میں ان پاک ہستیوں (مہاجرین و انصار) کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے نبی مکرم کی دعوت اس وقت قبول کی جبکہ اس کو قبول کرنا ہزاروں مصیبتوں اور تکلیفوں کو دعوت دینا تھا۔ اس وقت اسلام کی اعانت کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا۔ جب اسلام بڑی بے کسی کی حالت میں تھا۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے ان مخلص، جانباز، اور پاک باز بندوں پر ناز ہے بلکہ ساری انسانیت کو ان پر فخر ہے جنہوں نے حق کو محض حق کے لئے قبول کیا اور اس کو فروغ دینے اور مرتبہ کمال تک پہنچانے کے لئے اپنے وطن چھوڑے، اپنے خونی رشتے توڑے اور اپنے سر کٹائے۔ قرآن بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مخلص، جانباز اور پاکباز بندوں پر راضی ہو گیا اور اس کے ان بندوں نے جب دیکھا کہ ان کے رب کریم نے ان کی ان قربانیوں کو شرف قبول عطا فرمایا ہے تو وہ اس کی شان بندہ نوازی اور ذرہ نوازی کو دیکھ کر راضی ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت کی ابدی نعمتوں سے بھی سرفراز فرمایا اور صرف یہی نہیں کہ وہ خود ہی اس دولت سے۔ خوشنود ہوئے بلکہ قیامت تک جو بھی خلوص و دیانت سے ان کی پیروی کرے گا وہ بھی عنایات ربانی کا مستحق ہوگا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام کی شان ظاہر و باطن کو جاننے والے خدا نے خود اپنی کتاب مقدس میں بیان فرمادی۔ آپ ذرا سوچیں کہ جن کی توصیف وہ خود کرے۔ جن کے ایمان کا وہ خود گواہ ہو جن کے جنت میں جانے کا وہ خود مژدہ سنائے ایسے پاک لوگوں کی شان میں ہمارا کچھ کہنا شیطان کا کتنا خطرناک دھوکہ ہے۔ صحابہ کرام اس لئے تو شمع توحید پر پروانہ وار نثار نہیں ہوتے تھے کہ چودھویں صدی کا بے عمل مسلمان ان کی مدح و ستائش کرے۔ ان کے پیش نظر تو صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی تھی۔ اور وہ انہیں حاصل ہو گئی اگر اللہ کی رضا حاصل ہونے کے بعد ساری دنیا بھی ان کی جناب میں گستاخیاں کرتی رہے تو اس سے ان کا کیا بگڑتا ہے۔ البتہ ان لوگوں کی خرماں نصیبی قابل صد افسوس ہے جو صحابۂ کرام کے

نقش قدم پر چل کر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق بن سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے ادھر سے منہ موڑ کر بلکہ ان لوگوں سے دشمنی کر کے اپنے آپ کو محروم کر دیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے دست کرم سے حقیقی کامیابی کا تاج اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سروں کی زینت بنا رہا ہے۔ اور انہیں رضی اللہ عنہم اور ذٰلک الفوز العظیم کا مژدہ جانفزا سنا رہا ہے۔ (ضیاء القرآن شریف)

مذکورہ بالا آیت طیبہ اور اسی قسم کی بیسیوں آیات میں مہاجرین و انصار کے فضائل و کمالات بیان کئے گئے ہیں اور ان ابدی نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے جن سے انہیں نوازا گیا ہے لیکن اس وعظ میں صرف حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت طیبہ اور ان کے اوصاف و کمالات بیان کرنا مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بصد عجز و نیاز التجا ہے کہ وہ ہمیں ان عظمتوں کو سمجھنے اور ان سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

شان فاروقی

قرآن کریم کی وہ صدہا آیات جن میں مؤمنین، مہاجرین، مجاہدین اور شہداء کی تعریف و توصیف بیان کی گئی ہے ان میں سے ایک یہ مذکورہ بالا آیۃ طیبہ ہے اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی ان تمام تعریفوں اور توصیفوں کے بدرجہ اولیٰ مستحق ہیں۔ آپ ایمان لائے، ہجرت بھی فرمائی۔ جسمانی اور مالی جہاد میں بھی پیش پیش رہے اور جام شہادت بھی نوش فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے جن پاکبازوں اور جانثاروں کے بارے میں اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا (یہی لوگ سچے مومن ہیں) کی شہادت دی ہو۔ اور جنہیں بارگاہ خداوند ذوالجلال سے لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ کا مژدہ جانفزا سنایا گیا ہو ان کی عظمت شان اور رفعت و منزلت کے اظہار کے لئے کسی مزید دلیل کی ضرورت نہیں۔

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی عظمت شان کا ذکر اپنے ارشادات میں کیا ہے۔ میں ان صفحات میں ان ارشادات کو ذکر کرنے کی سعادت حاصل کروں گا جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شان بیان فرمائی ہے۔

تا کہ قارئین کو پتہ چل جائے کہ جس باغبان نے یہ پودا لگایا تھا اس کا اس کے بارے میں کیا خیال تھا جس استاد نے اس کی تربیت کی تھی اسے اپنے اس شاگرد رشید پر کتنا ناز اور فخر تھا۔ جس مرشد کامل نے اپنی نگاہ فیض سے اپنے اس مرید باصفا کا تزکیۂ قلب ونظر کیا تھا اس کی اس کے بارے میں کیا رائے تھی؟ میں یہاں وہی لکھنے کی سعادت حاصل کروں گا جو حضور ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کوثر و سلسبیل کے پانی سے دھلے ہوئے الفاظ میں بیان فرمائی ہے آپ لکھتے ہیں۔

کون فاروق اعظم؟

وہ جسے اللہ تعالیٰ کے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کریم سے دامن دعا پھیلا کر مانگا تھا جس کے مشرف باسلام ہونے سے کفر وشرک کے گھر میں صف ماتم بچھ گئی تھی۔ باطل کے صنم کدوں میں کہرام مچ گیا تھا اسلام کی بے بسی کا دور ختم ہو گیا تھا اور اس کی شوکت وسطوت کے عہد کا آغاز ہوا تھا۔ جو اپنے مرشد کریم کی نگاہ لطف وکرم کا تارا تھا۔ جسے آغوش نبوت نے بڑے اہتمام اور ناز سے پالا تھا جس کی زبان سے حق گویا تھا۔ جس کے دل روشن پر انوار الٰہی کا پیہم نزول ہوا کرتا تھا جس کا سینہ علوم محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتسلیم سے معمور تھا۔ جس کی چشم بصیرت مستقبل کے دھندلکوں میں مستور حقائق کو بے حجاب دیکھ لیا کرتی تھی۔ جس کا نام نامی آج بھی عدل وانصاف، دیانت وامانت، حق گوئی وبے باکی، جرأت واستقامت کا جلی اور زیبا عنوان بن کر چمک رہا ہے۔ اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جس کے ادب ونیاز نے عشق کو نیا ذوق جمال بخشا تھا۔ جس کے فہم رسا اور دانش نورانی نے جہان عقل وخرد کو نئی شادابی اور تازگی ارزانی فرمائی تھی۔ جس کے درے کی ہیبت سے باطل ہر وقت لرزہ براندام رہتا تھا۔ جس کے پیوند لگے لباس کے رعب سے شاہان عالم پر کپکپی طاری رہتی تھی۔ جس گلی سے وہ گزرتا تھا وہاں سے ابلیس بھاگ جاتا تھا۔ جس کی وسیع وعریض سلطنت میں کوئی بھوکا نہیں سوتا تھا جس کا یہ اعلان تھا کہ اگر دجلہ کے دوسرے کنارے پر کوئی کتا بھی بھوکا مرے گا تو عمر سے اس کی باز پرس ہو

گی۔ جس کی رعایا رات کو آرام کرتی تھی اور وہ خود راتوں کو جاگ جاگ کر پہرا دیا کرتا تھا۔
جس کی درویشی اور فقر غیور نے انسانوں کو عزت نفس اور خودداری کا درس دیا تھا۔ حق گوئی و
بے باکی جس کی سرشت تھی وہ خود بھی حق گو تھا اور دوسروں کی حق گوئی سے خوش ہوتا تھا۔ وہ
فاروق اعظم جس کے بارے میں مفکر اسلام فیلسوف مشرق نے وادی بطحا کے نخلستان کو
مخاطب کرتے ہوئے بصد حسرت کہا۔

اے نخیل دشت تو بلند تر
بر نخیزد از تو فاروق دگر

ہاں وہی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ لیکن صد حیف! اس کی قوم اس کو بھولتی جارہی ہے۔
اس سے دور ہوتی جارہی ہے اس کے قدموں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانے کی
بجائے۔ اس منبع نور کی تابانیوں کی تاب نہ لا کر اس سے منہ موڑ رہی ہے جس نسل کو خود پرستی
کی شراب پلائی گئی ہے وہ اس خدا پرست اور خود آگاہ کی عظمتوں کا ادراک کیسے کر سکتی ہے۔
عیش کوشی سہل انگاری سے نڈھال مسافر۔ اس برق رفتار رہبر کا ساتھ دینے سے قاصر ہے۔
دنیا کی عفونتوں پر مکھیوں کی طرح گرنے والے عقاب کی پر کشائی کی قدر دانی نہیں کر
سکتے۔ فسق و فجور کے اندھیروں میں بھٹکنے والے وادی ایمن کا راستہ بھول چکے ہیں۔ بے عملی
کی افیون سے اونگھنے والے ان سدرہ نشینوں سے نفرت نہیں کریں گے تو کیا پیار کریں گے؟
لذت کام و دہن کے اسیر ان چھنے آٹے کی خشک روٹی کھانے والے فاروق کو پسند کریں؟
ناممکن۔ وہ تو آج اس سے پیار کریں گے جو بے راہ روی سکھلائے وہ تو آج اس کو اپنا مرشد
بنائیں گے جو انہیں شریعت کی پابندیوں سے آزاد کر دے۔ وہ آج اسے لیڈر بنائیں گے جو
انہیں جب تک وہ...... بیدار ہیں رقص و سرود میں رکھے جب وہ سو جائیں تو انہیں غفلت کی
میٹھی نیند کے مزے خوب لوٹنے دے۔
زندگی کی بلند چوٹیوں کو سر کرنا تو اب ان کے بس کا روگ نہیں وہ تو اس کو اب اپنا رہنما
تسلیم کریں گے جو انہیں پستی کی طرف آسانی سے پھسلنے کا گر بتائے خواہ وہ پستی ذلت و نکبت

کی پستی کیوں نہ ہو۔ تدبیر اور دور اندیشی اب فرسودہ الفاظ ہیں ان نازک مزاجوں کو ان سے ذہنی غلامی کی بو آتی ہے۔

نظم وضبط سے اب ان کے دل اکتا چکے ہیں سنجیدہ، باوقار اور پرعزم قیادت کی اب انہیں ضرورت نہیں انہیں ہر میدان میں دینی یا سیاسی، اخلاقی یا معاشی شعبدہ بازوں کی ضرورت ہے جو انہیں زندگی کے تلخ حقائق سے غافل رکھنے میں مہارت رکھتے ہوں۔ ہمارے نوجوان جس ڈگر پر چل رہے ہیں کیا ہم انہیں چلنے دیں۔ دوستو! ہرگز نہیں، اس خوف سے کہ وہ برہم وبرافروختہ نہ ہو جائیں انہیں خودکشی کے اس راستہ سے نہ روکیں۔ نہیں دوستو! ہم ایسا نہیں کر سکتے۔

کیونکہ ہم اپنی نسل کو غلط راستے پر چلنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی نظر میں

حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے متعلق اگر کسی خفتہ بخت کو اپنے اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی منظور نہ ہو اور رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گواہی بھی قبول نہ ہو تو وہ اچھی طرح جان لے کہ اللہ تعالیٰ کو بھی اس کی ضرورت نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی اس کی پرواہ نہیں اس کے شبانہ روز واویلا سے ایمان وحکمت کا یہ تابندہ آفتاب گہنا نہیں جائے گا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت کا آغاز فرمایا تو مکہ کے مشرکین نے ایک طوفان برپا کر دیا وہی زبانیں جو پہلے مدح کے پھول نچھاور کیا کرتی تھیں وہ اب طعن وتشنیع کے تیر برسانے لگے وہ نگاہیں جو فرط عقیدت سے راہوں میں بچھی جاتی تھیں ان سے غیظ وغضب سے شعلے لپکنے لگے۔ صلہ رحمی، قرابت داری کے سارے رشتے ٹوٹ گئے۔ جور وجفاء اور ظلم وستم کے ایک کربناک دور کا آغاز ہو گیا۔ مٹھی بھر مسلمان جو نعمت ایمان سے مالا مال ہوتے تھے وہ اہل مکہ کی اجتماعی قوت کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ ہر شخص اپنے اپنے گھر میں عبادت کیا کرتا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اکثر دار ارقم میں تشریف فرما ہوتے اور جان نثار غلام وہیں شرف دیدار سے مشرف ہوتے۔ اگرچہ حضور صلی

اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے سب مخلص تھے۔ اور اپنے محبوب کے ادنیٰ اشارہ پر فرعونیوں سے ٹکرا جانے کے لئے تیار تھے لیکن رحمت عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ان مخلص ساتھیوں کو بلا وجہ اور قبل از وقت غیر ضروری آزمائش میں مبتلا کرنا مناسب خیال نہ فرماتے تھے۔ آئے روز کفار کی زیادتیاں بڑھتی ہی جاتی تھیں۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَارَآى عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اَوْ اَبَاجَهْلٍ بْنَ هِشَامٍ قَالَ اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ دِيْنَکَ بِاَحَبِّهِمَا اِلَيْکَ۔ (طبقات ابن سعد)

"یعنی جب کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمر بن الخطاب یا ابوجہل کو دیکھتے تو اپنے مولا کریم کے حضور میں دعا کرتے۔ اے اللہ ان دونوں میں سے جو تیرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے اس سے اپنے دین کو قوت عطا فرما"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارگاہ الٰہی میں التجا کی۔ اَللّٰهُمَّ اَعِزِّ الْاِسْلَامَ بِعُمَرَ۔

اے اللہ! اسلام کو عمر سے عزت عطا فرما!

دوسری حدیث میں ہے۔

اَللّٰهُمَّ اَيِّدِ الدِّيْنَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ۔

"اے اللہ عمر بن خطاب سے اپنے دین کی مدد فرما"۔ (مستدرک)

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے دل سے نکلی ہوئی دعا کو قبول فرمایا اور قبولیت دعا کی یہ کمند عمر کو ایک دفعہ کشاں کشاں لے آئی اور اسے دارارقم پر لا کھڑا کیا جہاں اللہ تعالیٰ کا حبیب اپنے غلاموں کے ساتھ تشریف فرما تھا۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دروازے پر عمر کھڑا ہے اور گلے میں ننگی تلوار حمائل کئے ہے تو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اپنا دامن دعا بارگاہ خداوند ذوالجلال میں پھیلا دیا اور عرض کی۔

اَللّٰھُمَّ ھٰذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ - اَللّٰھُمَّ اَعِزِّ الدِّیْنَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ۔ (ابن سعد)

"الٰہی یہ عمر دروازے پر کھڑا ہے، میرے مالک عمر کو مشرف باسلام کر اور اس کے مسلمان ہونے سے اپنے دین کو عزت بخش"۔

ادھر زبان مصطفوی سے یہ جملہ نکلا ادھر اللہ تعالیٰ نے عمر کے دل کو نور ایمان سے منور کر دیا۔

عمر بلا اختیار پکار اٹھے۔ اَشْھَدُ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ۔

اے اپنے خون کے پیاسوں کے لئے ہدایت کی دعا مانگنے والے (میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں)۔

مرشد برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر کو اپنے پاس بٹھایا۔ اپنا دست فیض بخش تین مرتبہ ان کے سینہ پر پھیرا اور دعا کی۔

اَللّٰھُمَّ اخْرُجْ مَا فِیْ صَدْرِہٖ مِنْ غِلٍّ وَاَبْدِلْہُ اِیْمَانًا یَقُوْلُ ذٰلِکَ ثَلَاثًا۔ (مستدرک)

"الٰہی اس کے سینے میں جو غل وغش ہے اس کو نکال دے اور اس کے بدلے اس کو نور ایمان سے پر کر دے۔ آپ نے یہ جملہ تین بار دھرایا"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی قسمت پر جتنا ناز کریں کم ہے یہ سعادت ان کے بغیر اور کسی کو نصیب نہ ہوئی۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دامن دعا پھیلا پھیلا کر اپنے رب سے ان کے لئے سوال کیا۔ اور اس لئے اس کو اپنے رب سے مانگا کہ اس کے اسلام لانے سے دین کو عزت وقوت نصیب ہو۔

پھر اپنے پاس بٹھا کر ان کے سینے پر بار بار ہاتھ پھیرا اس کو ہر غل وغش سے اور ہر نوع کی کدورت سے پاک صاف کر دیا اور اس کے پہلو میں ایمان کی شمع فروزاں کر دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے تمام صحابہ نے فرط مسرت اور جوش وخروش سے

نعرہ ہائے تکبیر بلند کئے جن سے بطحا کی وادی گونج اٹھی۔ آج صرف نبی رحمت ہی خوش وخرم نہ تھے صرف صحابہ ہی مسرور نہ تھے بلکہ عالم بالا سے بھی تہنیت کے پیغام آرہے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا اَسْلَمَ عُمَرُ أَتَانِىْ جِبْرَائِيْلُ فَقَالَ اِسْتَبْشَرَ اَهْلُ السَّمَاءِ بِاِسْلَامِ عُمَرَ

(مستدرک طبقات ابن سعد)

"یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب عمر مسلمان ہوئے تو جبرئیل امین میرے پاس آئے اور انہوں نے بتایا کہ عمر کے مشرف باسلام ہونے سے آسمان میں بھی خوشیاں منائی جارہی ہیں۔"

جس مقصد کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائیں مانگی تھیں جس کے راہ راست پر آنے سے زمین وآسمان کے اہل شاداں وفرحاں تھے اس کا نتیجہ فوراً رونما ہوگیا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔

وَاللّٰہِ مَا اسْتَطَعْنَا اَنْ نُصَلِّىَ عِنْدَ الْكَعْبَةِ ظَاهِرِيْنَ حَتّٰى اَسْلَمَ عُمَرُ۔

"بخدا! ہم کعبہ کے پاس کھلے بندوں نماز نہیں پڑھ سکتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت عمر اسلام لائے۔ حضرت صہیب بن سنان سے مروی ہے"۔

قَالَ لَمَّا اَسْلَمَ عُمَرُ ظَهَرَ الْاِسْلَامُ وَدُعِىَ اِلَيْهِ عِلَانِيَةً وَ جَلَسْنَا حَوْلَ الْبَيْتِ حَلَقًا وَ طُفْنَا بِالْبَيْتِ وَانْتَصَفْنَا مِمَّنْ غَلَظَ عَلَيْنَا۔

"جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو اسلام کو غلبہ نصیب ہوا۔ اس کی تبلیغ اعلانیہ شروع ہوئی ہم حلقے باندھ کر کعبہ کے اردگرد بیٹھنے لگے، بیت اللہ کا طواف کرنے لگے۔ اب جو ہم پر زیادتی کرتا ہم اس سے بدلہ لینے کے قابل ہوگئے"۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔

كَانَ اِسْلَامُ عُمَرَ فَتْحًا وَ كَانَتْ هِجْرَتُهُ نَصْرًا وَكَانَتْ اِمَارَتُهُ رَحْمَةً لَقَدْ رَاَيْتُنَا مَا نَسْتَطِيْعُ اَنْ نُصَلِّيَ بِالْبَيْتِ حَتّٰى اَسْلَمَ عُمَرُ وَلَمَّا اَسْلَمَ عُمَرُ قَاتَلَهُمْ حَتّٰى تَرَكُوْنَا فَصَلَّيْنَا۔ (ابن سعد)

"یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا ہمارے لئے فتح مبین تھی آپ کی ہجرت ہمارے لئے نصرت الٰہی تھی آپ کی خلافت سراپا رحمت تھی۔ میں نے وہ دن دیکھے ہیں جب ہم بیت اللہ شریف کے نزدیک نماز ادا نہیں کر سکتے تھے۔ اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے تو آپ نے کفار سے مقابلہ کیا یہاں تک کہ انہوں نے ہمیں نماز پڑھنے کی آزادی دے دی"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہیبت وجلالت سے صرف مکہ کے مشرکوں کا ہی زہرہ آب آب نہ تھا بلکہ ابلیس لعین بھی آپ سے لرزہ براندام رہا کرتا تھا۔ امام بخاری نے اپنی صحیح کی کتاب المناقب میں ایک حدیث نقل کی ہے جس کے آخری الفاظ یہ ہے۔

وَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - اَيُّهَا يَا ابْنُ الْخَطَّابِ وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ مَالَقِيَكَ الشَّيْطَانُ سَالِكًا فَجًّاقَطُّ اِلَّاسَلَكَ فَجًّا غَيْرَ فَجِّكَ۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابن خطاب اس ذات پاک کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ شیطان جس راہ پر آپ کو گزرتے ہوئے پاتا ہے وہ اس راستہ سے ہٹ جاتا ہے اور کسی دوسری راہ پر چلنے لگتا ہے۔ کیا شان ہے عمر کی! کیا جلال خداداد ہے فاروق اعظم کا۔ کہ شیطان اس کے سائے سے بھاگتا ہے جس راہ پر آپ کا نقش پا ثبت ہوا ابلیس کی مجال نہیں کہ ادھر کا رخ کر سکے"۔

اے عمر آپ پر ہزاروں رحمتیں ہوں، تیری سطوت وجلال سے شیطان کے چیلے ہی نہیں باطل کے پرستار ہی نہیں خود شیطان اور سارا باطل تھر تھر کانپ رہا ہے۔

حضرت ایوب بن موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ وَ قَلْبِہٖ وَ ھُوَ الْفَارُوْقُ فَرَّقَ اللّٰہُ بِہٖ بَیْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ۔ (ابن سعد)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے حق کو عمر کی زبان پر جاری کر دیا ہے اور اس کے دل میں ثبت کر دیا ہے، وہ فاروق ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے حق و باطل میں تفریق کر دی ہے''۔

اسی ارشاد گرامی کے ہم معنی ایک حدیث حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ مَرَّ فَتًی عَلٰی عُمَرَ وَ قَالَ عُمَرُ نِعْمَ الْفَتٰی - قَالَ فَتَبِعَہٗ اَبُوْ ذَرٍّ فَقَالَ یَا اَخِیْ اِسْتَغْفِرْ لِیْ فَقَالَ یَا اَبَا ذَرٍّ اَسْتَغْفِرُ لَکَ وَاَنْتَ صَاحِبُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِسْتَغْفِرْ لِیْ قَالَ لَا اَوْ تُخْبِرُنِیْ قَالَ اِنَّکَ مَرَرْتَ عَلٰی عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَقَالَ نِعْمَ الْفَتٰی وَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰہَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ وَقَلْبِہٖ۔ (مستدرک)

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم کے پاس سے ایک نوجوان گزرا آپ نے فرمایا بڑا پاکباز جوان ہے۔ ابوذر اس کے پیچھے گئے اور اسے کہا اے بھائی میرے لئے مغفرت کی دعا مانگو اس نوجوان نے کہا اے ابوذر! کیا میں آپ کے لئے مغفرت کی دعا مانگوں حالانکہ آپ صحابی ہیں ابوذر نے پھر کہا میرے لئے مغفرت کی دعا مانگو۔ اس نے کہا کہ جب تک آپ اس کی وجہ نہیں بتائیں گے میں دعا نہیں مانگوں گا۔ حضرت ابوذر نے کہا کہ جب تم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قریب سے گزرے تو آپ نے تیرے متعلق کہا بڑا پاکباز

جوان ہے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان اور دل پر حق جاری کر دیا"۔

حق گوئی اور حق فہمی اس علم و عرفان کا طبعی ثمر تھا جس کے سمندر آپ کے سینہ میں ٹھاٹھیں مار رہے تھے۔ فاروقی علوم و معارف کا سرچشمہ وہ علم لدنی تھا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حدو بیکراں مرحمت فرمایا تھا۔

حضرت امام بخاری اپنی صحیح کی کتاب المناقب میں روایت کرتے ہیں۔

اَخْبَرَنِیْ حَمْزَۃُ عَنْ اَبِیْہِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ بَیْنَا اَنَا نَائِمٌ شَرِبْتُ یَعْنِیْ اللَّبَنَ حَتّٰی اَنْظُرَ اِلَی رَأسِیْ یَجْرِیْ فِیْ ظُفُرِیْ اَوْ فِیْ اَظْفَارِیْ ثُمَّ نَاوَلْتُ عُمَرَ فَقَالُوْا مَا اَوَّلْتَہٗ قَالَ الْعِلْمُ۔

"حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا حالت خواب میں میں نے دودھ پیا۔ یہاں تک کہ اس سے خوب سیراب ہو گیا اور اس کی سیرابی کے آثار میرے ناخنوں میں نمایاں ہونے لگے۔ پھر میں نے وہ دودھ حضرت عمر کو دے دیا۔ صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس خواب کی تعبیر کیا ہے۔ فرمایا علم"۔

سبحان اللہ، حضرت فاروق کا علم، علم نبوت کا فیضان ہے جس میں جہالت، غلط فہمی اور شک کا ادنیٰ شائبہ تک بھی نہیں ہو سکتا وہ نور ہی نور ہے وہ یقین ہی یقین ہے۔ ویسے بھی اگر کوئی خواب دیکھے کہ وہ دودھ پی رہا ہے تو اس کی تعبیر علم سے کی جاتی ہے۔ یہاں دودھ دینے والا کوئی فرشتہ نہیں۔ کوئی عام انسان نہیں، کوئی ولی نہیں، کوئی دوسرا نبی اور رسول نہیں بلکہ سید الانبیاء فخر رسل، دانائے سبل، مولائے کل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس واطہر ہے حضور اپنے دست بابرکت سے عمر کو دودھ پلا رہے ہیں۔ ویسے ہی نہیں بلکہ اپنا جھوٹا دودھ، اپنے لب لعلین سے مشرف کر کے اپنے لعاب دہن کی آمیزش کے بعد۔

اس ایک ارشاد رسالت سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت عمر فاروق کے علم و

فضل کا کیا پایہ ہے۔ آپ کی حق گوئی اور حقیقت شناسی اسی بحر علم کا فیضان عمیم ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام علوم و معارف کا شہر ہیں۔ حضرت فاروق اعظم اسی شہر کا ایک بارونق محلہ ہیں۔ جس طرح اس شہر علم کا دروازہ سیدنا علی ہیں۔ اسی طرح اس محلہ کا دروازہ بھی علی المرتضیٰ ہیں نیز جس لعاب دہن نے حضرت علی کی دکھتی آنکھوں کو شفا بخشی اسی لعاب دہن نے اس دودھ میں آمیز ہوکر حضرت فاروق کے دیدہ دل کو شفا بخشی اور اسے بینا کر دیا۔

اس نور بصیرت کے باعث جو حضور ﷺ کی برکت سے فاروق اعظم کو نصیب ہوا تھا رسول مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے متعلق یہ کلمات طیبات ارشاد فرمائے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ کَانَ فِیْمَا قَبْلَکُمْ مِنَ الْاُمَمِ مُحَدَّثُوْنَ — فَاِنْ یَکُ فِیْ اُمَّتِیْ اَحَدٌ فَاِنَّهُ عُمَرُ۔

اس حدیث کا ترجمہ پڑھنے سے پہلے محدثون کا مفہوم ذہن نشین فرما لیجئے اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ ابن حجر فتح الباری میں رقمطراز ہیں۔

اَلْمُحَدَّثُ الْمُلْهَمُ وَهُوَ مَنْ اُلْقِیَ فِیْ رَوْعِهٖ شَیْءٌ مِنْ قِبَلِ الْمَلَاءِ الْاَعْلٰی وَمَنْ یَجْرِیْ الصَّوَابَ عَلٰی لِسَانِهٖ بِغَیْرِ قَصْدِهٖ۔

"یعنی جس کو من جانب اللہ الہام کیا جائے، عالم بالا سے جس کے دل میں حقائق کا القاء کیا جائے بغیر ارادہ اور قصد کے جس کی زبان حق کی ترجمان بن جائے۔ یعنی اس کی زبان سے جو نکلے وہ حق اور سچ ہو"۔

اب حدیث کا لفظی ترجمہ ملاحظہ فرمایئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم سے پہلے جو امتیں گزر چکی ہیں ان میں محدث ہوا کرتے تھے (جن کی زبان حق کی ترجمان ہوا کرتی تھی) اور میری امت میں اگر کوئی محدث ہے تو وہ عمر ہے۔

گویا نگاہ فاروق کے سامنے سے تمام حجابات الٹ دیئے گئے تھے۔ حقائق و اسرار

آپ کے سامنے آشکارا تھے یہی وجہ تھی کہ آپ کی تدبیر ہم آہنگ تقدیر تھی۔

جو قدم اٹھتا تھا راست سمت میں۔ جو کام کیا انجام کو پہنچا۔ ہر منصوبہ کامیاب رہا۔ آپ کے لشکر نے جدھر کا رخ کیا۔ فتح وظفر نے قدم چومے۔ دنیا کا کوئی فاتح، کوئی جرنیل، کوئی جانباز کوئی تاجدار، جو کسی پہلو سے بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بوریہ نشین درویش کی ہمسری کا دعویٰ کر سکے نہ اس کے مرشد کا کوئی مثیل ہے اور نہ اس مرید باصفا کی کوئی نظیر۔

محبوب رب العالمین کا ایک قول ملاحظہ فرمائیے۔ یہ بھی امام بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیْ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْه قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ بَیْنَا اَنَا نَائِمٌ وَرَأَیْتُ النَّاسَ عُرِضُوْا عَلَیَّ وَ عَلَیْهِمْ قُمُصٌ فَمِنْهَا مَا یَبْلُغُ الثَّدْیَ وَ مِنْهَا مَا یَبْلُغُ دُوْنَ ذٰلِکَ وَ عُرِضَ عَلَیَّ عُمَرُ وَ عَلَیْهِ قَمِیْصٌ اِجْتَرَّهٗ قَالُوْا فَمَا اَوَّلْتَهٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ؟ قَالَ الدِّیْنُ۔ (بخاری شریف)

"حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اس اثناء میں کہ میں سویا ہوا تھا۔ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ میرے سامنے پیش کئے جا رہے ہیں۔ اور انہوں نے قمیصیں پہنی ہوئی ہیں۔ کسی کی قمیص چھاتی تک ہے اور کسی کی اس سے نیچے۔ حضرت عمر کو بھی مجھ پر پیش کیا گیا۔ انہوں نے ایسی فراخ اور لمبی قمیص پہنی ہوئی تھی کہ وہ زمین پر گھسٹتی جاتی تھی۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! اس خواب کی کیا تعبیر ہے؟ آپ نے فرمایا دین"۔

بارگاہ رسالت سے جو آپ کو ان گنت نعمتیں اور برکتیں ارزانی ہوئی تھیں۔ جس نور و عرفان سے آپ کو نوازا گیا تھا۔ دین وایمان کی جو خلعت فاخرہ آپ کو پہنائی گئی تھی۔ آپ کے قلب مزکی پر عالم بالا سے جن تجلیات کا ہر لحظہ نزول ہوتا رہتا تھا۔ انہی کے پیش نظر رحمت عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا۔

لَوْ كَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَكَانَ عُمَرًا (اگر میرے بعد کسی نبی کا آنا ممکن ہوتا تو وہ عمر ہوتا)

معلوم ہوا کہ آپ تکمیل انسانیت کے اس ارفع مقام پر فائز تھے جس کے آگے نبوت کا مقام ہے۔ خاتم الانبیاء کے تشریف لانے کے بعد اب وہاں رسائی ناممکن ہے جب حضرت فاروق اعظم جیسی ہمہ صفت موصوف شخصیت نبوت کے حریم قدس میں قدم نہیں رکھ سکتی تو اور کون ہے جو اس کی تمنا کر سکے۔

ایک دفعہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت بے کس پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عمرہ کرنے کی اجازت طلب کی تو اس بندہ نواز آقا نے ارشاد فرمایا "یَا اَخِیْ اَشْرِکْنَا فِیْ صَالِحِ دُعَاءِکَ وَلَا تَنْسَنَا" "اے میرے بھائی اپنی نیک دعاؤں میں ہمیں بھی شریک کرنا اور ہمیں فراموش نہ کرنا۔"

حضرت عمر اکثر فرمایا کرتے تھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یا اخی (اے میرے بھائی) فرمانا۔ میرے لئے دنیا بھر کی عزتوں سے زیادہ سرمایہ افتخار ہے۔

جس فرخندہ بخت کو نبی مکرم نے اپنے رب سے مانگ کر لیا ہو۔ جس کے اسلام لانے سے اسلامی شوکت کا آغاز ہوا ہو جس کو مصطفیٰ کریم نے علوم لدنیہ سے سیراب کیا ہو۔ اس کے انجام کے بارے میں شک وشبہ کی کہاں گنجائش ہو سکتی ہے لیکن مختلف مواقع پر بڑے دلربا انداز میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام لے کر بڑی صراحت سے آپ کے جنتی ہونے اور بارگاہ رب العزت میں بلند درجات پر فائز ہونے کی روح پرور بشارتیں دیں۔ آپ بھی پڑھیئے اور اسلام کے اس مایہ ناز فرزند کی جلالت شان کا اندازہ لگایئے:

عَنْ اَبِی الْاَشْهَبِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَاٰی عَلٰی عُمَرَ قَمِیْصًا وَ قَالَ اَجَدِیْدٌ اَمْ لَبِیْسٌ فَقَالَ لَا بَلْ لَبِیْسٌ فَقَالَ اِلْبَسْ جَدِیْدًا وَ عِشْ حَمِیْدًا وَ تَوَفَّ شَهِیْدًا وَ یُعْطِیْكَ اللّٰهُ قُرَّةَ عَیْنٍ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ۔ (ابن سعد)

"ابواشہب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں ایک روز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو ایک قمیص پہنے دیکھا اور دریافت فرمایا کیا یہ نئی قمیص ہے یا مستعمل عرض کیا نہیں میرے آقا یہ مستعمل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے عمر نئی قمیص پہنو۔ تم قابل تعریف زندگی بسر کرو گے تمہیں شرف شہادت بخشا جائے گا اور (اے میرے درویش) تجھے اللہ تعالیٰ وہ دے گا جس سے دنیا و آخرت میں تیری آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔"

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ کُنْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فِیْ حَائِطٍ مِنْ حِیْطَانِ الْمَدِیْنَۃِ فَجَاءَ رَجُلٌ فَاسْتَفْتَحَ وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اِفْتَحْ لَہٗ وَبَشِّرْہُ بِالْجَنَّۃِ فَفُتِحَتْ لَہٗ فَاِذَا ھُوَ اَبُوْبَکْرٍ فَبَشَّرْتُہٗ بِمَا قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَبَشِّرْہٗ بِالْجَنَّۃِ فَفُتِحَتْ لَہٗ فَاِذَا ھُوَ عُمَرُ فَاَخْبَرْتُہ بِمَا قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللّٰہَ ثُمَّ اسْتَفْتَحَ رَجُلٌ فَقَالَ لِیْ افْتَح لَہٗ وَبَشِّرْہٗ بِالْجَنَّۃِ عَلٰی بَلْوٰی تُصِیْبُہٗ فَاِذَا ھُوَ عُثْمَانُ فَاَخْبَرْتُہٗ بِمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللّٰہَ ثُمَّ قَالَ وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ۔ (بخاری شریف)

"حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مدینہ طیبہ کے باغات میں سے ایک باغ میں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا۔ باہر سے ایک آدمی آیا۔ اس نے دروازے پر دستک دی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے حکم دیا جاؤ اس کے لئے دروازہ کھولو اور اسے جنت کی بشارت دو۔ میں نے دروازہ کھولا تو وہاں ابوبکر کھڑے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق میں نے انہیں بشارت دی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی ان کے بعد ایک اور آدمی آیا اس نے

دروازے پر دستک دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس کے لئے دروازہ کھولو۔ اور اسے جنت کی خوشخبری دو میں نے دروازہ کھولا تو وہاں حضرت عمر کو کھڑے پایا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اسے بشارت دی انہوں نے بھی سن کر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی اس کے بعد ایک اور شخص نے دستک دی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ اس کے لئے دروازہ کھولو تو حضرت عثمان کو کھڑا پایا رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی میں نے انہیں سنایا انہوں نے بھی سن کر اللہ تعالیٰ کی حمد کی"۔

پھر کہا واللہ المستعان (آزمائش کی ان گھڑیوں میں اللہ تعالیٰ میرا مددگار ہوگا) بخاری شریف کی ایک اور ایمان افروز حدیث سماعت فرمائیے۔

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت سرور عالم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جبل احد پر تشریف لے گئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تھے۔ (جلال نبوت کی تاب نہ لا کر) احد کا پہاڑ لرزنے لگا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے قدم مبارک سے اسے ٹھوکر ماری اور فرمایا "اُثْبُتْ اُحُد وَمَا عَلَیْکَ اِلَّا نَبِیٌّ اَوْ صِدِّیْقٌ اَوْ شَہِیْدَانِ اے احد ٹھہر جا تجھ پر اس وقت نبی، صدیق اور دو شہیدوں کے علاوہ اور کوئی نہیں۔"

آپ کو یقین تھا کہ نبی مکرم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت کی جو بشارتیں انہیں دی ہیں وہ ضرور پوری ہوں گی لیکن آپ کو اس کے علاوہ ایک اور آرزو بے چین رکھا کرتی اس لئے آپ اکثر بارگاہ الٰہی میں یہ التجاء کیا کرتے۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِکَ وَ مَوْتًا فِیْ بَلَدِ حَبِیْبِکَ۔

"الٰہی! مجھے اپنی راہ میں شہادت بھی عطا فرما نیز مجھے موت آئے تو تیرے حبیب کے اس پیارے شہر میں آئے"۔

آپ کی یہ دعا بھی منظور ہوئی آپ کو شہادت کا تاج پہنایا گیا اور یہ تاج پوشی آپ کی

تمنا کے مطابق مدینہ طیبہ میں ہوئی۔ رحمت الٰہی نے اس کے لئے مسجد نبوی کی وہ متبرک جگہ منتخب فرمائی جو اس کے محبوب کے سجدوں سے معزز و محترم تھی اور اس وقت یہ انعام بخشا گیا جب آپ صبح کی نماز کی امامت کرا رہے تھے۔ زبان اس کے مقدس کلام کی تلاوت سے لطف اندوز ہو رہی تھی اور دل اس کے عشق اور محبت سے سرشار تھا پھر ابدی آرامگاہ نصیب ہوئی تو اپنے مرشد، اپنے مربی، اپنے نبی اور اپنے رب کے حبیب و محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں۔

یہ ہیں وہ فاروق اعظم عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا۔ جس کی خدمت عالیہ میں یہ گلدستۂ عقیدت و محبت بصد خلوص اور بہزار نیاز پیش کرنے کی سعادت اللہ تعالیٰ نے اس بندہ ناچیز کو عطا فرمائی کہ اس نے ضیائے حرم کے فاروق اعظم نمبر سے خوشہ چینی کرتے ہوئے آپ کے سامنے یہ ارمغان پیش کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بصد عجز و نیاز التجا ہے کہ وہ اسے قبول فرمائے اور امت مسلمہ کے لئے نفع کا باعث بنائے۔ (امین ثم امین)

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْم - اَنْتَ مَوْلَانَا وَ نِعْمَ الْوَکِیْل - اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْاُمِّی الْکَرِیْم - وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ

اناسی واں وعظ

شان حضرت علی کرم اللہ وجہہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَبْدَعَ الْاَفْلَاکَ وَالْاَرْضِیْنَ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ کَانَ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ وَعَلٰی اٰلِهِ الطَّیِّبِیْنَ - وَاَزْوَاجِهِ الطَّاهِرَاتِ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ عَلٰی سَائِرِ اَصْحَابِهِ وَالتَّابِعِیْنَ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ (فتح:26)

" (جانِ عالم) محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اور وہ (سعادتمند) جو آپ کے ساتھی ہیں کفار کے مقابلہ میں بہادر اور طاقتور ہیں۔ آپس میں بڑے رحم دل ہیں۔ تو دیکھتا ہے انہیں کبھی رکوع کرتے ہوئے کبھی سجدہ کرتے ہوئے طلبگار ہیں اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے"۔ (جمال القرآن)

اس آیہ مبارکہ میں اللہ رب العزت اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی توصیف فرمارہا ہے فرمایا کہ میرے رسول مکرم پر ایمان لانے والے اور اس کی صحبت سے فیضیاب ہونے والے کفار کے مقابلے میں بڑے بہادر بڑے طاقتور ہیں۔ یہ سر کٹا سکتے ہیں لیکن ظلم کے سامنے اسے جھکا نہیں سکتے۔ یہ بکاؤ مال نہیں کہ دشمنانِ اسلام انہیں خرید لیں۔ کفار کے مقابلہ میں تو یہ فولاد کی چٹان ہیں جنہیں کوئی طوفان اپنی جگہ سے سر مو سرکا نہیں سکتا لیکن اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ ان کا معاملہ بالکل دوسرا ہے بڑے نرم بڑے شفیق اور بڑے مہربان ہیں۔ ان کی باہم رافت ورحمت کی کیفیت کو جس طرح اس آیت میں بیان کیا گیا ہے اس سے زیادہ بیان کرنا ممکن نہیں۔ اپنے رب کریم کی عبادت کے ذوق وشوق کا یہ

عالم ہے کہ جب بھی تم انہیں دیکھو گے انہیں اپنے رب کی عبادت میں مصروف پاؤ گے کبھی وہ حالت رکوع میں جھکے سبحان ربی العظیم کا ورد کر رہے ہوں گے کبھی اس کی بارگاہ اقدس میں اپنی جبین نیاز رکھے سبحان ربی الاعلیٰ کہہ کر اپنی بندگی اپنی نیاز مندی اور اپنی عاجزی کے اعتراف کے ساتھ ساتھ اپنے مولا کریم کی بزرگی اور کبریائی کی گواہی دے رہے ہوں گے۔

انہی نفوس قدسیہ میں سے ہمارے ممدوح شاہ اقلیم ولایت، صاحب سر لافتی مقتدائے اولیاء واصفیاء، منبع علم وعرفان، محبوب خدا کے رازداں اہل بلا کے مشکل کشا، مخزن صدق و صفا، عالم شجاعت کے شہنشاہ علم رسول کی ودیعت گاہ آسمان فضائل کے مہر عالمتاب سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم بھی ہیں۔ آپ بروز جمعۃ المبارک بمطابق ۱۳ رجب ۳۶ عام الفیل ۲۳ سال قبل از ہجرت بزم ہستی میں رونق افروز ہوئے۔

آپ کا نام علی رکھا گیا آپ کی کنیت ابوالحسن اور ابوتراب ہے چونکہ ابوتراب کی کنیت عطیہ رسول تھی۔ اس لئے آپ کو نہایت عزیز تھی جناب کے مشہور القاب حیدر مرتضیٰ اور اسد اللہ ہیں۔

عالی نسب والا حسب	ماہ عجم شاہ عرب
ضرغام دیں حیدر لقب	عالی نسب مشکل کشا
ماہ فروغ معرفت	مہر سپہر مکرمت
سلطان عالی مرتبت	مسند نشین قل کفی

آپ وادی بطحاء کے نامور سردار اور اہل حرم میں معزز ترین فرد ابوطالب کے فرزند ارجمند ہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنی ہاشم کے اس ذی اثر سردار کی آغوش شفقت میں پرورش پائی تھی۔ خواجہ ابوطالب نے آپ کی پرورش و کفالت کا حق ادا کر دیا اور پھر کفالت کی یہ ذمہ داری جوان کے والد بزرگوار حضرت عبدالمطلب نے انہیں تفویض کی تھی اس کو نہ صرف آنحضرت کے زمانہ طفولیت تک محدود رکھا بلکہ بعثت کے بعد بھی انہی کی زیر حمایت مکہ کے کفرستان میں دعوت حق کا آغاز ہوا۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ابو

طالب کے حق میں ارشاد فرمایا کرتے "ابو طالب کے بعد ان سے بڑھ کر میرے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا کوئی اور نہ تھا"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشم ہیں جن کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وشفقت کسی طرح ابو طالب سے کم نہ تھی جب بعد از ہجرت مدینہ منورہ میں حضرت فاطمہ نے وفات پائی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیص اتار کر انہیں پہنائی ان کی قبر میں کچھ دیر لیٹے رہے اور پھر ان کے سرہانے کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا۔ "اے میری ماں اللہ آپ پر رحم فرمائے آپ میری ماں کے بعد میری ماں تھیں آپ خود بھوکی رہتی تھیں اور مجھے کھلاتی تھیں۔ آپ کو خود لباس کی ضرورت ہوتی لیکن آپ مجھے پہناتی تھیں میں نے قمیص اس لئے پہنائی کہ انہیں جنت کا لباس پہنایا جائے اور قبر میں اس لئے لیٹا ہوں کہ یہ قبر ان پر کشادہ ہو جائے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت علی کے والدین سے جو انس ومحبت تھی اس کا یہ تقاضا تھا کہ آپ نے زمانہ قحط میں اپنے محسن چچا ابو طالب کی تنگدستی کو ملاحظہ کرتے ہوئے ان کا معاشی بوجھ ہلکا کرنے کے لئے حضرت علی کو اپنی کفالت میں لے لیا، اس وقت آپ کی عمر پانچ سال تھی۔ ظاہری طور پر تو ابو طالب کی تنگدستی کی بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کفالت میں لیا مگر معنوی طور پر اس حقیقت سے انکار کیسے ممکن ہے کہ مشیت ایزدی نے جامع اور ہمہ گیر صفات سے متصف ہونے والے کم سن علی کی نہایت شائستہ پرورش کے لئے ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی گود کا انتخاب کیا جس سے مقدس تر کوئی گود نہ تھی۔ اور راہ سلوک کی منازل طے کرنے اور مرتبہ اخلاص پر فائز ہونے کے لئے جس تربیت وتزکیہ کی ضرورت تھی اس کے لئے بارگاہ رسالت میں ہمہ وقت کی باریابی سے فزوں تر کوئی وظیفہ نہ تھا۔ تاکہ بارگاہ رسالت سے فیضیاب ہو کر آپ امام الاولیاء کے منصب جلیل پر فائز ہو سکیں اور علم وعرفان کی راہوں پر ایسے نقوش پا چھوڑیں جو تاقیامت اہل ذوق کے لئے مثل قندیل فروزاں رہیں۔

حقیقت میں یہی تقرب حضرت علی کے تمام فضائل و مناقب کی بنیاد ہے آپ نے آغوشِ رسالت میں ہر غم اور ہر فکر سے آزاد پرورش پائی آپ کے نفس قدسیہ پر انوار رسالت کی پیہم برسات ہوتی رہی در اقدس پر حاضر ہونے والے سائل نے جو طلب کیا اسے مل کر رہا تو پھر کاشانہ اقدس کے اندر نورانی تجلیات کی وادی سینا میں شب و روز بسر کرنے والا بھلا کون سی اور کس قسم کی نعمت سے محروم رہا ہوگا۔ آپ کی صورت و سیرت ذات وصفات اخلاق و آداب ظاہر و باطن غرضیکہ ہر ہر صفحہ حیات پر انوار نبوت جھلک رہے ہیں۔

اس تربیت و پرورش کا ہی یہ اعجاز تھا کہ آپ دور جاہلیت کی کسی آلودگی میں ملوث نہ ہوئے۔ نشو و نما اور قوت و توانائی میں اپنے ہم عمر بچوں سے آگے نکل گئے۔ ایام طفولیت میں بھی حق و فضیلت کی کوئی بات آپ سے ضائع نہ ہوئی۔ سن شعور سے قبل دس سال کی عمر میں ہی آپ کو فہم و فراست کا وہ بلند معیار حاصل ہو چکا کہ آپ مقصد رسالت کے اسرار کو سمجھ پائے اور دعوت نبوی کو حق تسلیم کرتے ہوئے حلقہ اسلام میں داخل ہوئے اور حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں اقامت صلوٰۃ کو اپنا شعار بنایا۔

آغاز نبوت کے دور میں یہ آیہ وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ نازل ہوئی تو محبوب خدا نے بنی ہاشم کے سارے افراد کو مدعو کیا کھانا پیش کرنے کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا:

"میں تم لوگوں کو ایسی بات کی طرف دعوت دیتا ہوں جو دنیا و آخرت کی فلاح کی کفیل ہے اور میں نہیں جانتا کہ عرب میں کوئی شخص اپنی قوم کے لئے ایسا بیش بہا تحفہ لایا ہو آپ میں سے کون ہے جو میری دعوت کو قبول کرتا ہے اور میرا معاون و مددگار بنتا ہے۔

مگر تمام لوگ خاموش رہے تب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا اگرچہ میں کم عمر اور کمزور و ناتواں ہوں تاہم میں آپ کا دست و بازو بنوں گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بٹھا لیا دوبارہ حاضرین سے خطاب فرمایا لیکن کسی نے کوئی جواب نہ دیا اس پر حضرت علی نے دوبارہ اپنے بیان کا اعادہ کیا پھر بھی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بٹھا دیا حتیٰ کہ تیسری مرتبہ بھی کوئی شخص ذمہ داری قبول کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوا تو حضرت علی نے اس

مرتبہ بھی اپنے آپ کو پیش کیا۔ تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اے علی تو ہی میرا بھائی اور معاون ومددگار ہے۔

اپنے رسول سے محبت والفت کا یہ وہ پیمان وفا تھا جس کو تاحیات آپ نے پورے شرح صدر اور خندہ پیشانی کے ساتھ نبھایا آپ کی ذات سے دین اسلام کو قوت وشوکت حاصل ہوئی۔ دور رسالت میں حالات کے مد و جزر سے پیدا ہونے والے ہر ابتلاء و آزمائش کے نازک موقع پر آپ نے فداکاری اور جاں سپاری کا ایمان افروز اور نادر نمونہ پیش کیا۔

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے فضائل بزبان مصطفیٰ ﷺ

ابوعلی نیشاپوری فرماتے ہیں جس قدر حسن روایات حضرت علی کے حق میں وارد ہوئی ہیں اس قدر کسی کے حق میں وارد نہیں ہوئیں۔

۱- بخاری ومسلم نے سعد بن ابی وقاص سے روایت کیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غزوہ تبوک کے موقع پر حضرت علی کو اپنا نائب مقرر فرمایا تو آپ نے عرض کی آقا کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جا رہے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا

اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هٰرُوْنَ مِنْ مُوْسٰی۔

۲- بخاری ومسلم ہی نے سہل بن سعد سے روایت کیا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غزوہ خیبر میں فرمایا کل میں جھنڈا اس شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور خدا اور اس کا رسول بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔ لوگوں نے اسی کشمکش میں رات گزاری کہ نہ جانے وہ خوش بخت کون ہوگا جسے صبح دست رسول سے علم عطا ہوگا۔ صبح تمام لوگ سرکار کی خدمت میں حاضر ہوئے اس طرح کہ ہر ایک کے دل میں یہ خواہش انگڑائیاں لے رہی تھی کہ کاش آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام اسے اس سعادت سے بہرہ مند فرمائیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا علی کہاں ہیں کہا گیا کہ ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلا بھیجا

جب حضرت علی حاضر خدمت ہوئے تو سرکار نے ان کی آنکھوں میں لعاب دہن لگایا جس سے ان کی ساری تکلیف دور ہوگئی اور آپ کی وہ آنکھ اس طرح ہوگئی گویا اس میں تکلیف تھی ہی نہیں۔

۳- ترمذی نے حضرت عائشہ سے روایت فرمایا ہے حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ سرور عالم کو عورتوں میں فاطمہ محبوب تھیں اور مردوں میں ان کے شوہر علی۔

۴- ترمذی نے ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کے درمیان مواخات قائم فرمائی۔ پس حضرت علی روتے ہوئے سرکار کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے دوسرے صحابہ کے درمیان مواخات قائم فرمادی لیکن مجھے آپ نے چھوڑ دیا ہے تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَنْتَ اَخِیْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔ (تو دنیا اور آخرت میں میرا بھائی ہے)

۵- اخرج الترمذی عن ابی سعید الخدری قَالَ کُنَّا نَعْرِفُ الْمُنَافِقِیْنَ بِبُغْضِہِمْ عَلِیًّا ترمذی نے ابوسعید خدری سے بیان کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم منافقین کو ان کے بغض علی رضی اللہ عنہ کی وجہ سے پہچان لیتے تھے۔

۶- اخرج الطبرانی و الحاکم عن ابن مسعودٍ رضی اللّٰہ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ النَّظَرُ اِلٰی عَلِیٍّ عِبَادَۃٌ۔

طبرانی اور حاکم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا علی کے چہرے پر نظر ڈالنا ہی عبادت ہے۔

۷- اخرج احمد و الْحَاکِمُ و صححہ عن ام سلمۃ قَالت سمعتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ سَبَّ عَلِیًّا فَقَدْ سَبَّنِیْ۔

احمد اور حاکم نے ام سلمہ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس کسی نے علی کو گالی دی (برا بھلا کہا) پس اس نے مجھے گالی دی (برا بھلا کہا)۔

۸- اخرج الطبرانی فی الاوسط عن ام سلمة قالت سمعت رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ عَلِی مَعَ الْقُرْاٰنِ وَالقرآنُ مَعَ عَلِیٍّ لَا یَفْتَرِقَانِ حَتّٰی یَرِدَا عَلَی الْحَوْضِ۔

طبرانی نے اوسط میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا وہ فرماتی تھیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ علی قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علی کے ساتھ یہ جدا نہیں ہوں گے حتیٰ کہ دونوں حوض کوثر پر اکٹھے ہوں گے۔

۹- اَخْرَجَ الطِبْرَانِی بِسَنَدٍ حَسَنٍ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَحَبَّ عَلِیًّا فَقَدْا حَبَّنِی وَمَنْ اَحَبَّنِیْ فَقَدْ اَحَبَّ اللّٰہَ وَ مَنْ اَبْغَضَ عَلِیًّا فَقَدْ ابْغَضَنِیْ وَمَنْ ابْغَضَنِیْ فَقَدْ ابْغَضَ اللّٰہَ۔

طبرانی نے حسن سند کے ساتھ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جس کسی نے علی سے محبت کی پس اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی پس اس نے اللہ سے محبت کی۔ اور جس کسی نے علی سے بغض کیا اس نے مجھ سے بغض کیا اور جس نے مجھ سے بغض کیا پس اس نے اللہ سے بغض کیا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی

۱۰- اَخْرَجَ الطِبْرَانِیْ عَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ اَمَرَنِیْ اَنْ اُزَوِّجَ فَاطِمَةَ مِنْ عَلِیٍّ۔

طبرانی نے ابن مسعود سے روایت کیا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فاطمۃ الزہرا کا نکاح علی سے کر دوں۔

۱۱- اَخْرَجَ الدَّیْلِمِیْ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ خَیْرُ اِخْوَتِیْ عَلِیٌّ وَ خَیْرُ اَعْمَامِیْ حَمْزَةُ۔

دیلمی نے حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بہترین بھائی علی ہیں اور بہترین چچا حمزہ ہیں۔

نوٹ: حدیث نمبر ۱۰ میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت علی سے کردوں اس کا پس منظر بیان کرنا از حد مفید ہوگا۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں تھیں۔ چاروں سراپا نور اور پیکر یمن و برکت تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے قلبی انس اور دلی محبت تھی لیکن ان سب میں خاتون جنت، بتول زہرا سیدۃ النساء حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جو مقام تھا وہ بے مثل اور بینظیر تھا راز دان عالم کن فکان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آپ سے حد درجہ کی الفت و محبت تھی۔ ان کے سیمائے سعادت پر جو انوار و تجلیات برستے تھے ان کی شان ہی نرالی تھی، علم لدنی اور معرفت الٰہی کے جو چشمے آپ کی ذات اطہر سے نکل کر ایک دنیا کو سیراب کرنے والے تھے۔ ان کی بدولت نگاہ مصطفوی میں آپ کا خاص مقام تھا۔ جب بھی کاشانۂ نبوت میں شرف نیاز حاصل کرنے کے لئے تشریف لاتیں تو اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے ہوئے انہیں خوش آمدید کہتے اور فرط مسرت سے اٹھ کر ان کا استقبال کرتے۔

حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی قسم کی نسبت بھی باعث سعادت دارین ہے پھر جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس لخت جگر اور نور نظر کا رشتہ مل جائے اس کی عظمت شان اور رفعت مرتبت کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ اور اس سعادت کے حصول کے لئے کئی حضرات نے درخواست کی لیکن جواب ملا کہ یہ رشتہ حسب الٰہی طے پائے گا۔

ایک روز حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اعظم اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اکٹھے بیٹھے تھے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے دونوں حضرات سے کہا کہ چلو، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس چلیں اور انہیں کہیں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ رشتہ طلب کریں اگر غربت اور افلاس کے باعث وہ یہ رشتہ طلب کرنے سے ہچکچا رہے ہوں تو ہمارے مال ان کے لئے حاضر ہیں، ہم ہر طرح کی مالی اعانت کریں گے۔ صاحب کشف الغمہ کے الفاظ یہ ہیں۔ فَاِنْ مَنَعَهٗ قِلَّتُ ذَاتِ الْيَدِ وَاسَيْنَاهُ وَاَسْعَفْنَا ٥۔

حضرت سعد نے کہا۔ ابوبکر! اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ بہتر کاموں کی توفیق بخشتا ہے اٹھو

اللہ تعالیٰ کی یمن و برکت پر توکل کرتے ہوئے علی رضی اللہ عنہ کے پاس چلیں۔

حضرت سلمان فارسی فرماتے ہیں کہ تینوں حضرات آپ کی تلاش میں مسجد سے نکلے گھر سے دریافت کیا آپ وہاں پر موجود نہ تھے، آپ اپنے اونٹ کے ذریعے پانی نکال کر ایک انصاری کا باغ سیراب کرنے گئے ہوئے تھے۔ سب اس باغ کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب حضرت علی نے ان حضرات کو آتے ہوئے دیکھا تو پوچھا کیسے تشریف آوری ہوئی۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا خیر و خوبی کی کوئی خصلت نہیں جس میں آپ کو سبقت و فضیلت حاصل نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رشتہ میں، صحبت میں اور قبول اسلام میں جو آپ کا مقام ہے وہ کسی پر مخفی نہیں۔ سرداران قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت فاطمہ کا رشتہ طلب کیا ہے لیکن کامیاب نہیں ہوئے۔ آپ اس سعادت کے حصول کے لئے کیوں عرض نہیں کرتے۔ مجھے قوی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کریم اس رشتہ کو آپ کے لئے روکے ہوئے ہیں۔

یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔ فرمایا اے ابوبکر! آپ نے میرے پرسکون جذبات میں ہیجان برپا کر دیا ہے اور ایک خوابیدہ تمنا کو بیدار کر دیا ہے میں تہ دل سے اس سعادت کے حصول کا متمنی ہوں، لیکن مفلسی اور تنگدستی کے باعث اس خواہش کے اظہار کی جرأت نہیں کر سکتا۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا۔

لَا تَقُلْ هٰذَا يَا اَبَا الْحَسَنِ فَاِنَّ الدُّنْيَا وَ مَافِيْهَا عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ عِنْدَ رَسُوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ كَهَبَاءٍ مَنْثُوْرٍ۔

''اے ابوالحسن ایسا مت کہو، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم کے نزدیک دنیا و مافیہا کی قدر و منزلت ایک ذرہ کے برابر بھی نہیں''۔

چنانچہ ان حضرات کے مشورے اور حوصلہ افزائی سے سیدنا علی بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔ ان کی عرضداشت شرف قبولیت سے مشرف ہوئی آپ فرماتے ہیں میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی جلدی سے باہر آیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو

منتظر پایا انہوں نے پوچھا کیا ہوا؟ میں نے جب یہ خوشخبری انہیں سنائی تو ان کو بے انداز مسرت وفرحت نصیب ہوئی اور ہم اکٹھے مسجد میں آ گئے۔

فَفَرِحَا بِذٰلِکَ فَرْحًا شَدِیْدًا وَرَجَعَا مَعِیَ اِلَی الْمَسْجِدِ

(کشف الغمہ جلد اول ۴۷۰، ۴۸۳، ۴۸۴، ناسخ التواریخ جلد سوم جزو اول صفحات ۴۶،۳۸،۳۷)

اس واقعہ کو پڑھنے کے بعد آپ کے دل میں اس کے سوا کیا تاثر پیدا ہوسکتا ہے کہ حضرت ابوبکر اور فاروق اعظم کی یہ قلبی خواہش تھی کہ یہ سعادت حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو حاصل ہو۔ اس کے لئے ان حضرات نے ہی آپ کو مشورہ دیا۔ آپ کی حوصلہ افزائی کی اور مالی اعانت کی پیشکش کی اور جب یہ سعادت آپ کو حاصل ہوئی تو اپنی انتہائی خوشی اور بے پایاں روحانی فرحت اور شدید مسرت کا اظہار کیا۔ کیا ایسی سعادت کے حصول کا مشورہ اپنے دشمن اور بدخواہ کو دیا جاتا ہے یا اسے جو جان سے بھی عزیز تر ہو ایسی لازوال سعادت کے حصول پر دوستوں کو خوشی ہوتی ہے یا دشمنوں اور بدخواہوں کو؟ آپ خود ہی فیصلہ فرمالیں۔

آپ کی جرأت و بے باکی

آپ کی جرأت اور بے باکی ضرب المثل ہے وہ سچی بات کہنے سے گریز نہ کرتے تھے کسی کی شوکت اور دبدبہ انہیں حق سے انحراف پر مجبور نہیں کرسکتا۔

کشف الغمہ فی معرفتہ الائمہ جو شیعہ کی معتبر کتاب ہے اس کا ایک ایمان افروز واقعہ سماعت فرمائیے۔

ایک روز حضرت عمر نے اپنے عہد میں خطبہ دیتے ہوئے سامعین سے پوچھا تا کہ وہ ان کی آزمائش کریں کہ کبھی مرعوب تو نہیں ہوں گے۔

لَوْ صَرَفْنَا کُمْ عَنْ مَا تَعْرِفُوْنَ اِلٰی مَا تُنْکِرُوْنَ مَا کُنْتُمْ صَالِحِیْنَ

"یعنی بالفرض اگر ہم تمہیں دین کے ان اصولوں سے روگردانی کرنے پر مجبور کر دیں جنہیں تم جانتے ہو اور ایسی باتوں کا حکم دیں جنہیں تم نہیں جانتے تو تمہارا

ردِعمل کیا ہوگا''؟

سیدنا علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ اٹھے اور ارشاد فرمایا۔

اِذًا کُنَّا نَسْتَتِیْبُکَ فَاِنْ تُبْتَ قَبِلْنَاکَ۔

''یعنی پہلے ہم آپ کو اس غلط روی سے توبہ کرنے کی دعوت دیں گے اگر آپ توبہ کر لیں گے تو ہم اس کو قبول کرلیں گے'۔

حضرت عمر نے فرمایا: اگر میں توبہ نہ کروں؟ حضرت علی مرتضٰی نے فرمایا:

اِذًا نَضْرِبُ الَّذِیْ فِیْہِ عَیْنَاکَ۔

''یعنی اس صورت میں ہم آپ کا وہ سر قلم کر دیں گے جس میں آپ کی دونوں آنکھیں ہیں''۔

حضرت عمر نے مسرت سے سرشار ہوکر فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ فِیْ ھٰذَا الْاُمَّۃِ مَنْ اِذَا اِعْوَجَجْنَا اَقَامَ اَوْدَنَا۔

''یعنی اس خدا کریم کا ہزار ہزار شکر ہے جس نے اس امت میں ایسے لوگ پیدا کئے ہیں کہ اگر ہم میں کجی رونما ہو جائے تو ہماری کجی کو درست کر سکتے ہیں۔

(کشف الغمہ جلد اول ص ۱۴۷ مطبوعہ ایران)

یہ کوئی معمولی سا واقعہ نہیں ہے جسے بے توجہی سے نظر انداز کر دیا جائے بلکہ اس سے اس انقلاب عظیم کا پتہ چلتا ہے جو رہبر انسانیت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے دلوں میں برپا کیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض تربیت سے امت مسلمہ سچی بات کہنے کی خوگر ہوگئی تھی۔ حکومت کی ہمنوائی اور حاکم کی خوشامد ان کے تربیت یافتہ مزاج سے کوئی مناسبت نہ رکھتی تھی۔ یہ اس دور کا واقعہ ہے۔ جب فاروق اعظم کی فوجیں مشرق و مغرب میں اپنی فتح و کامرانی کے پرچم لہرا رہی تھیں۔ ایران کی عظمت اور روم کی شوکت غلامان مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عقیدت پیش کرنے میں فخر و عزت محسوس

کرتی تھیں جب کہ فاروق اعظم کا آفتاب اقبال نصف النہار پہ جگمگا رہا تھا۔ قیصر و کسریٰ، آپ کا نام سن کر کانپ جاتے تھے اس وقت آپ نے لوگوں سے یہ عجیب و غریب سوال پوچھا تھا۔ لیکن عزت نفس، خودداری اور حق گوئی و حق پرستی کا جو جذبہ اسلام نے مسلمانوں میں پھونک دیا تھا۔ وہ سطوت فاروق سے مرعوب نہیں ہوتا بلکہ سیدنا علی بڑی صاف گوئی سے ساری امت کی ترجمانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہم پہلے آپ کو اس غلط روش سے باز آنے کی دعوت دیں گے۔ اور اگر آپ نے ہماری اس دعوت کو قبول نہ کیا تو پھر ہم آپ کو کسی قیمت پر اجازت دینے کیلئے تیار نہ ہوں گے۔ کہ آپ سنت نبویہ کو بدل دیں۔ ہم اپنی تلواروں کو بے نیام کریں گے اور آپ کا سر قلم کر کے رکھ دیں گے۔ یہ حال تو رعایا کا ہے۔ جن کے جذبات واحساسات کی ترجمانی حضرت مرتضیٰ نے فرمائی۔ اب اس جواب کا اثر خلیفۂ وقت پر کیا ہوتا ہے۔ یہ بھی قابل غور ہے۔ آپ اس تلخ جواب سے برہم نہیں ہوئے۔ آپ اسے منصب خلافت کی توہین خیال نہیں کرتے بلکہ ایمان افروز جواب سن کر آپ خوشی سے پھولے نہیں سماتے اور آپ کی زبان سے بے ساختہ نکلتا ہے کہ بارالٰہی ساری حمد وثناء کا سزاوار تو ہی ہے جس نے اس خیر الامم میں ایسے حق گو اور حق پرست نفوس قدسیہ پیدا فرمائے ہیں جن کی جرأت و بہادری کا یہ عالم ہے کہ اگر فرمانروائے مملکت بھی تیرے دین کے حکم سے روگردانی کرے اور لوگوں کو غلط راہ پر چلانے کی جسارت کرے تو وہ اسے بزور شمشیر روک سکتے ہیں۔ جب ایک فروعی مسئلہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ ترک سنت پر خاموش نہیں رہتے تو ہم یہ کیسے مان سکتے ہیں کہ شریعت کی خلاف ورزیاں ہوتی رہیں خلافت ناحق لوگوں کے پاس چلی گئی اور وہ تقیہ کئے گھر میں بیٹھے رہے اور کبھی بھی حق کی پامالی پر آواز بلند نہ کی کوئی ایمان دار یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کیونکہ یہ تو بزدلی کا ایسا طعنہ ہے جس کی جرأت کوئی نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ ایسی یاوہ گوئی سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

حالانکہ آپ کی شان تو یہ تھی۔

صفات علی کرم اللہ وجہہ

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ایام طفولیت ہی سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن عاطفت میں تربیت پائی تھی۔ اس لئے وہ قدرتاً حسن اخلاق اور حسن تربیت کے نمونہ تھے۔ آپ کی زبان نہ کبھی کلمہ کفر و شرک سے آلودہ ہوئی اور نہ آپ کی پیشانی کبھی غیر خدا کے سامنے جھکی۔ جاہلیت کے ہر قسم کے گناہ سے مبرا اور پاک رہے۔ شراب کے ذائقہ سے جو عرب کی گھٹی میں تھی اسلام سے پہلے بھی آپ کی زبان آشنا نہ ہوئی اور اسلام کے بعد تو اس کا خیال بھی نہیں کیا جا سکتا۔

آپ کی امانت و دیانت

آپ ایک امین ذات کے تربیت یافتہ تھے اس لئے ابتداء ہی سے امین تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قریش کی امانتیں جمع رہتی تھیں جب آپ نے ہجرت فرمائی تو ان امانتوں کی واپسی کی خدمت حضرت علی کے سپرد فرمائی۔ اپنے عہد خلافت میں آپ نے مسلمانوں کی امانتوں کا خیال رکھا اور جیسے بیت المال کی امانتداری فرمائی اس کی مثال نہیں ملتی۔ مال غنیمت تقسیم فرماتے تھے تو برابر حصے لگا کر غایت احتیاط میں قرعہ ڈالتے تھے کہ اگر کچھ کمی بیشی رہ گئی ہو تو آپ اس سے بری ہو جائیں۔ ایک دفعہ بیت المال کا تمام اندوختہ تقسیم کر کے اس میں جھاڑو دیا اور دو رکعت نماز ادا فرمائی کہ وہ قیامت میں ان کی امانت و دیانت کی شاہد رہے۔

زہد

آپ کی ذات گرامی زہد فی الدنیا کا نمونہ تھی۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ آپ کی ذات پر زہد کا خاتمہ ہو گیا۔ آپ کے کاشانہ فقر میں دنیاوی شان و شکوہ کا گزر نہ تھا۔ کوفہ تشریف لائے تو دارالامارت کے بجائے ایک میدان میں فروکش ہوئے اور فرمایا مجھے محلات کی حاجت نہیں میدان میرے لئے کافی ہے۔

ایک دفعہ شدت فاقہ میں کاشانہ اقدس سے باہر نکلے کہ مزدوری کر کے کچھ لائیں مضافات مدینہ میں دیکھا کہ ایک ضعیفہ کچھ اینٹ پتھر جمع کر رہی ہے خیال ہوا کہ شاید اپنا باغ سیراب کرنا چاہتی ہے اس کے پاس پہنچ کر اجرت طے کی اور پانی سینچنے لگے یہاں تک کہ ہاتھوں میں آبلے پڑ گئے اس محنت مشقت کے بعد ایک مٹھی بھر کھجور اجرت میں ملی لیکن تنہا خوری کی عادت نہ تھی وہ تمام کھجوریں لئے بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام کیفیت سن کر نہایت شوق کے ساتھ کھانے میں ساتھ دیا۔ در دولت پر کوئی حاجب تھا نہ دربان، نہ امیرانہ کروفر نہ شاہانہ تزک واحتشام اور عین اس وقت جب قیصر و کسریٰ کی شہنشاہی مسلمانوں کے لئے زر و جواہر اگل رہی تھی اسلام کا خلیفہ ایک معمولی غریب کی طرح زندگی بسر کر رہا تھا۔ اور اس پر فیاضی کا یہ عالم تھا کہ غرباء کی مدد کی بدولت کبھی فقر و فاقہ کی نوبت بھی آ جاتی تھی۔ ایک دفعہ منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا۔ میری تلوار کا کون خریدار ہے خدا کی قسم اگر میرے پاس ایک تہہ بند کی قیمت بھی ہوتی تو اس کو فروخت نہ کرتا۔ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا امیر المومنین میں تہہ بند کی قیمت قرض دیتا ہوں لیکن قرض لینے سے انکار کر دیا۔

عبادات علی رضی اللہ عنہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ خدا کے نہایت عبادت گزار بندے تھے عبادت آپ کا مشغلہ حیات تھا جس کا شاہد خود قرآن ہے کلام پاک کی اس آیہ میں فرمایا۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ والذین معہ سے ابوبکر صدیق، اشداء علی الکفار سے عمر خطاب رحماء بینھم سے عثمان بن عفان رکعا سجدا سے علی بن ابی طالب اور یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا سے مراد بقیہ صحابہ کرام ہیں۔ اس سے عبادات میں تمام صحابہ کا مشترک وصف تھا پھر اس اشتراک میں تخصیص سے معلوم ہوا کہ اس اشتراک کے باوجود ان

کو اس باب میں کچھ مزید امتیاز بھی حاصل تھا۔ قرآن مقدس کے اس اشارہ کے علاوہ خود صحابہ کی زبان سے ان کے اس امتیازی وصف کی شہادت مذکور ہے۔

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: كَانَ مَا عَلِمْتُ صَوَّامًا قَوَّامًا (کہ جہاں تک میرا علم ہے وہ بہت زیادہ روزہ رکھنے والے اور قیام کرنے والے تھے۔

زبیر بن سعید قریشی کہتے ہیں:

لم اَرَ هَا شِمِيًا قطُّ كَانَ اَعْبَدَ اللهِ مِنهُ ۔ (کہ میں نے کبھی بھی کسی ہاشمی کو آپ سے زیادہ عبادت کرنے والا نہیں دیکھا۔

انفاق فی سبیل اللہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ گو دنیاوی دولت سے تہی دامن تھے لیکن دل غنی تھا کبھی کوئی سائل آپ کے در سے ناکام واپس نہیں ہوا حتیٰ کہ قوت لایموت تک دے دیتے۔ ایک دفعہ رات بھر کسی انصاری کا باغ سینچ کر تھوڑے سے جو مزدوری میں حاصل کئے صبح کے وقت گھر تشریف لائے تو ایک ثلث پسوا کر حریرہ پکوانے کا انتظام کیا۔ ابھی پک کر تیار ہوا ہی تھا کہ ایک مسکین نے صدا دی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سب اٹھا کر اس کو دے دیا۔ اور پھر بقیہ دوسرے ثلث کے پکنے کا انتظار کیا لیکن تیار ہوا کہ ایک مسکین یتیم نے دست سوال بڑھایا اسے بھی اٹھا کر اس کی نذر کیا۔ غرض اسی طرح تیسرا حصہ بھی جو بچ رہا تھا پکنے کے بعد ایک مشرک قیدی کے نذر ہو گیا اور یہ مرد خدا رات بھر کی مشقت کے باوجود فاقہ مست رہا۔
(بخاری باب المناقب)

الغرض کتاب اللہ کی تفسیر، احادیث کی روایت و توضیح پیچیدہ و فقہی مقالات کے لطیف حل، عجیب النوع مقدمات کے نایاب فیصلے، اخلاق و اوصاف کے متعلق رقت آمیز بے شمار واقعات تصوف و سلوک کے اسرار، دقیق علمی نقاط، فصاحت و بلاغت سے لبریز خطبات کتب احادیث و تاریخ میں بکثرت ملتے ہیں، جن کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت نے آپ کو غیر معمولی دانش و حکمت اور فراست عطا فرمائی تھی۔ اس لئے اہل علم و نظر

کا متفقہ فیصلہ ہے کہ آپ کے فضائل وکمالات کے بیان کیلئے دفتر درکار ہیں پھر بھی یہ ممکن نہیں کہ یہ سلسلہ تمام ہو۔

وصال نبوی کے بعد دور خلافت شروع ہوا آپ نے خلفاء ثلاثہ میں سے ہر ایک کی بیعت کی اور ہر ایک کے ساتھ آپ کے باہمی تعلقات خوشگوار رہے۔ فتنہ ارتداد کے موقع پر خلیفہ اول نے جن اکابر صحابہ کو مدینہ منورہ کی حفاظت پر مامور کیا ان میں حضرت علی بھی شامل تھے۔ حضرت عمر بیت المقدس تشریف لے گئے تو مدینہ منورہ میں حضرت علی کو اپنا جانشین بنا گئے۔ حضرت عثمان غنی کو بھی آپ اپنے مشورے پیش کرتے رہے۔ ۳۵ھ میں آپ کا بطور خلیفہ انتخاب ہوا اس وقت باہمی اختلاف اور خانہ جنگی کا آغاز ہو چکا تھا۔ ہر سو افراتفری پھیل چکی تھی جن میں آئے روز اضافہ ہی ہوتا رہا۔ اس مختصر مضمون میں ان اختلافات کا احاطہ ممکن نہیں لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ کسی منصف مزاج مفکر اسلام اور مؤرخ نے آج تک یہ ہمت نہیں پائی کہ وہ آپ کے ذمہ کوئی ایسی بات لگائے جس سے خالص حق کی مخالفت ثابت ہو۔

کوفہ میں سترہ رمضان المبارک ۴۰ھ کے روز ایک بدبخت خارجی عبدالرحمٰن ملعون نے نماز تہجد کے وقت آپ پر حملہ کیا زخم مہلک تھا دو دن زندہ رہے بیس رمضان جمعۃ المبارک کی شب اسلام کا یہ بدر منیر ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ عقد الفرید کی ایک رقت آمیز روایت پیش خدمت ہے۔

آپ کی شہادت کی جانکاہ خبر مدینہ منورہ پہنچی تو کوچہ و بازار میں کہرام مچ گیا ہر آنکھ اشکبار تھی۔ صحابہ کرام نے کہا چلو ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیکھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی کی موت کی خبر سن کر ان کا کیا حال ہے۔

حضرت زید کہتے ہیں۔

سب لوگ ہجوم کی صورت میں ام المومنین کے گھر گئے اور اجازت چاہی انہوں نے دیکھا کہ حادثہ کی خبر یہاں پہلے سے پہنچ چکی ہے اور ام المومنین غم سے نڈھال آنسوؤں سے

تر بتر بیٹھی ہیں لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو خاموشی سے لوٹ آئے حضرت زید فرماتے ہیں دوسرے دن مشہور ہوا کہ ام المومنین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر جارہی ہیں مسجد میں جتنے بھی مہاجرین و انصار تھے استقبال کو اٹھ کھڑے ہوئے اور سلام کرنے لگے مگر ام المومنین نہ کسی کے سلام کا جواب دیتی تھیں اور نہ بولتی تھیں شدت گریہ سے زبان بند تھی دل تنگ تھا۔ چادر تک نہ سنبھلتی تھی۔ بار بار پاؤں میں الجھتی اور آپ لڑکھڑا لڑکھڑا جاتیں۔ بدقت تمام پہنچیں۔ لوگ پیچھے پیچھے چلے آرہے تھے حجرہ میں داخل ہوئیں تو دروازہ پکڑ کر کھڑی ہوگئیں اور ٹوٹی ہوئی آواز میں کہا اے نبی ہدایت تجھ پر سلام اے ابو القاسم تجھ پر سلام اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر اور آپ کے دونوں ساتھیوں پر سلام اور آپ کے محبوب ترین عزیز کی موت کی خبر آپ کو سنانے آئی ہوں میں آپ کو آپ کے عزیز ترین کی یاد تازہ کروانے آئی ہوں بخدا آپ کا چنا ہوا حبیب منتخب کیا ہوا عزیز قتل ہوگیا واللہ وہ قتل ہوگیا جس کی بیوی افضل ترین عورت تھی واللہ وہ قتل ہوگیا جو ایمان لایا اور ایمان کے عہد میں پورا اترا میں رونے والی غمزدہ ہوں میں آنسو بہانے اور دل جلانے والی ہوں اگر قبر کھل جاتی تو آپ کی زبان بھی یہی کہتی کہ تیرا عزیز ترین اور معزز ترین وجود قتل ہوگیا۔ آپ نے ٹھنڈی سانس لی اور کہا اب عرب جو چاہیں کریں کوئی انہیں روکنے والا باقی نہیں رہا۔

اللھم صل علی محمد النبی الامی و علی
آلہ و اصحابہ و بارک وسلم

آپ کے زریں اقوال

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا:

رَضِینَا بِقِسۡمَةِ الۡجَبَّارِ فِینَا - لَنَا عِلۡمٌ وَ لِلۡجُهَّالِ مَالٌ۔

"ہم اپنے اندر جبار کی تقسیم سے خوش ہیں کہ ہمارے لئے علم ہے اور جاہلوں کے لئے مال"۔

قول نمبر ۲:- ایک دفعہ ایک آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی آپ مجھے کوئی

وصیت فرمائیں تو آپ نے فرمایا: لَا تَجْعَلَنَّ اَكْبَرَ شُغْلِکَ بِاَهْلِکَ وَوَلَدِکَ فَاِنْ يَّکُ اَهْلُکَ وَوَلَدُکَ مِنْ اَوْلِيَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰى - فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ اَوْلِيَاءَهٗ وَاِنْ كَانُوْا اَعْدَاءَ اللّٰهِ فَمَا هَمُّکَ وَ شُغْلُکَ لِاَعْدَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰى (تو اپنے بیوی بچوں میں مشغول ہونے کو اپنا سب سے بڑا شغل نہ بنانا کیونکہ اگر تیرے بیوی بچے اللہ کے دوستوں میں سے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو کبھی ضائع نہیں کرتا اور اگر وہ اللہ کے دشمن ہیں تو تیرا اللہ کے دشمنوں کا غم کھانا اور ان میں مشغول ہونا کسی طرح بھی جائز نہیں۔

قول نمبر ۳: کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ سب سے پاکیزہ عمل کیا ہے تو آپ نے فرمایا: غِنَاءُ الْقَلْبِ لِلّٰهِ (اللہ تعالیٰ سے مکمل تعلق پیدا کر کے غیر اللہ سے اپنے دل کو بے پرواہ بنانا)

قول نمبر ۴: حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

> وَكَانَ اَفْضَلَهُمْ فِى الْاِسْلَامِ كَمَا زَعَمْتُ وَاَنْصَحَهُمْ لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ اَلْخَلِيْفَةُ الصِّدِّيْقُ وَ خَلِيْفَةُ الْخَلِيْفَةِ الْفَارُوْقُ وَلَعَمْرِى اِنَّ مَكَانَهُمَا فِى الْاِسْلَامِ وَاِنَّ الْمُصَابَ بِهِمَا لَجُرْحٌ فِى الْاِسْلَامِ شَدِيْدٌ يَرْحَمُهُمَا وَ جَزَاهُمَا بِاَحْسَنِ مَا عَمِلَا

(نہج البلاغہ شرح علام ابن ہیثم ص ۷ ج ۲)

"کہ اسلام میں تمام لوگوں سے زیادہ افضل تھے جس طرح میرا یقین ہے اور اللہ اور اس کے رسول کے لئے سب سے زیادہ مخلص تھے وہ خلیفہ صدیق اکبر اور خلیفہ کا خلیفہ فاروق اعظم تھے۔ مجھے اپنی زندگی کی قسم اسلام میں ان دونوں کا خاص مرتبہ ہے اور ان دونوں کو نقصان پہنچانا اسلام میں بہت بڑا زخم ہے اللہ تعالیٰ ان دونوں پر رحم فرمائے اور جو وہ دونوں عمل کرتے رہے ان کی اچھی جزا عطا فرمائے"۔

حضرت جعفر ابن محمد باقر اپنے باپ کے واسطہ سے حضرت جابر ابن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ شہادت کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو غسل دیا گیا اور انہیں

کفن پہنایا گیا تو سیدنا علی علیہ السلام ان پر داخل ہوئے اور کہا اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے مجھے روئے زمین پر اس سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں کہ میں اس کفن میں ملبوس ہستی جیسا اعمالنامہ لے کر اللہ سے ملاقات کروں۔ (تلخیص الشافی ص ۴۲۸ مطبوعہ نجف اشرف)

قول نمبر ۶: قَوْلُ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ - ثُمَّ اسْتَخْلَفَ النَّاسُ اَبَابَكْرٍ ثُمَّ اسْتَخْلَفَ اَبُوْبَكْرٍ عُمَرَ وَاَحْسَنَا السِّيْرَةَ وَ عَدَلَا فِي الْاُمَّةِ

(ناسخ التواریخ جز دوم جلد سوم ص ۱۱۶)

"پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحلت کے بعد لوگوں نے ابوبکر کو اپنا خلیفہ بنایا پھر حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو خلافت کے لئے تجویز کیا۔ ان دونوں حضرات کا کردار نہایت عمدہ تھا۔ دونوں نے امت میں عدل وانصاف کیا"۔

ایک دوسرے موقع پر یہ ارشاد فرمایا: ثُمَّ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ بَعْدِهٖ اِسْتَخْلَفُوْا اَمِيْرَيْنِ مِنْهُمْ صَالِحَيْنِ اَحْيَا السِّيْرَةَ وَلَمْ يَعْدُوَا السُّنَّةَ کہ حضور کے وصال کے بعد مسلمانوں نے اپنے میں سے دو ایسے امیروں کو اپنا خلیفہ منتخب کیا جو صالح اور نیک کردار تھے ان دونوں نے سیرت نبوی کو زندہ رکھا اور سنت مصطفیٰ سے سر مو تجاوز نہ کیا۔

(ناسخ التواریخ جز دوم جلد سوم ص ۲۲۲)

قول نمبر ۷: ایک موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا تین ایسی خصلتیں ہیں جو انسان کو ذلیل ورسوا کر دیتی ہیں ان سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ (۱) اَلتَّكَبُّرُ (تکبر)، (۲) اَلْحَسَدُ (کسی کی نعمت کو دیکھ کر جلنا اور اس کے زائل ہونے کی خواہش کرنا)، (۳) اَلْحِرْصُ (یعنی لالچ)۔

آخر میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ بے کس پناہ میں التجا ہے کہ وہ ہمیں حق سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان نفوس قدسیہ کی سچی محبت اور الفت عطا فرمائے جنہوں نے بلاواسطہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے علم وفیض حاصل کیا اور آپ کے اشارہ ابرو پر تن، من، دھن اور اولاد اور اپنی جان تک قربان کرتے رہے۔ (آمین ثم آمین)

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ - وَ تُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ

التَّوَّابُ الرَّحِیْم ٥ اللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا وَاَفْضَلِ الْخَلْقِ وَاَحْسنِ الخُلُقِ مُحَمَّدٍ رحمة للعَالَمِیْن و علی آله و اصحابه اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

وما علینا الا البلاغ الْمُبِیْنُ

وما توفیقی الا بالله علیه توکلت و الیه انیب

اسی واں

فضائل حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

الحمد للّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سید الانبیاء و المرسلین محمدن المصطفی رحمۃ للعالمین و علی آلہ الطیبین الطاہرین و علی ازواجہ الطاہرات امہات المؤمنین و علی سائر الصحابۃ و التابعین اجمعین

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِھِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْھِمْ وَاَثَابَھُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ﴿۱۸﴾ (فتح)

''یقیناً راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ مومنوں سے۔ جب وہ بیعت کر رہے تھے آپ کی درخت کے نیچے۔ پس جان لیا اس نے جو کچھ ان کے دلوں میں تھا۔ پس اتارا اس نے اطمینان کو ان پر اور بطور انعام انہیں یہ قریبی فتح بخشی''۔ (جمال القرآن)

آیت کا شان نزول اور پس منظر

یہ آیت طیبہ بشمول حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان تمام صحابہ کرام کی شان میں نازل ہوئی جنہوں نے صلح حدیبیہ کے موقعہ پر درخت کے نیچے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر بیعت کرنے کا شرف حاصل کیا تھا۔ واقعہ اس طرح ہوا۔

کہ ۶ ہجری ذی القعدہ کے مہینہ میں حضور سرور کائنات علیہ اطیب الصلوٰت واجمل التحیات اپنے چودہ سو صحابہ کرام اور جان نثاروں کے ساتھ عمرہ ادا کرنے کی نیت سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے انہوں نے احرام باندھے ہوئے تھے۔ قربانی کے جانور ساتھ تھے۔ ذاتی حفاظت کے لئے ایک تلوار کے علاوہ ان کے پاس کسی قسم کا سامان جنگ نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کے بندوں کا یہ گروہ اللہ تعالیٰ کے گھر کی زیارت کے شوق سے سرشار ہو کر مکہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اہل مکہ کو جب ان کی آمد کا علم ہوا تو انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ وہ کسی قیمت پر مسلمانوں کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو آپ کی اونٹنی قصویٰ وہاں بیٹھ گئی۔

لوگوں نے خیال کیا کہ وہ تھکاوٹ کی وجہ سے بیٹھ گئی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّمَا حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيلِ عَنْ مَكَّةَ اسے اس ذات نے آگے بڑھنے سے روک دیا ہے جس نے ہاتھیوں کو مکہ جانے سے روک دیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ یہیں فروکش ہو جاؤ چنانچہ وہ وہیں خیمہ زن ہو گئے اور کفار سے گفت وشنید کا سلسلہ جاری ہو گیا اور انہیں سمجھانے کی کوشش کی گئی کہ ہمارا مقصد صرف عمرہ کرنا ہے مکہ پر قبضہ کرنا نہیں لیکن وہ بضد تھے کہ کسی قیمت پر مسلمانوں کو عمرہ کرنے کے لئے مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے دوران گفتگو مختلف وفود کا تبادلہ ہوتا رہا لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دربار رسالت کی طرف سے سفیر بنا کر بھیجا تا کہ مصالحت کی کوئی صورت پیدا ہو جائے آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کے مطابق مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور اپنی طرف سے یقین دلانے کی بھرپور کوشش کی اور انہیں کہا کہ ہمارا مقصد جنگ کرنا نہیں اور نہ ہی ہم مکہ پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں بلکہ ہمارا مقصد صرف عمرہ کرنا ہے اس لئے تم ہمیں خانہ کعبہ کا طواف کرنے سے نہ روکو انہوں نے جواب دیا اے عثمان تمہیں طواف کرنے کی اجازت ہے آپ نے جواب دیا ''مَا كُنْتُ لِاَطُوْفَ بِالْبَيْتِ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَمْ يَطُفْ '' جب تک اللہ تعالیٰ کا پیارا رسول خانہ کعبہ کا طواف نہیں کرے گا میں طواف نہیں کروں گا۔''

آپ نے انہیں بتایا کہ ہم جنگ کرنے کی غرض سے نہیں آئے ہم نے احرام باندھا ہوا ہے۔ ھدی کے جانور ہمارے ساتھ ہیں۔ اسلحہ ہمارے پاس نہیں۔ اگر ہمارا ارادہ مکہ پر قبضہ کرنے یا تم سے جنگ کرنے کا ہوتا تو کیا ہم اس بے سروسامانی کی حالت میں یہاں

آتے۔ آپ نے انہیں یقین دلاتے کی پوری کوشش کی کہ ہم یہاں چند دن قیام کرنے کے بعد واپس چلے جائیں گے لیکن وہ اپنی ضد پر ڈٹے رہے۔ انہوں نے کہا ہم نے قسم کھائی ہے کہ مسلمانوں کو مکہ میں نہیں آنے دیں گے۔ آپ اس وقت واپس چلے جائیں۔ آئندہ سال کے بارے میں سوچا جا سکتا ہے۔ اہل مکہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس روک لیا تا کہ بات چیت کا سلسلہ جاری رہے۔

صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ حضرت عثمان کتنے خوش قسمت ہیں کہ خانہ کعبہ کا طواف بھی کریں گے۔ حجر اسود کا بوسہ لیں گے اور آب زمزم کے جام نوش فرمائیں گے اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کر کے سنت ہاجرہ ادا کریں گے تو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایسا نہیں ہو سکتا عثمان رضی اللہ عنہ میرے بغیر ہرگز ارکان عمرہ ادا نہیں کرے گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نگاہ نبوت سے مشاہدہ فرما رہے تھے اس کا جو حضرت عثمان وہاں کر رہے تھے اور جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا بعینہ اسی طرح ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کے سوا طواف کرنا گوارا نہ کیا۔

اسی اثناء میں یہ افواہ پھیل گئی کہ اہل مکہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعلان کر دیا کہ جب تک حضرت عثمان کے خون کا بدلہ نہیں لیں گے یہاں سے نہیں پلٹیں گے۔ صحابہ کو حکم دیا کہ وہ جان کی بازی لگا دینے کے لئے بیعت کریں سرور عالم ایک درخت کے نیچے جلوہ افروز ہیں۔ صحابہ کرام پروانوں کی طرح شوق شہادت سے سرشار بیعت کر رہے ہیں۔ انہیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ اپنے مرکز سے اڑھائی تین سو میل دور ہیں ان کی تعداد صرف چودہ پندرہ سو ہے۔ جنگ کے لئے جس قسم کے اسلحہ و ساز و سامان کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کا فقدان ہے۔ بادیہ نشین قبائل میں سے کوئی بھی ان کی مدد کرنے کے لئے تیار نہیں۔ دشمن اپنے علاقہ میں ہے۔ وہ مکہ کے سارے جنگجوؤں کو میدان میں لا سکتا ہے۔ ضرورت کے وقت ان کے دوست قبائل بھی ان کی کمک کو پہنچ سکتے ہیں۔ ان حالات کو سمجھتے ہوئے بھی وہ عشق اور ایمان کے تقاضوں سے باخبر ہیں اور

ان کو عمدگی سے پورا کرنے کی جرأت بھی رکھتے ہیں۔ نتائج سے بے خبر ہو کر وہ اپنے ہادی و مرشد کے دست مبارک پر سر کٹانے اور جان دینے کی بیعت کر رہے ہیں۔ سرفروشی، جان نثاری کا یہ روح پرور منظر فلک پیر نے کب دیکھا ہوگا۔ ان پاک باز اور نیک نہاد عشاق کے جذبہ ایثار پر عالم بالا کے مکینوں کو بھی وجد آ گیا ہوگا۔ اسی حالت میں جبرائیل آئے اور خداوند کریم کا یہ پیغام سنا کر شمع جمال مصطفوی کے پروانوں کو یوں مژدہ جانفزا سنایا۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ بے شک راضی ہو گیا اللہ مومنین سے جب وہ درخت کے نیچے آپ کے دست حق پرست پر سر دھڑ کی بازی لگانے کی بیعت کر رہے تھے یہ بیعت تاریخ اسلام میں بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے آج بھی اس کے تذکرہ سے ایمان کو جلا اور عشق کو نئی توانائیاں نصیب ہوتی ہیں۔

سیرت طیبہ کی کتابوں میں اس بیعت کا تذکرہ کچھ اس طرح کیا گیا ہے کہ جب درخت کے نیچے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جلوہ افروز ہوئے صحابہ کرام کو بیعت کی دعوت دی تو وہ پروانہ وار جوق در جوق سر دھڑ کی بازی لگانے کے لئے حاضر ہو رہے ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا چشم دید حال بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ بیعت اس بات پر تھی کہ جب تک ہمارے جسموں میں جان ہے۔ جب تک بدن میں خون کا ایک قطرہ موجود ہے ہم میدان جنگ میں ڈٹے رہیں گے اور اہل مکہ کو اس خیانت اور سفیر کشی کی عبرتناک سزا دیں گے۔

حضرت جابر کہتے ہیں کہ غلامان حبیب کبریا علیہ الصلوٰۃ والسلام پروانہ وار دوڑ دوڑ کر حاضر ہو رہے ہیں اور اپنے آقا و مولا کے دست مبارک پر اپنے ہاتھ رکھ کر جان بازی اور سرفروشی کی بیعت کر رہے ہیں۔ الغرض چودہ سو ہمراہیوں میں سے کوئی ایک بھی اس سعادت سے محروم نہ رہا۔ البتہ جد بن قیس جو حقیقت میں منافق تھا۔ اس نے بیعت نہ کی بخدا مجھے اب بھی وہ منظر نظر آ رہا ہے کہ وہ اپنی اونٹنی کے پیٹ کے ساتھ چمٹا ہوا تھا اور اپنے آپ کو لوگوں کی نظروں سے چھپانے کی کوشش کر رہا تھا جب تمام صحابہ کرام نے حضور علیہ

الصلوٰۃ والسلام کے دائیں ہاتھ پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے تو آپ نے اپنا بایاں ہاتھ باہر نکالا اور ان تمام کے اوپر رکھ دیا اور فرمایا نیچے والا ہاتھ میری طرف سے بیعت کے لئے ہے اور اوپر والا ہاتھ عثمان کی طرف سے ہے تو گویا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا ہاتھ عثمان کا ہاتھ قرار دیا اور انہیں بھی اس بیعت میں شریک کر لیا کیونکہ وہ بھی آپ کے حکم کے مطابق ہی سفارت کے فرائض انجام دینے کے لئے گئے ہوئے تھے کتنا خوش قسمت ہے عثمان جس کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ ان کا ہاتھ قرار دیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ کو اللہ تعالیٰ جو بے مثل بے مثال ہے نے اپنا ہاتھ قرار دیا اور اس کی اہمیت کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت طیبہ میں بیان فرمایا ہے اور فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ ۚ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ (فتح)

"(اے جان عالم) بے شک جو لوگ آپ کی بیعت کر رہے ہیں در حقیقت وہ اللہ سے بیعت کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ پس جس نے توڑ دیا اس بیعت کو تو اس کے توڑنے کا وبال اس کی ذات پر ہوگا اور جس نے ایفا کیا اس عہد کو جو اس نے اللہ سے کیا تو وہ اس کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔"

اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر واضح کر دیا کہ اللہ کے رسول کے دست مبارک پر ہاتھ رکھ کر بیعت کرنا کوئی معمولی بیعت نہیں۔ یہ ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے رسول کے ساتھ بیعت رسول کے خداوند ذوالجلال کے ساتھ بیعت ہے گویا تم اپنے رب کے ساتھ براہ راست معاہدہ کر رہے ہو۔ کہ اے ہمیں نیست سے ہست کرنے والے۔ اے ہمیں اپنے گونا گوں انعامات و احسانات سے سرفراز فرمانے والے۔ اے ہمارے نہاں خانہ دل میں شمع ایمان کو نور عشق سے فروزاں کرنے والے تیرے یہ بندے وعدہ کرتے ہیں کہ تیری رضا ہمارا حاصل زیست ہے اور اس کے حصول میں مرمٹنا ہماری معراج ہے۔

وعدہ کرنے والے تو بہت ہوتے ہیں لیکن اس کو نبھانے والے کم ہوتے ہیں وہاں اس بات کی بھی تصریح کر دی کہ جو وعدہ کر کے توڑے گا وہ اپنی ہی رسوائی اور روسیاہی کا باعث بنے گا لیکن جس نے پیمان وفا باندھا اور پھر اس کے تقاضوں کو پورا کیا۔ اللہ تعالیٰ اسے اجر عظیم عطا فرمائے گا جس اجر کو قرآن "عظیم" کہے اس کی عظمت کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔

بر سر عنوان آیت طیبہ میں ان مردان پاک باز، عاشقان وفا کیش، منزل مہر و وفا کے بلند اقبال مسافروں کا ذکر تعیین کے ساتھ کیا جا رہا ہے جنہوں نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست ہدایت بخشش پر بیعت کی اور پھر اس کا حق ادا کر دیا ساتھ ہی اس جان سپاری اور وفا شعاری کا جو صلہ بارگاہ رب جلیل سے انہیں ارزانی ہوا اس کو بیان کر دیا تا کہ دنیا دیکھ لے کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب کے غلام اس کے آغوش لطف و کرم کے پروردہ، اسلام کے لشکر کے یہ جیالے غازی کس قسم کے لوگ تھے یہ تو اللہ کی طرف سے ان وفا کیشوں کے لئے انعامات و اکرامات کے عطیات تھے جن کو اس مذکورہ آیت طیبہ میں بیان کیا گیا ہے۔ (ضیاء القرآن)

اب آیئے آقا علیہ التحیات والتسلیمات کی زبان حق ترجمان سے نکلے ہوئے ارشادات سنیئے اور ان خوش بختوں کو دیکھ کر شاداں و فرحاں ہو جایئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجئے کہ اس نے تمہارے آقا و مولا کو یہ وفا کیش غلام عطا فرمائے ہیں جن کے حصول کی حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی تمنا کرتے تھے۔

حضور سرور عالمیاں نے اپنے چودہ سو جان نثاروں اور سرفروش مجاہدین کے بارے میں اپنی زبان حق ترجمان سے فرمایا:

اَنْتُمْ خَیْرُ اَھْلِ الْاَرْضِ اَلْیَوْمَ اے اسلام کے قابل فخر مجاہدو! آج روئے زمین پر تم سب سے بہتر لوگ ہو۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد بھی منقول ہے لَا یَدْخُلُ النَّارَ اَحَدٌ مِمَّنْ بَایَعَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ۔ کہ جنہوں نے اس درخت کے نیچے میری بیعت کی تھی ان میں سے کوئی بھی دوزخ میں داخل نہیں ہوگا۔ (ابن کثیر)

ملا فتح اللہ کاشانی شیعہ اپنی تفسیر منہج الصادقین میں لکھتے ہیں۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب را در تحت شجرہ جمع کردہ۔ ایشاں را تجدید بیعت امر نمود اصحاب برغبت تمام وجدے لا کلام دست بر دست پیغمبر نہادہ بیعت کردند تا حین موت طریق متابعت باآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مرعی دارند و در ہیچ زماں طریق فرار سلوک نمایند و بجہت کمال رغبت ایشاں بود کہ ایں بیعت مسمی بہ بیعت رضواں و در اثناء آں ایں آیت نازل شد۔" (منہج الصادقین)

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب کو درخت کے نیچے جمع کیا اور انہیں از سر نو بیعت کا حکم دیا، صحابہ کرام انتہائی شوق و رغبت اور بڑی سنجیدگی سے آگے بڑھے اور حضور کے دست پاک پر ہاتھ رکھ کر اس بات پر بیعت کی کہ تادم واپسیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے راستہ پر گامزن رہیں گے اور کسی وقت بھی راہ فرار اختیار نہیں کریں گے۔ صحابہ کرام کے بے پناہ اشتیاق اور کامل رغبت کے باعث اس بیعت کا نام بیعت رضوان رکھا گیا اور اسی اثناء میں یہ آیت نازل ہوئی"۔

اس آیت طیبہ میں بیان کردہ جن انعامات و اکرامات کا ذکر کیا گیا ہے اور جسے اجر عظیم کہا گیا ہے ان میں باقی صحابہ کرام کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بطریق اولیٰ شریک ہیں کیونکہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف سے بیعت کرکے اور اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ کہہ کر جو انہیں اعزاز بخشا ہے اس پر عثمان جتنا ناز کریں وہ کم ہے۔ اس سے ایک طرف تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عثمان کی وفاداری، دیانت داری اور امانت و صداقت کی شہادت دی اور یہ بھی واضح کر دیا کہ حضرت عثمان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بغیر کعبہ کا طواف کرنا بھی گوارہ نہیں کرتے اور دوسری جانب ان کی زندگی کی بھی گواہی دے دی کہ آپ کو معلوم ہے کہ وہ زندہ ہیں شہید نہیں ہوئے کیونکہ بیعت زندوں سے لی جاتی ہے نہ کہ مردوں سے۔

اب یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسی زندگی میں اللہ تعالیٰ

نے اپنی رضا اور خوشنودی کی خوشخبری سنادی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حقائق سمجھنے اور تسلیم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

درج ذیل میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزید فضائل اور آپ کا خاندانی پس منظر بیان کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں اللہ تعالیٰ اسے عوام الناس کے نفع کا باعث بنائے اور مجھے اس کا اجر و ثواب عطا فرمائے۔ آمین

خاندانی پس منظر۔ پاکدامنی اور خوف الٰہی

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نام نامی اسم گرامی عثمان بن عفان ہے اور آپ کے دادا کا نسب اس طرح ہے ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف قریشی بنوامیہ خاندان سے تھے آپ کی والدہ کا نام اروی بنت کریز جن کی والدہ ام حکیم بنت عبدالمطلب تھیں والد کی طرف سے آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چوتھے دادا حضرت عبدالمناف سے جا کر ملتے ہیں اور والدہ کی طرف سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پھوپھی کے فرزند ہیں۔

آپ اسلام قبول کرنے سے پہلے بھی بڑے مالدار۔ بااثر، سخی اور تجارت پیشہ تھے۔ آپ واقعہ فیل کے بعد چھٹے سال نبوت نبوی سے 47 سال قبل پیدا ہوئے۔ آپ کا لقب ذی النورین ہے جس کی دو وجہیں لکھی گئی ہیں۔ (نمبر ۱) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے آپ کے عقد میں آئیں جیسے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔

نور کی سرکار سے پایا دو شالہ نور کا
ہو مبارک تجھ کو ذوالنورین جوڑا نور کا

دوسری وجہ یہ لکھی گئی ہے کہ آپ از حد سخی تھے اور آپ کی دو سخاوتیں تھیں، ایک اسلام قبول کرنے سے پہلے کی اور دوسری اسلام قبول کرنے کے بعد کی اور ان دونوں سخاوتوں کی وجہ سے آپ کو ذوالنورین کہا جاتا تھا۔

آپ زمانہ جاہلیت کی بری عادات سے منزہ اور مبرہ تھے۔ آپ فطری طور پر انتہائی

پاکدامن، پارسا اور عفیف تھے آپ کو جھوٹ سے از حد نفرت تھی۔ زمانہ جاہلیت میں بھی آپ نے نہ تو کبھی شراب پی تھی اور نہ ہی چوری، بدکاری اور بے حیائی کے کاموں کا کبھی ارتکاب کیا تھا۔ جبکہ ان چیزوں کے عرب عام عادی تھے آپ نے صدیق اکبر کی ہدایت پر اسلام قبول کیا اور اولون سابقون فی الاسلام میں ہیں آپ ان انتالیس میں سے ایک ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لاکر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور ان کے بعد فاروق اعظم نے ایمان قبول کر کے چالیس کے عدد کو مکمل کر دیا۔ آپ خشیت الٰہی سے اکثر آبدیدہ رہتے تھے۔ قبرستان سے گزرتے ہی آپ پر گریہ وزاری طاری ہو جاتی تھی اور آپ کی داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی جب لوگ اس قدر خوف زدہ ہونے کی وجہ دریافت کرتے تو فرماتے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قبر آخرت کی پہلی منزل ہے اگر اس مرحلہ میں کامیابی ہو جائے گی تو باقی منازل میں بھی کامرانی نصیب ہوگی اگر اس میں مشکل پیش آئی تو باقی تمام مراحل بھی کٹھن ہو جائیں گے۔

حضور ﷺ کے ساتھ محبت

آپ کو حضور علیہ اطیب التحیات واجمل التسلیمات سے بے حد محبت تھی، اکثر اوقات اپنے مال سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں تحائف بھیجا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ وضو فرمایا اور اس کے بعد مسکرانے لگے لوگوں نے مسکراہٹ کی وجہ پوچھی تو فرمایا میں نے ایک دفعہ وضو کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مسکراتے دیکھا تھا۔

راحت المحبین جو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جس کو حضرت خسروؒ نے مرتب کیا تھا۔ اس میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ خواجگاں نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی نے فرمایا۔ کہ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یار بھی تھے اور داماد بھی۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے داماد ہونے پر اتنا فخر اور خوشی تھی کہ جب آپ کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغموم اور پریشان دیکھا تو فرمایا کہ اگر میری سو

لڑکیاں بھی ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے سب کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیتا اس لئے کہ اہل زمین و آسمان ان پر فخر کرتے ہیں۔

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس جس قدر مال تھا اتنا صحابہ کرام میں سے کسی کے پاس بھی نہ تھا۔ آپ بہت زیادہ سخاوت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حدیث شریف میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں مال کی کثرت سے تنگ آ گیا ہوں آپ دعا فرمائیں اس میں کمی ہو جائے کیونکہ اس کی کثرت کی وجہ سے اطاعت خداوندی میں خلل واقع ہو رہا ہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا کرنے کا ارادہ فرمایا ہی تھا کہ حضرت جبرئیل امین حاضر ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان سنایا کہ حضرت عثمان کے مال میں کمی کی دعا نہ فرمانا کیونکہ وہ ہماری راہ میں مال خرچ کرتا ہے اور ہم اس کے مال میں اضافہ کر دیتے ہیں۔

حضرت سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اتنی محبت اور الفت تھی کہ آپ کے اشارہ ابرو پر اپنا مال قربان فرما دیتے تھے۔

ایک دفعہ آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے گھر آنے کی دعوت دی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہایت ہی شفقت فرماتے ہوئے دعوت قبول فرما لی اور ان کے گھر تشریف لائے۔ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے میزبانی کے فرائض ادا کرنے کی غرض سے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی آمد کی خوشی میں سترہ غلام آزاد کرتا ہوں کیونکہ میرے گھر اور مسجد کے درمیان سترہ قدم کا فاصلہ ہے اور میں ہر ہر قدم کے بدلے ایک ایک غلام آزاد کرتا ہوں۔

عجیب و غریب واقعہ

ایک سال خلافت فاروقی میں مدینہ طیبہ میں قحط پڑ گیا۔ گندم کے ذخائر ختم ہو گئے لوگوں پر بڑا مشکل وقت آ گیا۔ خلیفہ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ اعلان کر دیا کہ جب تک عام آدمی گندم کی روٹی اور گھی نہیں استعمال کرے گا تو میں بھی گندم کی روٹی اور

گھی ہرگز استعمال نہیں کروں گا آپ نے باہر سے گندم منگوانے کا اہتمام فرمایا مگر ابھی گندم کے ذخائر بیت المال تک نہیں پہنچے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تجارتی سامان میں گندم کے لدے ہوئے اونٹ بھی پہنچ گئے۔

حضرت عمر بہت خوش ہوئے اور اپنے خاص غلام کو بھیجا کہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہو کہ وہ ساری گندم بیت المال کو فروخت کر دے اور مناسب نفع حاصل کر لے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واپسی جواب میں کہا کہ میں تاجر ہوں اور آج نفع کمانے کا وقت ہے اس لئے میں تھوڑے نفع پر گندم فروخت نہیں کروں گا۔ فاروق اعظم نے کہلا بھیجا کہ ایک درھم کے بدلے ربع درہم۔ نصف درہم تک نفع لے لو اور گندم ہمیں فروخت کر دو تاکہ لوگوں کی تکلیف کو دور کیا جائے تو آپ نے پھر بھی وہی جواب دیا آج نفع کمانے کا موسم ہے میں اتنا قلیل نفع لے کر گندم فروخت نہیں کروں گا حضرت فاروق اعظم حیران ہوئے کہ کیا یہ وہی عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے جو از حد سخی تھا اور فی سبیل اللہ رقم پانی کی طرح بہاتا تھا کیا اب وہ اتنا کنجوس ہو گیا ہے کہ ایک درہم کے بدلے نصف درہم پر بھی گندم فروخت نہیں کرتا۔ لہٰذا حضرت فاروق اعظم نے فرمایا کہ اس سے زائد میں نفع نہیں دوں گا کیونکہ یہ غبن فاحش ہے۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد فاروق اعظم نے سنا کہ منادی دینے والا کہہ رہا تھا کہ جس کو جتنی گندم کی ضرورت ہے وہ حضرت عثمان کے گھر سے مفت لے جائے یہ سن کر فاروق اعظم حیرانگی اور استعجاب کے عالم میں ان کے پاس تشریف لے گئے اور کہا اے عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ! یہ کیا معاملہ ہے؟ کہ آپ درہم کے بدلے نصف درہم لینے پر تیار نہ تھے اب مفت تقسیم کر رہے ہو تو آپ نے فرمایا اے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! میں نے یہی کہا تھا کہ نفع کمانے کا وقت ہے میں تھوڑے نفع پر گندم فروخت نہیں کروں گا انہوں نے ہاں میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا کہ اب میں نے اس ذات کے ساتھ سودا کیا جو ایک کے بدلے سات سو عطا فرماتا ہے صرف سات سو ہی نہیں بلکہ بغیر حساب عطا فرماتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے اس ایثار پر از حد خوش ہوئے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی امت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے شمار تحائف لے کر آئے جو آپ نے بڑی ہی فراخ دلی کے ساتھ اپنے غلاموں میں تقسیم فرمائے ان میں سے دو تحفے آپ نے خصوصاً حضرت عثمان کو عطا فرمائے (۱) سخاوت (۲) حیاء۔

حیا کیا ہے؟

حیا کی تعریف میں مختلف اقوال ہیں جن کے ساتھ اس کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے۔

۱- اِنَّ الْحَیَاءَ صِفَۃٌ جَمِیْلَۃٌ مِنْ صِفَاتِ الْمَلَائِکَۃِ:- حیاء ایک ملکوتی خوبصورت صفت ہے۔

۲- لِکُلِّ دِیْنٍ خُلُقٌ وَ خُلُقُ الْاَسْلَامِ اَلْحَیَاءُ :- ہر دین کا ایک امتیازی اخلاقی ورثہ ہے اسلام کا امتیازی اخلاقی ورثہ حیاء ہے۔

۳- اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ وَالْاِیْمَانُ فِی الْجَنَّۃِ وَالْبَذَاءُ مِنَ الْجَفَاءِ وَالْجَفَاءُ فِی النَّارِ:- حیا ایمان کا حصہ ہے۔ ایمان جنت میں لے جاتا ہے۔ بے حیائی جفاء ہے اور جفاء دوزخ میں لے جاتی ہے۔

۴- اَلْحَیَاءُ لَایَاْتِیْ اِلَّا بِخَیْرٍ (مسلم، ترمذی، مشکوٰۃ) حیا جہاں ہوتا ہے وہاں نیکی ہی نیکی ہوتی ہے۔

۵- اَلْحَیَاءُ خَیْرٌ کُلُّہٗ:- حیاء سراپا بھلائی ہے۔

ان مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوا کہ حیاء ایک ایسی صفت ہے جو خوبصورت ہے اور خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو از حد پسند ہے اور یہ صفت حصول جنت کا سبب بھی ہے ان ہی روایات کی روشنی میں ہم حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حیاء کا نقشہ پیش کرتے ہیں۔

حضرت عثمان کا حیاء

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک دفعہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے حجرہ مبارکہ میں آرام فرما تھے اور آپ کی رانوں یا پنڈلیوں سے (قمیص مبارک ہٹی ہوئی تھی تو اسی اثناء میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دروازے پر حاضر ہوئے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی تو انہیں اجازت دے دی گئی اور آپ اسی حالت میں لیٹے رہے اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے انہوں نے بھی اجازت طلب کی جو انہیں دے دی گئی اور آپ اسی حالت میں رہے ان کی کوئی پرواہ نہ کی اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے اندر داخل ہونے کی اجازت طلب کی تو انہیں اجازت بھی دی گئی اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اٹھ کر بیٹھ گئے اور اپنے کپڑے بھی درست کر لئے تو جب وہ تشریف لے گئے تو میں نے عرض کی اے اللہ تعالیٰ کے رسول (آپ کی بھی عجیب شان ہے) ابوبکر داخل ہوئے تو آپ نے ان کے لئے کوئی اہتمام نہ فرمایا اور نہ ہی ان کی پرواہ کی پھر عمر آئے ان کیلئے بھی آپ نے نہ تو حرکت کی اور نہ ہی ان کی کوئی پرواہ کی مگر جب عثمان آئے تو آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور اپنے کپڑے درست فرما لئے۔ فَقَالَ اَلَا اَسْتَحْيِ مِنْ رَجُلٍ تَسْتَحْيِ منه الملائكة۔ کیا میں اس شخص سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حیاء کا یہ عالم تھا کہ غسل خانے کے اندر بھی کپڑا باندھ کر غسل فرماتے تھے۔

حضرت ابونعیم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عثمانُ اَحْيٰى اُمَّتِيْ وَاَكْرَمُهَا۔ کہ حضرت عثمان میری امت میں سب سے زیادہ باحیا اور سب سے زیادہ معزز ہیں۔

ابونعیم سے ہی ایک اور روایت مروی ہے: اِنَّ فِيْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا حَيَاءً عثمانَ

اس امت میں اس کے نبی کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ باحیاء ہیں۔

وَاَصْدَقُ اُمَّتِيْ حَيَاءً عُثْمَانُ۔ کہ میری امت میں حیاء کے اعتبار سے عثمان سب سے

زیادہ سچا ہے۔

یہی عفت و پاکدامنی تھی۔ اسی روحانی طہارت و نظافت اور اوصاف جمیلہ کے ساتھ متصف ہونے کی وجہ سے حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی دو پاکیزہ صفات شہزادیاں نکاح کر کے عطا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَ الْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَ الطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَ الطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ

اگر اس اصول کو سامنے رکھا جائے۔ تزکیہ قلوب و نگاہ کرنے والے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پاک نہاد حور شمائل دو صاحبزادیاں اپنے فرشتہ سیرت داماد کو عطا فرمائیں۔ امام اہلسنۃ فاضل بریلوی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

نور کی سرکار سے پایا دو شالہ نور کا

ہو مبارک تجھ کو ذوالنورین جوڑا نور کا

سخاوت عثمانی رضی اللہ عنہ بحوالہ قرآن وحدیث

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۙ﴿۵﴾ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۙ﴿۶﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ؕ﴿۷﴾

''پھر جس نے (راہ خدا میں اپنا) مال دیا اور (اس سے) ڈرتا رہا اور (جس نے) اچھی بات کی تصدیق کی۔ تو ہم آسان کردیں گے اس کے لئے آسان راہ''۔

(جمال القرآن)

آخری آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں۔

جس گروہ میں یہ تین صفات پائی جاتی ہیں ہم ان کے لئے وہ راہ آسان کردیتے ہیں جو انہیں ابدی فلاح اور حقیقی مسرتوں کی طرف لے جانے والی ہے۔ اس راہ پر چلنے کی لگن ہم ان کے دل میں پیدا کردیتے ہیں۔ اپنی منزل سے انہیں والہانہ عشق ہو جاتا ہے جو کام لگن اور عشق سے کیا جائے۔ وہ بظاہر کتنا کٹھن کیوں نہ ہو جذبہ عشق کی برکت سے وہ ذرا مشکل

نہیں ہوتا۔اس راہ کے کانٹے بھی پھولوں سے زیادہ پیارے لگتے ہیں۔ ہر مشکل گھاٹی راحتِ
کونئی لذتوں سے آشنا کر دیتی ہے۔نماز اس کے لئے بوجھ نہیں رہتی بلکہ اس کی روح کی غذا
بن جاتی ہے جس کے بغیر اسے قرار نہیں آتا۔عبادات کی ادائیگی میں اس کو گرانی محسوس نہیں
ہوتی بلکہ اسے خوشی و مسرت حاصل ہوتی ہے جس کا اندازہ ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔
اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنے کا شوق نئے نئے بہانے تلاش کرتا ہے۔اور جب
اس کی رضا کے لئے سر کٹانے کا موقع آتا ہے تو اس وقت اس کا ذوق سرفروشی فرشتوں کو بھی
محوِ حیرت کر دیتا ہے۔ (ضیاء القرآن جلد پنجم ص ۵۷۸)

ان آیات سے ہم یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے وَاتَّقٰی سے پہلے اَعْطٰی
ذکر فرمایا ہے۔اس سے پتہ چلا کہ راہ خدا میں مال عطا کرنا تقویٰ کا سبب بھی ہے۔اور اسی
عطاء خیر کے تمام راستے کھل جاتے ہیں۔اور اگر یوں کہا جائے کہ سخاوت کے بغیر باقی
تمام اعمال ادھورے رہ جاتے ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَاۤ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَاۤ
اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝
(البقرۃ 262)

"جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں پھر جو خرچ کیا اس کے پیچھے نہ
احسان جتاتے ہیں اور نہ دکھ دیتے ہیں انہیں کے لئے ثواب ہے ان کا ان کے
رب کے پاس نہ کوئی خوف ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے"۔(جمال القرآن)

تفسیر

یعنی خرچ بھی اللہ کے راستے میں ہو اور اسی کے لئے ہو تب اجر کی توقع ہے اور اگر
خرچ کے بعد احسان جتانا یا ستانا شروع کر دیا تو اللہ کے نزدیک اسے کوئی ثواب نہیں ملے
گا۔جنگ تبوک کے موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک ہزار دینار لے کر حاضر ہوئے اور
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جھولی میں ڈال دیئے۔

رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے حضرت عثمان کے حق میں ایسی دعا نکلی جس پر حضرت عثمان جتنا ناز کریں بجا ہے اور جتنا شکر کریں کم ہے حضور نے فرمایا:

مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ اللّٰهُمَّ لَا تَنْسَ هٰذَا الْيَوْمَ لِعُثْمَانَ۔

"اب عثمان جو کچھ کرتا رہے اس کا عمل اس کو نقصان نہیں دے گا۔ اے اللہ عثمان کے آج کے دن کی قربانی فراموش نہ کرنا"۔ (ضیاء القرآن جلد اول ص ۱۸۵)

اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ۔

"بلاشہ وہ لوگ جن کے لئے مقدر ہو چکی ہے ہماری طرف سے بھلائی تو وہی اس جہنم سے دور رکھے جائیں گے"۔

تفسیر

حسنیٰ سے مراد سعادت ازلی اور توفیق اطاعت ہے (روح المعانی) حضرت نعمان بن بشیر سے مروی ہے کہ سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے منبر پر یہ آیت تلاوت کی اور فرمایا کہ ابوبکر، عمر، عثمان، طلحہ، زبیر، سعد، سعید، عبدالرحمٰن اور ابو عبیدہ بن الجراح ان خوش نصیبوں میں سے ہیں۔ جن کو یہ مژدہ سنایا جا رہا ہے کہ وہ جہنم سے دور رکھے جائیں گے اور ان کا ٹھکانہ جنت الفردوس ہوگا۔

حدیث پاک میں ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ السَّخِيُّ قَرِيْبٌ مِنَ اللّٰهِ بَعِيْدٌ مِنَ النَّارِ قَرِيْبٌ مِنَ الْجَنَّةِ الخ (مترجم صحیح مسلم ج ۷)

قرآن وحدیث کی روشنی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سخاوت اور فیاضی کا ہم ایک واقعہ پیش کرتے ہیں۔

جسے ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ضیاء النبی جلد

چہارم کے صفحہ ۵۹۵ پر ذکر فرمایا ہے۔

آپ نے لشکر اسلام کے تیسرے حصے یعنی دس ہزار مجاہدین کے لئے سواری کے جانور اسلحہ، زرہیں اور دیگر ضروریات جہاد مہیا کیں۔ کلمۂ حق کو بلند کرنے کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس فیاضی سے اپنی دولت خرچ کی اس کی نظیر نہیں ملتی۔

حضرت امام احمد بن حنبل اور امام بیہقی حضرت حذیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ان کی آستین میں دس ہزار دینار تھے۔ وہ آپ نے فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جھولی میں پلٹ دیئے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان دیناروں کو الٹ پلٹ رہے ہیں اور ساتھ ہی دعا فرما رہے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِرْضَ عَنْ عُثْمَانَ فَاِنِّیْ عَنْهُ رَاضٍ۔

”اے اللہ عثمان سے راضی ہو جا میں اس سے راضی ہوں۔ پھر انہیں دعا دی“۔

غَفَرَ اللّٰهُ لَکَ یَا عُثْمَانُ مَا اَسْرَرْتَ وَمَا اَعْلَنْتَ وَ مَا ھُوَ کَائِنٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ مَا یُبَالِی مَا عَمِلَ بَعْدَھَا۔

”اے عثمان اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت کرے اس دولت پر جو تم نے مخفی رکھی اور جس کا تو نے اعلان کیا اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے عثمان کو کوئی پرواہ نہیں کہ آج کے بعد وہ کوئی عمل کرے یعنی اللہ تعالیٰ کی جناب میں وہ مقبول ہوگا“۔

شان عثمان غنی رضی اللہ عنہ بزبان مصطفیٰ ﷺ

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَعِدَ اُحُدًا وَ اَبَابَکْرٍ وَ عُمَرُ وَ عُثْمَانُ فَرَجِفَ بِھِمْ فَضَرَبَهٗ بِرِجْلِهٖ فَقَالَ اُثْبُتْ اُحُدُ فَاِنَّمَا عَلَیْکَ نَبِیٌّ وَصِدِّیْقٌ وَشَھِیْدَانِ۔ رواہ البخاری

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم احد پہاڑ پر چڑھے۔ پہاڑ کانپ اٹھا حضور صلی اللہ

علیہ وسلم نے اس پر اپنا قدم مبارک مارا اور فرمایا۔ اے احد ٹھہر جا تجھ پر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہیں"۔

اس حدیث پاک میں دونوں شہیدوں سے مراد حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما ہیں جن کی شہادت کی خبر اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت سے پہلے ہی دے دی تھی۔

جنت کی بشارت

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ کُنْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ حَائِطٍ مِنْ حِیْطَانِ الْمَدِیْنَۃِ فَجَاءَ رَجُلٌ فَاسْتَفْتَحَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِفْتَحْ لَہٗ وَبَشِّرْہُ بِالْجَنَّۃِ فَفَتَحْتُ لَہٗ فَاِذَا اَبُوْبَکْرٍ فَبَشَّرْتُہٗ بِمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللّٰہَ ثُمَّ جَاءَ رَجُلٌ فَاسْتَفْتَحَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِفْتَحْ لَہٗ وَ بَشِّرْہُ بِالْجَنَّۃِ فَفَتَحْتُ لَہٗ فَاِذَا عُمَرُ فَاَخْبَرْتُہٗ بِمَا قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللّٰہَ ثُمَّ اَسْتَفْتَحَ رَجُلٌ فَقَالَ لِیْ اِفْتَحْ لَہٗ وَبَشِّرْہُ بِالْجَنَّۃِ عَلٰی بَلْوٰی تُصِیْبُہٗ فَاِذَا عُثْمَانُ فَاَخْبَرْتُہٗ بِمَا قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللّٰہَ ثُمَّ قَالَ اللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ (متفق علیہ)

"حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ شریف کے باغوں میں سے ایک باغ میں تھا۔ کہ ایک شخص آیا اور اس نے دروازہ کھولنے کو کہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ دروازہ کھول دو اور آنے والے کو جنت کی خوشخبری سنا دو۔ وہ ابوبکر تھے میں نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے آگاہ کیا (انہیں جنت کی خوشخبری سنائی) انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

پھر ایک اور آدمی آیا اس نے بھی دروازہ کھولنے کو کہا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کے لئے دروازہ کھول دو اور انہیں جنت کی بشارت سناؤ۔ دروازہ کھولا تو حضرت عمر (سامنے موجود) تھے۔ میں نے انہیں سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی خوشخبری سنائی۔ انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ پھر ایک اور شخص نے دروازہ کھلوایا سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کے لئے بھی دروازہ کھول دو اور انہیں ایک مصیبت پر (صبر کرنے کی وجہ سے) جنت کی بشارت دو۔ میں نے (دروازہ کھولا) تو حضرت عثمان (سامنے موجود) تھے میں نے انہیں فرمان رسالت کے مطابق خوشخبری دی۔ انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور کہا اللہ ہی مددگار ہے"۔

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا نَقُوْلُ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ اَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ وَ عُثْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ۔ (رواہ الترمذی)

"ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہی کہا کرتے تھے۔ (امت میں سے سب سے بلند مرتبہ) ابوبکر (پھر) عمر (اور پھر) عثمان رضی اللہ عنہم ہیں"۔

اس کا مطلب ہے کہ دور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ہی ان عظیم ہستیوں کے فضائل و مراتب کا اس قدر شہرہ تھا اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کا ممتاز مقام تھا۔

عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ نَبِيٍّ رَفِيْقٌ وَ رَفِيْقِيْ يَعْنِيْ فِي الْجَنَّةِ عُثْمَانَ۔

(ترمذی)

"حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کا ایک رفیق ہوگا اور جنت میں میرے رفیق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہوں گے"۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنے والے کا جنازہ

عَنْ جَابِرٍ قَالَ اُتِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِجَنَازَۃِ رَجُل لِیُصَلِّیَ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیْہِ فَقِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَارَأَیْنَاکَ تَرَکْتَ الصَّلٰوۃَ عَلٰی اَحَدٍ قَبْل ھٰذَا قَالَ اِنَّہٗ کَانَ یُبْغِضُ عُثْمَانَ فَاَبْغَضَہُ اللّٰہُ۔

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک جنازہ لایا گیا۔ تا کہ آپ اس کا جنازہ پڑھیں لیکن آپ نے نماز جنازہ نہ پڑھی۔ عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول اس سے پہلے ہم نے آپ کو کسی کی نماز جنازہ چھوڑتے نہیں دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے دشمنی رکھتا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو اپنا دشمن سمجھا ہے''۔

اپنے دوستوں کی عزت وحرمت کا تحفظ اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتا ہے کہ جو شخص اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی اور جو شخص اپنی شومئ قسمت کی وجہ سے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا واستغفار سے محروم ہو گیا وہ دونوں جہانوں میں ناکام ونامراد ہو گیا۔ العیاذ باللہ جبکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شان یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ عُثْمَانَ رَضِیْتُ عَنْہُ وَ فَارْضَ عَنْہُ (البدایہ والنہایہ)

''اے اللہ میں عثمان سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا''۔

ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا اَوْ صَلُھُمْ لِلرَّحِمْ وَاَتْقَاھُمْ للربِّ حضرت عثمان ذوالنورین سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے اور سب سے زیادہ اپنے رب سے ڈرنے والے تھے۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مَاتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ ھُوَ عَنْہُ رَاضٍ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بوقت وصال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

سے راضی تھے۔

حضرت مولا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے۔

يُدعى فِي المَلاءِ الاعلى ذو النورين۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو آسمانوں میں بھی ذوالنورین کہا جاتا ہے۔

حضرت عثمان کی فضیلت بزبان امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل بے شمار ہیں ان تمام کا لکھنا ممکن نہیں۔ مشت از خلیان آپ کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور لوگوں کے لئے اسے نفع کا باعث بنائے۔ آخر میں چند باتیں لکھ کر اس وعظ کو ختم کرتا ہوں۔

جہاں حضرت نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے اوصاف حمیدہ بیان فرمائے ہیں وہاں آپ کے خانوادہ نے بھی حصہ لیا ہے اب آیئے سنئے آپ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسہ حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کیا فرماتے ہیں۔

اس واقعہ کو تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۲۶۷ پر دیلمی کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے۔ وہ اپنی کتاب المنتقی میں ذکر کرتے ہیں کہ

قَالَ الحسن رضى الله تعالىٰ عنه رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَنَامِ وَاضِعًا يَدَهُ عَلَى الْعَرْشِ وَرَأَيْتُ اَبَابَكْرٍ وَاضِعًا يَدَهُ عَلٰى مَنْكَب رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ رَاَيْتُ عُمَرَ وَاضِعًا يَدَهُ عَلٰى مَنْكَب اَبِىْ بَكْرٍ وَرَاَيْتُ عُثْمَانَ وَاضِعًا يَدَهُ عَلٰى مَنْكَبِ عُمَرَ وَرَاَيْتُ دَمًا دُوْنَهُ فَقُلْتُ مَا هٰذَا فَقَالُوْا دَمُ عُثْمَانَ يَطْلُبُ اللّٰهُ بِه۔ (تحفہ اثنا عشریہ)

"حضرت امام حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ نے اپنا ہاتھ عرش پر رکھا ہوا

ہے اور میں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے اپنا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے پر رکھا ہوا ہے اور میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے اپنا ہاتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کندھے پر رکھا ہوا ہے اور میں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے اپنا ہاتھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کندھے پر رکھا ہوا ہے اور میں نے ان کے سامنے خون دیکھا میں نے پوچھا یہ کیا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خون ہے جس کا بدلہ اللہ تعالیٰ سے طلب کر رہا ہے"۔

حضرت عثمان کی شہادت

اس واقعہ میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ آپ کو باغیوں نے ظلماً چالیس دن بھوکے پیاسے رکھ کر بغیر کسی وجہ کے شہید کر دیا تھا حالانکہ آپ ان کے تمام اعتراضات کا جواب دے چکے تھے لیکن عبداللہ بن سبا یہودی کی اسلام کے خلاف یہ سازش تھی جس میں سادہ لوح مسلمانوں کو اس نے شامل کر لیا تھا اور وہ اس سے مسلمانوں کے اندر اختلاف ڈالنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کی اختلاف کی اس وقت کی جلائی ہوئی آگ آج تک شعلہ زن ہے جس کے بجھنے کے بظاہر کوئی آثار نظر نہیں آتے۔

جب باغیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور ان کو مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے سے روک دیا اور پانی وغیرہ بند کر دیا اور یہ سلسلہ چالیس دن تک جاری رہا۔ بارہا دفعہ جلیل القدر صحابہ کرام نے عرض کی کہ ہمیں اجازت دیں کہ ہم بزور بازو ان باغیوں کو یہاں سے بھگا دیں لیکن آپ نے فرمایا کہ میں اپنی جان کی خاطر مدینہ طیبہ کی سرزمین میں کسی مسلمان کا خون بہانا گوارہ نہیں کرتا اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں وہ بہترین انتقام لینے والا ہے۔

اس موقعہ پر اتمام حجت کے لئے ایک دن آپ نے دیوار کے اوپر سے جھانک کر باغیوں کے سامنے ان خیالات کا اظہار کیا جس کو اسامہ بن حزن القشیری بیان کرتے

ہیں۔آپ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عثمان کے محاصرہ کے دن وہاں موجود تھا۔آپ دیوار کے اوپر سے محاصرین پر جھانکے اور فرمایا میں تمہیں اللہ اور اسلام کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ تم سچی بات کہو گے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ ہجرت فرما کر تشریف لائے اور وہاں مسلمانوں کے لئے کوئی میٹھے پانی کا ذریعہ نہ تھا جس سے وہ پیتے سوائے بیئر رومہ کے جو ایک یہودی کی ملکیت تھا اور وہ مسلمانوں کو منہ مانگے داموں پینے کے لئے پانی فروخت کرتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کون ہے جو بیئر رومہ کو خرید کر اس کے ڈول کو مسلمانوں کا ڈول بنادے اور اس کے بدلہ میں جنت میں اس سے بہتر اسے عطا کیا جائے گا تو میں نے اسے اپنے ذاتی مال سے خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔آج تم مجھے اس سے پانی کی بوند تک پینے سے روک رہے ہو اور مجھے مجبور کر رہے ہو کہ میں سمندر کا کھاری پانی پیوں تو انہوں نے بیک زبان کہا بالکل درست آپ نے کہا ہے پھر آپ نے فرمایا میں تمہیں خدا اور اسلام کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا تمہیں معلوم نہیں کہ مسجد نبوی جب نمازیوں کے لئے تنگ ہو گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو فلاں آدمی سے زمین کا ملحقہ ٹکڑا خرید لے تا کہ مسجد کو وسیع کیا جائے اور اس کے عوض جنت میں اس سے بہتر جگہ حاصل کر لے تو میں نے اسے اپنی ذاتی رقم سے خرید کر وقف کر دیا اور آج تم مجھے اس میں دو رکعت نماز ادا کرنے سے روک رہے ہو۔انہوں نے بیک زبان کہا آپ نے سچ کہا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا میں تمہیں اللہ تعالیٰ اور اسلام کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ میں نے جیش عسرۃ کی تیاری کے وقت اپنے مال سے جنگی ساز و سامان خریدنے کے لئے دس ہزار مجاہدین کے لئے سواری کے جانور، اسلحہ، زرہیں اور دیگر ضروریات جہاد مہیا کیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی کہ اے اللہ میں عثمان سے راضی ہوں تو بھی راضی ہو جا۔تو انہوں نے کہا ہاں یہ درست ہے اس کے بعد آپ نے فرمایا میں تمہیں اللہ اور اسلام کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا تمہیں خبر ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں ثبیر پہاڑ پر تشریف

لے گئے تو آپ کے ہمراہ ابوبکر، عمر اور میں بھی تھا کوہ ثبیرہ کو وجد میں آ گیا اور وہ حرکت کرنے لگا یہاں تک کہ اس کے پتھر نیچے پستی میں گرنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے قدم مبارک سے ٹھوکر ماری اور فرمایا اُسْکُنْ یَا ثَبِیْرَہ فانما عَلَیْکَ نَبِیٌّ وَ صَدِیْقٌ وَ شہیدان (اے ثبیرہ ساکن ہو جا بے شک تیرے اوپر ایک نبی ہے اور ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ انہوں نے کہا ہاں آپ نے سچ کہا تو آپ نے فرمایا رب کعبہ کی قسم میں شہید ہوں آپ نے تین بار یہی کلمات دہرائے۔ (ترمذی شریف)

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود انہوں نے دیوار پھاڑ کر اس وقت آپ کو شہید کر دیا جب آپ قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے اور پڑھ رہے تھے فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ (کہ تیری طرف سے اللہ تعالیٰ ان کو سزا دینے کے لئے کافی ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔

حضرت عثمان کے قاتلوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہما کی برأت کا اظہار

اہل بیت اطہار اور صحابہ کرام کی عظمت شان سے بے خبر لوگ ان پاک ہستیوں پر الزام لگانے اور طعن کرنے سے باز نہیں آتے لہٰذا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت میں بھی ان نفوس قدسیہ کو شامل کرنے کی ناپاک کوشش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ انہیں حق سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وہ کہتے ہیں کہ ہاشمی خاندان کے سرکردہ لوگ حضرت عثمان کی خلافت کے خلاف تھے اور انہیں شہید کرنے کی سازش میں شریک تھے حالانکہ یہ بالکل افتراء اور محض جھوٹ ہے حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی وہ ہستی ہے جو محاصرہ کے دوران باغیوں کی خواہش کے خلاف حضرت عثمان خلیفہ برحق کو رسد اور پانی پہنچاتے تھے آپ نے اپنے دونوں صاحبزادوں امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ان کی حفاظت کے لئے متعین فرمایا ہوا تھا جنہوں نے اپنی ذمہ داری کو خوب نبھایا اور دروازہ کی طرف سے ان کی وجہ سے کسی شرپسند کو حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی اور باغیوں نے پچھواڑے سے نقب لگا کر حملہ کیا اور آپ کو شہید کر دیا۔ (اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ)

جنگ جمل کے موقعہ پر حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ حضرت عثمان کے قتل میں شریک تھے یا اس سانحہ فاجعہ پر آپ خوش تھے تو آپ نے واشگاف الفاظ میں اس کی بھرپور تردید فرمائی اور کہا:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُبَرِّئُی اِلَیْکَ مِنْ دَمِ عُثْمَان وَلَقَدْ طَاشَ عَقْلِیْ یَوْمَ قَتَلَ عُثْمَانُ وَانْکَرَتْ نَفْسِیْ وَجَاءُ وْنِیْ لِلْبَیْعَةِ قُلْتُ لَھُمْ اَلاَ اَسْتَحْیِ اَنْ اُسْتَخْلَفَ بعد اَنْ قُتِلَ عُثْمَان ظُلْمًا اَمَامِیْ۔

''اے اللہ میں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ میں عثمان کے قتل سے بالکل بری ہوں حالانکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے وقت میرا خون کھول اٹھا اور میرے نفس نے اس فعل شنیع کو از حد ناپسند کیا۔ اور باغی میرے پاس بیعت کے لئے آئے تو میں نے انہیں کہا میں خلیفہ بنائے جانے سے حیا نہ کروں حالانکہ عثمان کو ظلماً میرے سامنے قتل کیا گیا ہے اور کہا میں اس سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں''۔ (تحفہ اثناء عشریہ)

حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ جو کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے صاحبزادہ ہیں وہ فرماتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ جمل کے دن کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت عثمان کے قاتلوں پر پہاڑوں اور پستیوں میں لعنت فرماتا رہے۔ آمین ثم آمین۔
(تحفہ اثناء عشریہ)

• اللہ تعالیٰ کی بارگاہ بے کس پناہ میں التجاء ہے وہ اس ناقص اور حقیری کوشش کو قبول فرمائے ان نفوس قدسیہ کے صدقے اس عاجز و ناقص کی خطاؤں کو معاف فرمائے اور اس کا انجام بالخیر فرمائے جو کچھ لکھا ہے اس کا مقصد یہ ہے۔

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾ - رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔

اَللّٰهم صل وسلم و بارک علی سید الانبیاء و المرسلین و عَلٰی آلِه واصحابه و ازواجه و علی امته و علی اولیاء امته و علی علماء امته اجمعین برحمتک۔

یا اَرْحم الراحمین – یا حیُّ یا قیوم برحمتک استغیث لا تکلنی اِلٰی نفسی طرفة عین و اصلح لی شانی کله۔

رَبِّ اَوْزِعْنِی اَنْ اشکر نعمتک التی انعمت عَلَیَّ و علٰی والدی وَاَنْ اَعْمَلَ صالحا تَرْضَاهَ وَاصْلِح لی فی ذریتی انی تبت الیک و انی من الْمُسْلِمِیْنَ۔

و اَللّٰهُمَّ اغفر لنا ولوالدینا ولاساتذتنا و لمشائخنا و لجمیع المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات الاحیاء منهم والاموات برحمتک یا ارحم الراحمین۔

وما توفیقی الا بالله علیه توکلت و الیه انیب

تمت بالخیر

الراقم:- حافظ محمد خان نوری ابدالوی

من خدام علماء دار العلوم محمدیہ غوثیہ

بھیرہ شریف ضلع سرگودھا

صاحبانِ ذوق و محبت اور اربابِ فکر و نظر

مژدۂ جانفزا

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر

حضرت ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کے

بہار آفریں قلم سے نکلا ہوا لازوال شاہکار

درد و سوز اور تحقیق و آگہی سے معمور تصنیف

ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مکمل سیٹ سات جلدیں

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور، کراچی۔ پاکستان